رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ نیاز بے نیاز

بریلوی

مصنف

مسعود حسین نظامی (گوہر میاںؒ)

نبیرہ سراج السالکینؒ

۸۲، نظامی آشرم، خواجہ قطب، بریلی

حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ

بریلوی

از

مسعود حسین نظامی



ملنے کا پتہ

نظامی آشرم ۸۲ - خواجہ قطب، بریلی، یوپی

نام کتاب	:	حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ بریلوی
مصنف	:	مسعود حسین نظامیؔ
سال طباعت	:	۲۰۱۴ء
مطبع		M. K. PRINTERS. 9810093901, DELHI-6.
قیمت	:	۶۰۰ روپے
تعداد	:	۵۰۰



ملنے کا پتہ

نظامی آشرم ۸۲۔ خواجہ قطب، بریلی، یوپی

فہرست مضامین

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

باب ششم

باب ہفتم

احوال مصنف

اسم گرامی : مسعود حسین نظامی عرف گوہر میاں

والد کا اسم گرامی : حضرت شاہ محمد صادق نظامیؒ عرف سچے میاں

والدہ کا اسم گرامی: سیدہ مسعودی بیگمؒ

ولادت : ۲۶/جون ۱۹۳۸ء بمقام بریلی

وفات : ۱۱/جولائی ۲۰۱۲ء بمطابق ۲۱/شعبان ۱۴۳۳ھ بروز بدھ ۱۱ بجے شب

دفن : ۱۲/جولائی ۲۰۱۲ء بمطابق ۲۲/شعبان ۱۴۳۳ھ بروز جمعرات بعد نماز عصر بمقام بریلی

تعلیم : ابتدائی گھریلو تعلیم کے بعد مدرسہ اشاعت العلوم، سرائے شام، بریلی کے جید عالم مولانا عبدالرؤف صاحب مرحوم سے عربی اور قرآن شریف مع ترجمہ پڑھا۔

ہائی اسکول : اسلامیہ انٹر کالج، بریلی سے پاس کیا۔ ۱۹۵۵ء

انٹرمیڈیٹ : اسلامیہ انٹر کالج، بریلی میں فرسٹ ڈویژن حاصل کیا ۱۹۵۸ء

بی۔اے :بریلی کالج سے امتیازی نمبر حاصل کر کے پاس کیا۔ ۱۹۶۰ء

ایم۔اے : (فارسی) کی ڈگری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ گولڈ میڈل کے ساتھ حاصل



مسعود حسین نظامی گوہر میاں (مصنف)

Scanned with CamScanner

کی۔۱۹۶۲ء

ملازمت : استادفارسی: مدرسہ اشاعت العلوم، بریلی ۷۷-۱۹۶۳ء

لکچررفارسی : اسلامیہ انٹرکالج، شاہجہاں پور ۹۸-۱۹۷۷ء

ریٹائرمنٹ : اسلامیہ انٹرکالج، شاہجہاں پور، جون ۱۹۹۸ء

استعدادزبان دانی : اردو، فارسی، عربی، سنسکرت، ہندی، برج بھاشا، اودھی، انگریزی، پنجابی، گرومکھی اور پشتو کے علاوہ مشرقی علوم اور دینیات پر مکمل عبور تھا۔

شادی : ان کی شادی محترمہ سیدہ فریدہ نظامی سے جو کہ حضرت سیدنا جلال الدین بخاری کے خانوادے سے تعلق رکھتی ہیں۔۱۱رنومبر ۱۹۷۹ء میں رام پور میں ہوئی۔ دو صاحبزادیاں، نازیہ نظامی اور نیلوفر نظامی پیدا ہوئیں۔

تصنیفات : 1- حضرت بابا فریدؒ کی انسانی تعلیمات

2- محرم نامہ مطبوعہ

3- تسبیہات چشتیہ

4- دیوان نیاز بے نیازؒ عربی، فارسی، اردو اور ہندی کلام، غیر مطبوعہ

5- حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ سوانح حیات وسیرت مقدمہ غیر مطبوعہ

نظامی آشرم : ۱۹۶۵ء نے نظامیہ چشتیہ سلسلے کی تعلیمات اور رسومات کی اشاعت کے لیے اپنے گھر، متصل خانقاہ نیازیہ، بریلی میں 'نظامی آشرم' ایک ادارہ قائم کیا جہاں عرس اور بسنت کی تقریبات کا اہتمام ہوتا تھا۔

میرے پیارے والد دنیا کے سب سے پیارے والد اور ان جیسا والد دنیا جہان میں ہونا بہت ہی مشکل ہے۔انہوں نے ہم کو ہر طرح کی خوشیوں سے نوازا، انہوں نے ہماری چھوٹی سی خواہش تک کا حد درجہ خیال رکھا کہ اُن کا دل چھوٹا نہ ہو خود سے پہلے انہوں نے ہم کو چیزیں حاصل کرائیں کسی بھی چیز کی کوتاہی نہیں برتی ہر نعمت سے آراستہ کیا جس چیز کی بھی فرمائش کی انہوں نے منہ سے نکلی چیز فوراً حاضر کردی، انہوں نے ہمارے روشن مستقبل کے لئے بہت محنت کی وہ شاہجہانپور جاتے تھے، جاڑا، گرمی، برسات کسی بھی موسم کی پرواہ نہیں کی، کڑاکڑی جاڑے میں ٹھٹھرتے ہوئے کالج جاتے تھے اور اپنی پاک محنت کی کمائی میں نئی سے نئی چیزیں فراہم کرتے تھے اور حد سے زیادہ دل جوئی کرتے تھے کبھی آنکھ میں آنسو نہیں آنے دیتے تھے۔ مجھے آج بھی ان کی پیار بھری باتیں یاد ہیں کہ جب ہم چھوٹے تھے وہ شاہجہانپور جاتے تو ہمارے سرہانے پیسے رکھ جاتے تھے اور جب وہ آتے تو ہم سوتے ملتے تھے بس ایک اتوار ایسا دن ہوتا کہ جیسے ہماری عید ہوگئی ہو ساری خوشیاں اللہ پاک نے ہماری جھولی میں ڈال دی ہوں۔ خوب ان کے ساتھ مزے کا وقت گزرتا تھا اور اُن کے ساتھ لطف اٹھاتے تھے وہ گھمانے کے بہت ہی شوقین تھے ہم لوگوں کو پارک لے جاتے تھے اور ہمارے کزنس بہت خوش ہوتے تھے اُن کی محفل میں، اُن کو تقریبات ہمارے لئے کرنے کا بہت ہی شوق تھا کچھ نہ کچھ آئے روز تقریب کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے میرے لئے بہت کچھ کیا ہے جسے میں ہمیشہ زندگی بھر یاد رکھوں گی۔ انہوں نے میری ہائی اسکول کی 1st آنے کی پارٹی سے لے کر M.A تک انہوں نے بڑے جوش وخروش سے تقریبات میں بہترین تحفوں سے نوازا وہ میری زندگی میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں وہ میرے لئے بیش قیمتی سرمایہ تھے۔

ابھی حال میں انہوں نے بڑے شوق ارمان سے محمد مجیب فرشوری سے میری شادی کی تھی وہ میری عمر بھر کے لئے تحفہ دے گئے اور میری نظر میں سب سے بہترین شادی کر گئے۔ میری شادی کے ۱۹ر مہینے بعد ان کا وصال ہو گیا اور انتقال سے پہلے میری سالگرہ کی اور خوب ساز وسامان میرے لئے جوڑا چوڑیاں سب سامان لے کر آئے وہ جوڑا میرے لئے اُن کا تبرک ہو گیا میں آج بھی عقیدت سے وہ جوڑا پہنتی ہوں اور بہت ہی مجھے مسرت حاصل ہوتی ہے اور میری زندگی کی سب سے پیاری لطف اندوز سالگرہ کے وہ لمحات میں کبھی نہیں بھول سکتی جس میں وہ موجود تھے اور میری وہ سالگرہ سب سے یادگار سالگرہ تھی۔ آخری سالگرہ ان کے ساتھ منائی میری زندگی میں بہت سالگرہیں ہوں گی مگر اس جیسی نہیں جس میں وہ موجود تھے۔ ہر پل مجھ کو بہت یاد آتے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے وہ میرے بہت ہی قریب ہیں ہمیشہ میرے پاس موجود رہیں گے اور خدا سے یہ دُعا کرتی ہوں کہ ہر اولاد کو ایسے ہی شفقت رکھنے والے والد ملیں تو اُن کی زندگی جنت ہو جائے گی۔ میں اب آخر میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میرے لئے میرے والد ایک جاں نثار والد اور وہ ایک خوبصورت پھول کی مانند ہیں جس کی خوشبو سے میری تمام زندگی خوشیوں سے مہکتی رہے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتی ہوں کہ میرے والد کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا ہو۔ آمین

ان کی بڑی صاحبزادی

نازیہ مجیب فرشوری

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہوں جسے

پاپا کے ساتھ میری زندگی کا سب سے اچھا وقت گزرا، لگتا ہے وہ میری زندگی کا سب حسین خواب تھا۔ پاپا ہم دونوں بہنوں کے ساتھ ایسے تھے کہ شاید ہی کوئی باپ اتنا مہربان ہوتا ہو، وہ امی کے ساتھ ایسے کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا ایسا شوہر سب کو دے، ہماری ہر فرمائش کہنے سے پہلے ہی پوری کر دیتے۔ انہوں نے ہماری سپورٹ ہر طرح سے کی چاہے وہ پروجیکٹ ہو کالج کا یا ہماری پڑھائی، کھانا پکانا سیکھنا انہوں نے میری امی کو بھی کھانا پکانا سکھایا اور ہمیں بھی۔ انہوں نے کبھی بھی ناگواری کا مظاہرہ نہیں کیا، ہر بات خدا کا شکر ادا کر کے ہمت سے قبول کی۔ وہ چاہے میری امی کا چار سالہ مرض ہو انہوں نے ہمیں محسوس نہیں ہونے دیا امی کا ایک وقت ایسا تھا کہ نہ بول سکتی تھیں نہ چل سکتی تھیں مگر ان کی ہمت اور دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ میں نے اپنی مرتی ہوئی ماں کو زندہ ہوتے دیکھا۔ انہوں نے ہمیشہ کہا خدا پر بھروسہ اور عقیدہ رکھو وہ کبھی تمہارے حق میں غلط نہیں کر سکتا، ان چار سالوں میں انہوں نے ہماری ماں اور باپ دونوں کا فرض نبھایا، امی کو اس بیماری سے ٹھیک کر دیا اور بہترین دوست بن کر۔ گھر کے ایسے ماحول میں بھی انتہائی خوشگواری کا ماحول بنائے رکھا۔ امی کی لمبی بیماری اور اسی درمیان آپا کی شادی سب کچھ اس سلیقے، اس نفاست سے کیا کہ آج بھی لوگ رشک کرتے ہیں۔ ان کے چہرے پر بھی چاہے وہ گھر میں ہو یا باہر پیشانی پر سلوٹ نہیں آئی۔ جب میں

مایوس ہوکر کہتی دعا کریں سب جلدی ٹھیک ہو جائے تو وہ مسکرا کر کہتے اس کا مطلب ہے کہ خدا ہم سے زیادہ خوش ہے۔ وہ کبھی نہ خود گھبرائے نہ ہمیں گھبرانا سکھایا۔کبھی ہنس کر کہتے ''اے غم دل کیا کروں اے وحشت دل کیا کروں پیر بن جاؤں کیا قوالی سنوں'' انہوں نے بہت سادہ زندگی گزاری۔ ان کی یادداشت اتنی اچھی تھی کہ میں نے اپنی زندگی میں ایسی یادداشت کسی کی نہیں دیکھی۔ ہر بات کا ہر جواب ان کے پاس موجود تھا، ان کی سوچ، ان کی قابلیت، ان کی حاضر جوابی کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

وہ ہر عمر کے لوگوں سے ویسے ہی ان کے ہم خیال باتیں کرتے، سننے والے انہیں سنتے رہ جاتے، عالموں میں عالموں والی باتیں اور عالم ان کی باتیں سن کر جھوم جاتے، نوجوانوں کے وہ آئیڈیل تھے میری کتنی ہی دوستوں کے وہ آئیڈیل تھے، ہر وہ محفل کی جان ہوتے تھے، لوگ ان کے آنے جانے کو سن کر کتنی ہی دور سے ان سے ملنے ان کی محفلوں میں شرکت کرنے آجاتے۔ میں نے ان کے ساتھ سفر بہت کیا، کبھی سیمینار میں کبھی کسی جلسے میں شرکت کرتے، نئی جگہوں کے بازار گھماتے ان شہروں کی خاصیت بتاتے ان کے ساتھ سفر بہت پرلطف رہتا۔ سفر میں مجھے تو مزہ آتا ہی تھا ساتھ میں ان مسافروں کو بھی لطف آتا جو ساتھ ہوتے، ہر ایک ان سے دوبارہ ملنے کی خواہش کرتا۔

انہوں نے خود تقویٰ کیا اس کی شروعات گھر ہی سے کی نہ انہوں نے خود نماز چھوڑی نہ اپنے ساتھ والوں کو چھوڑنے دی۔ جانے کتنے وظیفے انہیں منہ زبانی یاد تھے، قرآن شریف کی کوئی بھی آیت ہم ان کے سامنے پڑھتے اور وہ ترجمہ سمیت پوری کر دیتے۔ ان کے سر پر ہاتھ رکھنے سے شفا ہو جاتی۔ اتنی برکت والے اتنی بزرگی والے تھے وہ۔ پاپا کہتے کہ مرنے کا کلینڈر جلدی چلتا ہے پر اگر وہ مجھے ملتے تو میں انہیں بتاتی کہ ان کے انتقال کو اتنا وقت ہونے کے بعد بھی لگتا ہے یہ کل کی بات ہے میرے لیے یہ وقت رک سا گیا ہے۔

میرے لئے وہ ایک بہترین باپ، قیمتی دوست، ایک پرفیکٹ فلاسفر، ایک ماڈرن شخصیت، ایک سلیقے مند ماں اور استاد، ایک عمدہ خانسامہ سب کچھ تھے۔ انہوں نے مجھے بہت کچھ سکھایا، ان کے ساتھ ہر جگہ جاتی وہ شاہجہاںپور میں فارسی کے لیکچرر تھے، صبح چار بجے

اور رات میں دس بجے تک یا اور بعد تک واپسی ہوتی اکثر ٹرینیں لیٹ ہو جاتیں۔ بچپن میں وہ ہمیں ہر اتوار کو کبھی پارک، کبھی دوستوں میں، کبھی کسی سکون کی جگہ گھمانے لے جاتے، اکثر ہمارے بچپن میں ایسا ہوتا کی ہمارے لئے ٹافی، چاکلیٹ لاتے اور امی بتاتیں کہ پاپا کافی لیٹ آئے تھے اور صبح تم لوگوں کے اٹھنے سے پہلے چلے گئے اس لئے رکھ کر گئے ہیں۔

انہوں نے مجھے کھانا پکانا سکھایا، لکھنا سکھایا ان کی جیسی حسین رائٹنگ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ انہوں نے مجھے کپڑے سینا سکھایا، پینٹنگ کرنا سکھایا، وہ بہت اچھے آرٹسٹ تھے، شاید ہی کوئی کام ایسا ہو جو انہیں نہ آتا ہو۔

اس کتاب کو لکھنے میں انہوں نے اپنی پوری زندگی لگا دی۔ حضرت حضور قبلہ پر انہوں نے اتنی تفصیل میں لکھا ہے کہ تعریف کے لیے الفاظ نہیں ملتے۔ اس کتاب کو جب آپ لوگ پڑھیں گے تو ان کے حسن ادائیگی کا لطف لے سکیں گے۔ حضرت کی ہر بات کو، ہر انداز کو انہوں نے لکھا ہے یا کہہ سکتے ہیں جیا ہے، وہ رات کے ڈھائی تین بجے سے لکھنا شروع کر دیتے تھے۔

میں نے اپنی پوری زندگی میں انہیں لکھتے اور پڑھتے ہی دیکھا ہے، رات اور دن چوبیس گھنٹے میں ۱۸-۱۹ گھنٹے وہ لکھتے اور پڑھتے تھے۔

لوگوں سے ملاقات کے سلسلے میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔ ملنے والے اکثر ان کے پاس دیر تک بیٹھنے کے لئے آ جاتے تھے، تو کبھی کبھی وہ کہتے اچھا بات ختم ہوئی خدا حافظ۔ ان کا کہنا تھا، پہلے اپنا کام اپنا کاروبار دیکھو، کوئی پریشانی ہو یا تکلیف تو مجھے بتاؤ میں اللہ سے دعا کروں گا۔

ان کے پاس اتنے لوگ آتے کہ کبھی کبھی لکھنے، پڑھنے کے لئے وقت ہی نہیں ملتا تو کہتے ان لوگوں نے تو حد کر دی ہے۔ انہوں نے حضرت نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اتنا لکھا اتنی باتیں کہ اکثر لگتا تھا وہ اس وقت کو جی رہے ہیں وہ ہر ٹاپک پر بولتے تھے۔ یہاں تک کہ بات کرنے والے ان کی یادداشت ان کے غضب کے ذہین ہونے پر حیران ہو جاتے تھے۔

جب لوگ انہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دیتے تو اکثر ہنس کر کہتے میاں "گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے اور کہتے ہیں بہت غریب آدمی ہوں بڑے کھڑے بیسن کی روٹی اور بغیر نمک مرچ تیل کا سالن کھانے کی عادت ہے۔

جب وہ حج پر گئے تو دعا مانگ کر گئے کہ کوئی انہیں حاجی نہ کہے وہ کہتے حج میں نے اس لئے کیا ہے کہ اللہ اسے قبول کرے نہ کہ حاجی کہلانے سے کوئی ثواب ملے۔ انہوں نے علی گڑھ میں تعلیم حاصل کی تھی فارسی میں ایم اے گولڈ میڈلسٹ تھے۔ ایک بہترین استاد، ان کے شاگرد اکثر بتاتے ہیں کہ انٹر کے لڑکوں کو بھی وہ بچے کی طرح پڑھاتے اور کبھی انہیں ٹافی دیتے تو کبھی بھی فیس لیٹ ہونے پر ناراض نہیں ہوتے بلکہ اپنے پاس سے ہی فیس دے دیتے۔

مہربان، نفیس، خوش مزاج، سلیقے مند، قابل میرے پورے خاندان کو فخر ہے ان کی قابلیت پر آپ ہم دونوں بہنوں کے ساتھ ایسے کہ شاید ہی کوئی باپ اتنا مہربان ہو، ہماری ہر بات میں شریک ایک بہترین دوست کی طرح، ہر ایک فرمائش کہنے سے پہلے پوری کر دیتے۔ جب لگتا کہ شاید اب ہمت نہیں یہ کام نہیں ہوگا وہ فوراً ہمت افزائی کرتے میں نے جب پیچھے مڑ کر دیکھا انہیں ساتھ پایا، آج بھی ایسا لگتا ہے وہ میری ہمت میرا حوصلہ بڑھا رہے ہیں، وہ اکثر کہتے جب کرو گی تو سنو گی اس لئے تیار رہو، آج بھی بس ان کو تصور میں محسوس کر لینے سے ہی بے انتہا ہمت آجاتی ہے وہ ہم دونوں بہنوں کے لئے امی کے لئے ایسے رہے جیسے سخت دھوپ میں گھنا سایہ بے تحاشہ مہربان، ایک ایسا احساس کہ ان کی بات سے ان کے انداز سے ہم دنیا کی ہر پریشانی بھول جاتے۔

شب برات کی بیس کو تہجد میں جگاتے میں ان کے کان میں کسی نے تین بار موت کہا اور صبح ایک تفصیلی بات چیت کے درمیان انہوں نے مجھے یہ تنہا بتایا تو میں حیران تھی اور وہ مسکرا رہے تھے۔

عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد وہ تسبیح پڑھتے تھے، ان کا انتقال میرے ہی ہاتھوں میں ہوا آج بھی یقین نہیں آتا کہ وہ مجھے اور امی کو اکیلا چھوڑ گئے ہیں۔ وہ اکثر کہتے۔ میں سو جاؤں یا مصطفیٰ کہتے کہتے۔

انہوں نے یوں تو بہت کچھ لکھا ہے لیکن ۴۲ سال سے وہ حضرت نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ علیہ کی حیات لکھ رہے تھے، مگر امی کی بیماری یا کبھی ان کی خود کی خرابیٔ صحت کی وجہ سے دیر ہوتی گئی۔ لوگوں کو ان کی کتاب کے چھپ جانے کا بہت اشتیاق تھا، لیکن وقت اور حالات کچھ ایسے بنے کہ یہ کام انجام نہ دے سکے۔

اس لئے اب میں ان کی کتاب کو ان کی طرف سے آپ سب کی خدمت میں حاضر کرتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ آگے بھی ان کے خیال ان کی سوچ اور ان کاوشوں کو آپ کے روبرو کراؤں، آپ سبھی لوگ ان کی مغفرت کی دعا کریں اور اللہ ان کو جنت میں اونچے مقام پر جگہ دے۔

ساون کے دن تھے شب برات کے ماس، پاپا جائے بسے اللہ جی کے پاس

نظامی آشرم۔ محلّہ خواجہ قطب۔ بریلی

نیلوفر نظامی

حضرت گوہر میاںؒ

حضرت گوہر میاں صاحب مدظلہ العالی حضرت نیاز بے نیازؒ کی اولاد ہیں اور سلسلۂ نیازیہ کے ایک مقتدر بزرگ ہونے کے ساتھ ہی صوفی صحافی اور عالم باعمل ہیں۔ تصنیف وتالیف سے آپ کو ہمیشہ شغف رہے۔ اپنے جدامجد حضرت نیاز بے نیازؒ کے حوالے سے آپ نے قابل قدر تحقیقی کام انجام دیئے ہیں۔ پیش نظر تصنیف۔ سرکار نیاز بے نیاز کے حالات وکوائف پر ایک مستند اور معتبر تخلیق ہے جسے دنیائے تصوف میں قدر اور احترام کی نظروں سے دیکھا جائے گا۔ میں حضرت گوہر میاں صاحب قبلہ کے سامنے ایک طفل مکتب ہوں لیکن سلسلہ نیازیہ سے منسلک ہونے کی وجہ سے احساس قربت زیادہ ہے۔ میں بفضل تعالیٰ حضرت مسکین شاہ صاحبؒ کی اولاد اور آپ سجادہ نشین ومتولی ہونے پر شکر اور فخر کرتا ہوں۔ حضرت موصوف براہ راست سرکار نیاز بے نیاز کے محبوب خلیفہ تھے۔ اسی لیے یہ روحانی رشتہ بحمد اللہ آج بھی محکم ہے اسی لیے چھوٹا منہ اور بڑی بات کے مصداق ہی سہی یہ چند سطور تحریر کر کے خوشی محسوس کر رہا ہوں۔

حضرت نیاز بے نیازؒ کا صوفیانہ کلام زباں زد خاص وعام ہے آپ کے ملفوظات اہل باطن کے لیے مشعل راہ ہیں۔ پیش نظر کتاب میں حضرت قبلہ کے احوال وکوائف اور سوانح پر جو روشنی ڈالی گئی ہے وہ خاصے کی چیز ہے مستقبل کے لیے اس کاوش سے تحقیق کی نئی راہیں کھلیں گی۔

ہندوستان کا مستقبل ان ہی صوفیائے کرام کی خانقاہوں اور خانوادوں کی تعلیمات سے ہی روشن ہوگا اس بات کو اب خواص ہی نہیں عوام بھی پوری طرح سمجھ چکے ہیں۔ زمانے کی بدلتی ہوئی رفتار کے ساتھ ہمارے ملک میں فارسی کی جگہ اردو نے لی ہے۔ لہٰذا صوفیا کی تعلیمات کو زبان حال میں منتقل کر کے ہی عوام کی فیض رسانی ممکن ہے۔ گوہر میاں صاحب نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس کے لیے نہ صرف میں بلکہ تمام عالم انسانیت اظہار ممنونیت کرے گا۔ یہ کتاب مشعل راہ ہی نہیں مینارۂ نور ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ

۲۶؍ رجب ۱۴۳۴ھ

فقیر در مسکین سید عمر الحق شاہ غنی عنہ

سجادہ نشین و متولی

حضرت مسکین شاہ صاحبؒ نیازی، جے پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت شاہ نیاز احمد صاحب قبلہ بانی سلسلۂ وخانقاہ نیازیہ بریلی، روہیل کھنڈ چشتیہ سلسلۂ کے ۱۸ ویں صدی کے ایک اہم شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ فخرالدین دہلوی کے نامور خلیفہ تھے۔آپ معرفت طریقت اور علوم دینوی کے ماہر ہونے کے ساتھ ایک قادرالکلام شاعر بھی تھے۔ایک اندازہ کے مطابق آپ کا دیوان اب تک تقریباً پچاس مرتبہ مختلف شہروں سے شائع ہو چکا ہے۔

آپ کی خانقاہ روہیل کھنڈ کے علاقے میں ایک اہم چشتی سلسلۂ کے مرکز کے طور پر مشہور ہوئی اور ہزاروں تشنہ گان معرفت کی آبیاری کی۔آپ کے بے شمار خلیفہ اور لاتعداد مریدین ہندوستان، افغانستان اور ایران تک پھیلے ہوئے تھے۔آج بھی آپ کی خانقاہ چشتی سلسلۂ کا ایک اہم مرکز ہے اور سلسلۂ رشد وہدایت آپ کے سجادگان اور آپ کے خانوادہ کے افراد کے ذریعہ جاری ہے اور خدا کرے یہ سلسلۂ اسی طرح آگے بھی جاری رہے۔آمین

حضرت شاہ نیاز احمد صاحب اور آپ کے پیر مرشد حضرت مولانا فخرالدین دہلوی کا دور چشتی سلسلۂ کے لئے ایک آزمائش کا دور تھا۔اول بہ ایں معنی کہ سلسلے کے ناقدین نے

محدث دہلوی نے بھی یہ مسئلہ دوبارہ زور و شور سے اٹھایا اور گویا اس سلسلہ کی اساس پر چوٹ کی۔ اس کے جواب میں نہایت ہی مدلل انداز میں اور بطریق محدثانہ حضرت مولانا شاہ فخر الدین دہلوی نے رسالۂ فخر الحسن تصنیف کیا۔ اس رسالہ میں جہاں حضرت مولانا کا علمی تبحّر نظر آتا ہے وہیں حضرت علی کرم اللہ وجہ کی ذات سے والہانہ لگاؤ اور عقیدت بھی جھلکتی ہے۔ یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ تقریباً تمام صوفی سلاسل (بہ استنائے نقشبندی اکابرین) حضرت مولا کی ذات کو ہی سرچشمہ عرفان تسلیم کرتے ہیں اور اس بات کے مدعی ہیں کہ حضرت رسالت پناہ نے آپ کو ہی خرقہ گدائی کے ساتھ تمام اسرار ربانی اور رموز معرفت تفویض فرمائے اور وہی رموز و اسرار حضرت امام حسن بصری کے ذریعہ سینہ بہ سینہ صوفی سلاسل میں منتقل ہوئے۔ اس صورت میں اگر حضرت حسن بصری کی بقا پر ہی سوالیہ نشان لگ جائے تو سلسلہ کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔

دوسرا پہلو جو صوفیائے کرام نے اپنے طریقہ کے طور پر رائج کیا وہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کی ذات سے توصل حاصل کرنے کا ذریعہ مولا ہے۔ اس طریقہ میں وہ تمام اعمال اذکار اشغال اور ادعیہ ماثورہ جو حضرت مولا اور دیگر ائمہ اطہار سے منسوب ہیں ان پر عمل پیرا ہو کر عرفان کی منازل طے کرنی چاہیں۔ یہی وطیرہ ہندوستان کے صوفی سلاسل میں رائج رہا ہے۔ جبکہ شیعہ علماء اس کے برعکس ائمہ اطہار کی ذات کے علاوہ کسی کو سرچشمہ عرفان تسلیم کرتے ہی نہیں، اور اس کے آگے توصل کے لئے تبرّا بھی اہم جز مانتے ہیں۔ حضرت شاہ نیازؒ کے دور میں مولانا سید دلدار علی صاحب نصیر آبادی المعروف بہ غفران مآب نے نوابین اودھ کے دور میں خاصی تگ و دو کر کے اس عقیدہ کو فروغ دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اپنی مشہور تصنیف شہاب ثاقب میں تصوف، صوفی سلاسل، وحدت الوجود، صاحب مثنوی مولانا جلال الدین رومیؒ اور فرید الدین عطارؒ پر سخت ترین تنقید کی اور معروف صوفیاء کے لئے غیر شائستہ الفاظ تک استعمال کئے۔ لیکن آفریں ہے اس دور کے ہمارے چشتی اکابرین پر جنہوں نے اس اشتعال انگیزی کے باوجود اپنی روش قائم رکھی اور حضرت مولا کی شان میں بہترین مناقب تصنیف کیں۔

مثلاً حضرت شاہ غلام علی شاہ نے اس دور میں ع

علی امام من است، ومنم غلام علی۔ ہزار جاں گرامی خدا بہ نام علی، تصنیف کی حضرت شاہ نیاز احمد صاحب قبلہ نے اپنی مشہور منقبت ع

زہے عزہ وقار ... بوتراب فخرانبانی
علی مرتضیٰ مشکل کشا شیر یزدانی
ولی حق وحی مصطفیٰ دربار فیضانی
امام دوجہانے، قبلہ دینِ و ایمانی
نیاز اندر قیامت بے سروسامانی نہ خواہی شد
از حُب مولا ہے علی داری تو سامانی

چشتی اکابرین کے اس رویہ میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ جب ۱۹۳۰ء میں شمالی ہندوستان میں نہایت زوروں پر تبرّا ایجی ٹیشن چل رہا تھا اس دور میں میرے جد (جو اس وقت خانقاہ کریمہ کے صاحب سجادہ تھے) راس المحدثین حضرت مولانا شاہ محمد نعیم عطا صاحب قدس سرہ (وفات ۱۹۶۶ء) نے اودھی زبان میں حضرت مولا کی شان میں نہایت ہی بے مثال منقبت تصنیف کی ع

بھج رسنا ہردم علی علی
پاپ ہر وسب دکھ بسرایو
نام محمد، نام علی... بھج رسنا...

یا

ع لکھا عرش پر یہ بخط جلی ہے نائب محمد کا مولا علی ہے

اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے شیوخ نے ہمیشہ ہر صورت میں مولا کی ذاتِ گرامی سے وابستگی ہی اپنا شعار رکھا۔ نقشبندی شیوخ کے اعتراضات ہوں یا شیعہ مجتہدین کی اشتعال انگیزی، ان حضرات نے اپنے وطیرہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

جناب شاہ مسعود احمد صاحب نظامی مرحوم ومغفور خاندان نیازیہ کے ممتاز رکن تھے اور

آپ حضرت شاہ نیاز احمد صاحب قبلہ کی سوانح حیات اور تعلیمات پر ایک عرصہ سے مواد جمع کر رہے تھے اور امید تھی کہ آپ کے قلم سے ایک نہایت ہی محقق تصنیف سامنے آئے گی۔ کتاب مرتب ہو چکی تھی اور کتابت کا مرحلہ بھی شروع ہو گیا تھا، لیکن خود آپ کی اور آپ کی اہلیہ محترمہ کی شدید ناسازئ طبیعت کے باعث کام نامکمل رہ گیا۔ اب اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت آپ کی صاحبزادی صاحبہ کے سپرد کی ہے کہ وہ اپنے والد بزرگوار کی نہایت اہم تصنیف کو زیور طبع سے آراستہ کرائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کے ساتھ وابستگان سلسلۂ کو اپنے اشیاخ کی تعلیمات، وظائف واذکار کا علم اور ساتھ ہی اس بات کا بھی اندازہ ہو کہ ہمارے اسلاف نے کن نامساعد حالات میں رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا اور اپنے عقائد پر کاربند رہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ ہم لوگوں کو توفیق دے کہ ہم لوگ اپنے اشیاخ کی تعلیمات جو شریعت اور طریقت کا امتزاج ہے، پر سختی سے قائم رہیں۔ وآخر دعوانا عن الحمد للّٰہ رب العالمین

طالب دعا والخیر
سید شاہ ظہیر حسین جعفری عفی عنہٗ
پروفیسر شعبۂ تاریخ، دہلی یونیورسٹی

شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ کے خانوادہ کی ایک ممتاز شخصیت

حضرت مولانا عبدالہادی خاں کاوشؔ، رامپور

شاہ نیاز بے نیاز قدس سرہ کے خانوادہ میں سید شاہ مسعود حسین نظامی کی شخصیت ہے جس کو مرحوم لکھنے سے میرا قلم قاصر ہے۔ آپ سے تقریباً آٹھ سال تک میرا تعلق رہا ہے اس دوران میں نے احساس کیا کہ آپ ان بزرگان دین کے زمرے میں آتے ہیں جن کے بارے میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَاتَقُوْلُوْا لِمَنْ يُقْتَلُ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَات بَلْ اَحْيَاءٌ اس لئے میری نظر میں آپ آج بھی زندہ ہیں اور انشاءاللہ زندہ رہیں گے۔

آپ جب بھی رامپور تشریف لاتے تو ڈاکٹر شعائراللہ خاں وجیہی سے ضرور ملتے اور پھر مجھ سے ملاقات کرنے رامپور رضا لائبریری تشریف لاتے اور پھر توحید و معرفت پر کھل کر گفتگو ہوتی۔ اور پھر اتنی تشنگی بڑھتی کہ وہ میرے مکان پر تشریف لاتے، یا مجھے تالاب ملّا ارم پر واقع سید معظم علی میاں ایڈووکیٹ کے مکان پر مدعو کرتے جو آپ کے قریبی عزیز تھے اور گھنٹوں تبادلہ خیالات ہوتا۔ آپ کا فرمانا تھا کہ معرفت خداوندی کے لئے علم تصوف حاصل کرنا ضروری ہے اور علم تصوف کے مطابق عمل کرنا اور زندگی کو علم توحید کے سانچے میں ڈھالنے کا نام ہی علم طریقت ہے۔ اپنی کتاب ''حیات شاہ نیاز بریلوی'' کی تصنیف کے دوران آپ برابر اپنا مسودہ مجھ دکھاتے رہتے تھے اور اس پر میری رائے طلب کرتے تھے، ایک روز آپ نے رامپور رضا لائبریری میں کتاب ''تذکرہ غوثیہ'' نکلوا کر مجھے دکھائی، یہ کتاب مولوی شاہ گل حسن صاحب کی تصنیف کردہ ہے اور حضرت مولانا سید غوث شاہ قلندر قادری کے حالات اور ملفوظات اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں، آپ نے مجھے کتاب ہذا کے صفحہ ۶۷ پر تحریر یہ عبارت دکھائی۔

''ایک روز شہر بریلی میں میرا گزر ہوا وہاں شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی، خوش اخلاقی سے پیش آئے، بہ ہمہ صفت موصوف تھے۔ ہم چند روز

وہاں ٹھہرے ایک دن میاں صاحب کہنے لگے، تم ہمہ اوست کیوں نہیں کہتے، ہم نے عرض کیا حضرت جو کہتے ہیں وہ قالی اور خالی ہیں اور جو حالی ہیں وہ نہیں کہتے۔

ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند　　کا نرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

دوسرے یہ کہ ہم ٹھہرے طالب۔ اگر ہم کہیں تو طلب کس کی کریں! مولانا شاہ نیاز صاحب تو چپ ہو رہے مگر ان کے خلیفہ صاحب بولے کہ ہمارے حجرے میں آؤ تم کو توجہ دیں گے۔ ہم نے کہا بسم اللہ، وہ حجرے میں جا کر توجہ دینے بیٹھے، ہم نے کہا کہ صاحب اس وقت تو آپ بالکل مولانا نیاز احمد صاحب معلوم ہوتے ہیں، خلیفہ صاحب نے کہا اجی استغفر اللہ، ذرے کو آفتاب سے کیا نسبت ہے، ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک، ہم نے کہا سبحان اللہ خدا بننے کو تو آپ تیار ہیں مگر نیاز احمد نہیں بن سکتے۔ بس رکھئے اپنی توجہ، ایسے شخص کی توجہ کس کام کی جو کبھی تو خدا بن بیٹھے اور کبھی بندہ کا بندہ۔"

سید مسعود حسین نظامی صاحب نے اس عبارت پر میری رائے معلوم کی تو میں نے کہا کہ سید غوث علی شاہ قلندر قادری کے یہ جملے ان کی شان کے ہی نہیں بلکہ واقعی علم طریقت کے خلاف ہیں۔ اگر چہ نظریہ ہمہ اوست اور وحدت الوجود اپنی جگہ بالکل درست اور صحیح ہے مگر

ہر مرتبہ وجود حکمے دارد　　گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

مرید چاہے جس قدر اونچی منزل پر پہنچ جائے مرید ہی رہتا ہے اور اس کو اپنے پیر و مرشد کی نسبت وہ ہی عقیدہ رکھنا چاہیے جو شاہ نیاز بے نیاز صاحب کے خلیفہ صاحب کا اپنے پیر و مرشد کے بارے میں تھا۔

مولوی معنوی ہوں یا ہوں وہ ہند کے ولی　　اپنے محبوب کے رتبہ میں، میں لاؤں کیسے

الغرض سید مسعود حسین شاہ نظامی قدس سرہ کی کتاب "حیات شاہ نیاز بریلوی" پڑھ کر ہی قارئین کرام نظامی صاحب کی علمی قابلیت اور آپ کے اعلیٰ مرتبہ کا اندازہ لگا سکیں گے کہ وہ کتنے اونچے مرتبہ کے صوفی باصفا تھے اور آپ کا علمی مقام کیا تھا۔

۱۶ر جولائی ۲۰۱۳ء ۶ر رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ

جناب گوہر میاں نظامی صاحبؒ

جناب مسعود حسین نظامی المعروف بہ گوہر میاں رحمۃ اللہ علیہ خانوادہ نیازیہ کے فی الواقع گوہر آبدار بلکہ درشہوار تھے۔ میں نے اپنی اب تک کی ساٹھ سالہ زندگی میں علم دین کا اور زبان وادب۔ عربی، فارسی، اردو، انگریزی، اودھی اور برج بھاشا (ہندی) کا ان جیسے پایہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ وہ عظیم استاد، عظیم عالم، عظیم پیر طریقت اور عظیم محقق و مصنف تھے۔ مرحوم نظامی صاحب یعنی گوہر میاں ایک عالم باعمل سادہ مزاج۔ عابد وزاہد بے ریا۔ ان کے یہاں نمود ونمائش کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ مومن خالص اور مسلمان کامل شخصیت تھے، ان کا ہر عمل خالصتاً للہ تھا۔ انہیں محض دیکھنے پر ہی اللہ اور اللہ والوں کی یاد دل میں جاگ اُٹھتی تھی۔ ہمیشہ راضی بارضائے ربی رہنے والے انتہائی صابر وشاکر بزرگ تھے۔ وہ اپنے عظیم بزرگوں سے تعلیم وتربیت یافتہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے عظیم ترین پروفیسروں سے مستفید ومستفیض رہے تھے۔ وہ اپنے آپ میں علوم دینی وعلوم مشرقیات کی جیتی جاگتی انسائکلوپیڈیا تھے۔

دینی موضوعات وبزرگان سلف، اولیاء اللہ بالخصوص چشتی، فریدی اور نظامی سلسلہ کے بزرگوں کے حالات پر خود ان کے کثیر مقالات بڑے بڑے سمیناروں میں پڑھے گئے اور انہوں نے بہت سے طلبا کو تحقیقی کاموں میں بڑی رہنمائی کی اور امداد فرمائی۔

زیر نظر کتاب ان کی سالہا سال کی مساعی جمیلہ وجلیلہ کا عظیم نتیجہ ہے جو افسوس! صد افسوس! ان کی حیات میں زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکا۔ یہ ایک کتاب کیا ہے دراصل ایک زبردست تحقیقی وتاریخی دستاویز ہے جو مستقبل کے طلبا اور متجسس اہل علم اور تحقیقی کام

کرنے والوں کے لئے روشن مشعل راہ ہوگی۔ یہ میرا یقین ہے کہ ان کا یہ شاہکار حضور قبلہ شاہ نیاز بے نیاز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یادگار میں بھی شرف قبولیت حاصل کرے گا۔

اس کتاب کی طباعت موصوف کی عزیز بیٹی نیلوفر نظامی سلمہا عرف نیلم سلمہا کی مساعی جمیلہ اور اس تڑپ کا جیتا جاگتا مرقع ہے جو مرحوم اپنی تعلیم و تربیت سے اس کے قلب میں بھر گئے تھے۔ رب العزت مرحوم کو صدقہ جاریہ کی شکل میں اس عظیم کارنامے کا تاحشر ثواب عظیم عطا فرمائے اور خانوادۂ نیازیہ اور نظامیہ کی اس باوقار بیٹی عزیزہ نیلم سلمہا کو اجر عظیم عطا فرما کر ان کی مزید تالیفات و تصنیفات کی آئندہ طباعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دعا گو طالب دعا

ڈاکٹر نعیم شباب کاسگنجوی

الحمد للہ اسی سال اسلامیہ انٹر کالج شاہجہانپور کی ملازمت سے سبکدوش ہوا ہوں۔ چونتیس سال قبل ۱۹۷۷ء میں جب میری تقرری ہوئی تھی تو وہاں پہلی بار میری ملاقات جناب مسعود حسین نظامی صاحب سے ہوئی تھی، جو لیکچرر شعبہ فارسی تھے۔ ان کا تقرر بھی ۱۹۷۷ء میں چند ماہ قبل ہوا تھا اور وہ اس وقت حقانی مسلم مسافر خانے میں قیام فرماتے، پہلی ہی ملاقات میں ان کی شخصیت نے مجھے اپنا گرویدہ بنالیا تھا، علم، دولت اور قوت کا ادب کرنا چاہئے اور ان کے حاملین کی بھی عزت کرنا چاہئے، میں بھی کرتا ہوں لیکن مرعوب نہیں ہوتا البتہ محبت کا فاتح عالم ہونا مجھے بھی تسلیم ہے اور نظامی صاحب نے اسی ہتھیار کا استعمال کیا اور میں مفتوح ہو گیا۔ میرے اور ان کے درمیان روحانیت اور تصوف قدر مشترک تھے۔ آخر ملازمت میں بریلی سے ڈیوٹی کرنے لگے تھے اس دوران ہفتہ میں ایک روز ان کا قیام میرے یہاں رہتا تھا، اس رات نظامی صاحب روحانی پیشوا کے کردار میں نظر آتے تھے۔

کالج اسٹاف کے ساتھ ان کا رویہ انتہائی ہمدردانہ تھا، سب کے دکھ درد میں برابر شریک رہتے تھے، دوسروں کی پریشانی سے پریشان ہو جاتے تھے اور مکلّف ہونے کی حد تک ہر ایک کے ساتھ تعاون کرنے کو ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ طلبا کے معاملے میں ہمیشہ ایک شفیق استاد کا رول ادا کیا۔ بلا تفریق مذہب و ملت طلبا کی دقتوں کو دور کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے، یہاں تک کہ بعض طلبا کی فیس بھی خود ہی جمع کر دیا کرتے تھے۔

جب ریٹائر ہو گئے تب کالج کے اسٹاف اور اپنے طلبا کی خیریت آنے جانے والوں سے یا فون سے دریافت کر لیا کرتے تھے میری آخری ملاقات مئی ۲۰۱۲ء میں ہوئی تھی اس وقت بھی جہاں انہوں نے ایک طرف نام لے لے کر ایک ایک ساتھی کی خیریت دریافت کی

وہیں اپنے شاگرد گوئل اور تیاگی کی خیریت معلوم کی، یہ دونوں دوران طالب علمی یتیم ہو گئے تھے اور نظامی صاحب ان کی ہر طرح سے مدد کیا کرتے تھے۔

میری جہالت کو دور کرنے کے لئے وہ ہمیشہ تیار رہتے تھے اور میں اکثر ان سے رجوع کیا کرتا تھا، آخری بار فارسی کے ایک شعر کا مطلب واضح نہیں ہو رہا تھا تو میں نے نظامی صاحب سے فون پر رجوع کیا، جون ۲۰۱۲ء کا آخری ہفتہ تھا، وہ سخت علیل تھے اور نہ تو وہ بات سمجھ پا رہے تھے اور نہ ہی میں ان کی بات فون پر سمجھ پا رہا تھا، میں نے ان سے کہا کہ بیٹی کو فون دے دیں پھر میں نے بیٹی کو وہ شعر لکھوایا اور کہا اس کا مطلب حضرت سے پوچھ کر لکھ لینا میں بعد میں تم سے معلوم کرلوں گا، میری جہالت دور کرنے کا یہ آخری موقع تھا۔ ۱۱؍جولائی ۲۰۱۲ء کو محبت و خلوص کا یہ پیکر اس دار فانی سے کوچ کر گیا، یقیناً نظامی صاحب کے انتقال سے میرا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے، ان کے پسماندگان کی دستگیری فرمائے اور جمیع ضرورت مندوں کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

احقر العباد

غلام غوث خاں

اظہار عقیدت

میرے دیرینہ محسن اور بے غرض شناسا تھے۔ جیسے دوستی کا دعویٰ نہیں کرسکتا کیونکہ ان کا شوق علم اور شعور عرفان درجۂ کمال پر تھا فقیری کا درک مجھ سے بے حس اور بے نوا کو ہو نہیں سکتا، میرے وطن کے گرامی بزرگ حضرت نظام الحق محمد سے مسلکی تعلق تھا، یہ میرے لئے باعث فخر ہے، انہوں نے حضرت اعلیٰ سے تعلق کو قائم رکھا۔ اس مختصر تحریر میں سوائے عقیدت اور کچھ نہیں۔

تاریخ ارتحال حضرت والا مسعود حسین نظامی

''بے غرض''

دستخط

آل حسن سید فرخ جلالی

پروفیسر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

میاں صاحب میرے ایک ایسے مہربان کی طرح تھے جنہوں نے میری پوری زندگی بدل کر رکھ دی۔ وہ میرے مجازی خدا تھے، میں ان کی ہر بات کو سر آنکھوں پر رکھتا ہوں، آج بھی مجھے وہ بہت یاد آتے ہیں۔ جب میں پہلی بار بریلی شریف ان سے ملنے آیا تھا، تو میری امی کے انتقال کے دن تھے، میاں صاحب سے مل کر میں اپنا سارا غم بھول گیا، انہوں نے جب مجھے اپنے سینے سے لگایا میں کئی رات سے سویا بھی نہیں تھا جب میں نے انہیں یہ بات بتائی تو آپ نے فرمایا آؤ میرے بستر میں سو جاؤ اور واقعی میں اس طرح سویا جیسے بہت سال بعد سکون کی نیند آئی۔ وہ پڑھتے لکھتے رہتے اور میں ان کے سامنے بیٹھ کر انہیں دیکھتا رہتا۔ اپنی پوری زندگی میں میں نے اتنی نورانی شکل نہیں دیکھی۔ جب وہ میری یہ حرکت پکڑ لیتے تو کہتے کیوں میاں کیا اس بوڑھے کی نظر لگانے کا ارادہ ہے۔ میں ان کے ساتھ بہت کم وقت رہا لیکن مہینوں میں اپنا سارا کام چھوڑ کر انہیں کی خدمت میں رہتا اور وہ زبردستی مجھے میرے کام پر دلی بھیج دیتے۔ میں ان سے بات کرنے کے لئے ان سے جلد ملنے کے لئے دل میں یہ عہد کر کے جاتا کہ پھر جلد آؤں گا۔

اور جب میں کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے پھر واپس آتا تو وہ کچھ مسکرا کر کہتے چلو اچھا کیا مجھے بھی تمہیں دیکھنے کا دل چاہ رہا تھا۔

مجھے ان سے وہ اپنا پن ملا کہ میں محسوس نہیں کر سکا کہ میاں صاحب کوئی غیر ہیں، مجھے ہمیشہ لگا میں ان کا حصہ ہوں، جب وہ ساتھ ہوتے تو میں بغیر پلک جھکائے انہیں دیکھتا تو جب میں دور ہوتا تو مستقل انہیں کے متعلق سوچتا، میں نے انہیں ہمیشہ قرآن شریف کی آیتیں پڑھتے دیکھا ہے۔ وہ ہر بات کی شروعات حدیث شریف سے کرتے ان کی ہر بات میں اللہ اور اس کے رسول کی بات ہوتی۔

پچھلے سال جب وہ شگر بڑھنے سے بے ہوش ہو گئے تھے تو میں نے انہیں بے ہوشی کی حالت

میں بھی نماز ادا کرتے دیکھا۔

وہ تہجد سے اٹھ جاتے اور قرآن شریف کی آیت اور وظیفہ پڑھتے۔ان کی آواز آج بھی میرے کانوں میں گونجتی ہے۔

جب انہوں نے میرے سر پر اپنی پگڑی رکھی تو اس وقت تو مجھے یقین ہی نہیں آرہا تھا کتنے ہی وقت مجھے لگا یہ میرا خواب ہے مگر جب انہوں نے اپنا شفقت کا ہاتھ میرے سر پر رکھا تو لگا یہ حقیقت ہے۔

مجھے آج بھی لگتا ہے وہ میرے بہت قریب ہیں اور واقعی وہ میرے دل میں ہیں۔

جب میں ان کے پاس آتا تو وہ اس طرح خوش ہوتے تھے کہ آج بھی لگتا ہے وہ وہیں بیٹھے مسکرا رہے ہیں۔اور اپنے کرم کی بارش پھر سے میرے اوپر کریں گے، میں بہت وقت ان کے پاس رہا لیکن زندگی کی بہت سی باتیں بہت سا سلیقہ مجھے سکھا کر گئے ہیں۔انہوں نے مجھے وعدہ کیا ہے کہ جب میں انہیں یاد کروں گا تو میں اپنے بہت قریب پاؤں گا،ان کے جیسا نرم مزاج میں آج تک نہیں دیکھا وہ بہت دھیرے دھیرے بولتے تھے ان کے مزاج میں سختی تو کبھی بھی نہیں تھی۔ان کی شخصیت ایسی تھی کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے۔وہ ایک سمندر تھے ہر ایک ان کے پاس آ کر کوشش کرتا، زیادہ سے زیادہ ان سے علم حاصل کرنے کے لئے وہ علم کا ایسا بہترین شاہکار کے نہ میں نے دیکھا اور شاید نہ آگے دیکھ سکوں۔

آپ کا غلام خادم عابد علی نظامی نیازیؒ یہ سب تیرا کرم ہے آقا ورنہ میں اس کے لائق نہیں تھا۔

سجادہ نشین

حضرت نبیرۂ سراج السالکین

عابد نیازی نظامی

گوہر میاںؒ

گوہر میاں سے میرا تعارف شعبہ فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں ۱۹۶۱ء میں ہوا جب میں وہاں بی اے میں داخلہ لینے گیا تھا۔ بی اے میں میرے پاس فارسی کا مضمون تھا اور وہ فارسی میں ایم اے کے طالب علم تھے۔ سرسید ہال میں ان کا قیام تھا۔ بڑی بڑی روشن آنکھیں، چمپئی رنگ، سیاہ داڑھی، گھنے گھنگھرالے سیاہ بال، سیاہ شیروانی میں ملبوس بہت دیدہ زیب نظر آتے تھے۔ باتیں آہستہ آہستہ کرتے تھے اور بہت پر مغز ہوتی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ جس موضوع پر وہ گفتگو کر رہے ہیں اس پر خوب غور وفکر کر چکے ہیں اور اس موضوع پر انہیں پورا عبور حاصل ہے۔ مسلم یونیورسٹی میں دو سال کے قیام کے عرصہ میں فارسی کے اساتذہ اور سمینار لائبریری کی کتابوں سے انہوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا اسی کے ساتھ ساتھ مولانا آزاد لائبریری کے فارسی اور اردو سیکشن کے علاوہ مخطوطات سے استفادہ کرتے رہے جس کا اکثر اظہار زیر نظر تصنیف سے عیاں ہے۔

بڑی خوش قسمتی کی بات تھی کہ ان کے دور طالب علمی میں فارسی، اردو اور تاریخ کے نہایت مستند استادوں سے ان کا قریبی تعلق رہا۔ شعبہ میں استادوں سے ملاقات کے علاوہ گوہر میاں اساتذہ کے گھر بھی جاتے تھے اور ان سے علمی مباحث اور تذکرے ہوتے رہتے تھے۔ شعبہ فارسی میں اس دور کے مقتدر علماء اور دانشور فارسی ادب کے رموز ونکات آشکارا کر رہے تھے۔ جن میں پروفیسر ہادی حسن، پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر شمعون اسرائیلی، پروفیسر نبی ہادی ممتاز ومشہور تھے۔ شعبہ اردو میں پروفیسر ضیاء احمد بدایونی شعبہ تاریخ میں پروفیسر خلیق احمد نظامی سے گوہر میاں کے خصوصی مراسم تھے۔ ان کی محنت اور استادوں کی شفقت اور رہنمائی کی وجہ سے انہوں نے ایم اے میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور گولڈ میڈل سے سرفراز کئے گئے۔

علی گڑھ کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ۱۹۶۳ء میں بریلی چلے گئے اور وہاں معلمی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۷۷ء میں اسلامیہ انٹر کالج، شاہجہاں پور میں بحیثیت لکچرر تقرر ہوا اور کالج میں فارسی پڑھانے لگے۔ جس کا سلسلہ ۱۹۹۸ء میں ریٹائرمنٹ تک جاری رہا۔ اس میں تمام عرصہ میں کچھ دنوں تو شاہجہاں پور میں قیام رہا، پھر روز صبح کو بذریعہ ریل بریلی سے شاہجہاں پور جاتے اور شام کو واپسی ہوتی۔ یہ تھکا دینے والا سفر اکیس برس جاڑا، گرمی اور برسات کے شدائد کے باوجود جاری رہا۔ اسی میں ان کے تمام اشغال، وظائف، تصنیف وتالیف، گفتگو، تقریریں، عرس کی تیاریاں اور تقریبات کے اہتمام اور ان کی مصروفیات و دیگر ضروریات سب جاری رہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے شہروں کے بھی سفر کرتے۔ یہ سفر مختلف نوعیت کے ہوتے تھے۔ رام پور میں مزارات پر حاضری، عرسوں کے شرکت، رضا لائبریری میں کتابوں اور ذخائر کی کھوج، دلّی، آگرہ، راجستھان کے سفر سرہند، پانی پت اور پاکستان کے سفر، غرض ان مقامات پر حاضری ضرور ہوتی جن کا تعلق حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ سے تھا یا جہاں صوفیاء کے مزارات تھے۔ انہوں نے حضرتؒ کے حالات زندگی پر ایک جامع اور مفصل کتاب لکھنے کا پروگرام بنالیا تھا اور اسی کا خاکہ ان کے ذہن میں تیار تھا اس نوع کی تصنیف کی تشنگی عرصہ سے محسوس کی جارہی تھی۔ خانقاہ نیازیہ، بریلی میں جو مخطوطات اور کاغذات انہیں دیکھنے کو ملے اس کی تفصیلات تو ان کے پاس محفوظ تھیں۔ مزید انہوں نے بچھراؤں، مرادآباد اور نہ جانے کہاں کہاں کے سفر کیے کہ وہ زیادہ مستند معلومات حاصل کر کے اپنی تصنیف کو وقیع بناسکیں یہ تقاضہ اسی لیے بھی شدید تھا کہ اس تصنیف سے قبل جو تصانیف عالم وجود میں آچکی تھیں ان میں کچھ نہ کچھ پہلو تشنہ رہ گئے تھے۔

گوہر میاں نے اپنی پوری زندگی حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ کے حالات مع شواہد جمع کرنے میں لگادی اور وہ اس میں کامیاب ہوگئے۔ حضرتؒ کے خطوط حاصل کر لیے گئے، تبرکات میں حضرتؒ کا چغہ، صافہ اور عصا حاصل کر کے اس کا فوٹو اور پیمائش ریکارڈ کی گئی۔ سرہند اور دلّی میں جن مقامات پر حضرتؒ نے کچھ عرصہ گذارا تھا گوہر میاں وہاں تشریف لے گئے اور معلومات فراہم کیں، مدرسہ خورد غازی الدین فیروز جنگ میں حضرتؒ کے استاد خصوصاً حضرت مولانا فخر صاحبؒ اور دیگر اساتذہ کے مکمل حالات، حضرت کے خلفاء کی مکمل فہرست اور حالات، اس کے علاوہ مختلف

سلاسل کے شجرے، خانقاہ نیازیہ کے معمولات اور رسومات کی تفصیلات، خانقاہ کے عرس کی شرکت کی اطلاع کی فہرست اور اس میں درج اسماء کے حالات تفصیل کے ساتھ حاصل کیے۔ یہ کتاب روہیل کھنڈ کی تاریخی سماجی، ثقافتی حالات کی آئینہ دار ہے اور آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔

یہ کتاب کئی برس پہلے مکمل ہو چکی تھی اور اس کی طباعت کی کوشش اور پیروی شروع کر دی گئی تھی لیکن وقتاً فوقتاً گوہر میاں کو کچھ نہ کچھ قیمتی اور ضروری مواد فراہم ہوتے رہے، جسے وہ کتاب میں شامل کرتے رہے اس سب میں اتنا وقت گزر گیا کہ گوہر میاں کا وقت موعود آ پہنچا اور وہ اس کتاب کی طباعت کی آرزو دل میں لئے ہوئے رخصت ہو گئے۔ کاش کہ طباعت کی منزل ان کی حیات میں ہی آ جاتی، لیکن ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت نیاز بے نیازؒ کی حیات اور سیرت پر اور خانقاہ نیازیہ کے شب روز پر جو معلومات فراہم کر دی ہیں اس کے لئے گوہر میاں مرحوم و مغفور ہمیشہ یاد کئے جائیں گے۔ انشاءاللہ

افضال الرحمٰن

۲۷۲- جامعہ نگر
نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵



مزار: مسعود حسین نظامیؒ گوہر میاں (مصنف)

حضرت شاہ نیاز بے نیاز

بقول حضرت سید محمد علی شاہ نیازی - علامہ میکش اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ
''محبت اور خودی کا حسین ترین موصوف اگر عقل و دانش میں نہ آئے تو خدا اور دل و نگاہ میں سما جائے تو انسان ہے اور ان ہی معدودے چند حضرات میں قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہ کی ذات گرامی بھی ہے۔ سلسلہ چشتیہ کے فرد فرید حضرت شاہ نیاز احمد صاحب ''حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں رحمۃ اللہ علیہ کے عزیز ترین و محبوب ترین خلیفہ تھے'' ۔[1]

مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم مزید تحریر کرتے ہیں کہ آپ
''از اعظم اولیاء متاخرین و کبریٰ خلفائے راستین مولانا فخر جہاں است[2]''
''آپ کا نام نامی اسم گرامی نیاز احمد ہے اور بعض معاصر تذکرہ نگاروں نے نیاز علی بھی لکھا ہے۔[3]''

''حضرت موصوف کی ایک مہر ۱۲۲۰ھ/ر(۱۸۰۴ء) میں بھی یہی نام درج ہے۔[4]''
''لقب نیاز بے نیاز اور خطاب قطب عالم مدار اعظم ہے۔''[5]

نسب کے اعتبار سے آپ علوی فاطمی سیادت کا سنگم ہیں۔ اسی طرح روحانی نسبتوں کا بھی حسین امتزاج ہیں آپ مسلکاً حنفی و مشرباً صوفی ہیں۔

---

[1] نقد اقبال۔ میکش اکبر آبادی، مطبوعہ ۱۹۵۲ء آگرہ، برقی پریس، آگرہ صفحہ ا
[2] خزینۃ الاصفیاء مولفہ مفتی غلام سرور، لاہوری، صفحہ ۵۰۰
[3] 〃 〃 〃 〃 صفحہ ۵۱۲
[4] عیار الشعراء مولفہ خوب چند ذکا دہلوی صفحہ ۴۹۱
عمدہ منتخبہ نواب اعظم الدولہ سرور دہلوی صفحہ ۲۶۸
[5] از بیاض قلمی حضرت قبلہ قلمی بحوالہ کرامات صفحہ ۳۲-۳۱

ولادت کی بشارتیں:

حضرت قبلہ کی والدہ ماجدہ کو ان کے شیخ حضرت محی الدین دیا سنامی قدس سرہ نے دو بار بیعت کیا تو موصوفہ نے دوبارہ بیعت کرنے کی وجہ دریافت کی آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے بطن سے ایک صاحبزادے تولد ہوں گے اور میں اس وقت نہیں ہوں گا لہٰذا میں ان کی روح کو بیعت کرتا ہوں۔[1]

مولف ناز و نیاز کا بیان ہے کہ دوران حمل آپ کی والدہ صاحبہ نے ایک بار جناب سیدہ فاطمہ علیہا السلام کو خواب میں دیکھا کہ جس چھپر کھٹ میں تشریف فرما ہیں۔ بی بی صاحبہ نے اس کی جھالر کا ایک موتی توڑ کر مرحمت فرمایا۔ اس موتی میں ریشم کی سی سرخی تھی جب اس سرخی کو موتی سے نکالا گیا تو دالان اور صحن سرخی سے بھر گئے۔ لیکن موتی سے سرخی کم نہیں ہوئی۔

معظمہ فرماتی ہیں کہ اس اثناء میں میری آنکھ کھل گئی۔ میں بہت حیران تھی۔ میں نے خواب کی تعبیر کے لیے حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں سُنام کو عریضہ ارسال کیا۔ حضرت بہ نفس نفیس (سرہند) تشریف لے آئے اور اس خواب کی تعبیر یہ دی کہ تمہارے بطن سے ایک حسین اور صاحب باطن لڑکا پیدا ہوگا اور اس سے بہت سے آدمی مستفیض ہوں گے۔

بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ یہ حمل بائیس ماہ رہا۔ طبیبوں نے اسے مرض سمجھ کر دوا تجویز کی دوا سامنے آتے ہی مجھے حضرت والا کی بشارت یاد آ گئی۔ میں نے دوا پھینک دی دوسرے دن فجر کی نماز کے فرضوں کی دوسری رکعت میں دردزہ شروع ہوا اور وہیں مصلے پر حضرت تولد ہوئے۔ اس آفتاب عالم تاب کی نورانی شعاعوں نے سارے عالم کو منور کر دیا۔[2]

تاریخ ولادت: بروز چہارشنبہ ۲۵ ربیع الاول ۱۱۵۵ھ/ ۳۰ مئی ۱۷۴۲ء/ جیٹھ ۱۱۔ ۱۷۹۹ سمت بکرمی۔ ساڑھے چار بجے بوقت صبح صادق بمقام سرہند محلہ پیر جی میں ولادت ہوئی۔ یہ محلہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے روضہ شریف کے باغ سے مشرق و شمال جانب سڑک پار واقع ہے۔

---

[1] تذکرہ ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۷۵۔۷۴

[2] ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۴

زائچہ/جنم کنڈلی:- جیٹھ ایکادشی۔ بھرنی نچھتر۔ شوبھن یوگ میکھ راشی ۳ چرن۔ ابتداء ۱۱/گھڑی ۵/ پل انتہاء ۴۴/گھڑی ۳۰/ پل۔ نام سیارہ منگل۔ راشی سنگھ ۸۔ انش ۵ کلا ۱۶۔ وپلا نام سے برچھک۔

لگن شکر/زہرہ
منگل/مریخ
میکھ/حمل

بدھ/عطارد/سوریہ/شمس ۲
راہ/راس

۳
متھن/جوزا

۴
گرو/مشتری
شنی/زحل
کرک/سرطان

۵
سنگھ/اسد

۶
کنیا/سنبلہ

۷
تلا/میزان

۸
کیت/ذنب
عقرب/برچھک

۹
دھن/قوس

۱۰
مکر/جدی

۱۱
کنبھ/دلو

۱۲ چندرماں/قمر
مین/حوت

حضور بی بی سیّدہؑ کے قدموں میں

صاحب کرامات نظامیہ ناقل ہیں کہ جب آپ صرف چار ماہ کے تھے تو عالم مثال میں حضرت بی بی شاہ غریب نوازؒ نے آپ کو حضرت بی بی سیّدہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کے قدموں پر ڈال دیا۔ آپ نے اپنا دست مبارک سر پر پھیر کر فرمایا کہ یہ اپنا بچہ ہے۔

”زائچہ/جنم کنڈلی: جیٹھ ایکادشی۔بھرنی نکھتر۔شوبھن۔یوگ۔میکھ۔راشی ۳ چرن۔ابتداء ۱۱ گھڑی ۵ پل۔انتہا ۴۴ گھڑی ۳ پل۔نام سیارہ منگل۔راشی سنگھ ۸۔انش ۵ کلا ۱۶ وکلا نام سے برچھک۔

حضور بی بی سیدہ کے قدموں میں

صاحبِ کرامات نظامیہ ناقل ہیں کہ جب آپ صرف چار ماہ کے تھے تو عالم مثال میں حضرت بی بی شاہ غریب نواز نے آپ کو حضرت بی بی سیدہ علیہا الصلوۃ السلام کے قدموں پر ڈال دیا۔آپ نے اپنا دست مبارک سر پر پھیر کر فرمایا کے یہ اپنا بچہ ہے۔

آپ کے آباء واجداد

سلسلہ نیازیہ کے تذکروں میں عین العارفین[۱]۔ناز و نیاز[۲] اور کرامات نظامیہ[۳] کی روایات سے پتہ یہ چلتا ہے کہ آپ کے آباء اجداد کرام بخارا (موجودہ ازبکستان) کے بادشاہ تھے اور اندی جان پایۂ تخت تھا۔چوں کہ مشیت ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا چنانچہ آپ کے تیسرے دادا حضرت شاہ آیت اللہ علوی اندی جانی نے ترک سکونت فرما کر گیارہویں صدی ہجری سترہویں صدی عیسوی میں فقیری اختیار کی۔شاہجہانی عہد (۱۶۲۸۔۱۶۶۶ء) میں ملتان میں آ کر بسے۔یہ پہلی ہجرت ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء کے لگ بھگ واقع ہوئی۔

آپ کے دوسرے دادا حضرت شاہ کلمہ اللہ کو شرف بیعت و خلافت حضرت سید احمد گیسودراز کالپوی (م ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۸ء) سے ہے حضرت موصوف اپنے والد ماجد حضرت سید محمد گیسودراز کالپوی کے مرید و جانشین ہیں۔آپ سلسلہ نقشبندیہ قدیمہ اور سہروردیہ کے مجاز ہیں اس کے باوصف آپ کو حضرت سید محمد حسینی بندہ نواز گیسودراز سے نسبت اویسیہ اور والہانہ عشق ہے۔اسی نسبت کی وجہ سے آپ دراز گیسور کھتے۔سماع سنتے اور شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کے مسائل توحید پر تقریر فرماتے۔اس سلسلے میں جو صاحبان آپ سے مناظرہ کے لیے آتے آپ کے مدلل

۱ عین العارفین صفحہ ۸۷ ۲ ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۱۰۲
۳ کرامات نظامیہ صفحہ ۸

وشافی جوابات سے مطمئن ہو کر جاتے۔[1]

آپ کے خلیفہ و مرید حضرت خواجہ شاہ جمال اولیاء ساکن کوڑا اور وہ مرید حضرت مولانا قبلہ خواجہ عبدالباقی المعروف بہ خواجہ باقی باللہ دہلوی الرحمہا اللہ تعالیٰ (۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء) حضور قبلہ کے بعض اجداد گرامی کو نسبت چشتیہ نظامیہ سے بھی حاصل تھی۔ خود اپنے حقیقی دادا حضرت شاہ عظمت اللہ محقق سہرندی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

''جد بزرگوار این فقیر حضرت شیخ محقق عظمت اللہ قادری قدس سرہ بہ مغز تحقیق رسیدہ اکثر اوقات این کلمات ہندی بہ زبان فیض ترجمان خودمی آورند۔

احمد نک سِک پیو بسے روم روم کس نانہہ　　ہم نانہہ ری ہم نانہہ ہم نانہہ[2]

گویا حضرت محقق موصوف موروثی نقشبندیہ قدیمہ نسبت کے ساتھ قادری نسبت بھی رکھتے تھے۔ آپ نے ملتان کو چھوڑ کر سہرند محلہ پیرجی روضہ شریف کے قریب قیام فرمایا تھا۔ اس زمانے کا سہرند ہندوستان کے حسین ترین شہروں میں اپنی نوعیت کا واحد شہر تھا۔ جس کی زمین اور عمارتوں کی قیمت دارالسلطنت دہلی سے تخمیناً دوگنی تھی۔

شہر سہرند

چونکہ سہرند شہر سلطنت دہلی اور پنجاب کے صوبائی مرکز لاہور کی شاہراہ پر واقع تھا جو کہ دہلی سے شمالاً جنوباً سو کوس اور جنوب میں پنج درہ سڑک سے دریائے ہنسلہ کے کنارے تیس کوس پر اور تقریباً تیس میل انبالہ شہر کے شمال مغرب میں گرانڈ ٹرنک روڈ پر واقع ہے۔

اس شہر کا ارض البلد شمالی ۳۸ درجہ ۳۸ دقیقہ اور طول البلد جنوبی ۶۷ درجہ پانچ دقیقہ اور ۱۲ ثانیہ ہے۔ یہ شہر دریائے ہنسلہ کے کنارے کنارے تین کوس کے دور میں پھیلا ہوا ہے۔ دریائے ہنسلہ شمال سے مغرب کی جانب بہتا ہے۔

۲۔ حدود اربعہ سرکار سرہند

۲۳۰ میل لمبائی ۱۶۰ میل چوڑائی۔ شمال میں دریائے ستلج سے کرنال تک۔ جنوب میں روہتک۔

[1] تذکرہ علماء ہند جلد دوم صفحہ ۲۳۱　[2] شمس العین قلمی مرتبہ راقم صفحہ ۱۷۸

مغرب میں ریاست بہاولپور کی حدود تک اور مشرق میں دریائے جمنا تک۔

شہر کی چاروں طرف کی فصیل اور اس کے مینار بہت مضبوط تھے۔اس کے ایک طرف قدرتی خندق ہے۔علاوہ ازیں حکمرانوں نے اپنے اپنے دور میں اس کو حفاظتی اقدام سے توانائی بخشی تھی۔یہ شہر اپنی تاریخ کے اعتبار سے بہت قدیم ہے لیکن دریائے ستلج کے عبور کے بعد سے یہ شہر پہلا بنیادی اور اہم فوجی مرکز کا شہر رہا تھا۔

اکبر سے اورنگ زیب تک تاریخ میں یہ دور اس شہر کی خوش بختی اور اقبال کا سنہری دور تھا جو کہ اس سے پہلے اور اس کے بعد کبھی نہیں آیا۔ مغلیہ دور حکومت میں یہ شہر انتہائی ترقی یافتہ تھا۔اس میں ۳۶۰ مساجد، مقبرے، سرائیں اور کنوئیں تھے۔

اس کی بیش بہا عمارتیں اور حسین باغات تمام ہندوستان میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ان کے حسن لاثانی کی بدولت اکبر اعظم کی توجہ کا مرکز رہا۔دوسری وجہ مرزا حکیم اور اوزبکوں کی ریشہ دوانیاں بھی اکبر کے لئے کچھ کم پریشان کن نہ تھیں جس کی وجہ سے سرہند کے جنگجو سودوں کی حوصلہ افزائی کرنا پڑی، چنانچہ یہ شہر برابر ترقی کی شاہراہ پر گامزن رہا۔اکبر نے یہاں تانبے کے سکوں کی ڈھلائی کیلئے ٹکسال قائم کی تھی۔ پنجاب میں اس ٹکسال کو اولیت حاصل تھی۔یہ شہر اپنے آموں کی فصل کے لئے بھی انتہائی قابل تعریف تھا۔سرہند کی معشیت روز افزوں ترقی پر تھی۔دریا کا سیلابی پانی پچاس میل سامانہ تک زمینوں کی آب پاشی کرتا چلا جاتا تھا۔یہاں کے مہاجن انتہائی دولتمند تھے جن کے باغات اپنے حسن کے لئے مشہور تھے۔شہر کی وسط میں قلعہ تھا جو کہ ایک سرنگ کے ذریعہ شاہی باغ سے جوڑا گیا تھا۔اگر مغل شہنشاہوں کا موسم برسات میں وردد ہوتا تو شاہی باغ میں ان کا قیام ہوتا۔

سرہند کے بازار انجینئروں اور پلانروں نے اس حسن وخوبی کے ساتھ ترتیب دیے تھے کہ شمالاً جنوباً واقع تھے اور تمام سڑکیں چوکوں سے گزرتی تھیں۔یہاں حاکموں نے اپنے قیام کے لئے عالیشان عمارتیں تعمیر کی تھیں۔

شہر سہرند تجارت کا عظیم مرکز تھا۔پہاڑوں سے قریب ہونے کی وجہ سے چینی اشیاء سے بازار بھرے پڑے تھے۔اس روز افزوں تجارت نے دور دور سے آنے والوں کے لئے مواقع فراہم کیے تھے۔مقامی باشندے دولت وثروت سے مالا مال ہو رہے تھے آبادی میں اتنی توسیع ہوئی کہ جدید ترقیاتی مقصد کے

تحت شمال مغرب کی فصیل اللہ کے بندوں سے چھلک اٹھی اور اسی ریلے میں بہہ گئی۔

قلعہ کے شمال مغرب میں دو چوک اور بیس محلے واقع تھے۔آبادی گنجان تھی۔ہندو عموماً اپنے ہم مذہبوں کے درمیان رہتے تھے۔جن میں اکثریت جیالے سودوں کی تھی ویسے کچھ کھتری خاندان بے حد مالدار تھے۔لیکن سود لوگ اپنی دولت وامارت میں برتری رکھتے تھے۔ان کے بائیس پالکی نشین چودھری تھے۔

زرعی نظام:۔

زمین کے محصول کے لئے چار طبقے تھے۔ا۔سود ٹھیکیدار'۲۔زمیندار'۳۔کاشتکار اور۴۔ سرکاری محاسب (انسپکٹر)۔حکومت اپنے مطالبات بآسانی سود اجارہ داروں سے وصول کر لیتی جو کہ بھروسہ مند تنخواہ دار اور متمول تھے۔کاشتکاروں کو نقد کی بجائے جنس دینے میں سہولت رہتی۔زمیندار اپنا مقررہ حصہ ٹھیکیداروں سے لیتے یہ بھی ٹھیکیداروں کی مالیات میں اضافہ کا باعث تھا۔اس طرح پورا زرعی نظام انتہائی اطمینان بخش طریقے سے چلتا تھا۔

تعلیمی سرگرمیاں:

یہاں مختصراً تعلیمی سرگرمیوں کا ذکر بے محل نہ ہوگا۔اولاً تحریر کیا گیا ہے کہ شہر میں ۳۶۰ مساجد تھیں۔قرون وسطیٰ میں ہندوستان میں بالعموم ہر مسجد سے ملحق مکتب و مدرسہ ہوتا۔مغلیہ حکومت کی ملازمتوں کے خواہاں اور بالخصوص سود برادری کے لوگ بڑی محنت وتندہی کے ساتھ علم حاصل کرتے۔سرکاری ملازمین بھی تعلیم کی نشر واشاعت میں حوصلہ افزا ثابت ہوئیں۔لیکن دوسری اہم وجہ مسلمانوں میں دینداری کے احیاء کی تحریک تھی۔آئین اکبری اور منتخب التواریخ جیسی دو اہم معاصر تصانیف کے صفحات اس کے شاہد ہیں۔سرہند کے علماء اپنے زمانے کی نمایاں شخصیات تھے۔ان میں سے ایک عالم تو ایسا زمانہ ساز اور چلتا پرزہ تھا کہ اس نے اکبر بادشاہ کی موجودگی میں دیندار علماء کے داعیہ کو چیلنج کیا تھا۔اس نے اپنی انتہائی عیاری کی وجہ سے اکبر کا مشرب صلح کل قبول کر لیا تھا اسی اعتماد پر مخلص علماء کرام کی توہین وتضحیک کرتا۔اپنے افکار ونظریات کی تائید میں قرآن و حدیث کے حوالے پیش کرتا۔اس کے آزادانہ و بیباکانہ نظریات نے ایک بار میر عدل کو اتنا مشتعل

کردیا تھا کہ انہوں نے اسے مارنے کے لئے اپنی چھڑی اٹھالی تھی لیکن وہ یہاں بھی اپنی عیارانہ تدبیر سے بچ نکلا اور کچھ دنوں بعد اکبر نے اسے گجرات کا صدر مقرر کردیا۔ ذات شریف کا نام حاجی ابراہیم تھا۔ ملا بدایونی نے ملا مجددی کا تذکرہ کیا ہے موصوف اس دور کے زبردست عالم تھے۔ اولاً وہ بہ حیثیت وارنٹ نگار اسلام شاہ کے ملازم رہے لیکن سوری حکومت کے خاتمہ کے بعد اکبر نے عالم و دانش مند ہونے کی وجہ سے ان کے جوہر قابل کی قدردانی کے پیش نظر ان کا تقرر مالیات کے ریسیور جنرل کی حیثیت سے کردیا تھا۔ اسی طرح کے دوسرے زبردست عالم مولانا عبدالقادر سرہندی کا تذکرہ نظام الدین احمد نے کیا ہے۔ ان علماء کے علاوہ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی کی بدولت سرہند ہی کیا تمام ہندوستان ان کے علم و فضل کے بدولت منور ہو رہا تھا اور علماء ربانین کھیپ در کھیپ سرہند سے نکل کر سارے ہندوستان میں دین خالص کی نشر و اشاعت میں لگے ہوئے تھے اور یہ سلسلہ قیوم رابع حضرت خواجہ محمد زبیر تک بہ حسن و خوبی چلتا رہا۔[1] یہ وہ پس منظر تھا جس میں حضرت شیخ عظمت اللہ محقق ملتانی نے سرہند کو اپنی بود و باش کے لئے پسند فرمایا۔ یہاں آ کر انتہائی سکون کے ساتھ زندگی بسر ہو رہی تھی اور یہ حضرات اپنے کار منصبی میں منہمک تھے۔

سہرند بندہ بیراگی کے مظالم کا ہدف

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

یہ پہلا موقع ہے جب سہرند کو وزیر خان کی گورنری کے دور ۱۷۱۰ء میں سکھوں کے غیظ و غضب سے سابقہ پڑا۔ بندہ بیراگی نے اسے اپنے طوفان کا ہدف بنایا۔

بندہ بیراگی نے جب گرو گوبند سنگھ کے نوعمر صاحبزادگان کے ظالمانہ قتل کی داستان سنی (جو کہ نواب وزیر خاں کے حکم سے ہوا تھا) پھر خود گرو گوبند سنگھ کے خنجر کے ذریعہ قتل کی اور بدقسمتی یہ کہ وہ قاتل بھی اس بدنصیب شہر سہرند کے تھے، اس کا خون کھول گیا وہ تیزی کے ساتھ پنجاب پر جھپٹا اور مغلیہ حکومت کی ساری مشنری کے پرزے اڑ دیئے۔ غضب ناک سکھ محض اشارے کے منتظر تھے۔ وہ آناً فاناً میں اس کے گرد اکھٹے ہو گئے۔ چھ مہینے کے اندر شروع نومبر ۱۷۰۹ء تک تمام امراء سلطنت

[1] سرہند تھرو ایجیز P.29-30 Sirhind Through Ages

ستلج کے کنارے کی حدود سے بہہ کر غائب ہو چکے تھے۔

اس علاقہ میں سکھوں کے مجتمع ہونے کی اطلاع وزیر خان اور دیوان لاہور نے شہنشاہ کو دے کر مدد کی درخواست کی چنانچہ شہنشاہ نے چاروں طرف کے فوج داروں کو وزیر خان کی مدد کے احکام جاری کیے۔

سرہند کی جنگ چپر چیری کے مقام پر (دوشنبہ ۱۲ر مئی ۱۷۱۰ء/۱۳ر بیع الاول ۱۱۲۲ھ) کولڑی گئی جب وزیر خان نے دیکھا کہ لڑائی ختم ہو چکی ہے تو اس نے بڑھ کر باج سنگھ کمانڈر پر نیزے سے وار کیا۔ باج سنگھ نے نیزہ اس کے ہاتھ سے چھین کر اس کے گھوڑے کو زخمی کر دیا۔ وزیر خان نے باج سنگھ پر تیر چلایا جس سے اس کا بازو زخمی ہو گیا اس نے پلٹ کر تلوار سے وزیر خان کو قتل کر دیا۔ سردار فتح سنگھ جو پاس کھڑا ہوا اس نے جھپٹ کر اس کے دو ٹکڑے کر دئے۔ وزیر خان کے قتل سے فیصلہ کن فتح ہو گئی۔ ۱۴ر مئی کو سکھوں کا سرہند پر تسلط ہو گیا۔ اس طرح سکھ دریائے ستلج کی ان حدود کے پوری طرح مالک ہو گئے۔ مفتوحہ علاقے کے انتظام کے لئے بندہ بیراگی نے باج سنگھ کو گورنر، فتح سنگھ کو سامانہ کا فوج دار اور باج سنگھ کے بھائی رام سنگھ کو تھانیسر کا اور اس کے ساتھ ونود سنگھ کو اس کا نائب مقرر کیا۔

دستور الانشاء مصنفہ یار محمد قلندر (جو کہ سکھ قوم پر اتھارٹی تسلیم کی جاتی ہے) کے مطابق جون ۱۷۱۰ء میں سوائے اطاعت کے چارہ کار نہ دیکھ کر بہت سے ہندوؤں اور مسلمانوں نے ان کا مذہب قبول کر لیا اور رسم و رواج اپنا لئے۔ بندہ بیراگی نے سب کو سنگھ کہہ کر مخاطب کیا۔ چنانچہ دینار خان، دینار سنگھ۔ میر ناصر الدین وقائع نگار سرہند میر ناصر سنگھ ہو گئے[1]۔

سرہند میں جو کچھ ہوا وہ تحریر میں لانے سے باہر ہے۔ لیکن دس ماہ کی قیامت خیز طوفان کے بعد اپریل آخر (۱۷۱۱ء) تک شدید رویہ میں قدرے نرمی آئی اور باقی ماندہ لوگوں کو خطبہ و نماز کی چھوٹ مل گئی اور وہ بھی کن شرطوں پر۔ صراحت ملاحظہ ہو:

سہ شنبہ ۲۸ر اپریل ۱۷۱۱ء کو شاہی وقائع نگار نے شہنشاہ کو مطلع کیا کہ بندہ سنگھ قصبہ کلانور میں یک شنبہ ۲۶ر اپریل ۱۷۱۱ء/۸ر ربیع الاول ۱۱۲۳ھ سے پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے اور اس نے اعلان

---

[1] رقعات امین الدولہ صفحہ ۶ الف

کیا ہے کہ اسے مسلمانوں سے اختلاف نہیں ہے۔انہیں خطبہ ونماز کی پوری آزادی ہے۔اس اعلان کے نتیجہ میں پانچ ہزار مسلمان سکھ فوج میں بھرتی ہو گئے۔

نہ نادر بجا ماند نے نادری

بندہ سنگھ ہفتہ ۹ر جون ۱۷۱۶ء/۱۸ر جمادی الثانی ۱۱۲۸ھ کو اپنے کیفر کردار کو پہنچا۔ بیرون شہر دہلی، مہرولی میں اسے لا کر سزائے موت دی گئی۔ یہ انتقامی حکومت عارضی ثابت ہوئی۔ مابعد کے گورنر کے دور میں سرہند نے دوبارہ عظمت رفتہ کی جانب پیش رفت شروع کر دی۔

حضرات والدین

ولادت حضرت حکیم الٰہی

سرہند پر بندہ بیراگی کے تسلط کے چار سال بعد انہیں طوفانی جالات کے درمیان فرخ سیر کے پہلے سال جلوس کے بعد اوائل ۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء میں شاہ محمد رحمت اللہ کی ولادت ہوئی۔اس وقت پنجاب کا گورنر فیروز خان میواتی تھا جو کہ وزیر خان کے قتل کے بعد متعین ہوا تھا۔یہ حسن اتفاق ہے کہ حضور قبلہ کے پیرو مرشد حضور مولانا فخر پاک کا بھی سال ولادت یہی ہے جو حضرت والد صاحب کا ہے گویا حضرت کے دونوں مربی ساتھ ساتھ منصۂ شہود پر تشریف لائے تھے۔

یہ وہ دور ہے جب کہ بندہ بیراگی نے احتیاطاً صدر دفاتر سرہند سے ہٹا کر مخلص گڑھ کے قلعہ میں منتقل کر دئے تھے اس لئے کہ شہر سرہند دارالسلطنت دہلی اور پنجاب کے صوبائی مرکز لاہور کی شاہراہ پر واقع تھا اور کسی وقت شاہی فوج کی مداخلت ہو سکتی تھی۔ بہر نوع صدر دفاتر کے ہٹنے کی وجہ سے باقی ماندہ مسلم عوام نے قدرے سکون کی سانس لی پھر اپریل ۱۷۱۱ء ربیع الاول ۱۱۲۳ھ کے اعلان عام کی وجہ سے دس ماہ قبل سے ویران مساجد میں کچھ کچھ زندگی کے آثار نظر آئے۔خطبہ ونماز جمعہ کی اجازت مل گئی تیسری وجہ اس اعلان کے بعد پانچ ہزار مسلمان سکھ فوج میں بھرتی ہو گئے تھے عسکری بالادستی نہ سہی پھر بھی نفری عسکریت تو وجود میں آ ہی گئی تھی جس کا بہر حال خیال تو رکھنا ہی تھا ان حالات کے بدلنے سے مسلم سماج کے مردہ جسم میں بھی زندگی کی رمق دکھائی دینے لگی تھی اور یہ

بھی ایک حقیقت ہے کہ تشدد ہنگامی حالات میں تو چل سکتا ہے اور وہ بھی چند روز، یہ کوئی مستقل نظام نہیں چلا سکتا۔ غزنوی، غوری، نادری اور دُرّانی حملہ آور کوئی باضابطہ نظام نہیں دے سکے اور پھر اس نظام کی بنیاد ہی جذبہ انتقام پر تھی جو کہ آنی ہوتا ہے۔

ان بدلتے حالات میں پھر سے روز مرہ کی زندگی معمول پر آنے لگی تعلیم و تربیت اور تمدّنی زندگی میں بحالی آنے لگی۔ بہ نسبت پرسکون شہری کے مہاجرین کی زندگی میں کہیں زیادہ توانائیاں ہوتی ہیں۔ یہاں بھی یہی ہوا موقع ملتے ہی پھر وہی پچھلی سی رونق نظر آنے لگی۔ انہیں غیر معمولی توانائیوں کے زمانے میں حضرت شاہ محمد رحمت اللہ کی تعلیم و تربیت ہوئی جو کہ انتہائی اعلیٰ پیمانے پر ہوئی۔ کتب متداولہ کے ساتھ ساتھ آپ نے علم طب کی بھی تکمیل کی۔ خدا نے ہاتھ میں شفا اور دل میں خدمت خلق کا جذبہ بھی دیا تھا چنانچہ چند روز میں مطب کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ یہ خبر سرکاری ارباب حل وعقد تک پہنچی۔

آپ کی مسیحا نفسی کی بدولت فیروز خان میواتی گورنر پنجاب کی سفارش و توجہ کی وجہ سے مرکز سے طبی یومیہ برائے خرچ بیماران ومحتاجان مبلغ -/2130 (دو ہزار ایک سوتیس روپے) سالانہ بذریعہ خزانہ سرہند منظور ہو گیا جو کہ ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء تک پوری پابندی کے ساتھ مقامی خزانے سے وصول ہوتا رہا۔[۱]"

ازدواجی زندگی

آپ کا نکاح ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء میں سادات رضویہ کے مشہور خانوادہ میں حضرت بی بی لاڈو" (حضرت سیدہ بی بی شاہ غریب نواز) سے ہوا۔ معظمہ حضرت سید سعید الدین رضوی خلیفہ حضرت شیخ کلیم اللہ دہلوی کی صاحبزادی اور حضرت محمد سعید چشتی نظامی کی پوتی تھیں۔ (موصوفہ کا تفصیلی تذکرہ آئندہ اوراق میں آرہا ہے)

آپ کے پہلوٹھے بیٹے حضرت نثار علی شاہ صاحب نکاح کے ایک سال بعد تولد ہوئے۔ منجھلے بیٹے حضرت نیاز احمد صاحب اور سنجھلے بیٹے حضرت غلام محمد الدین عرف راز احمد صاحب تینوں

۱۔ پروانہ طبی یومیہ ۲ حملہ صفدری پنچایت نامہ خاندان مورخہ ۱۷ ذیقعدہ ۱۲۷۷ھ جمعرات ۳۰ مئی ۱۸۶۱ء صفحہ ۲۷

صاحبزادگان کی عمروں میں کم وبیش تین تین سال کا فصل ہے اور تینوں حضرات کا مولد سرہند ہے۔[1]

یہاں چوں کہ حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بے نیاز کا تذکرہ مقصود ہے لہٰذا ان کا حال تفصیل کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے دوسرے برادران گرامی قدر کا حال اجمالاً اپنے محل پر آئے گا۔

حضرت بی بی شاہ غریب نوازؒ

حضرت بی بی شاہ غریب نوازؒ صاحبہ بڑے باپ کی بیٹی، بڑے خاوند کی بیوی، آپ ایک بڑے پیر کی مریدہ اور ایک بہت بڑے پیر کی والدہ ماجدہ ہیں۔ بیٹے کی تربیت میں حضرت والدہ ماجدہ کا پورا پورا ہاتھ تھا۔ (بقول حضور قبلہ)

شیر مادر تھا یا شراب کہن
جس کا ہے یہ خمار آنکھوں میں

حکیم قدرت اللہ قاسم مرحوم نے خود حضرت قبلہ کا قول نقل کیا ہے کہ اول اول آپ کی روحانی تربیت آپ کی والدہ ماجدہ نے فرمائی تھی اور انھیں بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کے حضور میں نسبت حاصل تھی۔[2]

ایک بار حاضرین مجلس میں سے کسی نے حضرت مولانا فخر پاک سے بی بی کی روحانی عظمت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہم ان کی نسبت کچھ نہیں کہہ سکتے کہ ترک ادب ہوتا ہے وہ اپنے مراتب میں کس کی ثانی ہیں۔ حضرت عائشہؓ، حضرت رابعہ بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی۔[3]

آپ کے پیر و مرشد حضرت محی الدین دیا سناميؒ ہیں۔ حضرت موصوف کا سلسلہ بیعت محض سات واسطوں سے حضرت غوث پاکؒ پر منتہی ہوتا ہے۔ سرکار غوثیت مآب کے حضور میں اتنی قربت قریبہ عزائیبات زمانہ سے ہے ایسا تقرب کسی سلسلہ قادریہ کا نہیں دیکھا۔[4]

حضرت قبلہ نے اپنی تصنیف شمس العین میں بطور تحدیث نعمت حضرت موصوف کا ذکر مبارک ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے:

''امام ربانی۔ شیخ حقانی۔ سید العارفین، قطب العالمین، مولانا مرشدنا سید محی

---

[1] مجموعہ نغز۔ حکیم میر قدرت اللہ قاسم صفحہ ۲۸۸
[2] ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۷
[3] ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۲
[4] شمس العین (قلمی) صفحہ ۱۶۳-۱۶۲

الدین دیا سنامی قادری علیہ الرحمتہ کہ والدہ ماجدۂ ایں فقیر کمالات فقراز اں جناب فیض مآب یافتہ اندوایں ذرۂ فقر کہ دریں فقیراست نیز تصدیق ہمیں جنابست۔"[1]

(امام ربانی شیخ حقانی سید العارفین، قطب العالمین، مولانا ومرشدنا سید محی الدین دیا سنامی قادری کہ اس فقیر کی والدہ ماجدہ نے کمالات فقرآن جناب فیض مآب سے پائے ہیں اور یہ ذرۂ فقر جو کہ اس فقیر (نیاز احمد) میں ہے وہ بھی انہیں جناب کے تصدق میں ہے۔)

معظمہ زبردست صاحب تصرف ولیہ کاملہ ہیں۔ صاحب کرامات نظامیہ نے بحالت قیام دہلی حضرت موصوفہ سے متعلق قحط کے زمانہ کے دو واقعہ تحریر کیے ہیں۔ ایک آپ کے روحانی تصرف پر مشتمل ہے اور دوسرا آپ کی سخاوت وایثار پر:

۱۔ دہلی میں دریائے جمنا کے کنارے ایک مجذوب جھونپڑی ڈالے رہا کرتے تھے جو بہت ٹوٹی پھوٹی تھی۔ موسم برسات میں وہ اس خطرے میں کہ بارش میں ان کی جھونپڑی بہہ جائے گی بارش نہیں ہونے دیتے تھے، یہ اطلاع بادشاہ کو ہوئی تو اس نے بھی مجذوب کو راضی کرنے میں ناکامی محسوس کی تو بی بی صاحبہ سے باصرار رجوع کیا آپ نے اپنی خادمہ بی بی نورن کے ذریعے ایسی بارش کرادی کہ دریائے جمنا میں طغیانی آگئی مگر اس اہتمام کے ساتھ کہ مجذوب صاحب کی جونپڑی کے گرد چالیس چالیس قدم تک کوئی قطرۂ آب نہیں گراتھا۔

۲۔ جس وقت دہلی میں سخت قحط ہوا اور مخلوق خدا بھوک سے مرنے لگی تو آپ نے اپنا جواہرات سے مرصع زیور فروخت فرما کر چنے خریدے جن سے دو مکان چھت تک بھر دیئے اور آدمی مقرر کردیئے کہ فی آدمی پون کلو چنے دے دے۔ یہ کام صبح سے شروع ہو کر رات کے نو بجے تک پورے قحط کے زمانے میں جاری رہا۔

عزیزم جناب قمر رضا خاں سلمہٗ (برادر خورد عزیزم عالی قدر اختر رضا خاں سلمہ) زیب سجادہ حضرت مفتی اعظم ہند نے راقم سے یہ روایت بیاں کی کہ حضرت کاظم علی خاں صاحب کے فرزند حضرت رضا علی صاحب کی اولاد نہیں تھی حضرت موصوف نے حضرت بی بی صاحبہ کے حضور میں عرض کرایا کہ حضور ہمارے گھر میں بھی آگے چراغ جلے گا یا نہیں جوابا حضرت بی بی شاہ غریب نواز

---

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۷۶

نے بشارت دی کہ انشاء اللہ ضرور روشن ہوگا دو فرزند ہوں گے ایک دین دار ہوگا اور دوسرا دنیا دار
حضرت معظمہ کی بشارت پوری ہوئی دین دار اور عالم فرزند حضرت نقی علی خاں صاحب (والد ماجد
اعلیٰ حضرت فاضل بریلویؒ) اور دنیا دار فرزند جناب تقی علی خان صاحب تھے۔

حضرت بی بی شاہ غریب نواز صاحبہ کے تصرفات و کرامات اس کثرت سے ہیں کہ اگر ان
کو بیان کیا جائے تو مستقل کتاب ہو جائے۔ معظمہ کی خادمائیں اور کنیزیں صاحب تصرفات و
کرامات ہوئی ہیں۔ کرامات کے دلدادہ تفصیل کے لئے کرامات نظامیہ ملاحظہ فرمائیں۔

آپ کی پردہ نشینی کا یہ عالم تھا کہ ہمیشہ اپنے شیخ سے بھی اپنے حالات اپنی مرشدزادی بی بی
عصمت صاحبہ کی معرفت پیش کرتی تھیں اور انھیں بھی اپنی مرشدہ سمجھتیں۔[1]

کوئی عورت باہر نکلنے والی مثلاً دھوبن، بھنگن وغیرہ کے بھی سامنے نہیں آتی تھیں اور مدت
العمر آپ کے کپڑے دھوبی کے گھر دھلنے نہیں گئے۔[2]

بی بی صاحبہ نے تقریباً سو سال عمر پائی۔ جس میں سے چودہ سال دہلی میں اور تریسٹھ سال
بریلی میں قیام رہا۔ حضور قبلہ کو جب بھی روحانی مسائل درپیش ہوتے تو وہ حضرت والدہ صاحب
سے رجوع فرماتے:

ع کاد بتائید نظر حل معمہ می کرد

تقلیل غذا کی وجہ سے بی بی صاحب کا جسم منحنی ہو کر رہ گیا تھا آپ کے لال کھارے کے
موزے آج بھی اس امر کے شاہد ہیں۔ تین سال قبل (۱۲۱۴ھ/۱۷۹۹ء) سے صرف چند تولہ
بالائی غذا رہ گئی تھی۔ اس وقت کے حکیموں نے یہ کہا کہ بغیر اناج کے آدمی کی زندگی ممکن نہیں آپ کو
غذا دینی چاہئے۔ چنانچہ اول روز ایک دانہ گیہوں بالائی میں گھس کر آپ کو دیا گیا اس روز آپ نے
نیاز بے نیاز کو بلا کر فرمایا کہ کوئی چیز ہم کو ایسی دی گئی ہے جس سے ہمارے کوٹھہ میں تاریکی پیدا ہوئی
ایسا فعل مناسب نہیں۔ اطبا نے یہ نتیجہ نکالا کہ تین سال بعد ایک دانہ گیہوں دینے کی وجہ سے حضور کو
گرانی ہوئی ہے دو چار روز بعد عادت ہو جائے گی اور پھر یہ گرانی محسوس نہ ہوگی۔ دوسرے روز
دو دانے اور تیسرے روز تین دانے استعمال کرائے گئے۔ آپ نے نیاز بے نیاز کو بلا کر فرمایا

---

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۱۰ [2] کرامات نظامیہ صفحہ ۸

ممانعت کے باوجود کچھ خیال نہ کیا گیا اور ہمارا کوٹھہ خراب کیا گیا۔ شاید ہمارا رہنا تم لوگوں کو پسند نہیں۔ اچھا ہمارے لئے بندوبست کرو ہم جاتی ہیں۔ ہر چند حضور قبلہ نے منت وسماجت کی لیکن قبول نہ ہوئی۔[1]

بروز چہار شنبہ ۶ ربیع الاول ۱۲۱۷ھ /۷ جولائی ۱۸۰۲ء کو اپنے رفیق اعلیٰ کے حضور روانہ ہوگئیں۔ إنا لله و انا اليه راجعون ٥

گویا یک شنبہ ۳ ربیع الاول سے مزاج مبارک میں تغیر واقع ہونا شروع ہوا اطباء کی تدابیر ناکام ہوتی رہیں اور چوتھے روز واقعۂ ارتحال پیش آیا۔

اپنے شوہر حضرت حکیم الٰہی کے پہلو میں مشرق جانب دفن ہوئیں۔ آپ کی تربت حضرت حکیم صاحب کی تربت سے قدرے پست اور اس کا اوپر کا حصہ سپاٹ ہے۔ ہر دو حضرات کے مزارات زیارت گاہ خلائق ہیں۔

بڑے ابا نے ان حضرات کی فاتحہ بروز اتوار ۲ نومبر ۱۹۳۰ء سے بڑے عرس کی ۱۰ جمادی الآخر ۱۳۴۹ھ کی دوپہر میں شروع کردی گویا حضرت مولوی عبید اللہ صاحب کا عرس مبارک اور فاتحہ طعام ایک وقت شام کا رہ گیا۔[2]

مہر: آپ کی مہر انگوٹھی والی تھی جو کہ آپ کی تحریروں اور والا ناموں پر ثبت کی جاتی تھی۔ اس کی عبارت کن فی الدنیا کأ نك غريب ہے یہ ایک حدیث شریف کن فی الدنیا کانك غريب كعابرى سبيل کا پہلا جز ہے۔

سرہند کا سیاسی پس منظر

اٹھارہویں صدی عیسوی یوں تو ساری دنیا کے لئے خلفشار کا پیغام لائی لیکن خاص طور سے عظیم ہندوستان میں اورنگ زیب کی موت (۱۷۰۷ء) سلطنت مغلیہ کے زوال کا سبب بنی۔ خود

---

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۱۱

[2] از ڈائری جناب محمد صدیق صاحب بچھرایونی مرحوم۔ بروز اتوار ۲ نومبر ۱۹۳۰ء /۱۰ جمادی الآخر ۱۳۴۹ھ ''آج دوپھر سے فاتحہ، قرآن خانی، طعام حضرت (بی بی شاہ) غریب نواز علیہا الرحمۃ شروع کیے گئے۔

غرض اور ناعاقبت اندیش بیٹوں نے ملک کا شیرازہ بکھیر دیا۔ زیردستوں نے سر اٹھایا۔ ملک میں ہر طرف بغاوت، سرکشی اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ یہ ملک خود مختاری کا ایسا شکار ہوا کہ ملک کے گوشے گوشے میں بدامنی کا راج ہو گیا۔ کشمیر سے کنیا کماری تک پھیلا ہوا رقبہ سمٹ کر دہلی تک محدود ہوتا جا رہا تھا اور وہ بھی دوسروں کے ہاتھوں میں تھا۔ باہری طاقتیں بلا روک ٹوک دندناتی ہوئی ملک کے اندر چلی آ رہی تھیں۔ اور جو بلا بھی آسمان سے ٹوٹ رہی تھی وہ سیدھی دہلی کا رخ کر رہی تھی۔

جمادی الاول ۱۱۵۲ھ/اگست ۱۷۳۹ء میں نادر شاہی لوٹ مار اور بزن۔ سکھوں کی چیرہ دستیاں، اس کے ساتھ ہی ساتھ مرہٹے تھے کہ سیلاب بلا کی طرح ٹھاٹھیں مارتے چلے آ رہے تھے۔ بادشاہوں کی عیاشیاں، غفلت پسندیاں اور امراء کی سازشیں، مرہٹوں کی تاخت و تاراج میں اور بھی مددگار ثابت ہوئیں۔ اورنگ زیب نے جن طاقتوں کو پسپا کرنے میں اپنی عمر صرف کر دی تھی وہی برسر اقتدار آ رہی تھیں۔ سید بھائیوں حسین علی اور عبداللہ نے اپنی سیاسی کش مکش کے دوران مرہٹوں سے ساز باز کر لی تھی انہیں سر دیش مکھی کا اختیار دے دیا۔ پھر فروری ۱۷۱۹ء میں انہیں ساتھ لے کر دہلی پر حملہ کر دیا۔[1] اس کے بعد تو گویا سیلاب عظیم کا بند ٹوٹ گیا ان کا ارادہ اٹک سے کٹک تک راج کرنے کا تھا۔

نادر شاہی حملے نے ملک کا سیاسی نظام چور چور کر کے رکھ دیا۔ باہری حملوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جنھوں نے رہی سہی ساکھ بھی خاک میں ملا دی۔ اسی دوران پنجاب کا نظم و نسق بھی بے قابو ہو گیا۔ جس نے سکھوں کو اپنی جڑیں مضبوط کرنے کا موقع مل گیا ان کی فوجی طاقت کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ پنجاب میں مسلمانوں کی حالت نا قابل بیان تھی بالخصوص سرہند والوں کی۔ یہ شہر نہ صرف بار بار لوٹا گیا اور قتل و غارت گری کا شکار ہوا اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ بلکہ ان اینٹوں کو دریا بُرد کرنا بھی نیک شگون سمجھا گیا۔ اس تباہی اور بربادی اور جبریہ تبدیلی مذہب سے بچی ہوئی آبادی موت کے سایوں تلے امید و بیم کی زندگی گزارتی رہی۔ اب مورخ ڈیوس راس کا بیان ملاحظہ ہو:

When the Sikhs became master of the Country from Sutlaj to the Jamuna. They totally destroyed the city (Sirhind), and their decendents still think it a meritorious act to take away a brick from the ruins and drop it into one of those rivers.[2]

---

[1] تاریخ بریلی۔ منشی عبدالعزیز خاں مرحوم [2] Sirhind Through Ages P. 16

''جب سکھ ستلج سے جمنا تک ملک کے مالک ہو گئے تو انہوں نے شہر (سرہند) کو قطعی برباد کر دیا اور اب بھی ان کی اولاد ان کے کھنڈروں کی اینٹ کو لے جا کر کسی دریا میں ڈبونے کے عمل کو فخر وامتیاز کا کارنامہ خیال کرتی ہے''

اب ذرا ریاست پٹیالہ کے نمک خوار مورخ خلیفہ محمد حسین کے ذریعہ اس تاریک دور کی داستان سن لیجئے:

''یہ ایسا وقت تھا کہ محمد شاہ شہنشاہ دہلی کے دربار میں مسخرے بھرے ہوئے تھے اور بادشاہ کا قلمدان اس کی کوکی (رضاعی بہن) بی رحیم النساء کے سپرد تھا اور وہی صاحب دستخط تھی۔ عرائض پر اسی کے احکام جاری ہوتے تھے۔

نظام الملک آصف (جاہ) جو منتظم اور دانشمند وزیر تھا جب اس کی کچھ پیش نہ چلی تو ناراض ہو کر دکن کو چلا گیا تھا اور بادشاہ سلامت کو سوائے بھڑووے بھگتیوں اور ڈوم ڈھاریوں کی باتیں اور گانا بجانا سننے کے، سلطنت کے کاروبار کی طرف مطلق توجہ نہ تھی۔

سرہند کے گردونواح کے ملک اور نالی[1] کے علاقہ میں ڈاکے پڑتے تھے اور راستے لٹتے تھے اور (ان دنوں) وہ بہت غیر آباد (ہو گیا) تھا۔

چنانچہ ایک فرمان کے بموجب جو مورخہ ۱۲ رمضان ۱۱۳۷ھ/۴ جون ۱۷۲۵ء کو شہنشاہ موصوف نے مہاراج (بابا آلا سنگھ) کے نام صادر فرمایا تھا اور نواب میر منو خان اور سمیع یار خاں کے ہاتھ ان کے پاس بھیجا تھا اور اس میں حکم تھا کہ بھدوڑ کا رہنا چھوڑ کر سرہند میں سکونت اختیار کریں اور ملک کا انتظام کریں اور یہ بھی درج تھا کہ تمہارا انتظام دیکھ کر راجگی کا خطاب تم کو دیا جائے گا۔

چونکہ بھٹیوں سے ان کا پرانا عناد چلا آتا تھا اور بادشاہی فرمان کے آ جانے سے (مہاراج کو) اس کی اجازت بھی حاصل ہو گئی تھی۔

مہاراج (موصوف) نے ان کے ملک پر تصرف کا ارادہ کیا اور اس غرض سے الہ داد خاں بوہاوالہ اور عنایت خان اور ولایت خان بولاڈہ والے اور باقر خان ہریادوالہ پر حملے شروع کیے جو محمد امین خان رئیس بھمیز کے بھائی برادر تھے اور یہ حملے تقریباً سمت ۱۷۹۸/۱۷۴۱ء تک

[1] موننک اور فتح آباد کا علاقہ جس میں سے دریا گھگر گزرتا ہے اس کو نالی کا علاقہ کہتے ہیں۔ تاریخ پٹیالہ صفحہ ۴۵

جاری رکھے۔[1] (نومبر) ۱۷۴۱ء/سمت ۱۷۹۸ء میں نواب علی محمد خان روہیلہ کا سرہند میں بہ حیثیت چکلہ دار تقرر ہوا۔ پاکپتن سے واپسی میں امراء و عمائد نواب سے ملاقات کے لئے گئے جن میں آلہ سنگھ بھی شامل تھے۔ بھیکن خان رئیس کوٹلہ اور ہمسایہ سرداروں کی درانداز ی سے نواب (موصوف) نے مہاراج آلہ سنگھ کو قید کرلیا[2] مگر کرما (سنگھ سمیکا) نامی شخص نے اپنے کپڑے پہنا کر نانوں سنگھ سینی کی مدد سے اسے قلعہ سنام کی قید سے فرار کردیا۔ یہ واقعہ (جمادی الاول) ۱۱۶۰ھ/(مئی) ۱۷۴۷ء کا ہے اسی زمانے میں نادر شاہ کا قتل ہوا اور وہ آگے لکھتے ہیں:

''مہاراج آلہ سنگھ برنالہ پہنچ کر نواب سے بدلہ لینے کا سامان کرنے لگے اسی زمانہ میں نواب کی بدلی ہوگئی۔ یہ لڑائی جو اس کی بدسلوکی کے باعث ہونے والی تھی ملتوی رہ گئی اور پانچ مہینے کے عرصے میں (اہالیان شہر) سے اطاعت کرانے میں کامیاب ہوگئے۔

مولف تاریخ پٹیالہ حق نمک کی ادائیگی میں مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اگرچہ اس دس سال کے عرصے میں مختلف مقامات پر لڑائیاں ہوتی رہیں لیکن کوئی لڑائی ایسی نہیں ہوئی جس کا حال تاریخ میں لکھنے کے قابل ہو۔[3]''

معلوم نہیں فاضل مورخ کے نزدیک کون سے حالات تاریخ میں لکھنے کے قابل ہوتے ہیں؟ اس دس سالہ مدت میں بندہ بیراگی کے لرزہ خیز مظالم برابر دہرائے جاتے رہے۔ دہشت گردی پنجاب میں اپنے شباب پر تھی۔ دراصل یہ غیر معمولی دہشت گردی اور طوفان خیز تلاطم آلا سنگھ کی گرفتاری کے ردعمل میں ہو رہے تھے۔ آلا سنگھ کے ہمنواؤں نے ظلم وستم کی انتہا کردی تھی۔

---

[1] سرہند درحقیقت مالیر کوٹلہ کے تصرف میں تھا۔ شیر خاں کے بیٹے جمال خاں اور اس کے بزرگ سلاطین دہلی کے ملازم اور چکلہ سرہند میں معزز عہدوں پر فائز تھے اسے آلا سنگھ اور اس کے بیٹے امر سنگھ نے دبالیا

Sirhind Through The Ages p.108

[2] تاریخ پٹیالہ صفحہ ۴۸ [3] تاریخ پٹیالہ صفحہ ۴۵

باب دوم

تیسری ہجرت جانب دہلی

اب اصل مدعا کی جانب ذرا توجہ فرماتے چلئے۔

''حضرت والدہ ماجدہ اپنے چاند سے دلبند کی تربیت میں مصروف ومگن تھیں۔ بڑے بیٹے نثار علی شاہ اچھے خاصے بڑے تھے ان کی بسم اللہ تو کبھی کی ہوگئی تھی۔ اب تو پوری توجہ ننھے منھے کی طرف تھی۔ وہ بڑے پیار اور دلار سے پال پوس رہی تھیں۔ ان کی پرورش کا انداز بھی مختلف تھا۔ اس ننھے منھے کے لئے کتنی بشارتیں تھیں۔ بڑی دھیمی چال سے دبے پاؤں دن نکل رہے تھے۔

ابھی مشکل سے چار منزلیں طے ہونے پائی تھیں کہ اللہ میاں نے ایک دوسرا لاڈلا دے دیا۔ یہ غلام محی الدین ہیں۔ ماں نے اپنے پیر و مرشد کے نام نامی محی الدین پر نام رکھا ہے۔ عرف نام راز احمد ہے۔

ابھی منا چند ہی مہینے کا ہوا تھا کہ سرہند شہر میں قیامت صغریٰ برپا ہوگئی شہر کے کسی گوشے میں چین نہیں تھا۔ دہلی کی مرکزی حکومت بے دست وپا تماشائی تھی۔

تاراج کرنے والوں نے محاصرہ کر کے شہر کو نرغے میں لے لیا تھا۔ ہر گھڑی یہ محسوس ہوتا تھا کہ اب قتل وغارتگری کا بازار گرم ہوا۔ پھر تو حسب معمول جو چاہیں گے کریں گے۔ اسی خلفشار کے عالم میں حضرت کے والدین نے احباب کے بے حد اصرار کے باوجود دہلی کو ہجرت کا پختہ ارادہ کرلیا جہاں سگے اور شفیق خسر حضرت سید سعید الدین (ابن حضرت شیخ محمد سعید چشتی نظامی)[1] رضوی موجود تھے۔ ارادہ کے دھنی بس اللہ کا نام لے کر چل کھڑے ہوئے۔ سارا اثاثہ پچھلا اندوختہ روپیہ پیسہ سب یہیں چھوڑ دیا جو بعد میں لوٹ مار کی نذر ہوگیا، مکانات اور کاغذات سب

---

[1] ''حضرت شیخ محمد سعید (رضوی سرہندی) چشتی نظامی علیہ الرحمۃ کہ جد شریف حضرت والدہ ماجدہ فقیر دام اللہ برکاتہا علیہا مستند ونسبت فقر وخلعت خلافت از خاندان عالی شان چشتیہ نظامیہ یافتہ اند۔ شمس العین (قلمی) بند نمبر ۱۷ صفحہ ۱۷۸۔۱۷۷

ضائع ہوگئے۔

دریں دریائے بے پایاں دریں طوفان موج افزا
دل افگندیم بسم اللّٰہ مجریھا و مرسٰھا

حضرت نیاز بے نیاز کی والدہ ماجدہ مع بچوں کے پالکی میں سوار ہوئیں۔ حضرت والد ماجد مع دیگر متعلقین سواریوں پر غرض کہ روحانیوں کا یہ مختصر قافلہ اس مغلوب الغضب اور مشتعل اژدہام کثیر میں سے بنا مزاحمت کے محفوظ نکل گیا۔ بس سب سے بڑی دولت یہ تھی کہ تمام متعلقین زندہ و سلامت بخیر وخوبی دہلی پہنچ گئے۔ ہمراہیوں میں کچھ باندیاں اور غلام بھی تھے انہیں میں ایک باندی حضرت بی بی نورن بھی تھیں [۱] جو بہت بڑی ولیہ کاملہ تھیں پھر نہیں معلوم اہل شہر پر کیا قیامت بیتی؟ یہ واقعہ حائلہ ربیع الاول سے رجب ۱۱۵۹ھ/اپریل تا اگست ۱۷۴۶ء کا ہے۔

اس حادثہ کے مظلوم کا بیان ملاحظہ کیجئے:

(چہار شنبہ ۱۸/مارچ ۱۷۶۱ء/۲۵ شعبان ۱۱۷۴ھ) احمد شاہ ابدالی نے منصب قضا دیتے وقت قوم کی تصدیق چاہی تو حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ روپیہ پیسہ مکانات کاغذات سب سرہند میں چھوڑ آیا ہوں جو ضائع ہوگئے۔ [۲]

اب خود فاضل مورخ پٹیالہ اور سرکاری نمک خوار کے الفاظ حاضر ہیں جس کے مختصر بیان سے بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ جاندار تو بہر حال ظلم وستم کا نشانہ تھے ہی۔ خاموش مقبرے بھی ان کے ہاتھوں سے نہیں بچ سکے اور پورا شہر ویرانی کا مسکن ہوگیا تھا۔ شہر سرہند کی یہ کیفیت تقریباً پندرہ سال تک رہی۔

''جب احمد شاہ درانی سرہند کا چکلہ مہاراج آلا سنگھ کو (مارچ ۱۷۶۱ء) میں دے کر ولایت افغانستان چلا گیا مہراج نے نئی بھرتی کر کے ملک کا انتظام کرلیا اور سرہند کی آبادی بھی کچھ کم ہوگئی [۳] اور بادشاہ (احمد شاہ) کے پیروں (حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور ان کی اولاد واحفاد) کے مقبروں کی بھی (جو سرہند میں تھے اور جنھیں قیامت صغریٰ کے زمانے میں ڈھایا گیا تھا) تعمیر اور

---

[۱] کرامات نظامی صفحہ ۷ [۲] کرامات نظامی صفحہ ۱۱

[۳] تاریخ پٹیالہ خلیفہ محمد حسین صفحہ ۶۷

مرمت ہوگئی۔'' کس حسن و خوبی کے ساتھ فاضل مورخ مظالم کے اس پورے باب کو تہ نشین کر گئے۔ گویا کوئی قابل ذکر حادثہ ہی نہیں ہوا جب کہ پورا شہر صاف کر دیا گیا۔

تیسری ہجرت :

ان حالات میں اس روحانی قافلے کی تیسری ہجرت عمل میں آئی۔ یہ حضرت نیاز بے نیاز کی عمر کا پانچواں سال[1] اور محمد شاہ رنگیلے کا آخری زمانہ تھا۔ دہلی کے حالات بھی پر سکون نہ تھے۔

نادر شاہی لوٹ مار اور قتل و غارتگری کے باوجود حضرت دہلی میں ایک کشش تھی۔ یہ عظیم ہندوستان کا پایہ تخت تھا۔ یہاں بائیس خواجہ کی چوکھٹ تھی۔ دنیا بھر سے لوگ کھنچے چلے آرہے تھے۔ چپہ چپہ پر مدرسے اور خانقاہیں تھیں۔ کوچہ و بازار سبھی اپنی دل کشی کا سامان پیش کر رہے تھے۔ دہلی اپنی خاصیت میں سنہری، روپہلی ہو رہی تھی۔ جہاں بائیس خواجہ نے دہلی کو نوازا تھا۔ علماء نے ترویج دین میں اپنا خون پسینہ ایک کر دیا تھا وہیں ہزاروں خانہ ویران تھے۔

دہلی میں ان پناہ گزین مہاجروں کے لئے جائے پناہ موجود تھی۔ حضرت والدہ ماجدہ کے والد حضرت سعید الدین رضوی کا مکان تھا۔[2] جو حضرت شیخ کلیم اللہ دہلویؒ کی روشن کی ہوئی شمع عرفانی سے دہلی کو منور فرما رہے تھے۔

غرض کہ محلّہ کھاری باؤلی متصل لاہوری دروازہ میں قیام ہوا۔ محلّہ کی آبادی ملی جلی تھی۔ ہندوں اور مسلمانوں کے آپسی تعلقات سگے رشتہ داروں جیسے تھے۔ شیر و شکر ہو کر ساتھ رہ رہے تھے۔ یہ مکان دو منزلہ تھا۔ زیریں منزل میں زنانخانہ تھا آگے چل کر اس کے بالا خانے پر آپ مطالعہ فرماتے تھے۔ مکان کے قریب نیم کا ایک درخت تھا۔[3]

تقریب بسم اللہ: چار سال اور چار ماہ اور چار دن کی عمر میں (بروز چہار شنبہ ۲۹ رجب ۱۱۵۹ھ/۲۰ اگست ۱۷۴۶ء/ بھادوں ۱۸۰۳/۱۷ کو) حضرت نانا صاحب نے جب اپنے قرۃ العین کی بسم اللہ پڑھائی تو یہ معلوم ہوا کہ صاحب زادے سترہ پارے پڑھ

---

[1] نازو نیاز جلد اول صفحہ ۳
[2] کرامات نظامی صفحہ ۱۲
[3] ضیا الشعراء خوب چندذکا دہلوی (قلمی) صفحہ ۴۹۱ و عمدہ منتخبہ صفحہ ۲۶۸

چکے ہیں۔ لہٰذا حضرت نانا صاحبؒ نے بسم اللہ پڑھانے کے بجائے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کلمہ شریف تلقین فرمادیا۔ اس کے بعد حضرت والدہ صاحبہ انتہائی کوشش کے ساتھ تعلیم وتربیت فرماتی رہیں۔[1]

دہلی میں حضرت فخر جہاں کی آمد

اسی دوران میں ایک تاریخ ساز واقعہ پیش آیا وہ حضرت فخر الدین فخر جہاںؒ کی آمد تھی۔ آپ حضرت خواجہ اجمیری کی زیارت کرتے ہوئے دہلی حاضر ہوئے۔ یہ آخر ماہ رجب تھا۔ حضرت مولانا صاحب خود دہلی کے سفر کی روداد سے اپنے خلفیہ حضرت خواجہ محی الدین صاحب مطلع فرماتے ہیں:

''اول زیارت حضرت خواجہ صاحب (معین الدین حسن سجزی اجمیریؒ) حاصل کردہ در جناب خواجہ شہید المحبت (قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ) ایدنی اللہ الخفی والجلی۔ در جہاں آباد (شیش محل) نزدیک ترپولیہ در کٹرہ پھلیل می باشم[2]'' مرزا محمد اختر بریلوی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب حضرت دہلی تشریف لائے تو شیش محل (میں قیام فرما ہوئے تو یہ اس وقت) شاہجہاں آباد سے باہر تھا بعدہٗ اجمیری دروازہ کے باہر خانقاہ تیار ہوئی مسجد و خانقاہ کی تو کاتب نے بھی زیارت کی ہے اب جو وہاں سے نہر نکلی ہے وہ مسجد منہدم ہوگئی ہے، چند قبروں کے نشان ابھی باقی ہیں۔[3]''

حضرت نیاز بے نیاز اپنی بیاض میں تحریر فرماتے:

''من بعد در سال یک ہزار شصت ہجری ۱۰۶۰ھ کو سن احد جلوس احمد شاہی بود حضرت مولانا از زیارت اجمیر شریف پس ازاں از زیارت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ پس ازاں زیارت حضرت نصیر الدین چراغ دہلی پس ازاں زیارت حضرت سلطان المشائخ فراغت حاصل کردہ۔ داخل شاہجہاں آباد شدند و مشرف بازیارت حضرت شیخ کلیم اللہ دہلویؒ شدہ در کٹرۂ پھلیل فرد کش شدند و چند مدت دراں اقامت فرمودہ در مدرسہ نواب غازی الدین خاں رونق افزا شدند

---

1. کرامات صفحہ ۱۲ وناز و نیاز جلد اول صفحہ ۷
2. مکتوبات مولانا فخر الدین (قلمی) کتب خانہ راقم صفحہ ۳
3. تذکرہ اولیاء ہند صفحہ ۲۵۹

وتابزیست درس و تدریس تفسیر و حدیث وفقہ کردند۔درسال یک ہزار یکصد ونودونہ ھ (۱۱۹۹ھ/۱۷۸۵ء)ازیں جہاں رحلت فرمودہ بدرگاہ حضرت قطب الدین علیہ الرحمۃ (عقب مسجد ومتصل احاطہ زیارت) مدفون شدند۔[1]

صاحب مناقب فخریہ نے دہلی آمد کا یہی سنہ تحریر کیا ہے اس وقت حضرت مولانا کی عمر کا چونتیسواں سال تھا۔حضرت مولانا فخرالدین فخر جہاں کی دہلی آمد ایک غیبی اشارہ، روحانی حکم یا حضرت والد ماجد کی وصیت کے مطابق تھی۔آخرزمانے میں جب کہ فخر پاک کی عمر چودہ پندرہ سال کی تھی۔حضرت شاہ شاہان کودوسری طرف کی لوگی ہوئی تھی۔ادھر حضرت مولانا کا رجحان فقر کی طرف بالکل نہ تھا جس کی وجہ سے حضرت موصوف بے حد فکر مند رہتے تھے۔[2]

خلیفہ نصیرالزماں خاں صاحب نیازی لکھتے ہیں کہ

"ابتدائے عمر میں حضرت سید العاشقین سند المعشوقین حضرت مولانا سید فخرالدین محمد رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت متوجہ طرف بانکپن کے تھی اور ہمیشہ بوضع سپاہیانہ رہتے تھے اور طرف حصول فقر کی توجہ مطلق نہ تھی۔ایک روز ان کے والد حضرت شاہ شاہان نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نیاز بے نیاز کے نانا حضرت سعیدالدین رحمۃ اللہ علیہ سے جوان کے برادر ہم خرقہ تھے ارشادفرمایا:

"بھائی سعیدالدین مجھے آپ سے ایک کام ہے اگر آپ اسے پورا کردیں۔اس وقت فخرالدین کی طبیعت فقر حاصل کرنے کی طرف مائل نہیں ہے۔اس کا جی ہمیشہ سیروشکار میں پڑا رہتا ہے۔میرے انتقال کے بعد ایک وقت آئے گا جب کہ وہ آپ کی خدمت میں (بغرض حصول فقر) حاضر ہوگا، مجھے امید ہے کہ آپ فخرالدین کوفقر کی دولت عطا فرمائیں گے۔حتیٰ کہ وہ درجۂ کمال تک پہنچ جائے۔"

وصال حضرت شیخ کلیم اللہ دہلویؒ:

دوشنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ/۱۷ اکتوبر ۱۷۲۹ء کو حضرت شیخ کلیم اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] مناقب فخریہ

[2] مناقب فخریہ

نے وصال فرمایا، شیخ کی وصال کی تڑپ روز بروز بڑھتی جارہی تھی صرف ۷ر ماہ ۱۲ر روز بعد وہ وقت بھی آ گیا جس کے لئے حضرت شاہ شاہان بہ عجلت سامان سفر کی تیاری کر رہے تھے۔

وصال حضرت شاہ شاہان:

دوشنبہ ۱۲ر ذیقعدہ ۱۱۴۲ھ/۱۹ر مئی ۱۷۳۰ء حضرت موصوف نے اپنے دلبند کو اپنے داماد قاضی کریم الدین کے ذریعہ بلا کر اپنے سینہ مبارک سے چمٹا کر باطنی امانتیں سپرد فرمادیں اور خود رفیق اعلیٰ سے جا ملے جس کے وصال کی تڑپ تھی۔[1]

إنا لله و إنا اليه راجعون

وصال کے بعد حسب روایت رؤسا و عمایدِ شہر حاضر خدمت ہوئے اور چاہا کہ مولانا صاحب کو سجادہ پدر بزرگوار پر بیٹھائیں اور رسم بیعت جاری کرائیں لیکن مولانا نے انکار کیا اور فرمایا کہ بغیر دہلی ہو آنے کے ایسا ممکن نہیں۔

چونکہ اس اہم کام کے لئے علم ماموراتِ و منہیات کی تکمیل لازمی و اہم تھی لہٰذا حضرت والد ماجد کے بعد بھی تین سال تک آپ کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا اس کے بعد آپ نے پدری سجادہ مشیخت کو زینت بخشنے کے بجائے ملٹری میں ملازمت کرلی ادھر اپنی مشغولیت بھی جاری رکھی۔

حضرت والد ماجد کی وصیت بھی کچھ کے لیتی آخرش چودہ پندرہ سال کی فوجی ملازمت کو خیرباد کہہ کر گھر لوٹ آئے۔ آہستہ آہستہ لوگوں کو خبر ہوئی۔ عقیدت مندوں کا ہجوم ہونے لگا۔

ایک رات حضرت والد صاحب کو خواب میں دیکھا کہ وہ ہدایت فرمارہے ہیں چنانچہ آپ چل کھڑے ہوئے حافظ اکبر علی خاں صاحب نے حضرت مولانا صاحب کی سفر کی تفصیلات بیان کی ہیں جنہیں بخوف طوالت نظرانداز کیا جارہا ہے۔[2]

مختصر یہ کہ حضرت مولانا صاحب گھر سے روانہ ہوگئے۔ حضرت خواجہ غریب نواز اور اشیاخ

۱۔ مناقب فخریہ صفحہ ۱۰

۲۔ ایہادِ اکبری۔ خلیفہ حافظ محمد اکبر علی خاں موری دروازہ، رام پور صفحہ ۴۴۳

سلسلہ کے مزارات کی زیارتیں کرتے ہوئے بعد طئ منازل شدیدہ حضرت نیاز بے نیاز کے نانا حضرت سید سعید الدین رضوی کی خدمت میں جا پہنچے اور یہی منزل تھی۔

حضرت ممدوح شاید اسی غرض سے اب تک حیات تھے۔آپ نے بڑی شفقت سے مولانا صاحب کو اپنے پاس رکھا اور تھوڑے عرصہ میں فقر کی نعمت آپ کے حوالے کی۔

اسی اثناء میں حضرت موصوف نے حضرت مولانا صاحب کو ہدایت کی کہ اسی طرح کسی وقت ہمارا لڑکا بھی تمہارے پاس آئے گا تم بہ شفقت پیش آنا۔تکمیل کی یہ مدت دو سال تھی اس کے بعد حضرت سید سعید الدین رضویؒ نے انتقال فرمایا اس دو سالہ مدت میں آپ نے کیا کچھ کیا تھا خود انہیں کی زبانی سنیے:

''من در ایام سابقہ مشغولی ہم بسیار کردہ ام۔''

(پچھلے دور میں میں نے مشغولی میں بہت محنت کی ہے۔)

صاحب ایجاد اکبری کہتے ہیں اس مدت میں مولوی سعید الدینؒ نے فخر الدین کو فخر دین کر دیا۔حضرت رضوی کی رحلت کے بعد یہ سلسلہ چھ سال تک جاری رہا۔آپ نے اس دور میں محنتوں میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

دہلی کے بائیس خواجہ کے درمیان حضرت مولانا صاحب کا امتیاز

دہلی میں بائیس خواجہ رونق افروز تھے اسی لئے عرف عام میں دہلی بائیس خواجہ کی چوکھٹ کہلاتی ہے۔ان حضرات کرام ہی سے اکثر کا ذریعہ معاش پیری مریدی اور نذر و نیاز تھا بادشاہ اور امراء اسی طرح کی باتوں کے عادی ہو گئے تھے۔امراء و سلاطین کے درباروں سے وابستگی کو یہ حضرت باعث فخر اور اپنی شہرت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔حضور مولانا فخر پاک کا رویہ ان حضرات سے یکسر مختلف تھا۔وہ اہل ثروت و دولت سے ملاقات کے معاملہ میں انتہائی بے نیاز تھے۔بادشاہ شاہ عالم شہر کے بڑے بڑے پیروں مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے صاحبزادوں کی امداد کرتا۔خیر سے ان صاحبان نے تو گراں قدر جاگیریں حاصل کر لی تھیں اور جب کہ حضور مولانا صاحب اس طریق کو ناپسند فرماتے تھے اگر چہ سلطنت مغلیہ کے عمائد و سردار اور شہزادوں کو آپ سے شرف بیعت حاصل تھا

بلکہ سارے ہندوستان کے لوگ آپ کے مرید یا مخلص تھے۔

امیر الامراء نواب ضابطہ خان کو حضرت مولانا صاحب سے بے پناہ عقیدت تھی اور وہ حسن عقیدت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا اور ازلی سعادت میں یکتا تھا۔ نواب موصوف نے غیاث گڈھ میں آپ کا زبردست استقبال کیا۔ کئی دیہات ذات خاص کے لئے بطور نذر پیش کئے جب حضرت مولانا صاحب نے قبول نہیں فرمائے تو قدموں میں گر کر مدرسہ کے طلباء و درویشوں کے نام سے دینے چاہے لیکن آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ (آپ نے نواب کا خلوص دیکھتے ہوئے) درگاہوں، ان کے خادموں اور دلی کے دوسرے مشائخ کو دینے کا مشورہ دیا۔

ہر چند ظل سبحانی شاہ عالم اور درباری مرید و معتقد امراء نے دیہات قبول فرمانے کی آرزو کا اظہار کیا لیکن آپ نے نہ صرف قبول نہیں کیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ آپ چاہتے ہیں ہم اس شہر میں رہیں تو آئندہ اس طرح کی تمنا کا تذکرہ بھی زبان پر نہ لائیں۔

سنت پر عمل وہدایت:

ہر چھوٹی بڑی بات میں آپ سنت نبوی کی پیروی کرتے اور مریدوں کو بھی اسی کی سخت تاکید فرماتے خود آپ کی وضع وقطع اور رہن سہن حدیث نبوی کے مطابق ہوتا۔ آپ کی گفتگو اور تقریر عین سنت کے مطابق ہوتی۔ مسائل شریعہ بغیر سند کے بیان نہ فرماتے۔ خود نماز جماعت سے ادا فرماتے اور دوسروں کو بھی جماعت کی پابندی کی سخت ہدایت فرماتے۔ آپ کے مزاج مبارک میں جماعت کی پابندی کا اہتمام بدرجہ اتم تھا۔

سنت پر عامل ہونے کی وجہ سے چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں سنت کا خیال رکھتے چنانچہ استنجے کا لوٹا بھی الگ ہوتا۔ (غرض کہ) آپ کا اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا، مسواک کرنا، سرمہ لگانا، خوشبو لگانا سب کچھ سنت کے مطابق ہوتا اور اسی کی دوسروں کو بھی ہدایت فرماتے۔

لوگوں کو انہیں دعاؤں اور درودوں کی تاکید فرماتے جو احادیث میں منقول ہیں۔ یہ بھی ہدایت فرماتے کہ حنفی مسلک پر سختی سے پابندی کے باوجود کثرت سے حدیث کی طرف رجوع کیا کریں۔

حضرت مولانا فخر پاک کا علماء دہلی سے سابقہ

محمد شاہی دور حکومت اپنے نظم و نسق کے لحاظ سے انتہائی زوال پذیر دور تھا۔لیکن دہلی کی قسمت کہ وہ بائیس خواجہ کی چوکھٹ تھی اور بقول حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ''ایسا اتفاق شاذ و نادر ہی ہوا کرتا ہے''

دہلی میں جب حضرت مولانا فخر جہاں کا ورود (۱۱۶۰ھ/۱۷۴۷ء میں) ہوا تو یہاں بڑے بڑے جہاندیدہ اور اساطین علماء کا بول بالا تھا۔دہلی میں بے راہ روی اور بدینی کے باوجود ان حضرات کا اثر و نفوذ تھا۔

وحدت الشہو دیا ہمہ از وست کے عقیدے اور ابوالحسن الاشعری کے عقاید و نظریات کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنے والے تبلیغی مراکز تھے۔حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ حضرت مرزا مظہر جان جاناں حضرت خواجہ میر درد جیسے حضرات دہلی میں موجود تھے۔جہاں حضرت مولانا صاحبؒ کو فکری نظری اور ہر مخالفت سے دوچار ہونا تھا۔جن کے ارکان خمسہ درج ذیل ہیں:

ا۔(ابوالحسن الاشعری کا)

اشعریہ کا عقیدہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی صفات اس کی ذات پر زاید ہیں نہ کہ اصلی (یہاں یہ بات ضرور یاد رکھنی ہے کہ موصوف بڑھتے ہوئے حنفی اثرات کی وجہ سے حنفی ہو گئے تھے ورنہ خود بنیادی طور پر معتزلہ کے مشہور امام عبدالوہاب جبائی کے شاگرد تھے۔[1]

۲۔وحدت الشہو دیا ہمہ از وست کا نظریہ:

جب کے حضور علیہ الصلوۃ الاسلام کے ایک ہزار سال بعد محض ایک فرد کے کشف پر یقین کر کے قرآن کی آیت مبارکہ اور احادیث مقدسہ کے معنی بدل کر اسی کشفی عقیدے کی روشنی میں سمجھائے جانے لگے۔معتقدین و وابستگان نے اس جدید عقیدے کی اشاعت میں زمین و آسمان ایک کر دیئے اور اس تازہ عقیدے سے مخالف نظریات والوں کو جو چاہا وہ کہا۔اس لیے کہ خوش قسمتی سے مغلیہ حکومت کی سرپرستی بھی انہیں حاصل تھی۔جب کہ قدیم روحانی سلاسل قادریہ سہروردیہ

[1] نقد اقبال، میکش اکبر آبادی صفحہ ۵۹

وچشتیہ نے اس جدید نظریہ کو کبھی تسلیم نہیں کیا چنانچہ حضرت شیخ کلیم اللہ دہلوی اپنے جانشین حضرت شاہ شاہان نظام الدین اورنگ آبادی کو ہدایت فرماتے ہیں:۔

''دروحدت الشہو دتصدیق امر، خلاف نفس امراست

وحیف باشد کہ عمر گراں مایہ صوفی در طلب امر خلاف نفس امر ضائع شود۔''[1]

(نظریہ) وحدت الشہود کی تصدیق خلاف حقیقت امر ہے۔

''اور حیف ہے!! کہ صوفی کی بیش قیمت زندگی خلاف حقیقت نظریہ کی طلب وتلاش میں برباد ہوجائے۔''

''نظریۂ شہود کے حامیوں نے کسی وجہ سے اس خیال کی اس شدت سے اشاعت کی ہے کہ نظریۂ شہود ہی خالص اسلامی ہے اور اس کے علاوہ جو صوفیانہ مسلک ہیں وہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہیں۔

نظریۂ شہود کے دو پہلو ہیں۔ایک علمی اور دوسرا کشفی۔علمی اعتبار سے یہ کوئی نئی دریافت نہیں ہے۔اسلام کے اکثر فرقوں میں اور اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب میں بھی عالم کو خدا کا غیر تسلیم کیا گیا ہے۔

خود مجدد صاحب نے اقرار کیا ہے کہ میرا مسلک متکلمین اور علمائے اہل سنت کے مطابق ہے۔[2]

البتہ کشفی اعتبار سے مجدد صاحب پہلے صوفی ہیں جنھوں نے علماء ظاہر کی تائید میں اپنا کشف پیش کیا۔ان سے پہلے کسی صوفی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہم نے از روئے کشف عالم کو غیر حق معلوم کیا۔

حضرت مجدد صاحب نے اپنے معارف کی بنیاد متکلمین کے مذہب پر رکھی ہے۔علم کلام دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے:

(۱) اسلامی عقائد کا اثبات (۲) فلسفۂ ملاحدہ اور دوسرے مذاہب کا رد۔

اشاعرہ، معتزلہ، جبریہ، قدریہ وغیرہ متکلمین کے مشہور فرقے ہیں۔بنی عباس کے دار المباحثہ کے قیام کے بعد ہر آدمی آزادی کے ساتھ اپنے مذہب کی تائید اور دوسرے مذہب کی تردید کرسکتا

[1] مکتوبات کلیمی۔مکتوب بنام شاہ نظام الدین اورنگ آبادی صفحہ ۷۸۔۷۶

[2] نقد اقبال، میکش اکبر آبادی۔مکتوب نمبر ۱۶۰ بحوالہ صفحہ ۱۴۹۔۱۴۸

تھا۔علاوہ ازیں مختلف اقوام کی کتابیں عربی میں ترجمہ کرائی گئیں۔اس طرح مختلف نظریے اور مختلف مسائل پیدا ہوئے اوران کی تردید یا تائید کی ضرورت سے علم کلام ایجاد ہوا۔

اس طرح محدثین کا اثر کم ہونے لگا۔آہستہ آہستہ فقہا اور متکلمین کا اثر بڑھتا گیا اوران میں مختلف رجحانات اور مختلف نظریوں کی بناپر مختلف فرقے پیدا ہوتے گئے یہاں تک کہ ایک زمانے میں دنیائے اسلام کا عام مذہب اشعری ہوگیا جو متکلمین کا ایک مشہور اور معتدل فرقہ ہے۔

مقریزی نے تاریخ مصر میں لکھا ہے:''یہ اشعری عقاید کے چند اصول ہیں اورآج تمام دنیائے اسلام کا یہی عقیدہ ہے اور جو شخص اس کی مخالفت کا اظہار کرتا ہے قتل کردیا جاتا ہے''(علم الکلام)

حضرت مجدد صاحب کے خیال میں بھی متکلمین کا مسلک حق ہے اور جیسا کہ عام طور سے سمجھا جاتا تھا وہ متکلمین ہی کے مذہب کو اہل سنت والجماعت کا مذہب سمجھتے ہیں۔

صوفیا اپنے مذہب کو دلائل کے علاوہ کشف سے بھی ثابت کرتے تھے۔علماء کے پاس دلائل تو تھے مگر کشف ان کے استدلال سے خارج تھا۔مجدد صاحب نے علماء ظاہر کی حمایت میں اپنا کشف پیش کیا اور یہ دعوی کیا کہ متکلمین جو دعوی کرتے ہیں وہ مجھ پر از روئے کشف صحیح ثابت ہوا۔ابن عربی اور دوسرے صوفی اپنے بیان میں سچے تھے مگر ان کا کشف صحیح نہ تھا۔[1]

اس نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ موجود حقیقی صرف خدا ہے لیکن عالم بھی موجود ہے اور غیر خدا کی حیثیت سے ہے لیکن اس کا وجود وہمی ہے جب سالک منزلیں طے کرتا ہے تو ایک منزل ایسی آتی ہے کہ اس کی نظر سے یہ عالم پوشیدہ ہوجاتا ہے اوراسے خدا ہی خدا نظر آنے لگتا ہے۔جیسے کہ آفتاب کے طلوع کے وقت ستارے نظر نہیں آتے مگر وہ معدوم نہیں ہوجاتے ہیں۔اس طرح عالم معدوم ہونے لگتا ہے۔[2]

(۳) سرہندی اثرات کی وجہ سے ذکر جہر سے اختلاف۔

(۴) سماع مزامیر کی حرمت۔

حضرات مجددیہ مشائخ سرہند ذکر جہر اور سماع (مزامیر) کے سلسلے میں نہایت شدت کے ساتھ مخالفت کرتے تھے۔اولاد تیمور کو حضرات نقشبندیہ سے عقیدت تھی۔یہ لوگ مشائخ مجددیہ کی

---

[1] نقد اقبال، حضرت میکش اکبرآبادی۔ صفحہ ۱۵۱۔۱۴۸

[2] مسائل تصوف، حضرت میکش اکبرآبادی صفحہ ۱۷

رائے کا احترام کرتے تھے: (اسی سماع مزامیر کے) سلسلے میں بعض مشائخ کے مچلکے بھی ہوئے اور خود حضرت ابو یوسف یحیٰ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مرزا باقر محتسب نے مچلکے لئے جس پر حضرت موصوف نے اورنگ زیب کو مکتوب لکھا۔

"از جانب شیخ یحیٰ۔ سلام برسد

از آنجا کہ سماع قوت صالحان است منع کردن راہم وجہ ندارد۔ والسلام

شیخ یحیٰ کی جانب سے سلام پہنچے چونکہ سماع صالحین کی (روحانی) غذا ہے اور اس سے روکنے کی کوئی مناسب وجہ بھی نہیں ہے۔ والسلام" [1]

اورنگ زیب کو خبر ہوئی تو حضرت کی خدمت میں معذرت نامہ ارسال کیا ادھر مرزا باقر محتسب کو تنبیہ کی۔ شیخ یحیٰ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اورنگ زیب کو زمانہ شہزادگی میں بشارت دی تھی کہ تم تخت نشین ہوگے اور تم سے دین محمدی کو تقویت ملے گی۔ لیکن غلبہ کے نشہ نے ان صاحبان کو اتنا جرأت مند بنا دیا تھا۔

چونکہ اکثر و بیشتر نقشبندیہ سلسلے پر انگشت نمائی کی جاتی تھی کہ اکابر مشائخ نقشبندیہ میں باہم ملاقات ثابت نہیں ہے بلکہ یہ اویسی نسبت ہے جیسے کہ حضرت سیدنا سلمان فارسیؓ (۱۰ر رجب ۳۴ھ/۶۵۵ء) اور حضرت سیدنا قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما (۱۰۶ھ/۷۲۴ء) کے درمیان بہتر سال، اسی طرح حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام (۱۴۸ھ) اور حضرت بایزید بسطامی (۲۶۱ھ/۸۷۴ء) ۱۱۳ سال ابوالحسن خرقانی (۴۲۵ھ) کے درمیان ۱۶۴ سال اسی طرح حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی (۵۷۵ھ) اور دسویں حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری (۷۱۵ھ) کے درمیان ایک سو چالیس سال کا فرق ہے۔

اس کے الزامی جواب میں حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے رسالہ انتباہ میں یہ تحقیق فرمائی کہ چشتیہ سلسلہ حضرت خواجہ حسن بصری تک نہیں پہنچتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں چوں کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ بچہ تھے اس لئے وہ ان کے خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے۔ پھر القول الجمیل کے حاشیہ میں رہی سہی کسر شاہ حضرت عبدالعزیز صاحب نے پوری کر دی کہ حضرت خواجہ حسن

[1] مکتوبات کلیمی، صفحہ ۸۲ اور ۱۰۳

بصریؒ کی حضرت علیؓ سے ملاقات ثابت نہیں۔

حضرت مولانا فخرؒ نے فخر الحسن میں اس کا نہایت مدلل، محققانہ اور محد ثانہ جواب دیا اور ثابت کردیا کہ یہ اعتراض محض بے بنیاد ہے۔ جس سے یہ حضرات انگشت بدنداں رہ گئے۔

رسالہ فخر الحسن میں احادیث کی متداول کتب اور شروح کے علاوہ آپ نے اکابر کی بہت سی کتب استعمال فرمائی تھیں ان میں سے چند ذیل میں آرہی ہیں۔

۱۔ تاریخ صغیر بخاری
۲۔ تہذیب الکمال رمزی
۳۔ شروط الائمہ حازمی
۴۔ تہذیب الاسماء واللغات نووی
۵۔ تقریب نووی
۶۔ سنن کبریٰ، بیہقی
۷۔ حلیۃ الاولیاء۔ ابن جوزی
۸۔ تاریخ الاسلام۔ ذہبی
۹۔ تاریخ خطیب بغدادی
۱۰۔ مراۃ الجنان بغدادی
۱۱۔ سنن دار قطنی
۱۲۔ کتاب الثقات ابن حبان
۱۳۔ فتح الباری
۱۴۔ تدریب الراوی
۱۵۔ منہاج السنہ ابن تیمیہ

حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب نے فخر الحسن کا جواب لکھنا چاہا لیکن نہ لکھ سکے۔[۱] اسی طرح حضرت شاہ عبدالعزیز نے بھی تردید میں کچھ اوراق لکھے تھے اس کے بعد ایسا واقعہ رونما ہوا کہ حضرت شاہ صاحب نے بھی توبہ کرلی۔[۲]

تصنیف فخر الحسن کے مطالعہ کے بعد مولانا عبدالعلی بحر العلوم (م۔۱۸۱۹ء) نے اعتراف فرمایا کہ:

''حسن اعتقاد سے ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ بزرگوں نے لکھا ہے حق ہے لیکن یہ تحقیق جو مولانا (فخر جہاں) نے کی ہے ہم کو معلوم نہ تھی۔''[۳]

ان کے علاوہ شیعی اثرات حکومت پر مسلط تھے جو اہل سنت والجماعت کے وجود کو ہی زمین پر دیکھنا نہیں چاہتے تھے اور وہ اپنے پروگرام کی تکمیل میں پوری طرح لگے ہوئے تھے چنانچہ کچھ

---

[۱] مناقب حافظیہ صفحہ ۲۰۷
[۲] تذکرہ ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۷۰۔۶۹
[۳] بحوالہ تاریخ مشائخ چشت

واقعات ذیل میں درج کیے جارہے ہیں جن سے اندازہ ہو سکے گا:

۱۔حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کی شہادت ۲۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اچانک موت ۳۔حضرت فخر جہاں کے قتل کی کوششیں۔

اس کے باوجود حضرت مولانا صاحبؒ کی دہلی میں تشریف آوری سے ایسی قلب ماہیت ہوئی کہ پورا معاشرہ جگمگا اُٹھا۔علم وفضل اور روحانیت کی دنیا میں نئی آب وتاب آ گئی۔

حضرت خواجہ غریب نوازؒ۔شہید محبت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ،شیخ الاسلام حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ۔سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی اور حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی کے ادوار مبارکہ کی یاد تازہ ہونے لگی۔بقول صاحب مناقب فخریہ:

''(انسانی) سینے حقائق کے خزانے اور معارف کی کانیں بن گئے،سوتے ہوئے بیدار،بے ہوش ہوشیار ہوگئے بے خبر باخبر اور بے اثر بااثر ہوگئے،مردوں کے دل زندہ اور زندوں کے دل بسمل ہوگئے۔عشق ومحبت الٰہی کا بازار گرم ہوگیا۔ذوق وشوق کے سمندر میں طوفان کی موجیں اُٹھنے لگیں۔''

حضرت مولانا کی روحانیت کے ساتھ ساتھ علم وفضل کی فضا عظیم ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں نظر آتی تھی۔

مجتہدین حضرات بھی حضرت مولانا سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکے انہوں نے اپنے عقائد ونظریات پر نظر ثانی کر کے ان سے رجوع فرمالیا۔حضرت شاہ ولی اللہ صاحب زیادہ جرأت مند شخصیت کے حامل تھے انہوں نے اپنے افکار ونظریات سے رجوع کرنے اور اس کے اعلان میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی اگرچہ حضرت شاہ صاحب صرف دو واسطوں سے حضرت مجدد صاحبؒ کے خلیفہ ہیں اب ان کے مکتوبات کی جھلکیاں حاضر ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ یہ قول (وحدت الوجود) عقل اور کشف سے دونوں طرح صحیح ہے۔جس کا کوئی عاقل انکار نہیں کرسکتا۔اس پر عقل کے تمام گروہوں کا اتفاق ہے۔صوفی جب یہ کہتے ہیں کہ عالم عین حق ہے تو اس سے وجودات خاصہ کی نفی نہیں ہوتی''۔

مجدد صاحب نے جو شیخ اکبر کی مخالفت کی وہ بغیر سوچے سمجھے کی اور یہ علمی لغزش ہے اس سے علماء محفوظ نہیں رہ سکتے یہ مجدد صاحب کے عالی مرتبہ ہونے کے خلاف نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ یہ اہل سنت کا مذہب ہے اس لئے اسے ماننا ضروری ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نزدیک اہل سنت اس زمانے کے لوگ تھے جن کے بہتر ہونے کے متعلق حضور ﷺ نے گواہی دی۔ ان لوگوں میں سے کسی سے روایت نہیں کی گئی کہ کبھی کسی نے صفات کے متعلق بات کی ہو کہ وہ ذات (باری تعالیٰ) پر زاید ہیں یا نہیں اور اگر زائد ہیں تو انتزاعی امور میں یا خارج میں موجود ہیں۔

متاخیرین کا یہ فرقہ جو اہل سنت ہونے کا دعوی کرتا ہے یہی ایسی باتیں کرتا ہے۔ اول تو ان کی بات بدعت ہے کیوں کہ اگلے لوگوں میں کسی نے ایسا نہیں کہا اور اگر بدعت نہ بھی ہو تو وہ بھی آدمی ہیں اور ہم بھی آدمی ہیں۔[1]

حضرت شاہ صاحب کی تردید نے مجددیہ حلقوں میں ہلچل ڈال دی اور مولوی غلام یحیٰ نے حضرت مرزا صاحب کی ایماء سے ۱۱۸۴ھ/۷۱-۱۷۷۰ء میں شاہ ولی اللہ کے جواب میں رسالہ کلمۃ الحق لکھا۔ اس کے جواب میں شاہ رفیع الدین ابن شاہ ولی اللہ نے ایک کتاب دافع الباطل تصنیف کی اور اس میں جو ثابت کیا کہ وحدت الوجود اصولی مسئلہ ہے یہی حقیقت اسلام ہے اور اسے اکابر صوفیا نے اختیار کیا ہے۔

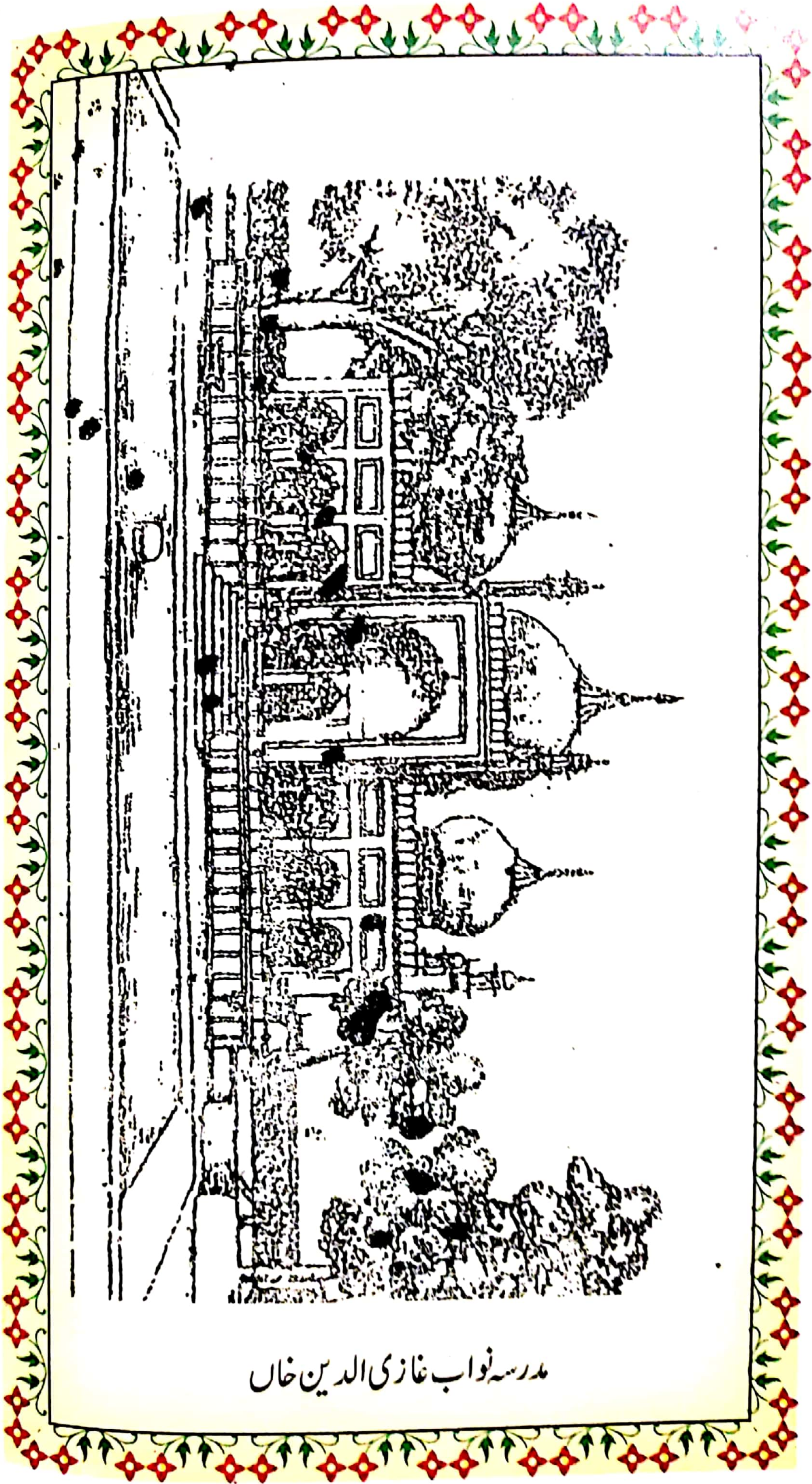
وحدت الشہود نئی بات ہے جو شیخ مجددؒ ہی نے بیان کی ہے وہ شیخ ابن عربی کا مطلب نہیں سمجھے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء) جو شاہ ولی اللہ کے شاگرد اور مرزا مظہرؒ (۱۶۹۸ھ-۱۷۸۳ء) کے خلیفۂ طریقت تھے انہوں نے ان دونوں نظریوں (وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود) میں مطابقت کی کوشش کی ''ارشاد الطالبین'' میں ان کا پہلو وحدۃ الوجود کی طرف مائل نظر آتا ہے اور کئی مسئلوں میں انہوں نے بھی مجدد الف ثانی کی مخالفت کی ہے اگر چہ ادب کی وجہ سے ان کا نام نہیں لیا ہے۔

(یہاں حضرت مرزا صاحب کے ملفوظات سے عبارت بطور قول فیصل نقل کی جاتی ہے۔)

''مجدد صاحب نے ایک نیا طریقہ بیان کیا ہے ان کو اولیاء اللہ کے برابر سمجھنا یا بزرگوں پر فضیلت نہیں دینی چاہیئے۔ کیوں کہ وہ مجدد صاحب کے مرشدوں میں ہیں۔''[1]

[1] مسائل تصوف، حضرت علامہ میکش اکبر آبادی صفحہ ۶۶-۶۵



مدرسہ نواب غازی الدین خاں

اس ضمن میں حضرت خواجہ میر درد (م صفر ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء) نے بھی ایک مہتم بالشان کوشش کی اور اس پر ایک مبسوط کتاب علم الکتاب کے نام سے لکھی۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نور اللہ مرقد ہما نے اپنے مسلک کی مروجہ اصطلاحات کے معانی ومفاہیم بھی بدل دیئے۔ اگر نظر غائر سے دیکھا جائے تو شاہ ولی اللہ، مرزا مظہر، خواجہ میر درد اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی وغیرہ تمام حضرات اس مخالفت سے عذر خواہ معلوم ہوتے ہیں جو مجدد صاحب نے وحدت الوجود کے متعلق فرمائی تھی۔ ان میں سے بعض نے واضح طور سے اس کا اقرار کیا ہے۔ بعض نے تاویل اور مطابقت کی کوشش کر کے اور بعض نے اس کا بدل پیش کر کے۔[۱]

ان عبقری شخصیات سے ذرا بھی تحقیق کے میدان میں التباس یا تسامح ہوا تو حضرت مولانا صاحب نے نہایت مدلل اور مبرہن انداز میں ان کی رہنمائی فرمادی۔

ان حضرات نے بسروچشم حضرت مولانا صاحب کی فضیلت کا اعتراف کیا اور بخوبی دیکھ لیا کہ خواجگان چشت کا یہ وارث وجانشین محض رسمی وموروثی جانشین نہیں ہے۔ بلکہ انہیں صفات عالیہ کا حامل ہے جن کے وارث اس کے پیش رو تھے۔ حضرت مولانا نے جس موضوع پر زبان وقلم سے ارشاد فرمادیا قول فیصل کی طرح قبول وتسلیم کیا گیا ہے اور دوسرے مکاتیب فکر نے بھی بلا پس وپیش قبول کر لیا۔

دارالعلوم فخریہ/مدرسہ خورد

اجمیری دروازہ کے باہر نواب غازی الدین فیروز جنگ کے مدرسہ خورد کا آپ نے اپنے مرکز کی حیثیت سے انتخاب فرمایا۔ یہیں سے آپ نے ارشاد وتدریس کی مساعی جمیلہ فرمائیں۔ یہ مدرسہ خورد کہلانے کے باوجود کافی وسیع تھا۔

طریقۂ درس:

اس دارالعلوم میں طریقہ درس یہ تھا کہ جن منتہی طلبہ کو حضرت مولانا فخر صاحبؒ حدیث کا درس دیتے تھے وہ دوسرے طلبہ کو معقول ومنقول کا درس دیتے۔ چنانچہ جب سید احمد صاحب حضرت کی خدمت میں حدیث کا درس لے رہے تھے تو وہ زیریں جماعتوں کو معقول ومنقول پڑھا رہے

[۱] ملفوظات مرزا صاحب، بحوالہ نقد اقبال صفحہ ۱۶۵

تھے۔اسی طرح حکیم قدرت اللہ قاسم اپنے زمانۂ تعلیم میں حضرت شاہ نیاز احمد صاحب اوران کے ہم جماعتوں کو کتب درسیہ کی تکرار کرار ہے تھے۔

اس طرح گویا منتہی طلبا کو معلم (Pupil'steacher) ہونے کی تربیت دی جاتی تھی۔چنانچہ بالکل اسی طرح حضور قبلہ نے بھی پڑھانا شروع کردیا تھا۔

جس کی میراث ہے اسی کو پہنچے

حضرت مولانا فخرؒ پاک کا معمول تھا کہ اپنی مخدوم زادی (حضرت سعید الدین رضویؒ کی صاحبزادی) حضرت بی بی شاہ غریب نوازؒ کی خدمت میں ہر جمعرات کو حاضر ہوتے تو دروازے کو بوسہ دے کر آہستہ آہستہ دستک دیا کرتے تھے تاکہ بی بی صاحبہ کے خیال میں فرق واقع نہ ہو۔بی بی صاحبہ اندر سے پیڑھی بھجوادیتیں۔اس پر حضرت مولانا صاحب رونق بخش ہوتے۔[1]

انہی حاضریوں کے دوران ایک دن بی بی صاحبہ نے مولانا سے کہا آپ میرے اس بچہ کواپنی تربیت میں لے لیجئے اوراس کو تعلیم فرمایئے۔چنانچہ موافق حکم کے آپ نے حضرت نیاز بے نیاز کو اپنی تربیت میں لے لیا۔

مدرسہ میں داخلہ حضرت مولانا صاحب نے (اپنے دل میں) فرمایا جس کی میراث ہواسی کو پہنچے تو اچھا ہے۔[2]

اوائل شوال ۱۱۶۲ھ/عشرۂ ثالث ستمبر ۱۷۴۹ء میں حضرت مولانا صاحب کا مدرسہ (خورد) کھل گیا اور آپ اس میں داخل ہو گئے اس وقت آپ کی عمر شریف سات سال کی تھی۔آپ روزانہ بلا ناغہ خادم کے ہمراہ مدرسہ جانے لگے۔آپ کا مکان واقع محلہ کھاری باؤلی متصل لاہوری دروازہ سے مدرسہ خورد بہت دور نہ تھا، بمشکل ڈھائی فرلانگ ہوگا۔[3]

حضرت مولانا صاحب مخدوم زادہ ہونے کی نسبت سے آپ کا بے پناہ ادب کرتے اور اسی

---

۱ نازونیاز جلد اول صفحہ ۷

۲ ایجاد اکبری صفحہ ۴۴۴

۳ مکتوب جناب علامہ اخلاق حسین صاحب، دہلوی بنام راقم صفحہ ۳۵



مزار: حضرت مولانا محمد فخر دہلویؒ

ادب کی وجہ سے نام لینے کے بجائے آپ کو میاں کہہ کر مخاطب فرماتے اور بے حد لطف و کرم فرماتے مگر فرزند کو حضرت والدہ ماجدہ کی سخت تاکید تھی کہ تم ان کے ادب و احترام میں کوئی فروگذاشت نہ کرنا پیرزادگی کا خیال بھی کبھی دل میں نہ لانا۔

''دریں راہ خواجگی وغلامی درمیان نیست''

خدمت مرشد میں رہ، چوں برگل ہمراہ قند

فیض صحبت کب اٹھے' جب تک نہ ملئے پھوٹ پھوٹ

جب ذرا بڑے ہوئے تو باصرار آپ نے شیخ کا حقہ بھرنے کی خدمت اختیار کی:

خدمت پیر مغاں برخود گرفتم فرض عین　　　کمتریں از بندگانش بندہ ام حلقہ بگوش

تحدیث نعمت کے طور پر ان نوازشوں کا ذکر وہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں۔

کہاں تک کہوں میں' لطف و احسان عشق

کہ جوں جوں گھٹا میں' بڑھایا مجھے

دیکھنے والے حیران تھے کہ ان صاحبزادہ پر کس قدر شیخ کا کرم ہے اپنی سگی اولاد سے زیادہ چاہتے ہیں خود حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی ایک مجلس میں فرماتے ہیں'' میں حیران ہوں کہ اپنے اکلوتے بیٹے غلام قطب الدین صاحب کو اپنی بہن کے پاس چھوڑ دیا ہے اور اس طرح دوسروں میں دلچسپی ہے کہ جیسے کسی آدمی کو اپنے اہل و عیال کی فکر ہوتی ہے۔[1]

تدریسی خدمت:

جب حضرت شاہ نیاز احمد صاحب حضرت مولانا صاحب کی خدمت میں دورۂ حدیث تک پہنچے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ کا) کابلی دروازہ: جانب شمال کھاری باولی سے صدر بازار کی طرف جائیں تو بازار کے آخر میں دائیں جانب شمال کی سمت میں کابلی دروازہ: جو ۱۸۵۷ء کی گولہ باری کی وجہ سے ٹوٹ گیا۔ کابلی دروازہ سے اجمیری دروازہ تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ کھاری باولی کے بازار کے آخر میں لاہوری دروازہ تھا۔ اجمیری دروازہ: مغربی فصیل میں ہے جس کے باہر غازی الدین کا مدرسہ ہے۔ اب اس کو اینگلو عربک اسکول کہتے ہیں۔

[1] ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ ۱۱۸

تو وہ بھی مدرسہ میں درس دینے لگے۔ غلام ہمدانی مصحفی نے اسی زمانہ (۷۰-۱۱۶۹ھ/۱۷۵۶ء) میں ان کی شان علم ووجاہت شخصی دیکھی تھی بلکہ ان سے چند روز میزان (الصرف) بھی پڑھی تھی۔

''درایام طالب علمی شان علم ووجاہت ایشاں رادیدہ بلکہ چند روز میزان ہم ازایشاں درشاہجہاں آباد خواندہ بود''۔ [1]

ماہ شعبان میں دہلی کے تمام مدارس میں تعطیلات کلاں ہو جاتیں لیکن حضرت مولانا کا درس جاری رہتا۔

حسب وصیت حضرت مولانا صاحب نے صاحبزادہ کی تعلیم وتربیت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ یہ تعلیم وتربیت ایسی تھی کہ جوالنادر کالمعدوم کے مصداق تھی دہلی کے بیشتر معروف اکابر اساتذہ سے آپ کو شرف تلمذ تھا۔

حکیم قدرت اللہ قاسم مرحوم اس دارالعلوم کے سینئر طالب علم ہیں اور جنہوں نے شاہ نیاز احمد صاحب کو چند کتب کی تکرار کرائی تھی ان کا مشاہدملاحظہ ہو۔

''میاں نیاز احمد سلمہ الصمد، مرد فاضل، صاحب ذہن سلیم، مالک طبع قویم، مشقت ہائے بسیار درتحصیل علوم رسمیہ کشیدہ ومحنتہائے بےشمار دراستحصال فنون کسبیہ بوئے رسید۔ شاگرد رشید، حمر محقق فحل مدقق مرجع طلاب جہاں مولوی خواجہ احمد خان است غفرہ اللہ المنان۔''

''(میاں نیاز احمد سلمہ، الصمد عالم وفاضل صاحب ذہن سلیم اور طبع قویم کے مالک ہیں۔ علوم رسمیہ کے حاصل کرنے میں بہت مشقتیں برداشت کی ہیں اور فنون کسبیہ کے حصول میں بےشمار محنتیں کی ہیں حمر محقق فحل مدقق مرجع طلاب مولوی خواجہ احمد خاں کے شاگرد رشید ہیں۔''

جلسہ دستار فضیلت:

پندرہ سال کی عمر میں شعبان ۱۱۷۰ھ/مئی ۱۷۵۷ء میں دستار فضیلت حاصل ہوئی جب حضرت مولاناؒ نے اپنے نہایت محبوب ومرغوب مرید کو دستار فضیلت سے سرفراز کرنا چاہا تو دہلی کے تمام علماء ومشائخ کو مدعو کیا۔ دہلی میں چپہ چپہ پر خانقاہیں اور سیکڑوں درسگاہیں تھیں دہلی بائیس

[1] ریاض الفصحاء صفحہ ۲۳۹

خواجہ کی چوکھٹ تھی۔ دستار فضیلت کا یہ مبارک جلسہ ان سب حضرات کے انفاس قدسیہ سے معمور تھا۔ تبھی اس طالب علم نے تمام علمائے کرام کے حضور میں نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ دستار بندی سے قبل ہر علم وفن میں میرا امتحان لے لیا جائے۔ اگر میں جوابات شافی دے سکوں تو مجھے دستار کا مستحق سمجھا جائے ورنہ نہیں۔ یہ تجویز بہتوں کو ناگوار ہوئی اور اکثر نے پسند فرمائی۔ بالآخر یہی ہوا۔ تین روز مسلسل حضرات علماء کرام مختلف علوم وفنون پر سوالات کرتے رہے اور آپ شافی جوابات دیتے رہے۔ اس استعداد خداداد کی کافی تحسین کی اور کہا ایسے وجود باوجود جس کی ایسی لیاقت وقابلیت ہے، جس کو ہر علم میں مہارت تام ہو کم دیکھے ہیں۔ یہ مستحق دستار بندی کے ہیں۔ سب علما نے دستار کو کھول کر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور حضرت مولانا صاحب نے اپنے ہاتھ سے فرق اقدس پر باندھ دی۔ تین روز تک ان سب حضرات کی دعوت رہی۔

غلام مفتی سرور کا بیان ہے:

”بہ کمال علوم معقول ومنقول وفروع واصول حدیث وتفسیر وفقہ رسیدہ دستار فضیلت برسر بست۔“

(آپ نے علوم معقول ومنقول، فروع واصول حدیث، تفسیر وفقہ کی انتہائی بلندیوں پر پہنچ کر دستار فضیلت سر پر باندھی۔“

ان کے علم وفضل کے بارے میں صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

”وکان عالماً کبیراً. بارعاًفِی العلوم حکمیه. ماهراً فی الفنون الریاضیه اخذها عن خواجه احمد دهلوی۔ [1]

(”شاہ نیاز احمد صاحب) زبردست عالم تھے علوم حکمیہ میں باکمال اور فنون ریاضیات میں ماہر جنھیں آپ نے خواجہ احمد دہلوی سے حاصل کیا تھا۔“

چند اساتذہ کرام کے اسماء درج ذیل ہیں:

۱۔ سید العاشقین، سند المعشوقین حضرت مولانا فخر الدین محمد دہلوی (تفسیر وحدیث وفقہ)

[1] نزہۃ الخواطر جلد پنجم صفحہ ۵۲۰

(اخذمنه العلم والطریقة)

۲۔فانی فی الشیخ حضرت سید اباحسن۔اسی مدرسہ کے صدر مدرس اور عظیم استاد تھے۔حضرت مولانا صاحب کے بالکل ابتدائی مریدین میں سے شاگرد،سفر وحضر میں حضرت مولانا کے جلودار،شیخ کے وصال فرمانے کے بعد اجماع یاراں سے جانشین قرار پائے تھے۔

حضرت موصوف میر قدرت اللہ قاسم کے اتالیق ومربی تھے۔حکیم صاحب لکھتے ہیں کہ انہیں حضرت سید اباحسن کی تربیت وکفالت میں دے دیا گیا تھا،کرامات پیران پیر میں انہوں نے اس واقعہ کو اس طرح قلم بند کیا ہے۔

وہ استاد جس کے کیا تھا سپرد	مجھے حضرت شیخ نے جان خورد
وہ تھا سید پاک وہ عالی تبار	نہایت بزرگ وبزرگی شعار
وہ رکھتے تھے از بس کہ خلق حسنؐ	بہ کنیت تھے، کہتے انہیں باحسن
فنا شیخ میں تھے، ہوئے، مو بہ مو	گویا حضرت فخر تھے ہو بہ ہو
پس از رحلت شیخ قربت دثار	خلافت ہوئی ان کو صدیق وار
با اجماع یاراں وہ پاکیزہ دیں	محبّ نبی کے ہوئے جانشین

۳۔حضرت میر عماد الدین،میر محمدی بسمل حبر محقق۔فحل مدقق استاذ الکل ملقب بہ میاں صاحب علوم عربیہ کے ماہر اور فنون شرعیہ میں کامل۔منقولات کے زبردست عالم اور معقولات میں بھی بقدر ضرورت درک تھا۔ہمیشہ مندرجہ ذیل کتب کا درس دیتے تھے۔

۱۔شرح وقایہ ۲۔ہدایہ
۳۔مشکوٰۃ شریف ۴۔صحیح بخاری وغیرہ
۵۔صحاح ستہ ۶۔شروح سلم العلوم
۷۔زاہدین ۸۔مختصر معانی ومطول
۹۔شرح عقائید نسفی علاوہ ازیں مصنفات خود میاں صاحب یعنی
۱۰۔ترجمہ مشارق الانوار ۱۱۔حبل المتین (احادیث متمسکہ حنفیہ)
۱۲۔معارج التصریف (درعلم صرف ابواب اقسام سبعہ برروش جداول علامہ شیرازی)

۱۳۔شرح شمسیہ: برائے قضایائے مطالب شافیہ اعلی و برتراز

۱۴۔شرح مطالع: مراح الارواح شیخ ابن حاجب

میاں صاحب نے کافی تصنیفات چھوڑی ہیں جن میں چند رسائل برائے تعلیم میاں الٰہی بخش بھی ہیں۔تمام بزرگان ذوی الاحترام اور طلبہ مدرسہ (فخریہ) آپ سے تلمذ رکھتے تھے آپ نے ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۶ء میں انتقال کیا۔آپ قلعہ معلیٰ کے شاہ ولایت اور بادشاہ اکبر شاہ ثانی کے پیرو مرشد تھے۔

۴۔خواجہ احمد خاں:

حبر محقق فحل مدقق مرجع طلاب جہاں، فاضل علامہ احمد ابن احمد۔فنون حکمیہ کے معروف علماء میں یکتا۔آپ نے منطق اور حکمت (سائنسی علوم) شیخ مبارک گوپاموی (۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء) سے پڑھی۔فنون ریاضیات مرزا خیر اللہ مہندس کی خدمت میں رہ کر اس طرح حاصل کیے حتی کہ وہ اپنے معاصر علماء کرام سے فنون حکمیہ میں فوقیت لے گئے اور وہ میر زاہد ہروی (م ۱۱۰۱ھ/۱۶۹۰ء) کے شاگرد رشید تھے علماء کثیر نے آپ سے فیض حاصل کیا۔

۵۔حکیم میر قدرت اللہ قاسم:

(م۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء) آپ انتہائی کم سنی میں مدرسہ عالیہ خورد آگئے تھے۔حضرت مولانا نے انہیں حضرت سید ابا حسن صدر مدرس کے زیر کفالت دے دیا تھا۔انہوں نے مدرسہ کے انہیں اساتذہ کرام سے تکمیل علوم کی تھی۔حضرت شاہ نیاز احمد صاحب نے ان سے چند کتب درسیہ کی تکرار کی تھی۔موصوف کو چوں کہ فن طب میں خصوصی رغبت تھی۔اس لئے اساتذہ سے طب کی تکمیل کے بعد مطب کرتے تھے لیکن جس کام کی بدولت ان کا نام زندہ ہے وہ تذکرۂ شعراء مجموعۂ نغز ہے۔

مشاہیر اساتذۂ کرام

۱۔مولانا فخر الدین محمد دہلوی: (۱۱۲۶ھ/۱۷۱۴ء تا ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء)

شیخ، عالم، فقیہہ، زاہد، مجاہد فخر الدین بن نظام الدین محمد بن احمد بن صالح بن ابوسعید صدیقی

شہابی۔نگرامی، اورنگ آبادی ثم دہلوی۔آپ کا سلسلہ نسب حضرت شیخ شہاب الدین عمر صدیقی سہروردی پر منتہی ہوتا ہے۔اصلاً آپ کا خاندان امیٹھی کا تھا۔آپ کے اسلاف میں سے کوئی بزرگ سسرال کی وجہ سے نگرام منتقل ہو گئے (یہ قصبہ لکھنؤ میں آتا ہے) یہیں سکونت اختیار فرمائی۔آپ کے والد ماجد حضرت شاہ شاہان نظام الدین اورنگ آبادی اسی قصبہ میں پیدا ہوئے۔نشو ونما پائی ایک مدت تک اساتذہ سے علم حاصل کرنے کے بعد بغرض حصولِ علم دہلی پہنچے۔دیگر اساتذہ کے علاوہ حضرت شیخ کلیم اللہ دہلویؒ سے بھی علم حاصل کیا۔کلیم اللہی خاندان اس دور میں علوم وفنون میں خود اپنی مثال آپ تھا۔تحصیل علم کے بعد شرف خلافت وسجادگی حاصل ہوا۔شیخ کے حکم سے اورنگ آباد میں قیام فرمایا۔

حضرت مولانا فخر الدین محمد نے حضرت شاہ شاہان سے دوسرے علوم کے ساتھ شرح وقایہ، مشارق الانوار اور نفحات الانس وغیرہ کتابیں پڑھی تھیں۔سولہ سال کی عمر میں ۱۱۴۲ھ/۱۷۲۹ء میں والد کا وصال ہوگیا۔اساتذہ میں ایک بزرگ میاں محمد جان تھے آپ جید عالم تھے۔فلسفہ وحدت الوجود کے ماہر استاد تھے۔حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی پر ان کی اچھی نظر تھی۔حضرت مولانا صاحب نے صدرا، شمس بازغہ اور فصوص الحکم انہیں سے پڑھیں۔اسی کا فیضان حضرت شاہ نیاز بے نیاز میں بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔مولانا عبدالحکیم سے ہدایہ پڑھی وہ توکل اور فقہ کی دولت سے مالا مال تھے۔ مشہور محدث حافظ الاسعد انصاری مکی سے حدیث کی سند لی تھی وہ شیخ کردی کے شاگرد تھے۔

۲۔خواجہ احمد خان دہلوی ابن احمد خان:

آپ علامہ اور فاضل اجل تھے فنون حکمیہ کے معروف ترین علما میں یکتائے زمانہ تھے۔آپ کی شاگردی کا شرف حاصل کرنے کے لئے دنیا جہاں سے علما کھنچے چلے آرہے تھے۔آپ نے علم منطق اور دوسرے سائنسی علوم شیخ مبارک بن شیخ دائم عمری گوپامئوی (م ۱۱۶۲ھ/۱۷۴۹ء) سے حاصل کیے تھے اور فنون ریاضیات مرزا خیر اللہ مہندس دہلوی سے اخذ کیے تھے اور وہ میر زاہد ہروی (جمادی الثانی ۱۱۰۱ھ/مارچ ۱۶۹۰ء) کے مایۂ ناز شاگردوں میں سے تھے اس فن شریف میں موصوف اپنے معاصرین پر فوقیت رکھتے تھے اور استاذ الکل تھے۔

۳۔ مرزا خیر اللہ مہندس دہلوی:

لطف اللہ مہندس کے بیٹے عہد شاہجہانی کے مشہور ماہر فن نادر العصر احمد معمار کے پوتے اور حضرت شیخ کلیم اللہ دہلوی کے تایازاد بھائی تھے۔ اس خاندان کے کن کن افراد کے کارنامے گنائے جائیں۔ تاج محل، لال قلعہ، دہلی کی جامع مسجد وغیرہ اسی خاندان کی عظمتوں کے نشان ہیں۔ خود خیر اللہ مہندس کے علم وفضل کے نمونے وہ چار رصدگاہیں ہیں، جو دہلی، متھرا، جے پور اور اجین میں عرف عام میں جنتر منتر کے نام سے مشہور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کلیم اللہی خاندان

ع ایں خانہ تمام آفتاب است

شجرہ ہائے حدیث ومعقولات بہ یک نظر

۱۔ حضرت خواجہ کمال الدین چشتی دہلی (پنجشنبہ ۲۷/ ماہ ذیقعدہ ۷۵۶ھ/ ۳/ دسمبر ۱۳۵۵ء)

۲۔ حضرت مولانا احمد تھانیسری

۳۔ حضرت شیخ خواجہ سراج الدین چشتی احمد آباد (جمعہ ۲۱/ جمادی الاول ۷۶۳ھ/ ۱۸/ مارچ ۱۳۶۲ء)

۴۔ حضرت شیخ خواجہ علم الدین چشتی احمد آباد (شنبہ ۲۶/ صفر ۸۱۹ھ/ ۲۵/ اپریل ۱۴۱۶ء)

۵۔ حضرت شیخ خواجہ محمود راجن چشتی احمد آباد (شنبہ ۲۲ صفر ۹۰۰ھ/ ۲۲ نومبر ۱۴۹۴ء)

۶۔ حضرت شیخ خواجہ جمال الدین جمن چشتی احمد آباد (۹۹۷ھ/ ۱۵۸۸ء)

۷۔ حضرت شیخ خواجہ حسن محمد چشتی احمد آباد (سہ شنبہ ۲۸/ ذیقعدہ ۹۸۳ھ/ ۲۸ فروری ۱۵۷۶ء)

۸۔ حضرت شیخ خواجہ محمد چشتی احمد آباد (سہ شنبہ ۲۹/ ربیع الاول ۱۰۹۰ھ/ ۱۰/ مئی ۱۶۷۹ء)

۹۔ حضرت شیخ خواجہ محی الدین یوسف یحییٰ مدنی چشتی مدینہ منورہ (یکشنبہ ۲۸/ صفر ۱۱۰۱ھ/ ۱۲/ دسمبر ۱۶۸۸ء)

۱۰۔ حضرت شیخ کلیم اللہ دہلوی چشتی دہلی (دوشنبہ ۲۴/ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ/ ۱۷/ اکتوبر ۱۷۲۹ء)

۱۱۔ حضرت شاہ شاہان نظام الدین چشتی اورنگ آباد (دوشنبہ ۱۲/ ذیقعدہ ۱۱۴۲ھ/ ۲۹/ جون ۱۷۳۰ء)

۱۲۔ حضرت مولانا فخر الدین محمد چشتی دہلی (جمعہ ۲۶/ جمادی الثانی ۱۱۹۹/ ۶/ مئی ۱۷۸۵ء)

۱۳۔ حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بے نیاز قادری چشتی بریلی (جمعہ ۶/ جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ/ ۱۰/ اکتوبر ۱۸۳۴ء)

مختصر شجرہ معقولات

۱۔قاضی سید محمد اسلم بن محمد زاہد بن قاضی محمد اسلم الحسینی الہروی۔	الکابل
۲۔سید محمد زاہد بن سید محمد اسلم	الکابل
۳۔قاضی مبارک عمری گوپامئوی	گوپامئو
۴۔خواجہ احمد خاں	دہلی
۵۔حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بے نیاز بریلوی	بریلی

مختصر شجرۂ ریاضیات، زیج و علوم فلکیات و نجوم

۱۔احمد معمار [1]

۲۔عطاء اللہ ابن احمد معمار۔رشیدی تخلص۔نظم ونثر میں بے پناہ قدرت

۳۔مرزا لطف اللہ مہندس دہلوی ابن احمد معمار۔شاگرد رشید برادر بزرگ عطاء اللہ

۴۔خیر اللہ مہندس دہلوی ابن لطف اللہ مہندس دہلوی

۵۔جر محقق، فخل مدقق، مرجع طلاب جہاں، خواجہ احمد خاں ابن احمد خان دہلوی

۶۔حضرت شاہ نیاز احمد نیاز بے نیاز بریلوی شاگرد رشید۔

---

[1] احمد معمار۔نادر العصر احمد معمار۔اقلیدس، ہیئت و نجوم و ریاضیات وغیرہ میں زبردست عبور رکھتے تھے۔
مرزا لطف اللہ مہندس لکھتے ہیں۔

احمد معمار کہ در فن خویش　　صد قدم از اہل ہنر بود بیش
واقف تحریر و مقامات آں　　آگہ اشکال و موالات آں

یونانی ریاضیات کی انتہائی بلند پایہ کتاب مجسطی اور خواجہ نصیر الدین طوسی کی اقلیدس کے زبردست عالم تھے۔

”فن خطاطی“

صاحبزادہ سید صادق علی صاحب اجمیری نیازی نے ملفوظات مرشدی میں حضرت کے پوتے اور دوسرے جانشین حضرت شاہ محی الدین احمد عرف ننھے میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات قلم بند کیے ہیں اس کی ایک مجلس میں آپ کی خطاطی کی کیفیت اور اس کا شجرہ عبدالباقی حدادمرحوم تک نقل ہوا ہے۔

شب پنجشنبہ ۱۴رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ/۲۹/ستمبر ۱۹۰۹ء

دولت پابوسی حاصل ہوئی۔ذکر وصلیوں کا ہورہا تھا۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں دہلی گیا۔ وہاں جامع مسجد کے نیچے ایک شخص وصلیاں فروخت کررہا تھا۔میں نے ان وصلیوں کو دیکھا ان (وصلیوں میں بہت بہت پرانی وصلیاں تھیں میں نے وصلی محمد عارف ہروی کے ہاتھ کی لکھی دیکھی۔میں نے اپنے دل میں کہا” آہا!! یہ وصلی (اسے) کہاں سے ہاتھ لگ گئی؟

غرض کہ ان وصلیوں کو چھانٹنا شروع کیا۔ان تمام وصلیوں کو بغرض وصلی محمد عارف خریدا۔وہ وصلی میرے پاس موجود ہے۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان (محمد عارف ہروی) کے ہزاروں اس فن میں شاگرد تھے مگر ایک شاگرد مسمی قاضی عصمت اللہ خان (م ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء) تھے اور ایسے ہی شاہ عصمت اللہ کے ہزاروں شاگرد تھے مگر ان میں ایک شاہ جی کوڑا تھے ان کا ہاتھ بالکل اپنے استاد کے مانند تھا وہ مشہور آفاق تھے اور ان کے بھی ہزاروں شاگرد ہوئے مگر ان کے شاگردوں میں ایک ہی شاگرد کامل ہوا کہ ان کا مثل کوئی نہیں ہوا۔آپ نے اپنے جدامجد حضرت نیاز بے نیاز کے مزار اقدس کی طرف اشارہ کرکے فرمایا وہ یہ شاگرد ہیں۔[1]

[1] ملفوظات مرشدی (قلمی) مرتبہ سید صادق علی نیازی اجمیری

شجرۂ اساتذۂ خوشنویسی

ا۔عبدالباقی حداد:

شاہجہاں (۱۶۲۸ء۔تا۔۱۶۶۶ء) کے دور آخری میں عبداللہ المشتہر بہ عبدالباقی حداد نسخ نویسوں سے سبقت لے گئے تھے۔خط نسخ کو (استاد مرحوم) نے دلہن کی طرح دوسری ہی آرائش وزیبائش بخشی۔ہندوستان آکر شاہزادہ اورنگ زیب کی خدمت میں تیس ورقی قرآن، کلام اللہ اور صحیفے نذر گزرانے یاقوت رقم کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔

۲۔محمد عارف ہروی:

دور آخر (کے اساتذۂ فن) میں محمد عارف مخاطب بہ یاقوت (رقم) ہیں۔موصوف نے خط نسخ اور ثلث کو معیار کمال پر پہنچادیا۔[۱]

محمد عارف ہروی نے شاہ عالم بہادر شاہ (۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء تا ۱۱۲۳ھ ۱۷۱۱ء) خلف عالم گیر بادشاہ کے عہد میں یاقوت رقم خاں کے خطاب سے امتیاز پایا۔خط نسخ میں ایک خاص اسلوب ایجاد کیا جس کا ہندوستان میں رواج ہوا۔دوسرے قرن کی پہلی دہائی کے لوگوں میں ہیں۔

۳۔قاضی عصمت اللہ خاں:

یہ پاک طینت بزرگ خط نسخ میں تمام خطاطوں سے سبقت لے گئے اور خط نسخ کو یاقوت رقم کی ایجاد سے آگے بڑھا کر اس سے زیادہ دیدہ زیب خوش ترکیب اور خوش اسلوب ایجاد و اختیار کیا۔یہ اپنی انتہائی شہرت کی وجہ سے تعریف و تشریح کے محتاج نہیں ہیں۔(استاد موصوف) کلام اللہ، قطعے اور مشقیں کتابت کر کے دفتر کے دفتر دنیا میں اپنی یادگار چھوڑ گئے۔۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء میں رحلت کی۔[۱]

---

[۱] تذکرہ خوش نویساں۔مرتبہ مولانا غلام محمد ہفت رقم۔(تذکرہ خوش نویساں کے حوالہ جات میرے سینئر رفیق ڈاکٹر معتصم عباسی عرف موتی بھائی۔استاد فارسی، شعبہ فارسی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے مولانا آزاد لائبریری سے تحریر کر کے بھیجے تھے جن کے لیے راقم تہ دل سے موتی بھائی کا ممنون ہے۔

۴۔ سید نظام الدین شاہ جی کوڑا:

جیسا کہ ملفوظات مرشدی کی مجلس سے ظاہر ہوا ہے۔ اس فن شریف میں شاہ جی کوڑا اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔[1]"

مختصر یہ کہ حضرت شاہ صاحب نے اس تعلیمی دور میں مختلف علوم وفنون کی تکمیل کی۔ اس کے بعد شاہ صاحب اسی دار العلوم میں تدریسی خدمات بہ حیثیت مستقل استاد انجام دیتے رہے اور یہ تدریسی سلسلہ پانچ سال یعنی ماموری بریلی (بروز دوشنبہ ۱۲ ذیقعدہ ۱۱۷۴ھ/۱۵ جون ۱۷۶۱ء) تک جاری رہا۔

تدریس نجوم:

اس دوران میں شاہ صاحب علم فلکیات کے ساتھ شائقین طلباء کو علم نجوم کا بھی درس دیتے رہے۔ دہلی کے ایک ہندو شاگرد کا تذکرہ کرامات نظامیہ نے بھی کیا ہے جنھیں علم نجوم میں حکم لگانے کا ایسا ملکہ تھا کہ اس کی جزوی تفصیلات میں بھی سر مو فرق نہیں ہوتا تھا۔

(۱) ایک مرتبہ آپ دہلی تشریف لے گئے۔ قیام کے دوران آپ کے علم نجوم کے شاگرد بلا ناغہ روزانہ حاضر خدمت ہوتے۔ ایک روز عرض کی کہ میرے حالات ایسے نہیں ہیں کہ حضور کی دعوت کرسکوں البتہ کل جو کھانا حضور کے لئے آئے وہ میری طرف سے دعوت سمجھی جائے۔

امتحاناً فرمایا خیر یہ تو بتلاؤ وہ کھانا کیا کیا ہوگا؟ کس وقت آئے گا؟

عرض کی ٹھیک دس بجے۔ (آپ کے کھانا نوش فرمانے کے وقت)

جس میں اتنے پیالے قورمہ کے ہوں گے اس رنگ کے اور اس طرح کے پھول پتے ان میں ہوں گے اسی طرح اس وضع اور اس رنگ کی اتنی پلیٹیں پلاؤ اور اتنی تنجن کہ جن کا رنگ یہ ہوگا۔ اتنی باقر خانیاں ایسے رنگ کے فلاں فلاں برتن ہوں گے جن میں ایسے ایسے کھانے ہوں گے۔

دوسرے دن حسب معمول یہ صاحب حاضر خدمت تھے۔ دس بجنے والے تھے حضور قبلہ نے

---

[1] شاہ جی کوڑا کی اولاد سندھیا راجگان کی قدردانی کی وجہ سے ریاست گوالیار (مدھیہ پردیش) میں مقیم ہوگئی تھی۔ پھر وہاں سے آکر اسی خاندان کے ایک فرد نے چاوڑی بازار دہلی میں اپنی بلڈنگ بنائی تھی۔ مکتوب علامہ اخلاق حسین دہلوی مرحوم

فرمایا لو صاحب دس تو (اب) بجے اور کھانا اب تک نہیں آیا۔ گھڑی دیکھ کر عرض کیا ابھی سات منٹ باقی ہیں۔ سات منٹ بعد فرمایا لو اب تو دس بج گئے۔ عرض کیا کھانا دروازے پر ہے۔ لانے والے دریافت کر رہے ہیں بریلی والے میاں کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟ فلاں بیگم صاحبہ نے یہ کھانا بھیجا ہے۔ حضور حکم فرمائیں تاکہ آدمی کھانا لو الائے۔ جب کھانا اندر آیا تو سب کچھ وہی تھا جیسا کہ منجم موصوف نے حکم لگایا تھا۔

روحانی عظمت کے چرچے:

(۲) جب دہلی میں حضرت نیاز بے نیاز کی روحانی عظمت کے چرچے لوگوں کی زبانوں پر تھے کچھ لوگوں نے حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے سامنے بھی تذکرہ کیا کہ ایک صاحبزادے ایسے ہوئے ہیں کہ اکثر لوگ ان کی نگاہ کی تاب نہیں لاسکتے۔ یہ سن کر مرزا صاحب نے فرمایا کہ ''برسات میں ایسے پودے بہت سے ہوتے ہیں جن کے پتے چکنے اور ہونہار معلوم ہوتے ہیں مگر آخر کو درخت تو ایک ہی دو ہوتا ہے، باقی سب جاتے رہتے ہیں۔ اس کا ذکر کسی نے حضرت مولانا سے کیا آپ کو ناگوار ہوا۔ فرمایا:

''یہ وہ پودا نہیں ہے جو جاتا رہے۔''

اس کے بعد حکم دیا کہ میاں کے شجرے کے شروع میں یہ عبارت شامل کر دی جائے۔

" هذه الشجرة اصلها ثا بة و فر عهافی السماء"(سورہ ابراہیم۔۱۳/۱۴/۲۴)

(یہ اچھی ذات کا درخت ہے جس کی جڑیں زمین میں گہری جمی ہوئی ہیں اور جس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں)

حضرت مولانا نظامی گنجوی کا شعر ہے:

درختے سہی سرو در باغ شرع — زمینے باصلے آسمانے بفرع

برجستہ اس آیت مبارکہ کا استعمال اور وہ اس طرح کے جیسے پہلے سے یہ بیش قیمت نگینہ اسی جگہ پر جڑنے کے لئے رکھا تھا۔ یہ حضرت مولانا صاحب کے قرآن پاک کے غائر مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اسلامی لفظیات و مصطلحات میں درخت کی خاص اہمیت ہے قرآن پاک میں کبھی شجر طیبہ کا

ذکر ہے اور کبھی شجر ملعونہ کا۔ اسلامی تصوف میں شجر طیبہ اولیاء اللہ ہیں۔ ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے سایہ اور پھل دے رہے ہیں اور قیام قیامت تک یہ مبارک عمل جاری رہے گا۔ دوسری طرف شجر خبیثہ ایک ایسا بدذات درخت ہے جو اگنے کے بعد ہی سطح زمین سے اکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے۔

ومثل کلمة خبیثة کشجرة خبیثة ِاجتثت من فوق الارض مالھا من قرار

والشجر ة الملعونة فی القرآن (سورہ بنی اسرائیل ۱۷)

(اور اس درخت کو جس پر قرآن میں لعنت کی گئی)

حضرت بی بی عائشہؓ نے مروان سے کہا میں نے تیرے باپ دادا کے متعلق رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے۔ قرآن میں جس شجر ملعونہ کا ذکر ہے اس سے مراد تم ہو یعنی بنو امیہ[1]

الحمد للہ۔ اللہ پاک نے اس نسل کا ایسا ہی کر دکھایا

اولیا اللہ کا وجود سراپا رحمت ہوتا ہے۔ شجر و شجر طیبہ چشتیہ سلسلے کی علامتی اصطلاح ہے۔ حضرت فرید الدین گنج شکر نے زبان معجز بیان سے حضور محبوب الٰہی کو خلافت عطا فرماتے وقت بشارت دی تھی۔

"کہ تو درختے شوی کہ در سایہ تو خلقے بیا ساید"[2]

(تو ایسا درخت ہوگا جس کے سایہ میں ایک جہاں آرام پائے گا۔)

حضرت ملک محمد جائسی تحریر فرماتے ہیں:

پتھک جو پہنچے سہہ کے گھامو — دکھ بسرے سکھ ہوئی بسرامو

جیہہ وہ پائی چھانہہ انوپا — پھر نہیں آئی سہے یہ دھوپا

"جو مسافر لو دھوپ سہہ کر کسی سایہ دار درخت کے سایہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ راستے کا دکھ بھول کر چین سے آرام کرتے ہیں۔ جنھیں ایسی بے مثال چھایا مل جائے پھر وہ لوٹ کر دھوپ کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے۔"

اہل اللہ حقیقت میں ظل اللہ ہیں جن کے دامن شفقت میں آکر ایسا آرام دہ سایہ میسر آجاتا

---

[1] تفسیر درمنشور سیوطی جلد ۴ صفحہ ۱۹۱۔ و تفسیر کشاف زمخشری جلد اول صفحہ ۷۷۵

[2] سیر الاولیاء۔ پاکستانی ایڈیشن صفحہ ۱۲۷

ہے جس کی مثال اس زمین پر ملنا ناممکن ہے۔

سلسلہ چشتیہ کا وہ تناور پیڑ جس کی نشو ونما خواجگان چشت نے اپنی خون جگر سے کی تھی وہ اٹھارویں صدی آتے آتے خشک ہوا جا رہا تھا۔ حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں نے ازسرنو اسے پروان چڑھایا۔

آغاز شاعری:

اس دور میں دلی علم وادب کا گہوارہ تھی۔ قدم قدم پہ علم وادب کے مشاہیر موجود تھے۔ ایسی ایسی قد آور شخصیتیں موجود تھیں کہ اگر آسمان شمع آفتاب لے کر تلاش کرے تو ان کا مثل ملنا ناممکن ہے۔ ایسے دور میں آپ نے اکابر وخداوندان سخن سے فارسی شاعری میں داد تحسین حاصل کی تھی۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ کسی عرس کی محفل میں حضرت فخر الدین فخر جہاں مدعو تھے۔ ہمراہی میں حضرت مولانا شاہ نیاز احمد صاحب تھے۔ وہاں دیگر اکابر کے علاوہ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ بھی رونق افروز محفل تھے۔ محفل کے خاتمے پر آپ نے حضرت مولانا صاحب کی ایما پر حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں اپنی آٹھ شعری غزل بنظر اصلاح پیش کی جس کا مطلع ہے۔

امشب آنست کہ ز حلقہ جہاں بر درما
نیر نور خدا کرد طلوع از برما

زبان مبارک سے پہلا مصرعہ نکلا ہی تھا کہ مرزا صاحب کا سر مبارک جھک کر قریب زمین کے پہنچ گیا۔ جب سنبھلے تو دوسرا مصرعہ عرض کیا۔ دوبارہ مرزا صاحب کا سر وجد کے عالم میں زمین تک پہنچ گیا غرض کہ ہر مصرعہ سے مرزا صاحب پر بے خودی طاری ہو جاتی۔ جب غزل ختم ہوگئی تو مرزا صاحب نے تھوڑی دیر سکوت کر کے فرمایا: میاں صاحب زادے! کیا کہنا ہے!! بہت خوب!!! حضرت مرزا صاحب نے غزل کا پرچہ لے لیا۔ دوسرے روز وہ پرچہ واپس بھیجا۔ جب اس کو دیکھا تو ہر شعر اور ہر مصرعہ بلکہ ہر لفظ پر صاد بنا ہوا تھا۔[1]

مولف ناز ونیاز اسی طرح کا دوسرا واقعہ نقل کرتے ہیں:

ایک مرتبہ آپ (نیاز بے نیاز) نے ایک غزل تحریر فرمائی، جس کا مطلع یہ تھا۔

---

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۱۹۔۱۸

من آن نورم کہ اندر لامکاں موجود بودستم

بہ اشرق خودم خود شاہد و مشہود بودستم

حضرت مولانا صاحب نے فرمایا ہم اس غزل کو مرزا مظہر جان جاناں کے پاس بھیجے دیتے ہیں، وہ اصلاح کردیں گے۔ جب یہ غزل مرزا صاحب کے پاس پہنچی تو انہوں نے غزل پر لکھ دیا۔ لیس کلام البشر (یہ بشر کا کلام نہیں ہے۔)[1]

[1] نازونیاز جلد اول صفحہ ۸

روحانی منازل:

میر قدرت اللہ قاسم حضرت شاہ صاحب کا قول نقل کرتے ہیں

"کہ ابتدا شاہ صاحب نے اس کار استوار میں اپنی والدہ ماجدہ سے استفادہ کیا تھا جنہیں طہارت انتساب حضرت بتول زہراؓ سے نسبت اویسیہ تھی۔"[1]

مدرسہ کی خدمات کے علاوہ وہ حضرت مولانا صاحب کی خدمت میں روحانی منازل طے کر رہے تھے۔ حضرت مولانا صاحب مجدد سلسلہ چشتیہ تھے۔ انہوں نے سلسلہ کو حیات تازہ عطا فرمائی تھی۔ اپنے خلفاء کو ملک کے دور دراز علاقوں میں بھیج کر سلسلہ کی خانقاہیں قائم کرائیں۔ آپ کا دور مبارکہ سلسلہ کی نشاۃ الثانیہ ہے۔

حسین فخری نے لکھا ہے:

"خلفاء مرشدی ومخدومی درہفت اقالیم دائرو سائر ومحیط اند۔"[2]

مفتی غلام سرور نے لکھا: "خلفاء آنجناب بہر سمت با قالیم بعید المسافت ماموشد۔ (آں جناب کے خلفاء ہر سمت اور انتہائی دور ملکوں میں متعین تھے۔)"

بلا شبہ آپ کے خلفاء نے سلسلہ کی تبلیغ واشاعت میں بڑی جگر کاوی اور جاں سوزی کے ساتھ جدو جہد کی۔ ان تمام حضرات نے اپنے اصلاحی پروگرام میں ماحول اور معاشرے کی تبدیلی و اصلاح پر بڑا زور دیا تھا۔ مقامی صوبائی یا ملک گیر خدمات انجام دیں مگر حضرت مولانا صاحب کی نظر انتخاب ایک ایسے جوہر قابل کی تلاش میں تھی جس میں علم، عقل اور عشق تینوں صلاحتیں بدرجہ اتم کارفرما ہوں۔ اکابر کے طریقوں پر سنتوں کا حامل ہو۔

الخلق عیال الله (مخلوق اللہ کی عیال ہے) اور وکونو اعباد الله اخوانا (اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ) کے عقیدے کا حامل ہو۔ فقراء اور مساکین سے محبت

---

[1] مجموعہ نغز صفحہ ۲۸۸

[2] شجرہ الانوار صفحہ ۵۱۲

کرنا، امراء و سلاطین کی دوستی اختیار نہ کرنا۔ جب لوگ اذیت و مضرت پہنچائیں تو اس کے بدلے میں خود اذیت نہ پہنچانا۔ اس لئے کہ صبر کرنے والوں کو معیت الٰہی کا شرف حاصل ہوتا ہے۔[1] یہ کام صاحبان عزیمت و دعوت اور صدیقین کا ہے۔ یہی وہ صلاحیتیں تھیں جنہیں وہ بروئے کار لانا چاہتے تھے اور وہ سب خوبیاں شاہ صاحب کی ذات میں پائی جاتی تھیں۔ حضرت مولانا صاحب ایک ایسی مرکزی شخصیت وجود میں لانا چاہتے تھے جس کی زندگی کا ہر پہلو انتہائی تابناک ہو اور وہ مولانا صاحب کی صلاحیتوں کا شاہکار تسلیم کیا جائے آپ کی نظر انتخاب سرہند سے آئے ہوئے ننھے منھے علوی بچے پر ٹھہری۔ روز ازل سے صانع تقدیر نے جس کی مٹی کو چشت کی شراب صافی کے آمیزے سے گوندھ کر تیار کیا تھا۔ اس کی تربیت شروع کر دی۔ آخرش چند سال کی مدت میں وہ جوہر قابل نکھر آیا اور یہ مدارج اقصیٰ طے کرتے رہے۔ فطرت کی گیرائی نے جمال ہمنشیں کا اس طرح اکتساب کیا کہ آپ بالکل قدم باقدم حضرت مولانا کے ہو گئے تھے۔[2]

کمال فقر شده از ظهور فخر الدین فدائے او دل و جانم دگر نمی دانم

"بہرکیف، سرانجام کار، جذبۂ حق دے را در ربود کہ خود را مشغول بہ عبادات شاقہ ساخت و مردانہ اسپ ہمت در مضمار طلب مولیٰ ساخت۔"[3]

"بہرکیف۔ آخر کار جذبہ حق نے ان کو ان سے چھین لیا۔

ع۔ وہیں پھر جو ڈھونڈا نہ پایا مجھے

موصوف پوری تندہی سے عبادات میں مشغول ہو گئے اور انتہائی ہمت کے ساتھ اپنی توجہ کو طلب مولا میں لگا دیا۔"

بوقت نو جوانی حال پیری شد بمن طاری غم ہجران جانانم بہ شیب انداختہ شابم

اس نو جوانی کے دور میں اتنی شدید محنتیں اور ریاضتیں کیں کہ شباب کے بجائے بڑھاپے کا سا ضعف طاری ہونے لگا۔ بقول جناب حافظ اکبر علی خاں صاحب: "پھر چند روز میں جناب مولانا صاحب نے شاہ نیاز احمدؒ صاحب کو آفتاب بنا دیا۔"

---

[1] خلافت نامہ [2] تذکرہ اولیائے ہند۔ مرزا اختر دہلوی جلد دوم صفحہ ۲۷۲

[3] مجموعہ نغز صفحہ ۲۸۸

ماہانہ فاتحہ حضرت شاہ شاہاںؒ

آپ حضرت مولانا صاحب کی ایماواجازت سے ان کے شیخ اور والد ماجد حضرت شاہ شاہاں کی ماہانہ فاتحہ بڑی پابندی اور بحسن وخوبی اپنے مکان پر انجام دیتے اس محفل مقدسہ میں خود حضرت مولانا صاحب اور آپ کے جلو میں اکابر خلفاء صاحب استعداد مریدین ووابستگان کے علاوہ دوسرے سلاسل کے ہم مسلک مشائخ بھی شرکت فرماتے تھے۔اسی ذیل میں سماع ووجد کی مجلس بھی ہوتی۔اکثر مشہور ومعروف موسیقار وسرود پرداز اپنے نغموں سے محفل کو فردوس گوش بناتے۔صوفیائے کرام عالم کیف ومستی میں رقص ووجد فرماتے۔[1]

''بتاریخ دواز دہم ہر ماہ بلا ناغہ مجلس مشائخاں بہ خانہ خود منعقدمی گرداند واکثر بر سماع سرود پردازان وجدمی نماید۔''[2]

اسی سے ملتی جلتی بات دوسرے معاصر نواب اعظم الدولہ سرور نے بھی کہی ہے۔

حضرات والدین کی مصروفیات:

حضرت حکیم صاحب کی مصروفیات: حضرت شاہ صاحب قبلہ مدرسہ کی خدمات میں ہمہ تن مصروف تھے تو حضرت والد صاحب حکیم الٰہی شاہ محمد رحمۃ اللہ علوی اپنے شیخ سید قطب الدین صاحبؒ کی خدمت کرتے انہیں کے ارشاد عالی کے تحت سلسلہ کی ترویج واشاعت کے ساتھ اللہ کی مخلوق کے روحانی وجسمانی مریضوں میں شفا بانٹ رہے تھے۔

حضرت والدہ ماجدہ کی غریب نوازی:

حضرت والدہ ماجدہ اپنے مالی وروحانی فیوضات سے مخلوق خدا کو نواز رہی تھیں۔ان حضرات کی للّٰہیت کی وجہ سے عوام وخواص سبھی کے دل ان کی طرف کھنچ رہے تھے۔شہرت ومقبولیت ان کے قدم چوم رہی تھی۔

---

[1] عیار الشعراء (قلمی) صفحہ ۲۹۱

[2] عمدہ منتخبہ صفحہ ۴۲۸ و یادگار شعراء

عرس حضرت شاہ شاہانؒ

خلافت کبریٰ:

حسب معمول حضرت شاہ شاہان نظام الدین اورنگ آبادی کا عرس مبارک پورے تزک و احتشام کے ساتھ اجمیری دروازے سے متصل خانقاہ فخری میں ہو رہا ہے۔

بدھ کا دن ہے اور ذیقعدہ کی ۱۲ تاریخ (۱۱۷۳ھ ۲۶ جون ۱۷۶۰ء) اساڑھ کی پہلی بھرن پڑ چکی ہے۔ فضا میں خوش آئند خنکی اور بھینی بھینی مہک ہے۔ اب جیٹھ کی لو دھوپ اور گرمی کافور ہو چکی ہے۔ خانقاہ معلیٰ میں نورانیوں کا ہجوم ہے۔ تمام مشائخ وصوفیا خواجہ غریب نوازؒ کے وارث و جانشین کے عرس میں شرکت کے لئے موجود ہیں۔

''ہجوم مے پرستان بر در میخانہ می بینم''

محفل نہایت سلیقے سے آراستہ ہے۔ حاضرین محفل صف بہ صف علیٰ قدر مراتب فروکش ہیں حضور مولانا صاحب مسند مبارکہ پر جلوہ افروز ہیں۔ ایسی جوت پڑ رہی ہے لگتا ہے کہ حضور محبوب الٰہی جلوہ آرا ہیں۔ اکابر علماء فضلاء، مشائخ، وزراء و امراء رانا، راؤ کی رنگا رنگ محفل میں نور کی بارش ہو رہی ہے۔ لیکن فخر جہاں کی جوت ایسی ہے کہ سبھی کی آنکھوں کو خیرہ کئے دے رہی ہے۔ اسی رنگیلے بنے پر سب نثار ہو رہے ہیں۔

رانا، راؤ اور شیخ مشائخ، رل مل جا نچر جوری
جا میں ہیں محبوب الٰہی، گوپن ماں کشوری
یارسیا کی نرمل مورت جوتی روپ بنوری
ایسے رنگیلے بنے سے لاکی نیاز کے من کی روری

ہر فرد بشر کی نظر انہیں کے چہرے پر ٹکی ہوئی ہیں۔

اللہ رے چشم یار کی معجز بیانیاں
ہر ایک کو ہے گماں کہ مخاطب ہمیں رہے

اس اثنا میں حضور مولانا صاحب ایک جانب اشارہ فرماتے ہیں سب کی نظریں اسی طرف

اٹھ جاتی ہیں اور ایک بھاری کھرو جوان، لکاتا قد، گوری رنگت عمر کا اٹھارہ واں سال، لیکن اپنے آقا کے حضور میں سراپا نیاز، مثل کماں خمیدہ دست بستہ حاضر ہو رہا ہے۔ قریب تر آنے کا اشارہ پاکر قریب اور قریب لیکن اب بھی دو کمانوں کا فاصلہ باقی ہے۔ حکم ہوتا ہے اور قریب یہاں سامنے، وہ سامنے دست بستہ سر جھکائے حاضر ہے۔ دستار خلافت زیب سر فرمادی اور اس کے بعد کچھ ہدایتیں اور وصیتیں فرمائیں۔ ہر طرف سے تحسین و مبارک باد کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ آپ نے قدموں پر سر رکھ دیا۔

نظر حضرت شکست بسوئے فقرا — کہ نہادا فسر شاہی جہاں بر سرما

یہاں تک دیا مجھ کو حسن عروج — کہ بندے سے مولا بنایا مجھے

حافظ اکبر علی خاں صاحب ایجاد اکبری میں لکھتے ہیں:

مولانا شاہ نیاز پھر اہل رسا ہوئے — لاکھوں چراغ آپ سے جلوہ نما ہوئے

جس دم کہ موجزن ہوا دریائے رحمتی — ہر لہر سے اس بحر کی اہل صفا ہوئے

وہ رتبہ بخشا پیر نے حضرت کو حافظا! — خادم ہزاروں آپ سے اہل رسا ہوئے

ایک خاص محل پر حضرت فخر جہاں نے ارشاد فرمایا تھا:

"چرچا دنیوی، مولوی نور محمد کے فقر کا ہوگا اور قرب و وصال مشاہدہ محبوبی تمہارے یہاں کے خادموں میں قیامت تک رہے گا۔"[1]

حضرت نیاز بے نیاز حسب معمول اب بھی مدرسہ کی خدمات اسی تن دہی کے ساتھ انجام دے رہے تھے۔

پانی پت کی جنگ۔ فتح کے بعد مناصب کی تقسیم

انہی دنوں ایک قیامت صغریٰ برپا ہوگئی۔ اوائل جمادی الاول (۱۱۷۴ھ/دسمبر ۱۷۶۰ء) میں احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدان میں محاذ بنایا۔ دہلی کی روزمرہ کی زندگی میں ہیجان برپا ہوگیا۔ روزانہ کے معمولات ہنگامی حالات میں بدل گئے۔ مرہٹے جو راجدھانی میں خود کو بے تاج

[1] ایجاد اکبری مصنفہ جناب حافظ اکبر علی خاں صاحب مسکینی نیازی رامپوری، صفحہ ۴۴۵

کا بادشاہ سمجھتے تھے ان کے لئے بزن بول دیا گیا۔ پانی پت کے میدان میں ملہار راؤ اور مہادجی سندھیا کے علاوہ سارے مرہٹے سردار کھیت رہے۔ مرہٹہ فوج کی ہمت چھوٹ گئی۔ جو بھاگے ہیں تو سیدھا دلی کا رخ لیا۔ میدان جنگ سے اگرچہ دلی تین شبانہ روز کا راستہ تھا۔ وہ راستے بھر مارے جاتے رہے۔ جو کسی کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتے تھے ان کے دھڑ بے سر ہو رہے تھے، باقی کو سر چھپانے کی جگہ نہ تھی۔

پانی پت کی فتح کے بعد احمد شاہ ابدالی جمعرات ۲۲/ جمادی الثانی ۱۱۷۴ھ/۲۹ جنوری ۱۷۶۱ء کو نہایت تزک و احتشام کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا۔ انتظامات درست کرنے کے بعد اس نے افغان سرداروں کو اپنی موافقت کے صلے میں نوازا۔ اس کے بعد جمعہ ۳۰/ رجب (۱۱۷۴ھ ۲۹/ مارچ ۱۷۶۱ء) کو عہدوں کی تقسیم عمل میں آئی۔ نائب السلطنت کا عہدہ مرزا جوان بخت جہاں دار شاہ (خلف اکبر شاہ عالم) کو۔ وزارت شجاع الدولہ۔ نجیب الدولہ کو امیر الامراء وکالت کل حافظ الملک حافظ رحمت خاں کو۔ حضرت شاہ محمد رحمت اللہ علوی کو ان کی مقبولیت۔ علم و فضل للّٰہیت کے پیش نظر قاضی القضات کے عہدۂ جلیلہ پر فائز کیا گیا جسے آپ نے نہایت کراہت کے ساتھ قبول کیا۔ اتوار ۱۵ شعبان (۱۱۷۴ھ/۲۲ مارچ ۱۷۶۱ء) کو پونے دو ماہ بعد بالکل خالی ہاتھ ابدالی نے قندھار کو کوچ کیا۔

حضرت حکیم صاحب اس عہدہ کی وجہ سے سخت ذہنی کرب میں مبتلا تھے۔ اس عہدے کی مصروفیت اور طرح طرح کے سیاسی دباؤ ان کی مرضی کے خلاف تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے فرائض منصبی بالائے طاق ہو گئے تھے معمولات میں بہت دشواریاں ہونے لگی تھیں۔ وہ اس منصب کو ترک کرنے کے لئے عذر جمیل کی تلاش میں تھے اور وہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا۔

باب سوم

صاحب عزیمت اور دعوت کا انتخاب

شہنشاہ اورنگ زیب کی آنکھیں بند ہوتے ہی (۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) ہندوستان کا نظام درہم برہم ہوگیا امراء میں تعیش وبدمستی تھی اوران کی گروہ بندی سے اغیار فائدہ اٹھارہے تھے ملک کا گوشہ گوشہ ان مصائب وآلام سے دوچار تھا لیکن وزراء پر موت کی سی نیند طاری تھی۔ مدرسوں خانقاہوں کے بوریہ نشین ہر چندان لوگوں کو جھنجھوڑتے تھے لیکن یہ بے حس کروٹ تک نہیں لیتے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ انہیں برابر متنبہ کرتے تھے۔ حضور مولانا صاحب نے سیاسی خلفشار سے تنگ آکر ایک بار خود بادشاہ کو ہدایت کی تھی کہ اگر بذات خود (بادشاہ) امور سلطنت کی طرف متوجہ نہ ہوئے تو بندوبست کسی صورت سے نہ ہو پائے گا مگر اس سب کے باوجود دلی والے حسب معمول اپنے رنگ رلیوں میں مگن تھے۔ رہے علماء تو خود نام آور علماء اور خانقاہ نشینوں کی اکثریت ان بلاؤں میں گرفتار تھی۔ مجتہد علماء کے یہاں غیر اسلامی رسوم رائج تھیں۔ علماء سوء تو ہمیشہ سے ہی موقع پرست تھے وہ درباروں اور ایوانہائے خلافت سے وابستہ رہے: لیکن عوام کی قسمت کہ مشائخ نے بھی وہی رویہ اختیار کرلیا تھا مشائخ اور مشائخ زادوں نے بھی درباروں میں آمدورفت شروع کردی:

"جن پہ تھا تکیہ وہی پتے ہوا دینے لگے"

لیکن اسی لال قلعہ کی فصیل کے نیچے اجمیری دروازے میں ایک ایسی جگہ تھی جو کہ ہندوستان کے نقشے میں ہوتے ہوئے بھی اس کے سیاسی نقشہ سے باہر تھی۔ وہ حضور مولانا صاحب کی خانقاہ تھی۔

وہ تابناک دور جو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی ذات والا (اواخر ۱۱۹۰ء) سے شروع ہوکر حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی (م چہارشنبہ ۱۸ ررمضان ۷۵۷ھ/۱۴ استمبر ۱۳۵۶ء) پرختم ہوا تھا، تقریباً چار سو سال بعد پھر اسی دہلی میں اس کی تابشیں نظر آنے لگیں۔ شمالی ہندوستان کا چپہ چپہ حضور مولانا صاحب کی تعلیمات سے منور ہورہا تھا۔ خاک نشینوں کی یہ صدا شاہی ایوانوں کو پار کرتی ہوئی اپنی انتہائی بلندیوں کو چھو رہی تھی۔ اس عوامی تحریک نے بادشاہوں اور امیروں کے بھی

سر اس بارگاہ غریب نواز پر لاکر جھکا دیے تھے۔

جہاں حضرت مولانا صاحب سلسلے کی یہ مقبولیت ملاحظہ فرما رہے تھے انہیں وہیں مستقبل کی بھی فکر لاحق تھی۔ مقبولیت اور انعام کی بارش بھی حقیقت میں ایک آزمائش ہوتی ہے۔ انہیں خیالات کے پیش نظر حضور مولانا صاحب کو ایک ایسے صاحب عزیمت و دعوت کی تلاش تھی جو اس انعام و وقار کو برقرار رکھ سکے اور تلاطم خیز طوفانوں میں بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرے اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے مرکز پر رہ کر پورے نظام روحانیت کو بحسن و خوبی انجام دے سکے اور سستی مقبولیت کے فریب میں خود کو اور اپنی قدیم ترین روایات خاک میں نہ ملا دے۔ حضرت مولانا صاحب کی نظر بصیرت نے جو پہلے سے دیکھ لیا تھا وہی ہو کر رہا۔ حضرت کے قریب ترین حضرات نے آپ کی آنکھیں بند ہوتے ہی دربار و سرکار سے ناتا جوڑ لیا۔ جن کے پیشواؤں نے ہمیشہ درباداری کو اخلاق و مذہب کی توہین سمجھا۔ حضرت امام حسن علیہ السلام کی جبریہ دستبرداری خلافت (ربیع الاول ۴۱ھ / جولائی ۶۶۱ء) کے بعد سے یہ حضرات اس چھوت کی بیماری سے ہمیشہ الگ تھلگ رہے۔ اپنے حکم ناموں اور خلافت ناموں میں بھی تحریر فرماتے رہے۔

"تمہیں وصیت کی جاتی ہے کہ فقیروں اور مسکینوں سے محبت کرنا، سلطانوں اور امیروں سے دوستی و مصاحبت نہ کرنا۔"[1]

حضرات مشائخ چشت بادشاہی کو خلافت راشدہ کا دشمن سمجھ کر اس سے بریت کا اظہار فرماتے رہے۔ ان کی نظر میں بادشاہ حضور پاکؐ کے لائے ہوئے نظام کو نقصان پہنچانے والے ہیں اسی لئے وہ ان سے دوری میں مبالغہ فرماتے اور اسی میں دین و دنیا کی بھلائی سمجھتے تھے۔ ان کے نظریات کے تحت بادشاہوں کی ٹولی روحانی مراتب کے لئے زہر قاتل تھی اور مشائخ کبار اعلیٰ روحانی مراتب کے لئے زہر قاتل تھی اور مشائخ کبار اعلیٰ روحانی مراتب حاصل کرنے کے لئے بادشاہوں سے بے تعلقی کو پہلی شرط سمجھتے تھے:

لو اردتم بلوغ الکبار فعلیکم بعدم الالتفات إلی أبناء الملوک[2]

"اگر تم مشائخ کبار کے (اعلیٰ) روحانی مراتب کے آرزومند ہو تو تم پر بادشاہوں کے طبقے

---

[1] کرامات نظامیہ

[2] سیر الاولیاء۔ پاکستانی ایڈیشن صفحہ ۷۵

سے بے التفاتی لازم ہے" انہیں حضرات کے وابستگان نے قلعہ معلیٰ کو قبلۂ مقصود بنالیا تھا۔ حقیقت میں جاہ پرست علماء نے امراء وسلاطین کے لاشعور میں یہ بات پیوست کردی تھی کہ:

الدین والملک توامان ("دین اور ملک جڑواں بھائی ہیں")

اسی خناس کے پیش نظر بادشاہ اپنی ہر بکواس کو دین کا درجہ دینا چاہتے تھے حتیٰ کہ اکبر نے انہیں کے تعاون سے نئے مذہب کی بنیاد ڈال دی۔ مگر یہ خاک نشین ان بادشاہوں کو تو کیا خیال وخطرے میں لاتے وہ اس پورے کرۂ ارض کو اونٹ کی مینگنی سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔[1] جس کے ایک چھوٹے سے حصے پر وہ بادشاہی کے دعوے دار تھے۔ لیکن یہ صاحبان عزیمت ودعوت ہی کے بس کی بات تھی ماوشما اس فکری بلندی سے قطعاً عاری تھے۔ عوام کی تو حیثیت ہی کیا ہے علماء وائمہ جو کہ نائب رسول ہونے کے دعوے دار ہیں۔ جمعہ کے مقدس خطبے، جن کا سننا عبادت ہے۔ ان خطبوں میں بادشاہوں کے نام لینا اپنی عبادت کی قبولیت کا سبب سمجھتے تھے۔ اور ان کی یہ بدعت آج تک جمعوں کے خطبوں میں جاری ہے۔ علما سوء کی اسی جی حضوری نے بادشاہوں کو فرعون بے سامان بنادیا تھا۔ ان حالات میں قرعۂ فال حضرت شاہ نیاز احمد صاحب کے نام پر پڑا۔

روہیلے اور روہیلکھنڈ

سترہویں صدی عیسوی میں روہیلہ افغان جرگے شمالی ہندوستان کے شہروں میں آکر بسنا شروع ہوئے پھر یہیں کے ہو رہے۔ روہیلوں کی نوآبادیاں ایسے شہروں میں قائم ہوئیں جو ہمالیہ کی تلہٹی میں دریاؤں کے کنارے واقع تھے۔ بریلی شاہجہانپور اور فرخ آباد خاص مرکز ٹھہرے۔ فرخ آباد نے بنگش افغانوں کے تحت وتصرف میں ترقیاں کیں۔ بریلی کے روہیلہ افغانوں کے اندر بڑی تنظیمی صلاحیتیں پوشیدہ تھیں۔ انہوں نے اپنے دور کی سیاسی فضا میں اپنا ایک خاص مقام بنا لیا تھا۔ ہندوستان کے نقشہ میں انہوں نے اپنا وجود قائم کرلیا تھا۔

روہیلہ سردار انتہائی دین دار اور دین پرور ہونے کے باوجود غیر متعصب تھے۔ یہ افغان

---

[1] عوارف المعارف: لایکمل الایمان المرء حتی یکون الناس کالا باعر "کسی کا ایمان اس وقت کامل نہ ہوگا جب تک لوگ اس کی نظر میں اونٹ کی مینگنیوں کی طرح بے وقعت نہ ہوں۔ بجز ان افراد کے جنہیں اللہ نے بڑائی دی ہے۔"

شجاعت وعدالت کے دھنی تھے۔ان کے یہاں رعایا میں ہندو اور مسلمان کا فرق نہیں تھا۔ یہ ایسے فراخ دل ہوتے کہ اگر ریاست کا سربراہ افغان ہوتا تو مدار المہام ریاست ، اور دیوان ہندو ہوتے۔یہ مدارس اور مساجد بناتے تو قریب ہی پر شکوہ مندر اور پاٹھ شالے بنواتے۔روہیلے رئیس الغزاۃ اور راس المجاہدین تھے۔ان کی جرأت ، جسارت اور بہادری نے کمایوں کے تمام پہاڑی علاقوں پر اپنی دھاک جمادی تھی۔

۱۱۵۴ھ ۱۷۴۱ء تک نواب علی محمد خاں نے سبھی پہاڑی راجاؤں کو مطیع بنالیا تھا۔ یہ عظیم روہیلوں کا عظیم کارنامہ ہے جو ہندوستان میں اسلامی سلطنت (ساڑھے پانچ سو سال) کے بعد سے اب تک ظہور پذیر نہیں ہوا تھا۔دہلی کے عیش پرست اور مجہول امراء کو روہیلوں کی ایسی فتح و کامرانی ایک آنکھ نہیں بھائی۔ایرانی درانداز وں نے ناعاقبت اندیش بادشاہ محمد شاہ رنگیلا کے کان روہیلوں کے خلاف بھرنے شروع کیے۔سازش کا جال بنتے رہے حتی کہ یہ ناکارہ بادشاہ دو کروڑ روپے کے مطالبے میں ملک کٹھیر پر حملہ کرنے کے لئے چل پڑا۔شجاعت وفراست کا نمونہ نواب علی محمد خاں برابر جنگ کو طرح دیتا رہا۔صفدر جنگ مع قایم خاں اور امیر خاں بن گڑھ کے قلعہ تک پہنچ گئے لیکن علی محمد خاں اس سب کے باوجود وزیر الممالک قمر الدین خاں کے ذریعہ معافی کی سفارش کی سلسلہ جنبانی کرتا رہا۔تاکہ بنا بنایا کھیل بگڑ نہ جائے۔اس حکمت عملی سے علی محمد خاں کی معافی تو ہوگئی اور افغانوں کا کچھ زیادہ نقصان بھی نہیں ہوا لیکن اس سازش سے ان کا منشا پورا ہوگیا۔صفدر جنگ نے (جسے روہیلہ پٹھانوں کا وجود برابر کھٹک رہا تھا۔) ناعاقبت اندیش بادشاہ سے ملک کٹھیر کی نظامت عظمت اللہ خان کے بیٹے فرید الدین خاں کو دلوادی۔بادشاہ علی محمد خاں کو قید کر کے دہلی لے گیا۔جہاں نواب موصوف کو چھ ماہ قید رکھا۔

نواب علی محمد خاں سر ہند میں

سیاسی اور عسکری دباؤ کے باوجود کٹھیر کے بجائے علی محمد خاں کو پنجاب میں سر ہند کا علاقہ دے دیا گیا جو کہ اپنی شورہ پشتی اور سرکشی کی وجہ سے مرکز میں کسی بہادر کے قابو کی چیز نہ تھا۔سر ہند دینے میں یہ حکمت عملی بھی کارفرما تھی کہ روہیلہ مرکز سے دور کٹ مرکر برابر ہو جائیں گے۔اس طرح

روہیلکھنڈ کے علاقہ سے ہم چشمی کا خطرہ ہمیشہ کے لئے جاتا رہے گا۔جب علی محمد خاں اور حافظ رحمت خاں نے بہادری اور مردانگی کے جوہر دکھائے تو سرہند والوں کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ مرکز جیسے نہیں ہیں۔ چنانچہ جلد انہوں نے وہاں کے قدیم سرکش زمین داروں کو مطیع کر لیا۔

روہیل کھنڈ کی بازیابی

جن دنوں احمد شاہ ابدالی کے حملہ کی خبر پھیلی تو بادشاہ کو یہ سمجھا دیا گیا کہ کہیں وہ ہم قوم ہونے کی وجہ سے ابدالی سے نہ مل جائے۔اس کی کمان میں تیس ہزار افغان بہادر فوج ہے۔اس خوف کی وجہ سے مشیروں کے مشورے کے مطابق پھر انہیں کٹھیر بحال کر دیا گیا اور کٹھیر دوبارہ روہیلہ افغانوں کے عسکریت کا مرکز بن گیا۔

ان کے ساتھ ساتھ رحمتوں اور برکتوں کا نزول بھی ہوا۔علاقہ کا علاقہ سرسبز و شاداب ہو گیا۔ وہی پچھلی سی رونق دکھائی دینے لگی۔ملک کٹھیر علماء و صلحاء کی سکونت سے معمور ہو گیا تھا۔چھوٹے چھوٹے قصبے اور قریہ گہوارۂ علم بن گئے۔روہیلوں کی راجدھانی آنولہ کو خاص ترقی ہوئی۔بریلی کو رشک دہلی کا مقام ملا۔

روہیل کھنڈ پر اکابر کا خصوصی کرم

اس وقت اگر کوئی علاقہ عیش کوشی سے محفوظ تھا تو صرف وہ روہیل کھنڈ تھا۔یہ تمام روہیلہ سردار بظاہر ایک دوسرے کے تابع فرمان معلوم نہیں ہوتے لیکن بباطن یک دل و یک قالب تھے۔دانشمندی، بہادری اور آپس کے اتفاق میں مشہور تھے اگر کسی سردار کی ریاست پر کوئی دوسری ریاست حملہ کرتی تو تمام سردار قومی جوش میں آ کر لڑنے مرنے کو مستعدر ہتے۔روہیلہ گورنمنٹ کے قوانین نہایت قابل تعریف تھے۔

انہی خوبیوں کے پیش نظر اس دور کی مایہ ناز ہستیاں حضرت مولانا صاحبؒ، حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ بھی روہیل کھنڈ کی جانب خصوصی توجہ فرمارہے تھے۔ہر سہ حضرات کی توجہ کا مرکز اس وقت روہیل کھنڈ تھا۔

حضرت مرزا صاحب روہیلوں کی روحانی و ذہنی اصلاح فرمارہے تھے، بیشتر روہیلے آپ سے

شرف بیعت رکھتے تھے اور آخر زمانہ میں حضرت موصوف نے امروہہ (روہیل کھنڈ) میں مستقل سکونت کا ارادہ فرمالیا تھا۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی روہیل کھنڈ سے گہرا تعلق تھا، ان کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تو کچھ دنوں کے لئے مراد آباد کو منتقل ہو گئے تھے۔[2]

عرس شاہ شاہان و ماموری روہیل کھنڈ

احمد شاہ ابدالی کی واپسی کے پونے تین ماہ بعد پھر خانقاہ فخری میں ہجوم ہے۔ اگرچہ دہلی ابھی خون و غارتگری کے طوفان سے گزر کر بیٹھی ہے لیکن وہی گہما گہمی ہے:

بلائے بود و لے بخیر گزشت

حسب معمول کندھے جھٹک کر پھر دلی والوں نے اپنی مصروفیات شروع کر دیں۔ اس بار اجمیری دروازہ میں پہلے سے کہیں زیادہ ہجوم ہے۔ خانقاہ معلیٰ کچھا کھچ بھری ہوئی ہے۔ بہت سے پچھلے نظر انداز کیے ہوئے امراء اور وزراء نئے مناصب کے شکرانے میں حاضر ہیں۔ اس بار افغان حاضرین بھی بہ کثرت عرس میں شرکت کے لئے آئے ہیں وہ حضرات جن کی ایماء اور دعوت پر ابدالی آیا تھا۔ (اور خالی ہاتھ واپس ہوا تھا) لوگ ان کا شکریہ ادا کر رہے ہیں وہ بھی متین بشاشت کے ساتھ قبول فرما رہے ہیں۔ محفل کے آغاز پر پھر حضرت مولانا صاحب نے اپنے نہایت محبوب و مرغوب خلیفہ[3] کو اشارے سے طلب فرما کر اپنے سر مبارک کی (فیل گوشہ) دستار اتار کر حضرت نیاز بے نیاز کے سر پر رکھ کر آپ کو صاحب سجادہ اور اپنا مسند نشین فرمایا۔ اور اپنے پہلے ارشاد کا اعادہ فرمایا جو بوقت بیعت فرمایا تھا جس کی میراث ہو اسی کو پہنچے تو بہت اچھا ہے۔[4]

---

[1] ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صفحہ ۸۱ نجیب الدولہ (م ۱۷۷۰ء) کے دربار میں نو سو عالم تھے۔ کم درجہ عالموں کو پانچ روپے اور اعلیٰ درجہ کے عالموں کو پانچ سو روپے تک ماہانہ ملتے تھے۔

[2] علم و عمل وقائع عبدالقادر خاں۔ علاوہ ازیں تین موضع آپ کی جاگیر میں شاہ عالم بادشاہ اور دولت راؤ سندھیا کے نذر کیے ہوئے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے چاروں بھائیوں میں مشترک تھے۔ حسن پور (مراد آباد) اور پرگنہ سکندر آباد سے تو قریب کا جذباتی تعلق تھا۔

[3] کرامات صفحہ ۱۷

[4] ایجاد اکبری صفحہ ۴۴۵

چشتیہ مرکز ثقل بریلی میں

روہیل کھنڈ کی ماموری کا اعلان فرماتے ہوئے اپنی مسند اور تکیہ جو کھجور کی چھال کے ریشوں سے مملو ہے مرحمت کیا اور تبرکا دو روپے روزانہ خرچ کے لئے مرحمت کیے۔ اس طرح چشتیہ سلسلہ کا مرکز ثقل بھی نئی توانائیوں کے ساتھ روہیل کھنڈ کو منتقل ہو گیا۔

چنانچہ مسند اور تکیہ اور وہ دستار جس پیچ کے ساتھ مولانا کے سر پر تھی اسی پیچ کے ساتھ اس وقت تک خانقاہ شریف میں موجود ہے عرس میں کبھی اس کی زیارت کرائی جاتی ہے۔

راقم نے اس دستار مبارکہ کی زیارت بالکل قریب سے کی ہے

یہ دستار مبارکہ سفید رنگ کی کھادی کی ہے۔ اس پر کہیں کہیں ہیل کے چھاپے کی بوٹیاں ہیں جو سنہری کے بجائے امتداد زمانہ سے سیاہ ہوگئی ہیں اس کی بندش فیل گوشہ ہے۔ دستار کے تین بند سیدھے اور چار بند ان کے اوپر آڑے کور سے کور ملا کر باندھے گئے ہیں۔ یہ بندش حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی دستار مبارکہ کی ہے اور آج تک یہ روایتی دستار مخصوص موقعوں پر اسی اہتمام کے ساتھ باندھی جاتی ہے۔

اس اہتمام کے ساتھ حضرت شاہ نیاز احمد صاحب ملک روہیل کھنڈ میں مامور کیے گئے۔

عہدۂ قضا سے سبکدوشی

حضرت والد ماجد شروع سے ہی اس خدمت سے گریزاں تھے انہیں معقول عذر مل گیا اور آپ عہدۂ قضا سے سبکدوش ہو کر مع اہل وعیال و جملہ متعلقین بریلی منتقل ہو گئے۔[1] قاضی القضات کے عہدہ پر آپ نے ڈھائی ماہ کام کیا۔

دہلی میں روحانیوں کے اس قافلے کا قیام تقریباً چودہ سال دس ماہ رہا۔

حالات کا جائزہ لینے کے لئے پہلے حضرت والد ماجد اور برادران کے ہمراہ آپ بانس بریلی پہنچے۔ مسجد بی بی جی محلّہ بہاری پور میں قیام کیا۔ بریلی تشریف آوری سے بہت پہلے آپ کی شہرت آپ کی پیشوائی اور پابوسی کے لئے یہاں موجود تھی۔ خلقت کی رجوعات کثرت سے ہوئی۔[2]

---

[1] کرامات صفحہ ۱۱ [2] کرامات صفحہ ۳۵

نقشہ ضلع بریلی

بریلی پر ایک نظر

اسی ماموری کے بارے میں صاحب نزہت الخواطر کا بیان ہے:

ثم سافر إلى بريلى بأمر شيخه وسكن بهاو حصل له القبول العظيم۔

(آپ نے شیخ کے حکم پر بریلی کا سفر کیا اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ جہاں انہیں قبول عظیم خاص ہوئی۔)

آپ نے عیدالاضحیٰ کی نماز یہیں بریلی میں پڑھی اس مسجد میں آپ نے ایک عالم گیر شہرت کا دارالعلوم قائم کیا جس میں دوسرے اساتذہ کے علاوہ حضرت والد ماجد، بڑے بھائی حضرت نثار علی شاہ، درس و تدریس میں معاون ہوئے تو چھوٹے بھائی غلام محی الدین عرف راز احمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) انتظامی امور میں موئید و مددگار رہوئے۔

ہر سمت یعنی اطراف و اکناف عالم سے خلقت نے ہجوم کیا۔[1]

محلّہ سواد اعظم نگر میں قیام:

کچھ عرصے بعد آپ نے مسجد کے شمالی دروازے سے ایک فرلانگ کے دوری پر کافی طویل و عریض جگہ لے کر سکونت اختیار کی۔ پہلے یہاں خس پوش مکانات اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی ۱۸۰۰ء تک سرکاری دستاویزوں میں یہ علاقہ سواد اعظم نگر کے نام سے درج تھا۔ آپ کی تشریف آوری سے یہ محلّہ خواجہ قطب ہو گیا اور شہر بانس بریلی۔ بریلی شریف کہلانے لگا شہر بانس بریلی کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ صرف بریلی شریف کہنا کافی ہے یہی خس پوش خانقاہ مطلع انوار سبحانی بن گئی تھی ہزاروں ہزار محروم آپ کے وسیلۂ جمیلہ کی بدولت قرب الٰہی حاصل کر رہے تھے اور بے خبر مراتب معرفت تک پہنچ رہے تھے۔

هذه الشجرة اصلها ثابة و فرعها فى السماء

کی بشارت کا ایک ایک لفظ پورا ہو کر رہا۔ آپ کے مرکز وجود سے جو شاخیں پھوٹیں وہ آسمان عرفان کی بلندیوں تک جا پہنچیں۔ آپ کی ذات ایک ایسے شجر سایہ دار کی سی تھی جس سے

---

[1] ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۱۸۔۱۷

ایک عالم فیضیاب ہورہا تھا۔ یوں تو ملک کے گوشہ گوشہ میں حضور مولانا صاحب کے چمنستان معرفت کے نہال جاں بخش نصب تھے مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا اس تناور درخت کے پھیلاؤ کا تو یہ عالم تھا کہ اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی تھیں، اس درخت میں برگد کی سی خاصیت تھی۔ اس میں جنتی جٹائیں تھیں وہ سب پیڑ بن گئیں۔ اس کی وسعت و گیرائی کا یہ حال تھا کہ لوگ دور کی مسافتیں طے کرتے، سفر کی صعوبتیں سہتے، پاپیادہ اور دیوانہ وار آپ کی خدمت میں دور و دراز ممالک سے یعنی کابل قندھار بدخشان، شیراز بخارا مصر، شام اور روم سے کھنچے چلے آرہے تھے اور وسیلہ جمیلہ کو پہنچ رہے تھے اور آج بھی اس پیڑ کی شاخیں اسی طرح تھکے ہارے لو، دھوپ کے مارے ہوئے مسافروں کے لئے اپنی بانہیں کھولے ہوئی خوش آمدید کہہ رہی ہیں۔

روزانہ کے مشاغل

تقسیم اوقات اور ضبط اوقات پر حضرات چشتیہ کا نہایت شد و مد کے ساتھ عمل تھا۔ یہ حضرات خود اوقات کے پابند ہوتے اور خلفاء مریدین کو بھی اسی سانچے میں ڈھالتے۔ حضرت شیخ کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس طریقۂ کار کا مثالی نمونہ تھے۔ وہ مکرر اپنے محبوب خلیفہ حضرت شاہ شاہان کو ضبط اوقات کی ہدایت فرماتے ہیں کہ مریدین کی بھی اسی انداز میں تربیت کرو۔ ایک بار تحریر فرمایا:

''ضبط اوقات آنکہ ندارد خسر الدنیا والآخرہ است۔''[1]

بالکل اسی طرح حضور مولانا فخر الدین فخر جہاں ضبط اوقات کی پابندی کا حکم دیتے اور فرماتے کہ ہمیں بھی لکھتے رہو کہ تمہارے وابستگان کس انداز پر چل رہے ہیں۔

''بنویسید یاران شما بکدام آئین منضبط اند ایماء فرمایند۔''[2]

فرماتے کہ روزانہ کا دستور العمل مرتب کرلیں اور اسی کے مطابق عمل کرتے رہیں ساتھ ہی ہمیں بھی روزانہ کے معمولات سے مطلع کرتے رہیں۔

''برادر من! ضبط اوقات روزانہ سازند و صرف اوقات ہماں جہت بنویسند۔''[3]

---

۱ مکتوبات کلیمی صفحہ ۲۲
۲ رقعات حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں۔ رقعہ ۵، ۱۰، دوازدہ
۳ کرامات ص ۴۵۔۴۴

حضرت مولانا فخر جہاں کی تربیت کی بدولت آپ قدم بقدم مولانا فخر جہاں تھے۔ چنانچہ پابندی اوقات بھی بالکل اسی طرح فرماتے۔ ہر کام نہایت پابندی کے ساتھ وقت پر کرتے۔

آپ کا دستور العمل یہ رہا کہ شب کو بارہ بجے کے بعد وضو فرما کر اول نماز تہجد پھر اپنا تمام وظیفہ خاندانی (جس کی خوانش تقریباً ڈھائی پارہ کے برابر ہے) ختم کرتے۔

پھر بارہ تسبیح (بارہ سو بار) ضرب ذکر جہرادا فرماتے اس کے بعد آدھا ٹکڑا پان کا منھ میں رکھ کر آنکھ بند کر کے اشغال میں مستغرق ہو جاتے۔ فجر کا وقت شروع ہوتے ہی سنتیں ادا فرماتے تھوڑا توقف کرنے کے بعد نماز باجماعت ادا فرما کر پلنگ پر آرام فرماتے۔ موسم کے لحاظ سے لحاف، رضائی یا چادر سے منہ ڈھک کر سو رہتے۔

حضرت تاج الاولیاء نے ایک بار عرض کیا کہ حضور اس قدر ضعف اور اس مقام میں اب آپ کو ضرب نفی واثبات کی تکلیف اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا ہے کہ جب سے شیخ نے حکم دیا تو منع نہیں فرمایا۔ پھر میں کیسے ترک کر دوں؟ مزید فرمایا کہ میاں موت کا وقت بہت سخت ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ خاردار درخت پر باریک کپڑا ڈال کر ایک جانب سے کھینچا جائے اور اس کو تار تار ہو کر کھنچیں۔ یہی حالت ہے روح کی کہ ہر رگ وریشہ بدن سے کھنچ کر آتی ہے۔ اگر اس تکلیف سے انتشار ہوا تو ہم اپنی پامردی سے جو عمر بھر کی عادت ہے ابتدا سے ہر شغل کو کرتے ہوئے اپنے مقام اصلی کو پہنچ جائیں گے۔ یہ گفتگو مجاہدے اور ریاضت کے ذیل میں آگئی ہے۔ بات آپ کے معمولات کی ہو رہی تھی۔ جب آفتاب خوب بلند ہو جاتا تو بیدار ہونے پر آپ کی خدمت میں حقہ پیش کیا جاتا۔ پھر باوضو ہو کر باہر تشریف لے آتے۔ یہاں آکر طالبان خدا کا کام کرتے۔

مطب:

حضرت حکیم صاحب کے انتقال (۱۲۰۶ھ/۱۷۹۱ء) کے بعد سے مطب کی خدمت بھی آپ کے سپرد تھی۔ روحانی مریضوں کو دیکھنے کے بعد جسمانی مریضوں کی جانب توجہ فرماتے۔ مقامی اور بیرونی مریضوں کی بھیڑ لگی رہتی۔ آپ نبض دیکھتے، قیافہ دیکھتے، قارورہ دیکھتے، جسم کا معائنہ کرتے اور یوں بھی ہوتا کہ بنا کچھ دیکھے مریض کے ماضی اور حال کے کوائف بیان کر دیتے۔ موروثی امراض کی تشخیص کرتے۔ نسخے لکھتے مجرب اور قیمتی ادویہ اپنے پاس سے دیتے۔ مروارید، جواہرات

اور دیگر بیش قیمت اجزاء کی متبادل ارزاں، کم قیمت اور بے قیمت جڑی بوٹیوں سے مسیحائی کا کام لیتے۔ طبی مالی امداد کبھی مفقود ہوتی کبھی جاری رہتی اور پھر کبھی مدتوں کے لیے بند ہو جاتی۔ آپ کو نادار مریضوں کے لیے ۲۱۶۰ روپے سالانہ حین حیات کی شرط کے ساتھ ۱۸۲۴ء تک جاری رہی[1] مگر وہ ان سب باتوں کو غیر ضروری خیال کرتے ہوئے اپنے کام میں منہمک رہتے اور اس کام میں ذرا سی بھی کوتاہی کو روا نہ رکھتے۔ مطب میں آنے ہوئے بیرونی اور پردیسی مریضوں کے پرہیزی کھانے کا اہتمام فرماتے۔ مخصوص ادویہ کی فوری فراہمی کراتے۔ تازہ جڑی بوٹیاں آپ کے اپنے مقامی باغ (نیک پور) سے کنج بہاری مالی لا کر دیتے۔ بہت سی مجرب جڑی بوٹیاں کنج بہاری اور ان کے بیٹے دھنوں کو معلوم تھیں وہ حکم کے ساتھ حاضر کر دیتے۔ معجون، خمیرے، کشتہ جات، عرقیات، روغن اور کاڑھے وغیرہ اپنے یہاں تیار کرواتے۔ آپ کے قدیم عطار رام داس تھے انہیں کے یہاں سے آپ کے مجوزہ نسخے بندھتے اور تیار ہوتے تھے اور ان نسخوں کی قیمت کی ادائیگی یک مشت ہوتی۔ آپ کے ہاتھ کی خاک کی چٹکی اکسیر ہو کر لگتی۔

خاک در کوئے تو ایں طرفہ اثر دارد   ہم صندل درد سر ہم سرمۂ بینائی

روزمرہ مریضوں کو دیکھنے کے بعد ضروری ہدایات دے کر ٹھیک دس بجے اندر حویلی میں جا کر پہلے دوپہر کا کھانا کھا کر تھوڑی دیر کے لئے قیلولہ فرماتے۔ گرمی کے دنوں میں دوپہر کے وقت حضور قبلہ کرتا اتار کر استراحت فرماتے تھے۔

حسب معمول وضو کر کے دو بجے مع جملہ طالبان بہاری پور کی مسجد بی بی جی صاحبہ کو تشریف لے جاتے۔ وہاں ظہر کی نماز پڑھ کر درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے۔ اس کے جنوبی حجرے کے سامنے تخت پر مستقل نشست ہوتی اور یہیں تعلیم و تدریس میں عشاء تک مشغول رہتے۔ عشاء کی نماز پڑھا کر دولت سرا کو تشریف لے جاتے۔ اسی طرح تمام معمولات تقسیم اوقات پابندی کے ساتھ عمل میں لاتے۔

---

[1] طب اور اطباء۔ روہیلہ دور کے بعد بقول نیول مولف۔ بریلی گزیٹر:
یہ دریافت ہوا ہے کہ اودھ کے دور حکومت (۱۷۷۴ اپریل تا ۱۸۰۱ نومبر ۱۸۰۱ء) میں صرف ۱۰۰۰ روپے سالانہ کی طبی مالی امداد ملتی تھی جو کہ سرسری اندازے کے مطابق اوسطاً مبلغ (آٹھ آنہ) یومیہ ضلع کے ہر گاؤں کے حکیم کے لیے مقرر تھی جو کہ بریلی کے نادار مریضوں کی طبی امداد فراہم کرتے تھے۔

دیگر علمی مشاغل

حضرت قبلہ کے شب وروز تعلیم وتعلم، سلسلہ کی نشرواشاعت، ریاضت ومجاہدات میں ہی صرف ہوتے۔ ان مشاغل سے فرصت ملتی تو حسب معمول کتابوں کے مطالعہ میں اسی کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف اور شعروسخن کا مشغلہ چلتا رہتا۔ خود اپنے ہاتھ سے لکھتے۔ دوسرے خوش قلم نساخ وسکاک کو املا کراتے۔ آپ کی تصنیفات کی ایک طویل فہرست ہے۔ جن میں سے سترہ کتب کا تعارف یہ راقم ماہنامہ معارف میں شائع کراچکا ہے۔ دیگر چھبیس (۲۶) دستیاب تصانیف کا تعارف اپنے محل پر آرہا ہے۔

آپ کا بیش بہا کتب خانہ تھا جس کا بیشتر حصہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی نذر ہوگیا۔ اس کے بعد بچا کھچا دونوں بھائیوں میں تقسیم ہوگیا۔ ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں حضرت کے فرزند خورد حضرت شاہ نصیرالدین حسین رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہمراہ خانقاہ عالم پناہ بدایوں میں لے گئے اور وہ ذخیرہ چوّن سال کی قلیل مدت میں مریدین کی نذر ہوگیا۔ باقی بقول خلیفہ نصیر الزماں خاں صاحب سجادہ نشین دوم خانقاہِ عالم پناہ انبار کا غذات سے کاغذات کرم خوردہ میں بدل گیا۔

خانقاہ نیازیہ بریلی کا کتب خانہ اساتذۂ فن کی ہزاروں وصلیوں، سیکڑوں بیش بہا مخطوطوں کے علاوہ عام فنون کی ہزاروں کتب پر مشتمل تھا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اندر سے باہر تک سب کو فاقہ ہے اور بظاہر آمد کی کوئی صورت نہیں ہے ایسے میں کوئی کتب فروش آگیا۔ پسندیدہ کتب چھانٹ لی گئیں۔ حکم ہوا کہ سردست روپیہ کا توبندوبست نہیں ہے تو فلاں اسلحہ گروی کردو یا فلاں طلائی دستہ کی تلوار یا فلاں پیش قبض کے دستے سے سونا چھڑا کر رقم حاصل کرلو اور مطلوبہ کتب کی قیمت ادا کردو۔

خطاطی:

حضور قبلہ فن خطاطی میں معروف ترین سلسلۂ خطاطی حدادی اور یاقوت رقمی کے کامل استاد تھے۔ جیسا کہ پچھلے اوراق میں شجرۂ اساتذہ نظر سے گزرا ہوگا۔ آپ خط نسخ کے علاوہ خط شکست

رواں بھی روشن اور خوش خط لکھتے تھے۔رواں تحریر عموماً باریک قلم کی G نب کی سی ہوتی۔آپ زودنویس بھی تھے۔آپ کی اتباع میں آپ کے خلفاء اور مقرب مریدین بھی خطاط ہوتے۔آپ کے بھتیجے حضرت شاہ فخر الدین حسین صاحب ہردو صاحبزادگان حضرت شاہ نظام الدین حسینؒ اور حضرت شاہ نصیر الدین حسینؒ بھی اس فن شریف کے استاد تھے۔

خانقاہی ماحول کے اثر سے آس پڑوس کے لوگ خطاط و فنکار تھے۔انہیں میں ہندوستان کے مایہ ناز استاد منشی منگولال منظمی بھی تھے۔موصوف خانقاہ کے بالکل قریب مغرب جنوب گوشہ میں رہتے تھے اور حضرات صاحبزادگان کے ابتدائی دور کے خطاطی کے استادوں میں تھے۔غلام حسین کاتب، منشی علی بخش صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی نبی بخش صاحب کے ساتھ فضیلت مآب حضرت مولوی محمد فضل عالم بچھرایونی بھی تھے۔حضرت مولوی صاحب کی خطاطی کا ذکر اپنے محل پر آرہا ہے۔بعض حضرات خلفاء تحریر کے اہتمام میں خطاطی کا باقاعدہ مکتب چلاتے تھے۔منجملہ ان کے حضرت خلیفہ سید مسکین شاہ صاحب نیازی کشتواڑی ثم جے پوری بھی عربی خط کی مشق اپنے خلفاء سے کراتے تھے۔[1]

غرض کہ خطاطی کی مشق کا باقاعدہ اہتمام ہوتا۔آپ کی تحریروں اور خطوط نگاری کی خدمت کئی حضرات نے انجام دی ہے۔خانقاہ شریف میں تحریر کا کام تھوڑا بہت نہیں ہوتا تھا۔اور نہ ایک دو خطاط نساخ اور سکاک کے بس کے بات تھی خود حضرت کی تصانیف کی نقول، شاگردوں کے لئے مختلف النوع علوم وفنون پر تقاریر و مقالے، خلفاء و صاحب استعداد مریدین کے لئے سیکڑوں صفحات پر محیط مجموعہ اوراد و وظائف علاوہ ازیں خلافت نامے، عام مریدین کے لئے شجرے وغیرہ۔

خود حضرت سے وابستہ ملکی اور بین الاقوامی مریدین کی تعداد نو لاکھ سے گیارہ لاکھ تک ہے۔خلفاء کے مسترشدین کی تعداد اس تعداد پر مستزاد ہے، جنہوں نے سلسلہ نیازیہ فخریہ کو پوری دنیا

---

[1] ایجاد اکبری قلمی صفحہ ۴۸۵۔۴۸۴

حسب روایت صاحب ایجاد اکبری آپ اپنے خلفاء سے عربی خط کی مشق کراتے تھے اور تعمیل ارشاد میں کسی قسم کی رورعایت مطلق نہیں ہوتی تھی۔حضرت کا حکم ایسا تھا کہ کسی کا مقدور نہ تھا کہ عدول حکمی حضرت (مسکین شاہ صاحب) کی کرتا۔بعد نماز ظہر کے اصلاحین حضرات کی جناب میں پیش ہوا کرتی تھیں۔اگر اصلاح کی وصلی پیش نہ ہوتی تو نہ صرف عتاب ہوتا بلکہ خانقاہ سے نکال دیا جاتا۔جب یہ مکتب شروع فرمایا تو اس کی غرض وغایت بھی ارشاد فرمائی کہ "یہ خط واسطے تحریر وظیفے کے ہے اس کا ہونا ضروری ہے کہ وظائف خاندانی غیر کے ہاتھ میں واسطے تحریر کے نہ جاوے۔"

میں پھیلا دیا۔

ان کے عریضوں اور خطوط کے جوابات ۔علاوہ ازیں غیر متعلق حضرات کے علمی استفسارات کے تسلی بخش جوابات ہوتے ۔اس طرح تحریر کا کام ایک پریس ورک کی طرح چلتا رہتا۔ کا ک کی ایک ٹیم تھی جو اس زمانے میں پریس کی متبادل تھی۔ یہ لوگ ناقابل یقین تیز دستی کے ساتھ تحریر کا کام پورا کرتے تھے۔

راقم نے خود ان حضرات کی نادرۂ روزگار تحریریں دیکھی ہیں۔ یہ تحریریں نہ صرف خط نسخ و نستعلیق کی شاہکار ہوتی تھیں بلکہ مطلا و مذہب بھی۔ ان میں تزئین کے لئے ابتدائی اوراق کی پیشانیاں اور جدولیں، معرکۃ الآراگل کاریوں سے آراستہ ہوتی تھیں۔ ان میں ایسی دیدہ زیب صناعی و فنکاری ہوتی تھی کہ نظر نہ ہٹے۔ اس صناعی میں بھی یہ اہتمام ہوتا تھا کہ کسی میں کشمیری طلا کاری ہوتی تو کسی میں ایرانی یا ہراتی۔

خود یہ صاحبان بہترین اساتذۂ فن شمار کیے جاتے تھے۔ آج بھی ان تحریروں اور صناعی کے نمونے ہم لوگوں میں محفوظ ہیں۔ حضور قبلہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی سورۂ فتح (دو وصلیوں میں) اور ان کی والدہ ماجدہ کا وظیفہ (مجموعہ اوراد ۔جلی قلم) محفوظ ہے۔

فنون سپہ گری و شہسواری

جملہ فنون سپہ گری اور شہسواری حضرت مولانا فخر صاحب کی تربیت میں حاصل کیے جب حضرت مولانا نے ملاحظہ فرمایا کہ بادشاہ آپ کی ہدایت کے باوجود رعایا کی حفاظت کی جانب متوجہ نہیں ہوا اور مرہٹے من مانی کرتے رہے تو آپ نے اپنے تمام خلفاء کو اقدام خود حفاظتی میں مسلح ہو جانے کا حکم دے دیا اور اس کی سب سے بہتر تدبیر شکار کا شوق دلانا تھا۔ چنانچہ حضور قبلہ میں بھی جملہ فنون سپہ گری و شہسواری موجود تھے۔ شمشیر زنی، تیراندازی، بندوق کی نشانہ بازی، بانک نبوٹ کے علاوہ شکاریات کے ماہرین تھے۔ گھوڑا تو آپ کے اصطبل میں ہمیشہ ہی رہا۔

شکار کا شوق چونکہ حضور مولانا صاحب کی وارثت میں ملا ہے لہٰذا آج تک یہ شوق ان کی اولاد میں موجود ہے۔

باب چہارم

دارالعلوم فخریہ

دارالعلوم میں علوم منقول، فروع واصول، حدیث وتفسیر وفقہ کے ساتھ ساتھ، فنون طب، معقول، فلسفہ، منطق، کلام ہیئت (Astronomy) نجوم (Astrology) طبعیات (Physics) اور ریاضیات (MATHEMATICS) کی تعلیم اوراس پر تحقیق ہوتی۔

حضرت والد ماجد حکیم الٰہی شاہ محمد رحمت اللہ منتہی طلبا کو فنون طب، برادر بزرگ حضرت نثار علی شاہ اور دیگر اساتذہ علوم منقول اور حضرت قبلہ خود کتب متداولہ معقول، ریاضیات وطبعیات پڑھاتے۔ دیگر مایہ ناز اساتذہ میں مولوی اعزالدین رامپوری، مولوی روشن علی بھوری (کانپوری) اور دور آخر ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء کے اسی مدرسہ کے تکمیل یافتہ استاذ فخر الاطباء حکیم جمال الدین بریلوی فنون طب پڑھاتے۔ ماہر علوم دینی مفتی محمد عوض بدایونی بھی اسی ردیف میں نظر آتے ہیں۔[1] آپ کی اور آپ کے جامع العلوم کی شہرت سن کر ہر سمت یعنی اطراف واکناف عالم سے خلقت ٹوٹی پڑ رہی تھی۔

نماز ظہر کے بعد دو بجے سے آپ کے درس کے اوقات شروع ہوتے۔ مسجد بی بی جی (بہاری پور) میں شمال رویہ جنوبی حجرے کے سامنے درس ہوتا طلباء کی کثرت کی وجہ سے آپ کی مسند درس تخت پر تھی۔ تدریس کا یہ سلسلہ عشاء تک چلتا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر آپ دولت سرا واپس تشریف

---

[1] تاریخ بریلی۔ منشی عبدالعزیز خاں عاصی مرحوم صفحہ ۲۷۰

آپ مفتی درویش محمد (م ۱۷۹۲ء) کے ساتویں فرزند ہیں۔ یہ خاندان بدایوں کے مشہور عثمانی شیوخ میں سے ہے۔ مفتی محمد عوض اوران کے بھائی مفتی محمد امجد نے بریلی میں سکونت اختیار کی تھی۔ آپ دور آصفی میں مفتی شہر بھی رہے ہیں۔ منشی عبدالعزیز خاں عاصی نے مفتی محمد عوض کی مہر کی عبارت نقل کی ہے۔ جس کی عبارت درج ذیل ہے۔

مفتی محمد عوض خادم شرع ۱۱۸۳ھ

۱۱۸۳ھ مطابق ۱۷۶۹ء ہے۔ گویا مفتی صاحب روہیلہ دور میں بھی شہر مفتی تھے اور اسی عہد کو آصفی دور میں بھی بحال رکھا گیا۔

لے جاتے۔[1] دوسرے اساتذہ حضرات اپنے متعینہ اوقات پر انتہائی جانکاہی کے ساتھ پڑھاتے۔

آپ وسیع المشرب، وسیع الخیال اور وسیع النظر استاد تھے۔ آپ کے دارالعلوم کے دانش جویان اور دانشوران میں بلا امتیاز مذہب وملت ہر طبقے کے افراد شامل تھے۔ آپ خواجگان چشت کے مسلک اور لائحۂ عمل پر گامزن تھے۔ چنانچہ دارالعلوم کا دروازہ ہر مذہب والے کے لئے کھلا ہوتا ہر مذہب وملت کے لوگوں سے اسی عالی حوصلگی اور تواضع سے پیش آتے۔

جو ہیں آشنا سرّ اسرار کے   وہ ہیں یار ہر یار و اغیار کے

آپ کے عالی مرتبت اور مایۂ ناز تلامذہ کی صف میں میر جمال الدین میر قاسم علی اور میر حسین علی[2] جیسے شیعی حاذق اطباء ہیں۔ وہیں ایک اچھی خاص تعداد ہندو محققین و مصنفین کی ہے۔ جنہوں نے تحقیق کے میدان میں اپنے کارہائے نمایاں کی بدولت اپنے استاد محترم کے نام کو بلند کیا۔ آپ کے تلامذہ کرام میں جہاں مسلم دانشور اور محققین، اولیاء اللہ، غوث وقطب ہیں انہیں کے ہم دوش راجہ منوں لال فلسفی، مہاراجہ رتن سنگھ زخمی راجہ پر مانند کندن لال اشکی الٰہی، لالہ موتی لال گوہر، لالہ سوہن لال۔ لالہ ہولاس رائے رشک، کنور دولت رام شکری (پسر مہاراجہ رتن سنگھ) اور چودھری بسنت رام موجود ہیں۔ یہ صاحبان اٹھارہویں صدی عیسوی کے علوم معقول، ہیئت، نجوم، ریاضیات اور طبیعیات کے بے مثل محققین تسلیم کیے گئے ہیں۔

دارالعلوم میں عجب پر کیف سماں ہے۔ ہر طرف درس کی مسندیں اساتذہ سے مزین ہیں۔ درس ختم ہوتے ہی طویل و عریض مسجد کا صحن ملکی وغیر ملکی (Foreigner) طلبا سے معمور ہو گیا ہے۔ ایک طرفہ بہار ہے۔ طلباء اپنے اپنے قومی وملکی لباسوں میں نظر آ رہے ہیں۔ اتنے رنگ اور اتنی قسم کے لباس ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ بین الاقوامی ثقافتی نمائش میں شرکت کرنے کے لئے مندوبین آئے ہوئے ہیں۔

بھانت بھانت کی بولیاں سنائی دینے لگی ہیں۔ کوئی اردو بول رہا ہے، کوئی برج بھاشا، کوئی کھڑی بولی، کشمیری، فارسی، ترکی، ترکی آمیز فارسی، پشتو (اور وہ بھی الگ الگ قبائل کی) عربی۔ اتنی زبانوں کے آمیزے سے باہمی رابطہ کے لئے ایک نئی زبان تیار ہو رہی ہے۔ غرض کہ

---

[1] نازو نیاز جلد اول صفحہ ۵۴   [2] نازو نیاز جلد اول صفحہ ۲۸

اس کثرت میں بھی وحدت الوجود نمایاں ہے۔ مقصد ایک ہے:

دارالاقامہ

نیرنگیوں سے یار کی حیراں نہ ہوجیو   ہر رنگ میں اسی کو نمودار دیکھنا

دارالعلوم کے اندر اس کی زیریں منزل میں اس سے ملحق عمارات میں دارالاقامہ (ہوسٹل) ہے جہاں طلبا یک سوئی کے ساتھ اپنے مطالعہ میں محو ہیں۔ کسے را کسے کارے نباشد۔

دارالاقامہ کے پرفضا ماحول میں طلباء نے اپنے کمروں کے سامنے مٹی کے گملوں میں موسمی پھولوں کے پودے لگا رکھے ہیں ان میں گیندے کے پھولوں کی عجیب ہی بہار ہے۔

کبھی کبھی خود حضرت ان طلباء کی نقل وحرکت اور مشغولیت کے معائنہ کے لئے طلباء کے کمروں میں تشریف لاتے۔ ان کے نجی حالات پر گفتگو کرتے ان کی تیاریاں ملاحظہ فرماتے۔[1]

حضرت حکیم الٰہی کا مطب

اتنے طوفانوں سے گزرنے کے بعد جب یہ حضرات بریلی پہنچے تو قدرے سکون کی سانس لی۔ حضرت حکیم الٰہی نے دارالعلوم میں طب کی تدریس کے علاوہ اپنے سلسلہ کی اشاعت اور مطب کا کام ازسرنو شروع کر دیا۔ یہاں بھی دلی والا ہجوم رہنے لگا اور یہ کام تقریباً چھ سال تک جاری رہا۔ اس اثنا میں اکثر متعلقین ومخلصین آپ کو سرہند کے قدیمی طبی یومیہ برائے خرچ بیماران ومحتاجان کی بحالی کے لئے متوجہ کرتے۔ مغلیہ حکومت کی جانب سے طبی یومیہ کی رقم مبلغ :-/2130 روپیہ سالانہ منظور تھی۔ یہ رقم آپ کو سرہند کے خزانہ سے ملا کرتی تھی۔ ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء میں سرہند کی بربادی پر جب آپ نے دہلی کی جانب ہجرت کی تو ہنگامی حالات میں خود سرہند کی حالت دگرگوں تھی۔ یومیہ کی رقم بھی موقوف ہوگئی تھی اور اب تک آپ نے اس طرف توجہ بھی نہیں فرمائی تھی۔ آپ ہمیشہ اپنی عدیم الفرصتی کا عذر فرما دیا کرتے تھے۔ اس عذر کے ساتھ ایک دوسرا عذر بھی لاحق تھا جو نظر انداز نہیں تھا۔ دلی کی حکومت جن ارباب حل وعقد کے ہاتھ میں تھی وہ اتنے ناکارہ، نااہل اور خوشامدی تھے کہ حضرت موصوف کی حمیت اسے برداشت نہیں کرسکتی تھی اسی لئے یومیہ کا معاملہ اتنی مدت سے

---

1. تاریخ دیار بریلی (جلد اول) صفحہ ۲۵

برابر ٹلتا ہی رہا۔لیکن جب مخلصین بضد ہوئے تو آپ نے متعلقہ کاغذات ان کے حوالے کردیئے۔
بہر نوع ان کی سعی پیہم بارآور ہوئی اوران صاحبان نے نواب اشرف الدولہ کا پرزور سفارشی تعلیقچہ حاصل کر کے متعلقہ آفس واقع مصطفےٰ آباد سے راجہ امر سنگھ بہادر والی پٹیالہ کے نام پروانہ جاری کرادیا اوراس کا مثنیٰ حاصل کرلیا جس میں راجہ امر سنگھ کو ہدایت تھی کہ۔ ''تحقیق سے دریافت ہوا ہے کہ مبلغ (۶ روپیہ) یومیہ برائے خرچ دوائے بیماران محتاجان بااسم حکمت دستگاہ حاجی محمد رحمت اللہ سال بہ سال (مبلغ-/2130 روپیہ) زمانہ سابق سے چکلہ سرہند سے مقرر ہے۔ان دنوں نواب اشرف الدولہ بہادر کا تعلیقچہ موصول ہوا اسی بنا پر تحریر ہے کہ وہاں کے متعلقہ عملہ سے تحقیق کر کے حسب معمول قدیم ورود پروانہ کی تاریخ سے مشارالیہ کا روزینہ وہاں کی آمدنی سے دے کر رسید حاصل کرتے رہیں۔آئندہ یہ رقم وہاں کے حساب میں مجریٰ ومحسوب ہوتی رہے گی۔مرقوم دوشنبہ ۱۷ محرم الحرام ۱۱۸۱ھ/۱۶ جون ۱۷۶۷ء مقام مصطفےٰ آباد۔''

آپ روزینہ اور یومیہ سے بے نیاز ہو کر محتاج ونادار مریضوں میں شفا بانٹتے رہے۔ناامید اور مایوس مریض آپ کے ہاتھ سے شفایاب ہوتے یہ خدمت تقریباً تیس سال پوری یکسوئی کے ساتھ انجام دی جس کے نتیجے میں لوگ اصل نام بھول کر حکیم صاحب کہنے لگے گویا یہی نام آپ کا عرف نام ہوگیا حتیٰ کہ آج تک وہ اسی نام سے جانے جاتے ہیں اور ہم لوگ بھی آپ کو حضرت حکیم صاحبؒ ہی کہتے ہیں۔

آپ کی اصل جہت تو شیخ طریقت اور طبیب روحانی کی ہے۔طبابت تو اس کی ذیلی شاخ ہے جس کا پرتو ان کے فرزند ہیں اور بالخصوص نیاز بے نیاز ہیں۔ الولا سر لابیه۔

نقل پروانہ باسم حکمت دستگاہ حاجی محمد رحمۃ اللہ حکیم الٰہی

برائے

خرچ بیماران ومحتاجان

واللہ

رفعت وعوالی مرتبت راجۂ راجگان امر سنگھ بہادر[1] امورد مراحم باشند

بوضوح پیوست کہ مبلغ (شش روپیہ) یومیہ برائے خرچ دوائے محتاجان و بیماران باسم حکمت دستگاہ حاجی محمد رحمۃ اللہ را سال بہ سال[2] چکلہ سہرنداز سابق مقرراست دریں ولا تعلیقچہ رفیعہ نواب اشرف الدولہ بہادر حاصل نمودہ ، بناء آں نگارش می رود کہ ازعملہ فعلہ ایں جا تحقیق نمودہ، موجب معمول قدیم از تاریخ ورود پروانہ روزینہ مشارالیہ از آمدنی اینجا میدہانیدہ باشند وقبض الوصول بگیرند وثانی الحال درحساب آنجا مجریٰ ومحسوب خواہد شد۔

مرقوم ہفتدہم محرم الحرام ۱۱۸۱ھ مقام مصطفےٰ آباد[3]

اگرچہ ورود پروانہ کی تاریخ سے مشارالیہ کا روزینہ جاری ہوگیا لیکن اس درمیانی مدت اکیس سال کی بقایا: 44,730 روپے جو کہ آج کے حساب سے لکھوکھا روپیہ ہوتی ہے کالعدم ہوگئی۔ گزشتہ راصلوات۔

یہ رقم نواب حافظ رحمت خاں صاحب بہادر والی کٹھیر کی شہادت کے بعد دور نوابی لکھنؤ میں

---

[1] راجہ امر سنگھ نبیرہ راجہ آلا سنگھ حاکم سرہند، بیاتہا بیوی رانی حکماں سنگھ سے بروز دوشنبہ ۱۸۰۵/۴۸/۱۷۴۸ء کو مکر لگن یعنی طالع جدی میں پیدا ہوا۔ بہت تھوڑی عمر میں دادا راجہ آلا سنگھ کا جانشین ہوا اور سمت ۱۸۳۸/۱۷۸۱ء میں عمر چونتیس سال کثرت شراب نوشی سے موت واقع ہوئی۔ تاریخ پٹیالہ۔ مصنف خلیفہ سید محمد حسن خاں صفحہ ۱۱۸

[2] تقویم تقابلی۔ ۱۶/جون ۱۷۶۷ف ۱۱۷۵ء جیٹھ ۱۸۲۴/۳۰ء ۱۱۷۵ھ

[3] ۲۱۳۰ روپے سالانہ طبی امداد

بند ہو گئی تھی۔ جب اس کا از سر نو اجراء ہوا تو صرف پچھتر روپیہ سالانہ رہ گئی۔ گویا محتاج و نادار بیماروں پر یہ خصوصی کرم فرمایا گیا کہ ۱۰۶۵ روپیہ سالانہ ان کی طبی امداد میں سے آصف الدولہ نے کاٹ لئے۔

''جسے نہ دے مولی اسے دے آصف الدولہ''

وصال حضرت حکیم الٰہی

حضرت حکیم صاحب آخر آخر تک اللہ کے بندوں کی خدمت کرتے رہے جسمانی اور روحانی مریضوں کی مسیحائی فرماتے رہے۔ آپ کی عمر شریف اسی سال سے متجاوز ہوئی۔

شنبہ ۵ جمادی الاول ۱۲۰۶ھ / ۳۱ دسمبر ۱۷۹۱ء کو وصال فرمایا۔ اپنی مسجد کی مشرقی دیوار سے متصل حظیرہ میں دفن ہوئے۔ زیر دیوار پہلے سے ایک مجذوب صاحب کی قبر ہے اسی کے قریب مشرقی جانب تمام مزارات سے اونچا آپ کا مزار ہے۔ نمایاں ہونے کے باوجود انتہائی سادہ بھی ہے دیگر مزارات سے اس کا اوپری حصہ بلند ہے اور باقی دوسرے مزارات کی اوپری سطح سپاٹ ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کے مزار کی نمایاں پہچان ہو جاتی ہے۔ آپ چونکہ با اصول نقشبندی مجددی تھے۔ اس لئے سرہانے چراغدان اور نہ کتبہ تاریخ وفات ہے۔ بلکہ ہر طرح کی آرائش و زینت سے عاری ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ ان کے دور میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کا مزار مبارک تھا۔ اسی کی متابعت میں اس مزار شریف پر قرآن شریف، میلاد شریف اور نہ قوالی ہوتی ہے۔ مزار شریف کا دروازہ صرف گل پوشی، چراغ بتی یا زائرین کی فاتحہ خوانی کے واسطے کھلتا ہے۔

حکیم صاحب کے سلاسل طریقت:

حضور قبلہ اٹھارہ سلسلوں میں مجاز ہیں جن میں دس سلسلے آپ کو حضرت والد ماجد کے توسط سے پہنچے ہیں اور ان میں بھی آٹھ سلاسل آپ کے نقشبندی مجددی مرشد گرامی حضرت شاہ قطب الدین صاحب کے ذریعہ سے پہنچے ہیں۔ آپ کی چند علامتیں آج بھی سلسلہ عالیہ نیازیہ کی مخصوص علامتوں میں سے ہیں۔ منجملہ ان کی سفید دستار، سفید نیمہ آستین (سوتی کپڑے کا) اور مخصوص حالات میں ختم خواجگان کا اہتمام۔

کتاب شمس العین میں سینہ بہ سینہ اور انتہائی من الاسرار اشغال بھی آپ کے ذریعہ مجددی

طریقہ سے پہنچے ہیں ان کی روایت کا انداز یہ ہے۔

هـذا سـمـعـت عـن والد الماجدی وهو اخذ من مرشده السيد قطب الدين اشرف حسين حيدر ؎۱

علاوہ ازیں شمس العین حضرت کے پیرو مرشد سید قطب الدینؒ کی تعلیمات سے مملو ہے چنانچہ اکثر لفظاً لفظاً حضرت موصوف کی کتاب وہب الزبیر سے منقول ہے۔ ورنہ مفہوماً اسی کی باز گشت معلوم ہوتی ہے۔ یہ سلاسل اور ان کے تبرکات علیٰ حالہ سلسلہ عالیہ نیازیہ میں کارفرما ہیں۔

آپ نے اپنے بعد ایک بھرا پرا خاندان چھوڑا۔ تین بیٹے: بڑے بیٹے حضرت نثار علی شاہ جو کہ تمام عمر مجرد رہے جن کا تفصیل کے ساتھ ذکر موجود ہے منجھلے بیٹے حضرت شاہ نیاز احمد صاحب جنہوں نے حکیم صاحب کی موجودگی میں نکاح ثانی نہیں کیا تھا۔ تیسرے بیٹے حضرت غلام محی الدین عرف راز احمد صاحب وخود اہلیہ محترمہ بی بی شاہ غریب نواز صاحبہ۔ ان حضرات کے علاوہ صرف چھوٹے بیٹے راز احمد صاحب کے یہاں پوتیاں پوتے اور چھوٹے بڑے ملا کر چھتیس نفر تھے۔ (جن میں چونتیس افراد ۱۸۵۷ء/۱۲۷۴ھ کے دوران دہلی کے قیام میں طاعون کی نذر ہو گئے۔ اس زمانے میں نیاز بے نیاز کے پورے گھر کا صفایا ہو گیا کل پانچ حضرات اس حادثہ سے بچے)۔

نوکر چاکر، باندیاں اور غلام جو کہ حکیم صاحب کے ہمراہ دہلی سے آئے تھے حضرت موصوف نے باندیوں کو آزاد کر کے اچھے گھروں میں ان کی شادیاں کر دیں تھیں۔ جن میں سے ایک باندی حضرت بی بی نورن تھیں جو کہ صاحب کشف وکرامات بزرگہ تھیں جن کی کرامتیں زبان زد خاص و عام ہیں، اور ملکی وغیر ملکی رسائل وجرائد میں بھی شائع ہوئی ہیں۔

غلاموں کو آزاد کر کے انہیں ان کی صلاحیت کے مطابق برسر کار کر دیا تھا۔ بیشتر کو جفت سازی، جفت فروشی اور چرمینہ فروشی کا کام کرا دیا تھا۔ باصلاحیت لوگوں کو خود اعلیٰ تعلیم دی اور دلائی تھی جن کی اولادوں میں جناب منشی علی بخش صاحب سررشتہ دار عدالت، منشی نبی بخش اور خدا بخش تو جامع العلوم قمریہ کے طلبہ میں حضور قبلہ کے شاگرد تھے۔

اس وقت چونکہ حضرت بی بی شاہ غریب نواز صاحبہ کا دستی وظیفہ سامنے نہیں ہے ورنہ اس کی یاد

؎۱ شمس العین قلمی مرتبہ راقم صفحہ ۱۳۹

داشت میں سے باندی غلاموں کی فہرست اسماء نقل کی جاتی۔اب اس آزادی کے دور میں اس کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے۔

منشی علی بخش صاحب نے نکاح نہیں کیا تھا اور وہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد بھی حیات تھے۔منشی نبی بخش، اور خدا بخش کی اولاد خوب پھلی پھولی اور دنیوی ترقیاں حاصل کیں۔اس خاندان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ ہوئے۔مذکورہ تینوں بھائیوں کے نام حضور قبلہ کے خادم کاتب اور قاصد کی حیثیت اس کتاب میں مکرر نظر آئیں گے۔

دار العلوم فخریہ میں تعطیلات

جامع العلوم میں پنجشنبہ کو آدھے دن کی اور جمعہ کو پورے دن کی تعطیل ہوتی پنجشنبہ کو آدھے دن کی تعطیل میں نماز ظہر پڑھ کر شیخ نعمت اللہ حجام[1] اپنی کسوت لے کر آجاتے۔مدرسین وطلباء کے بال کاٹتے اور خط بناتے اس کے بعد وہ لوگ اپنے کپڑے دھو کر جمعہ کے استقبال کے لئے پوری طرح تیار ہو جاتے۔

سالانہ جشن دستار فضیلت اور فاتحۂ فراغ کے بعد سے شوال کے پہلے عشرے تک تعطیلات کلاں ہو جاتیں۔تکمیل علم کے بعد جو متعلمین مزید تعلیم (Further Study) یا تحقیق کے لئے ان تعطیلات میں قیام کرنا چاہتے انہیں قیام کی اجازت مل جاتی اس کے علاوہ جو لوگ بیعت ہو کر کتب سلوک یا ریاضت کی جانب متوجہ ہوتے انہیں خانقاہ شریف میں قیام کا حکم ہوتا۔خود حضرت قبلہ ان تعطیلات کا بھرپور استعمال فرماتے۔بریلی شریف سے روانہ ہو کر اپنے شیخ کے حضوری میں روح وتن کے ساتھ پورے رمضان المبارک اور عید کے پہلے عشرے تک حاضر رہ کر برکتوں سے مالا مال ہوتے اور یہ سلسلہ حضرت مولانا صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد بھی اس وقت تک جاری رہا جب تک کہ حالات نے ساتھ دیا۔اس کی تفصیل دوسری جگہ آرہی ہے۔

---

[1] دہلی سے جو خدمت گار ہمراہ آئے تھے ان میں نعمت اللہ حجام بھی تھے۔یہ صاحب کشف بزرگ تھے۔حضرت والد صاحب نے ان کے پوتے بھندن اور بھندن کے چچیرے بھائی گھسیٹ کو بہت اچھی طرح دیکھا تھا۔یہی دونوں بھائی ہمارے خاندان کے نائی تھے ان کی اولادیں ابھی تک ہمارے بزرگوں کے دیئے ہوئے مکانوں میں رہ رہے ہیں۔

بریلی میں آگ / یا قیامت صغریٰ

دارالعلوم اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ ضیاپاشیاں کررہا تھا ابھی پورے تین سال بھی نہیں ہو پائے تھے کہ بروز منگل ۷/رمضان المبارک ۱۱۷۶ھ ۲۲ مارچ ۱۷۶۳ء کو شہر بریلی میں ایسی زبردست آگ لگی کہ آدھا شہر جل کر راکھ ہوگیا چودہ سو آدمی نذر آتش ہوگئے اور ہزاروں لوگ خانماں برباد ہوگئے۔[1]

اس آسمانی بلا سے یہ مشکل ارباب حل وعقد نمٹ پائے تھے کہ نواب زادہ عنایت خاں کی ناعاقبت اندیشی کی بدولت زمینی عذاب، موروثی دشمن، آستین کا سانپ شجاع الدولہ بکسر سے بھاگ کر روہیلکھنڈ میں پناہ لینے کے لئے آگیا۔ عنایت خاں مرد میدان تو تھے لیکن سیاسی شعور سے بالکل کورے موصوف نے دل کھول کر اس کو رنمک کا استقبال کیا اپنی حیثیت سے زیادہ تواضع کی اور خود بدولت اس کا مفصل معروضہ لیکر حسن پور پہنچے جہاں حافظ الملک دارانگر سے آکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ عنایت خاں کے پاس عہد پر حافظ الملک مدد کے لئے آمادہ ہوگئے یہ وہ وقت ہے جب کہ پورے روہیلکھنڈ میں کوئی سردار اس کی حمایت اور مدد کے لئے آمادہ نہیں تھا۔ اس دوران یہ جلد باز بھی وہاں جا پہنچا حافظ الملک نے اپنی فطری عالی حوصلگی کے مطابق اس کا استقبال کیا اور ہر طرح کی حمایت کا وعدہ کیا لیکن روہیلے اس موڈ میں تھے کہ جیسے ہی موقع ملے اس قدیمی دشمن کو لوٹ لیا جائے مگر حافظ رحمت خاں ان کو روکے تھامے ہوئے تھے۔ پھر معاملات کے پیش نظر خود فرخ آباد پہنچ کر انگریزی فوج کو صلح کا پیغام بھیجا لیکن دو عملی فطرت والا شجاع الدولہ اپنی دیرینہ عادت سے مجبور اس نے اسی اثنا میں مرہٹہ سردار ملہار راؤ کو مدد کے لئے بلا کر انگریز فوج پر حملہ کر دیا۔ کرائے کے مددگار توپوں کے سامنے کہاں ٹھہرنے والے تھے۔ میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے چنانچہ شجاع الدولہ کو بھی بھاگنا پڑا۔

آخرش پھر حافظ الملک کے مشورہ کے مطابق ان کے سفیر ٹیک چند کے ہمراہ انگریزوں سے ملاقات کی اور انہوں نے اس شرط پر صلح کر لی کہ شجاع الدولہ کڑا اور الہ آباد کے ضلع اور پچاس لاکھ

---

[1] حیات حافظ رحمت خاں صفحہ ۱۲۱

روپے انہیں دے دے۔[1]

اس ذلت آمیز صلح کے بعد شجاع الدولہ بہادر کی فرمائش پر متعلقین کو بحفاظت اودھ روانہ کر دیا۔ یہ نحوست پنجشنبہ ۳۱ رجنوری ۱۷۶۵ء/۸ رشعبان ۱۱۷۸ھ سے آخر اگست ۱۷۶۵ء تک مسلسل آٹھ ماہ روہیلکھنڈ پر اپنا منحوس سایہ ڈالتی رہی۔ مالی اعتبار سے زیر بار کرنے کے علاوہ شجاع الدولہ اپنی سازش اور نیش زنی سے باز نہیں آیا۔ اس قیام کے دوران اسے کھیل کھیلنے کا موقع ملا اس نے اپنے محسن کے احسانات کا یہ بدلا دیا کہ اس کے بڑے بیٹے اور ہونے والے جانشین اور دوسرے افغان امراء کو حافظ الملک کے خلاف جتنا برگشتہ اور اپنا ہم خیال بنا سکتا تھا بنایا جیسا کہ بعد میں پوری طرح سامنے آیا۔

آندھی اور زلزلہ

روہیلکھنڈ کے لئے اس کے قدموں کی نحوست یہ ظاہر ہوئی کہ تقریباً ڈھائی مہینے کے اندر (اپریل ۱۷۶۵ء/ ذیقعدہ ۱۱۷۸ھ) شہر بریلی میں ایسی ہولناک کالی آندھی آئی اور ساتھ ہی زلزلہ آیا جس کے صدمے سے بہت سی عالی شان عمارتیں گر کر زمین بوس ہو گئیں تالاب خشک ہو گئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا شدید زلزلہ تین سو سال تک سننے میں نہیں آیا تھا۔

دارالعلوم پر اللہ کا خصوصی فضل و کرم رہا اور بانی مدرسہ کی روحانیت وللٰہیت ایسی سایہ فگن رہی کہ عمارت دارالعلوم کو نقصان پہنچا اور نہ طلباء میں سے کسی کا بال بیکا ہوا لیکن بریلی شہر کی معیشت ایک دم برباد ہو گئی۔

شہر کی بحالی کے لئے نواب حافظ رحمت خاں جتنا بھی کر سکتے تھے انہوں نے دل کھول کر کیا۔ لکھوکھا روپیہ سے متاثرین کی امداد کی اور انتہائی تیز رفتاری سے چند سال کے اندر مکانات اور عمارات کو از سر نو تعمیر کرا دیا۔

اسی سلسلے کا ایک اور کام انہوں نے یہ انجام دیا کہ ۱۶۰۰ بیگھ آراضی معافی دوام (واقعہ موضع فرید پور پرگنہ کرور تحصیل صدر بریلی) واقعہ ماہ جون ۱۷۶۵ء/محرم ۱۱۷۹ھ بطور مدد معاش موسومہ مولوی نیاز احمد و مولوی نثار علیشاہ (برادر بزرگ) و حکمت دست گاہ شاہ محمد رحمۃ اللہ علوی سہرندی

---

[1] شجاع الدولہ جلد دوم۔ اے ایل سریواستو صفحہ ۱۴

(والد ماجد) لکھ دی تاکہ آئندہ خانقاہ دارالعلوم و بانیان دارالعلوم معاشی بدحالی سے دوچار نہ ہوں[1]

جون ۱۸۳۰ء میں نئے ایس۔ڈی۔ایم برائے خاص میں تحقیقات مسٹر بولڈرسن نے بقصور غیر حاضری پیشی مقدمہ یہ آراضی بحق سرکار ضبط کر لی اگرچہ تمام ضروری کاغذات مثلاً کتاب رجسٹری، کیفیت محافظ خانہ، چھٹی چہارم مجریہ ۱۸۰۳ء جس میں حکم بحالی آراضی تاحین حیات پٹہ دار واضح ہے۔علاوہ ازیں دفتر سرکار اور اہل کاران محال اسکی اصلیت واجبیت کے شاہد عادل تھے۔

آپ نے کلکٹر بریلی (J.W.MUIR) عدالت میں اپیل کی اور جملہ متعلقہ دستاویزات ثبوت میں پیش کیں اور دعوی میں لکھا کہ مذکورہ آراضی از محرم ۱۱۷۹ھ/جون ۱۷۶۵ء عملداری نواب حافظ الملک حافظ رحمت خاں بہادر والی کٹھیر نسلاً بعد نسلاً و بطناً بعد بطناً تھی۔

مصارف آراضی:

ہم سائلان کی حقیقت کے ائتلاف کی دوسری کوئی وجہ نہیں ہے۔چونکہ آراضی جہت مصارف:

۱۔ مصارف خانقاہ (نیازیہ)

۲۔ مسجد (بی بی جی صاحبہ مرحومہ) واقعہ محلہ بہاری پور

۳۔ طالبان علم (دارالعلوم فخریہ واقع مسجد بی بی جی صاحبہ مرحومہ)

۴۔ متعاقان (دارالعلوم فخریہ)

۵۔ فرزندان و معافی داران مرحوم است

---

[1] حیات حافظ رحمت خاں صفحہ ۱۲۳ والی کٹھیر نواب حافظ رحمت خاں نے معافی دوام دی تھی لیکن نو سال کے اندر (موصوف کی شہادت کا واقعہ ۱۷۷۴ء کے بعد) دور آصفی میں ضبط ہوگئی اور بیس سال کے بعد ۱۷۹۴ء میں آراضی منضبطہ کے نام سے دور سعادت خانی میں حسین علی صوبہ کی سفارش پر واگزار ہوئی تو حق ٹھیکہ داری و حق مالکانہ زمینداری دہ یک ۱۰/۱ کی رقم جمع کرنی پڑی تھی۔چونکہ حضرت حکیم صاحب کا انتقال ہو چکا تھا۔اس لئے نصف آراضی بنام مولوی نثار علی شاہ و نصف بنام مولوی نیاز احمد ہوگئی۔

نصف آراضی اسمی مولوی نثار علی موضع مذکور کی آبادی جانب مشرق واقع تھی نصف جانب مغرب یہ آراضی ٹھیکہ پر اٹھی ہوئی تھی۔اس کے ٹھیکیدار گردھاری سنگھ ساکن موضع منڈھولی پرگنہ کرور ضلع بریلی کے تھے۔منڈھولی اس موضع کے بالکل قریب واقع ہے۔آراضی کا آخری پٹہ جو کہ راقم کے کتب خانہ میں محفوظ ہے وہ مورخہ چہار شنبہ ۱۲/ ذیقعدہ ۱۲۲۸ھ/نومبر ۱۸۱۳ء کا ہے۔

اثبات و ثبوت حق واجبی آراضی ہذا ایں کسی قسم کا شک نہیں ہے آخر میں اپنے استغاثہ کی نوعیت لکھی تھی کہ "ہم سائلان استغاثہ کے پاس اپنی اور متعلقین کی گذر بسر کے لئے کوئی جائداد نہیں ہے صرف یہی زاد اوقات بسری تھا"

نفس مدعا استغاثہ:

سائل امیدوار ہے کہ از راہ خاوندی آراضی ہذا تا حین حیات ہم سائلان کو واگذار رہے اور اس استغاثہ کی منظوری کی چٹھی بنام صاحب ڈپٹی کلکٹر (مسٹر بولڈرسن) صادر کی جائے۔ جو واجب تھا عرض کر دیا گیا۔

کافی پیروی کے بعد آراضی حاصل ہوئی۔ چونکہ انگریز حکومت نے معافی دوامی ختم کر کے نئے بندوبست (۱۸۰۳ء-۱۸۰۱ء نافذہ مسٹر ڈین (S.D.M) کے تحت معافی میں تا حین حیات کی شرط لگا دی تھی۔ لہٰذا ۱۸۳۴ء/۱۲۵۰ھ میں حضرت کے بعد دوبارہ ضبط کر لی گئی جو کہ پانچ سال بعد دونوں صاحبزادگان شاہ نظام الدین حسین، شاہ نصیر الدین حسین اور بھتیجے شاہ فخر الدین حسین (خلف حضرت شاہ غلام محی الدین عرف راز احمد) نے مشترک درخواست بازیابی آراضی مذکورہ دی لیکن یہ درخواست آراضی معافی کے بجائے خرید آراضی کی تھی کہ۔

ہم سائلان اس آراضی کو بالعوض مبلغ ۲۹۱۶۱ روپے (انتیس ہزار ایک سو اکسٹھ روپے صرف) خریدنے پر راضی ہیں اور آئندہ بلا عذر آفت زمینی و آسمانی خشکی و کم پیداواری و ارزانی غلہ سرکاری رقم مالگذاری کا روپیہ قسط بہ قسط، فصل بہ فصل، سال بہ سال بموجب ائین سرکار بہ شرط منظوری صاحبان والا شان صدر بورڈ (ریوے نیو) بہادر ہم کو قبول اور منظور ہے اس طرح برائے نام معافی بھی ختم ہو کر سرکاری مالگذاری میں بدل گئی۔

مورخہ ۲۹ر نومبر ۱۸۵۱ء/۱۲۶۶ھ میں ایک بار پھر ضبط ہو کر آراضی منضبطہ کے نام سے واگذار ہوئی۔ ۱۹۵۲ء مین کانگریس سرکار نے خاتمہ زمینداری کا اعلان کر دیا اب اس آراضی کا صرف ۸/۱ حصہ ہمارے باغات اور خود کاشت کی صورت میں باقی ہے۔

دارالعلوم کے چند مشاہیر تلامذہ

۱۔امام السالکین حضرت میر محمد سمیع بدخشانیؒ (خلیفہ اول)

۲۔خوان علوم حضرت مولانا عبداللطیفؒ۔قوقندی (سمرقند)

۳۔حضرت مخدوم عبدالشہید یارقندی

۴۔حضرت مولوی عبیداللہ شاہ بدخشانی

۵۔حضرت سید ہاشم شاہ دیوغابی للندری (کابل)

۶۔حضرت مرزا اسداللہ بیگؒ بریلوی

۷۔حضرت شاہ غلام فخرالدین حسین علوی بریلوی (برادرزادہ وخلیفہ ونائب حضور قبلہ)

۸۔حضرت شاہ جی شرف الدین ردولوی

۹۔حضرت حکیم رحیم اللہ فاروقی بچھرایونی

۱۰۔عمدۃ المورخین راجہ منون لال فلسفی

۱۱۔جناب موتی لال گوہر برادر //

۱۲۔جناب لالہ سوہن لال //

۱۳۔جناب لالہ ہلاس رائے رشک //

۱۴۔جناب پرکاشانند راجہ کندن لال اشکی الٰہی خلف راجہ منوں لال فلسفی

۱۵۔جناب راجہ رتن سنگھ زخمی

۱۶۔جناب کنور دولت سنگھ شکری

۱۷حضرت شاہ آل رسول مارہروی

۱۸۔جناب حکیم حسین علی بریلوی

۱۹۔جناب حکیم جمال الدین بریلوی

۲۰۔جناب قطب الدولہ بہادر بریلوی

۲۱۔ جناب منشی علی بخش بریلوی

۲۲۔ جناب منشی نبی بخش بریلوی

۲۳۔ حضرت شاہ نظام الدین حسین بریلوی

۲۴۔ حضرت عبید اللہ جی پکھیلی

بریلی شریف میں حضرت قبلہ کے درس و تدریس کی مدت ستر سال سے زائد ہے۔یعنی یہ دور ۱۷۶۱ء سے شروع ہو کر تقریباً ۱۸۳۱ء تک چلتا رہا۔ جب تک صحت برقرار رہی آپ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

مذکورہ فہرست ۲۴ مشاہیر تلامذہ پر مشتمل ہے۔ان میں سے گیارہ حضرات خلفاء کرام ہیں' جن کا تذکرہ چہل اقطاب میں آرہا ہے۔باقی تیرہ تلامذہ کرام کا تذکرہ پیش کیا جارہا ہے۔

حضرت سید آل رسول مارہرویؒ

حضرت سید آل رسول مارہروی۔خاندان مارہرہ کے فرد فرید شیخ طریقت' عظیم عالم' خلف الصدق حضرت آل برکاتؒ ابن حضرت حمزہؒ ابن آل محمد حسینی بلگرامیؒ مارہروی۔اپنے دور کے مشہور علماء میں سے ہیں۔آپ کی ولادت و نشو نما مارہرہ شریف میں ہوئی۔تحصیل علم کے لئے آپ نے سفر اختیار کیے۔چنانچہ کتب درسیہ کی تکمیل آپ نے لکھنؤ میں مولانا نور بن انوار لکھنوی سے اور بریلی میں حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی سے کی اور دہلی میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے حدیث شریف پڑھی

آپ نے اپنے شیخ ارشادی اور عم محترم حضرت شمس الدین آل احمد عرف اچھے میاں صاحب (م ۱۷ ربیع الاول ۱۲۲۵ھ/۲۲ اپریل ۱۸۱۰ء) کی وصیت کے مطابق حضرت نیاز بے نیاز کے حضور میں ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں ساڑھے پندرہ' سولہ سال کی عمر میں حاضر ہوئے۔اس وقت استاد محترم عمر کی ستر منزلیں طے کر چکے تھے۔آپ نے چھ ماہ کے عرصے میں منتہی کتب کی تکمیل کرادی۔

صاحب تذکرہ ناز و نیاز کا بیان ہے کہ:

''ایک مسئلہ علم منطق کا جو ان کی سمجھ میں کم آیا تھا اس پر ایک رسالہ لکھ دیا۔جواب تک کتب

خانہ مارہرہ میں سنتا ہوں موجود ہے۔''[1]

لیکن علامہ حکیم عبدالحی صاحب نزہۃ الخوطر کا بیان ہے کہ:

''قد صنف لہ الشیخ نیاز احمد المذکور رسالۃ دقیقۃ فی فن الحساب''[2]

''شیخ نیاز احمد مذکور نے ان کے لئے فن حساب میں ایک دقیق رسالہ تصنیف فرمایا تھا۔''

علامہ کے قول کی تصدیق تاج العلماء حضرت محمد میاں صاحب مرحوم کے بیان سے بھی ہوتی ہے کہ وہ رسالہ فن حساب پر ہے۔ وہ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ: ''وہ رسالہ جو شاہ نیاز احمد صاحب کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے جو میرے پاس موجود ہے'' (۱) اور یہی قول قابل ترجیح بھی ہے۔

آپ نے اپنے عم محترم حضرت سید آل احمد کی خدمت میں رہ کر طریقت کی تعلیم حاصل کی اور ان سے بھی حدیث کی سند لی ہے۔

آپ زبردست شیخ طریقت، رفیع القدر اور باوقار شخصیت کے حامل، فن حدیث، تصوف اور طب کے ماہر تھے۔

آپ کے تلامذہ: شیخ خرم بلھوری، شیخ عین الحق بدایونی، سید ابوالحسن خلف سید ظہور حسن مارہروی، کے علاوہ خلق کثیر نے آپ کی شاگردی کا شرف حاصل کیا۔

۱۷ر محرم الحرام ۱۲۹۶ھ/۱۱رجنوری ۱۸۷۸ء میں وصال فرمایا اور اپنے آباء کرام کے ظل عاطفت میں مارہرہ شریف میں آسودہ ہیں۔[3]

رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

(اس کا بیشتر حصہ علامہ حکیم عبدالحی صاحب کی نزہۃ الخواطر سے ماخوذ ہے۔)

---

[1] نازو نیاز جلد اول صفحہ ۷

[2] نزہۃ الخواطر۔ حکیم عبدالحیؒ۔ تذکرہ عام جلد ۷۔ ۸۸ع رضا لائبریری، رامپور

[3] خاندان برکات۔ مولفہ جناب محمد میاں صاحب مطبوعہ حسنی پریس سوداگراں، بریلی ۱۹۲۷ء

شجرہ

عمدۃ المورخین راجہ منوں لال فلسفی و راجہ کندن لال اشکی الٰہی

کیتھل داس عرف رائے رگھناتھ سنگھ (شاہجہانی)

رائے نند رام (عالم گیری)

رائے لوک راج (محمد شاہی)

رائے موہن سنگھ عرف رائے سدانند عاصیؔ

رائے منوں لال فلسفی

رائے پرکاشانند کندن لال اشکی الٰہی [1]

یہ صاحبان کمال ہمیشہ حاکم اور حکومت سے وابستہ رہے اور اپنے دور کے صاحب سیف و قلم رہے ہیں۔ شاہجہانی دور سے تا آخر مغل دور اور اس کے بعد نوابین رامپور و اودھ، سرکار کمپنی بہادر اور پھر سرکار برطانیہ میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے ہیں۔

ع   ایں خانہ تمام آفتاب است

راجہ منوّں لال فلسفی:

رائے موہن لال عرف سدانند عاصیؔ دہلوی کے خلف اکبر ہیں۔ جملہ علوم معقول و منقول میں لاسیما، علوم ریاضیات میں سرآمد معاصرین بلکہ سابقین۔ علوم ادبیہ و حکمیہ، خاصہ ریاضیات میں معاصرین و مساہمین سے سبقت لے گئے۔[2]

علوم متداولہ کی تکمیل جامع العلوم فخریہ میں مولوی اعزالدین رامپوری، مولوی محمد روشن بھوری

---

[1] درعلوم اسلام نزہت الناظرین مطبوعہ صفحہ ۶۲

[2] والد ماجد مرحوم (راجہ منوں لال صاحب) کہ درعلوم ادبیہ و حکمیہ خاصہ ریاضیات، قطب السبق از مساہمین ربودہ بودند چنانچہ تصانیف جناب ممدوح تنقیح الاخبار و جغرافیہ، سدید الاستخراج و رسالہ احکام، و عجاب درحساب و مثال آں دلیل دعویٰ فقرا اند۔ نزہت الناظرین درعلوم اسلام صفحہ ۶۲ منتخب تنقیح الاخبار مطبوعہ ۱۳۷۔۱۳۶

(کانپوری) وشاہ نیاز احمد سرہندی بریلوی سے دہلی میں مولوی رفیع الدین برداللہ مضجعہم سے کی۔

ملازمتیں: اول اول نواب فیض اللہ خاں والی رامپور کی سرکار میں بعہدہ وکالت رہے اور اسی درمیان لارڈ مارکوئیس ہیسٹینگس رلارڈ مائرہ کے سیکریٹری کی حیثیت سے کلکتہ گئے جہاں (۱۸۱۲ء تا ۱۸۱۴ء) دو سال میں ریاستہائے راجپوتانہ سے معاہدے ہوئے۔ اسی قیام میں انہوں نے انگریزی زبان پر قدرت حاصل کی۔ اس کے بعد پھر رامپور واپس آگئے۔ یہ سلسلہ نواب محمد علی خان کے قتل (سہ شنبہ ۲۱ محرم ۱۲۴۰ھ/۱۹ اگست ۱۸۲۴ء) تک جاری رہا وہاں سے والی اودھ نواب آصف الدولہ کی پیشی میں اور یہاں سے دفتر دیوانی عدالت بریلی بعد ازاں سررشتہ دار پروونشیل کورٹ اپیل بریلی بورڈ آف ریوینیو اضلاع مغربی وسررشتہ دار فوجداری اٹاوہ رہے۔

ناقدری اہل کمال کی بدولت ۱۸۲۷ء میں ملازمت ترک کر کے خانہ نشین ہو گئے مشغولی کے لئے علم تاریخ پر تنقیح الاخبار لکھنا شروع کی نظر ثانی سے پہلے (جمعہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۲۴۸ھ/۲۰ اپریل ۱۸۳۲ء) کو ڈیڑھ ماہ قبل یاد خالق میں مشغول ہو گئے۔ حتی کہ یک شنبہ ۴ محرم الحرام ۱۲۴۸ھ ۳ جون ۱۸۳۲ء کو فرخ آباد میں گنگا کے کنارے ہمیشہ کے لئے یاد خالق میں ضم ہو گئے

تصانیف:

۱۔نسخہ گلستان ارم		۷۔سدید الاستخراج	(علم تقاویم)
۲۔شبستان سرور		۸۔عجاب	(ریاضیات)
۳۔شارستان نور		۹۔رسالہ احکام	
۴۔اسطرلومی فارکیوش	(ہیئت۔ترجمہ)	۱۰۔تنقیح الاخبار	
۵۔فیثاغورثی	(ہیئت)	۱۱۔مساکن فلسفی	
۶۔دومدون	(جغرافیہ)	۱۲۔نسخہ اسماء البلاد	

آپ کے تینوں چھوٹے بھائی بھی اسی جامع العلوم کے فارغ ہیں۔

لالہ موتی لال گوہر:

یہ راجہ منوں لال کے منجھلے بھائی۔ اہل فرنگ کے ابتدائی دور (نومبر ۱۸۰۱ء) سے بعہدہ

وکالت کورٹ اپیل مامور رہے۔ ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔

راجہ کندن لال جی کا بیان ہے کہ:

''اس فصاحت کا مقرر میری نظر سے نہیں گذرا۔ دوران تقریر ان کے سامنے فضلاء (وقت) حواس کھو بیٹھتے تھے اور سوائے عاجزی کے کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ اس کے باوصف ان کی سخاوت کی دھوم تھی۔ موصوف شاعر بھی تھے۔

لالہ سوہن لال:

لالہ منوں لال جی کے تیسرے بھائی علوم رسمی کے علاوہ فنون طب میں ید بیضاء رکھتے تھے۔ قواعد میں دبستان فارسی، طبع کمال وقاد کی دلیل ہے۔

ملازمتیں:

اول سر رشتہ دائر و سائر علاقہ بریلی۔ بعد میں سر رشتہ فوجداری ضلع مین پوری۔ پھر نوبانور میدار سینگر کی رفاقت میں کلکتہ، اس کے بعد نائب سر رشتہ دار فوجداری ضلع مظفر نگر اور پیلی بھیت رہ کر جمعہ ۱۴ محرم ۱۲۴۹ھ ۲۴ مئی ۱۸۳۳ء کو رخصت ہوئے۔

لالہ ہلاس رائے رشک:

فن تاریخ میں اپنے دور کے یگانہ تھے۔ آپ کی تصانیف میں: ۱۔ رضوان فریب و ہمیشہ بہار۔ ۲۔ حدایق الاخیار۔ ۳۔ قصہ یاسمین رخ۔ ۴۔ تاج الملوک' ہیں۔[1]

پرکاشانند راجہ کندن لال اشکی الٰہی:

بروز یکشنبہ ۱۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ/۱۰ ستمبر ۱۸۹۷ء سمت ۱۱۵۴ء میں بہ عہد نواب سعادت علی خاں راجہ منوں لال فلسفی کے یہاں پیدا ہوئے۔ راجہ صاحب نے ایسے ماحول میں آنکھ کھولی جہاں ہر سمت سے علم ہی علم برس رہا تھا۔ رسم مکتب کے بعد سے ہی علماء فضلا سے سابقہ رہا۔ مکتب کے بعد پانچویں سال فارسی کی تعلیم کے واسطے مشہور استاد میر جعفر علی ساکن سنبھل مقرر ہوئے۔ چھٹے سال

[1] منتخب تنقیح الاخبار مطبوعہ صفحہ ۱۳۹۔ ۱۳۶

مرزا محمد علی تر کی زبان پڑھانے کے لئے،نویں سال شیخ خان محمد درس فارسی اور عربی صرف ونحو کے لئے رکھے گئے ۔گیارھویں سال شیخ موصوف کے بجائے محمد اکبر شاہ کابلی سے اور بعض فارسی کتابیں مولوی محمد سعید (شاگرد مولوی صبغت اللہ) سے پڑھیں۔

فنون سپاہ گری: (بانک،بنوٹ،شمشیر بازی،قدر اندازی،اسپ تازی)

بانک استاد امید سنگھ سے ۔شمشیر بازی احمد خاں سے ۔تیر اندازی اپنے والد ماجد اور خلیفہ قادر بخش سے گھوڑسواری کالے خان سے سیکھی۔

فن خطاطی: خط نستعلیق میر غلام حسین نیازی سے حاصل کیا۔

شادی خانہ آبادی: ۱۸۱۱ء/۱۲۲۶ھ چودہ سال کی عمر میں قصبہ ملانواں میں شادی ہوئی۔

نیاز بے نیاز کے حضور میں: پندرھویں سال جب کہ راجہ منوں لال فلسفی (۱۸۱۲ء/ ۱۲۲۷ھ میں) لارڈ مائرہ کے سکریٹری کی حیثیت سے کلکتہ گئے تو اپنے استاد محترم حضرت نیاز بے نیاز کی خدمت میں اپنے لخت جگر کو پیش کر گئے ۔استاد نے انہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔راجہ صاحب نے پہلے اور بعد میں بھی بہت سے استادان گرامی قدر کے حضور میں زانوئے ادب تہ کیا تھا۔علماء فقراء اور اطباء اسلام کی خدمت میں فائز ہوئے۔لیکن جتنی گہری چھاپ یہاں لگی وہ کہیں دیکھنے کو نہیں ملی یہی وجہ ہے کہ جس ادب واحترام سے حضور قبلہ کا ذکر کرتے ہیں دوسرے اساتذہ کا ان الفاظ میں ذکر نہیں کرتے اور نہ ان کے علمی شجروں کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

آفا قہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

جامع العلوم فخریہ میں داخلہ کے بعد حضرت شاہ نیاز بے نیاز سے میر زاہد کے دو رسالے سلم العلوم قاضی محب اللہ۔صدرا۔(صدر الدین شیرازی) شمس بازغہ ملا محمود جونپوری زبدۃ الھیت اور علم ہندسہ پر اقلیدس کے تین مقالے پڑھے۔

مفتی محمد عوض صاحب سے مطول ومسلم سردائر۔تفسیر بیضاوی سورت کے ایک فاضل (اکبر علی سورتی) سے اور کتب درسیہ طب حکیم جمال الدین بریلوی سے پڑھیں۔

ریاضیات ہیئت ونجوم میں ایسا ملکہ حاصل ہوگیا کہ اسی دوران سولہویں سال ۱۸۱۳ء میں علم استخراج نجوم میں بلا کسی استاد کے تعاون کے محض روح القدس کے افادہ سے زیچ مسمی بہ مصباح النجوم ترتیب دی۔[1] اور اسی اثناء میں دوسری کتاب مشکواۃ الحساب بھی تصنیف کردی۔[2]

اسی تعلیم کے دوران انہیں بہت سے علوم کشفی، عقلی اور مذہبی کا انکشاف ہوا۔ بعض روحانیان مثلاً شمس وعطارد وزحل، حضرت پیغمبر اسلام صلعم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی" اور افلاطون الٰہی کا دیدار نصیب ہوا۔

استاد ایسے نباض فطرت وماہر نفسیات تھے کہ طالب علم کو وہی پڑھایا جو کہ اس کی افتاد طبع کے عین موافق تھا۔ جس کی بدولت اس کا جوہر قابل نکھر کر سامنے آگیا۔ اب خود راجہ موصوف کے منھ سے سنئے:

"در سال پانزدہم کہ والد ماجد عازم دیار مشرق (مرشد آباد وکلکتہ) شدند مرا بہ خدمت قاموس ذخار معانی حکمیہ، بحر محیط مطالب عقلیہ۔ مرکز دائرہ علوم۔ کاشف استار اخلاق ونجوم۔ محی سنن حکمائے متقدمین۔ زبدہ علماء متاخرین۔ فخر فلاسفہ نامدار۔ افتخار علماء عالی مدار حضرت شاہ نیاز احمد صاحب سرہندی۔"

شجرہ تلمذ:

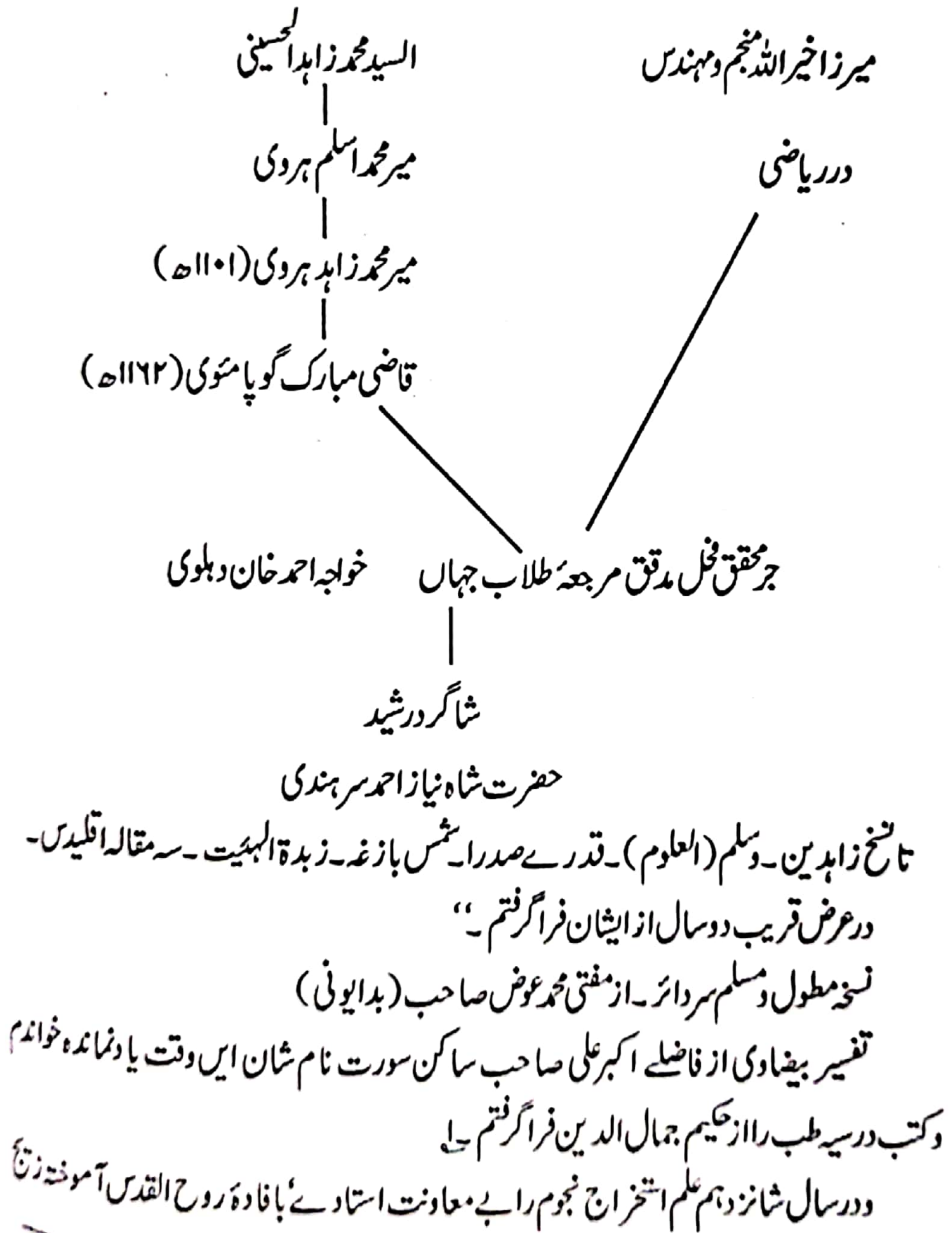
تلمیذ خواجہ احمد صاحب دہلوی۔ شاگرد مرزا خیر اللہ منجم۔ درریاضی وتلمیذ قاضی مبارک گوپامئوی۔ درعلوم عقلی شاگرد میر زاہد ہروی سپردند۔

---

[1] منتخب تنقیح الاخبار صفحہ ۱۴۳

[2] نزہتہ الناظرین درعلوم اسلام صفحہ ۴

شجرہ



تا نسخ زاہدین۔ وسلم (العلوم)۔ قدرے صدرا۔ شمس بازغہ۔ زبدۃ الہیئت۔ سہ مقالہ اقلیدس۔
درعرض قریب دو سال از ایشان فرا گرفتم۔"
نسخہ مطول ومسلم سرِ دائر۔ از مفتی محمد عوض صاحب (بدایونی)
تفسیر بیضاوی از فاضلے اکبر علی صاحب ساکن سورت نام شان ایں وقت یاد نماندہ خواندم
وکتب درسیہ طب را از حکیم جمال الدین فرا گرفتم۔[1]
ودر سال شانزدہم علم استخراج نجوم را بے معاونت استادے، بافادۂ روح القدس آموختہ زیج

[1] منتخب تنقیح الاخبار صفحہ ۱۴۳۔۱۴۲

مسمی بہ مصباح النجوم ترتیب دادم ۔[1]

درہماں اثناء نسخہ..... مشکوۃ الحساب نوشتم ۔[2]

استاد محترم کی خدمت میں راجہ صاحب واقعتاً کندن اور لعل ہو گئے ۔ اس جامع العلوم میں اس وقت کتنے محققین زیر نگرانی ہوں گے راجہ صاحب کے اس بیان سے کسی قدر اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔[3]

"یاد دارم کہ درایام تحصیل (۱۸۱۲ء تا ۱۸۱۴ء) در بلدۂ بریلی قریب ۳۰۰ صد کس طالب علم آشنائے این فقیر بودند ۔"

انیسویں سال (۱۲۳۱ھ/۱۸۱۶ء) میں راجہ صاحب نے شاہجہاں آباد (دہلی) کا سفر کیا جہاں قدوۃ العلماء الراسخین امام المتالہیین مولوی محمد رفیع الدین کی خدمت میں فائز ہوئے جو کہ ان کے والد کے بھی استاد تھے ۔ ان سے مساکن وایام ثاد وسیوس جز دار مجسطی اور سماع الطبیعی شفاء پڑھی ۔

متوسطات کے باقی رسائل تذکرہ مجسطی والد ماجد (راجہ منوں لال فلسفی) سے پڑھے ۔ تصوف کے بعض غوامض حضرت شاہ غلام محمد مسکین (مجددی بعد أنیازی) سے دریافت کیے ۔ علم منتر شاستر کی تکمیل سری پال کرشنانند سرستی سے کی ۔

علماء ظاہر وباطن کی خدمت میں حاضریاں دی ۔ تحصیل علوم کثیرہ کی جن کا شمار ستر سے زیادہ ہے ۔ علاوہ ازیں حسن صورت وحسن سیرت سے بھی آراستہ کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے رزق میں وسعت عطا فرمائی ۔ عزت وملازمت قدموں سے لگی ہوئی تھیں ۔

ملازمتیں :

عمر کے بیسویں سال ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء میں ضلع شاہجہاں پور میں بہ عہدہ پیشکاری ملازمت مل گئی ۔[4] اسی سال چار سالہ بیٹے گنج راج کی موت واقع ہوئی ۔ جس سے بددل ہوکر ملازمت ترک کردی اور تین برس کے قریب خانہ نشین رہے ۔ ایک روز اثناء راہ میں کلکٹر صاحب بریلی نے دیکھ کر طلب فرمایا اور منصد یان بریلی میں تقرر کردیا ۔ سات ماہ بعد استعفاء

---

[1] منتخب تنقیح الاخبار صفحہ ۱۴۳۔۱۴۲

[2] منتخب تنقیح الاخبار صفحہ ۱۴۳۔۱۴۲

[3] نزہۃ الناظرین در علوم اسلام صفحہ ۴

[4] منتخب تنقیح الاخبار صفحہ ۱۴۸

دے دیا اور اپنی جگہ چھوٹے بھائی ہزاری لال اشکی کو ملازم کرا دیا۔ کچھ دنوں بعد سجل نویسی کچہری اپیل علاقہ بریلی پر تقرر کر دیا گیا۔ اس عہدہ پر دو سال اور کچھ ماہ کام کیا۔ علاوہ بریں صاحبان اپیل کے (پی اے) کی حیثیت سے بھی خدمت انجام دیتے رہے۔ ۱۸۳۶ء میں سکریٹری مقرر ہوئے۔ ۱۸۳۷ء میں چھوٹے بھائی کو اپنی جگہ رکھا کر پھر خانہ نشین ہو گئے۔ ماہ ستمبر ۱۸۳۷ء میں مسٹر رابنسن نے طلب فرما کر باصرار تمام قنوج کا تحصیلدار مقرر کر دیا۔ ابھی وہاں پہنچے بھی نہیں تھے کہ ناظم الملک محمد مہدی علی خاں وعدہ ہائے گونا گوں سے امید دلا کر دو ماہ کے وعدہ پر اپنے ہمراہ لکھنو لائے۔ بادشاہ محمد علی شاہ کی پیشگاہ سے وقائع نگاری کی خدمت عطا ہوئی۔

پانچ سال بعد ۱۸۴۲ء میں بادشاہ امجد علی شاہ نے عہدۂ میر منشی (چیف سکریٹری) کے ساتھ راجہ کے خطاب سے فراز کیا۔

سینتالیس سال کی عمر میں رمضان ۱۲۵۹ھ/ستمبر و اکتوبر ۱۸۴۳ء میں ان کے مربی مہدی علی خان نے انتقال کیا اس صدمہ کی وجہ سے دلگیر رہنے لگے۔

لکھنؤ پہنچ کر بخار رہنے لگا۔ سیدھے ہاتھ پر ورم ہو گیا اور پانچ ماہ سے بالکل کام نہیں کر رہا تھا۔ واجد علی شاہ کے عہد میں ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء تک حیات تھے اور ہاتھ کا وہی حال تھا۔

زندگی میں نشیب و فراز کے باوجود خوددار ایسے کہ گھانس کے تنکے کے بھی کسی یار کے مرہون منت نہیں ہوئے۔ مزاج ایسا ملنسار و مرنجان و مرنج کہ خلق و خداوندان سے ہمیشہ راضی رہے۔

اپنے استاد و مخدوم کے لئے کسی حالت میں بے اعتنائی سرزد نہیں ہوئی۔ ان کے بعد مخدوم زادگان سے بھی ویسی ہی نیازمندی باقی رہی۔ جب وہ تیرتھ یاترا کے لئے چلے ہیں تو مخدوم زادہ شاہ نظام الدین حسین صاحب ہمراہ تھے۔

راجہ صاحب عادتاً گوشہ پسند تھے۔ مربی کی موت اور قدردانی کے سد باب کی وجہ سے افسردگی بڑھ گئی تھی۔ تاہم اس خیال سے کہ رہتی دنیا میں ایک یادگار باقی رہ جائے گی ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۸ء میں مطبع محمدیہ میں نزہت الناظرین کی طباعت شروع کرا دی۔[1]

---

1. نزہتہ الناظرین در علوم اسلام صفحہ ۶۲

تصانیف راجہ کندن لال:

۱۔ مشکوۃ النجوم
۲۔ مصباح الحساب
۳۔ ادوار ماضیہ (علوم ہند)
۴۔ آثار باقیہ (علوم یونان)
۵۔ آداب باقیہ (علوم عرب)
۶۔ نوادر افرنجیہ (علوم انگریزی)
۷۔ نزہت الناظرین (مذکورہ بالا کتب کا خلاصہ)
۸۔ جام جہاں نما
۹۔ استقساط (علم ہندسہ)
۱۰۔ قسطاس (علم قسطاس)
۱۱۔ دوحتہ الصفاء (علم طبیعیات' فزکس)
۱۲۔ سبعہ سیارہ (حکمت ہند)
۱۳۔ مصطلحات علوم فرن لوجی
۱۴۔ حکمت پارس قدیم
۱۵۔ اکسیر سعادت (تطبیق میان تصوف وفلسفہ)
۱۶۔ نغمۂ عنادل (تصوف)
۱۷۔ دور سالہ (سنسکرت' پوجا پاٹھ روزانہ وسالانہ اہل ہند)
۱۸۔ منتخب پوران (سنسکرت)
۱۹۔ مجموعہ دیگر رسائل بر مختلف فنون مثلاً تصویر کشی۔ گھڑی سازی وغیرہ۔
۲۰۔ لغت یونانی' عبرانی اور سریانی (انگلش کتب کی مدد سے)
۲۱۔ علم حیوانات
۲۲۔ علم بر
۲۳۔ علم بحر
۲۴۔ علم طیور

مذکورہ کتب کے علاوہ جناب حبیب الرحمٰن خاں صاب صدر یار جنگ کے حبیب گنج کلکشن میں ان کی بعض اور نفیس علمی یادگاریں مرقع تصویر و خطاطی موجود ہیں۔[1]

مہاراجہ رتن سنگھ۔ بریلوی:

امیر الا فاضل' فخر الدولہ' دبیر الملک' مہاراجہ رتن سنگھ بہادر زخمیؔ' رائے بالک رام صبوریؔ (م ۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ھ/ ۲۰ ستمبر ۱۷۹۷) کے خلف الصدق اور راجہ بھگوان داس (دیوان واتالیق وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر' بعد مدتوں بریلی کے ناظم) کے پوتے۔ قوم کے سکسینہ

[1] مقالات شروانی صفحہ ۱۲۴

کائستھ آپ کی ولادت بروز یکشنبہ ۲۳ محرم ۱۱۹۷ھ/۹ دسمبر ۱۷۸۲ء (برج قوس وستارہ شمس) بزمانہ آصف الدولہ لکھنؤ میں ہوئی۔ آپ کے والد اصنام پرست ہندو اور نواب آصف الدولہ کے ناظر مدافع تھے۔ راجہ صاحب موصوف کی تربیت موروثی مذہب کے مطابق ہوئی۔ راجہ صاحب کا آبائی مکان خانقاہ نیازیہ سے مشرق کی جانب چند منٹ کے راستہ پر محلہ خواجہ قطب کہرواں سے ملحق (موجودہ) کوچہ رتن سین میں تھا۔

اپنے دور میں حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں بہادر والی کٹھیر کی عطا فرمودہ جاگیروں میں ردوبدل کر کے وہ جاگیریں آصف الدولہ نے حسب منشا اپنے مقربین کو بخشیں۔ یہاں ایک نہایت دلچسپ اور خوش آیند کہاوت نقل کرتا چلوں:

"جسے نہ دے مولا اسے دے آصف الدولہ"

یہ جملہ بظاہر نواب موصوف کی سخاوت و دریا دلی کا آئینہ دار ہے۔ یعنی جسے خدا بھی نہ دے اسے آصف الدولہ اپنی سخاوت سے دے دیتے ہیں۔ دراصل یہاں اس جملہ میں حقیقت پر مبنی ایک لطیف طنز ہے یعنی جس شخص کو کسی بھی قانونی حیثیت سے کوئی حق نہیں پہنچتا ہو۔ اپنی لا ابالی فطرت کی وجہ سے آصف الدولہ بنا سوچے اس پر بخشش کی بارش کر دیتے ہیں۔ ان کی سخاوت اور دریا دلی کے جھوٹے افسانوں کی پول جب کھلتی ہے جب کہ وہ اپنی سگی ماں اور سگی دادی سے مال و دولت حاصل کرنے کے لئے ان کے محلات کے سامنے توپوں کے منہ کرا دیتے ہیں اور ان کے معتمد و ملازمین کے ہاتھ پاؤں بندھوا کر ان سے توشہ خانوں کی چابیاں اپنے قبضہ میں کر کے دن رات آدمی لگا کر باپ دادا کی لوٹ کا، بالخصوص روہیل کھنڈ کی لوٹ کا مال سارا کا سارا مال لکھنؤ منگوا لیتے ہیں اور سب کا سب مال اسی طرح کے جھوٹے خوشامدیوں پر برباد کر دیتے ہیں۔ اب ذرا پھر وہ خوش آئند کہاوت دوہراتے چلیں:

"جسے نہ دے مولا اسے دے آصف الدولہ"

بات کسی قدر طویل ہوگئی۔ یہ ایک دکھے ہوئے دل کی کہانی کی جھلک تھی جو بے موقع زبان قلم سے بے خیالی میں ٹپک پڑی۔

بات چل رہی تھی نواب آصف الدولہ کے جود و عطا کی۔ (۱۷۷۴ء/۱۱۸۸ھ) میں مسند

نشین ہوتے ہی جہاں روہیل کھنڈ کے قیدیوں کی رحم کی درخواست نامنظور کی وہیں ان کی جائدادوں اور جاگیروں کا یہ کیا کہ بہ عجلت تمام دوسروں کو دے ڈالیں۔ چنانچہ ضلع بلیا فریدہ پور پرگنہ کرور واقع بریلی جس میں حضور قبلہ کی معافی دوامی تھی اس کے جاگیر دار راجہ بھگوان داس جی قرار دیے گئے اور ان کے بعد راجہ جی کے ورثاء میں تقسیم ہوئی بقدر حصہ ان کے پوتے کنور جی رتن سنگھ کو پہنچی اور اس حقیت کے زمیندار ثانی کنور جی ٹھہرے۔

کنور جی کے باپ اور دادا حضور قبلہ کے نیاز مند اور حاضر باشوں میں تھے۔ یہ صاحبان خانقاہی تقریبات میں بھی مدعو کیے جاتے تھے۔ ممکن ہے کہ جامع العلوم فخریہ کے شاگردوں میں بھی رہے ہوں، مگر حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے کنور جی کو جامع العلوم فخریہ میں داخل کرایا گیا یہاں انہوں نے دیگر علوم کے ساتھ ساتھ علوم فلکیات ہندسہ، فن انشاء، مختلف زبانوں بالخصوص عربی فارسی اور ترکی پر دسترس حاصل کی۔ اس دارالعلوم میں یہ زبانیں درسی کتاب کے علاوہ اہل زبان کی صحبت سے آجاتی تھیں اور بولنے والا انہیں کے لہجے میں بلا تکلف بات کرنے پر قادر ہوتا تھا۔ چنانچہ کنور جی بھی قادرانہ انداز میں اہل زبان کی طرح فارسی و ترکی بولتے تھے۔

راجہ جی کی اپنی طبع وقاد اور اس پر ایسے استاد کی تربیت سونے پر سہاگہ تھی۔ جلد ہی وہ معاصر علماء پر کثرت علوم وفنون کی بدولت فوقیت لے گئے، انہوں نے انگلش اور سنسکرت پر بھی قدرت حاصل کر لی۔

بادشاہ غازی الدین حیدر (جمعہ یکم جولائی ۱۸۱۴ء تا ۱۸ نومبر ۱۸۲۷ء) کے حضور میں تقرب حاصل کیا۔ مولوی نجم الغنی خان صاحب لکھتے ہیں:

''ایک کلکوی کنور رتن سنگھ کے نام زد ہوئی یہ شخص رائے بالک رام (صبوری) کا بیٹا اور راجہ جھاؤلال کا قریبی رشتہ دار اور بال کرشن کا سمدھی تھا اور ضلع بریلی میں کئی سال کے بعد (۱۸۱۴ء میں) آیا تھا۔ نہایت دانشمند اور صاحب علم آدمی تھا (شاعری میں) مرزا قتیل کا شاگرد تھا[1]

انہی دنوں استاد مصحفی نے کنور جی کو مرزا حاجی کے یہاں مشاعرہ میں دیکھا تو بہت متاثر

[1] تاریخ اودھ حصہ چہارم صفحہ ۱۲۰

ہوئے۔ وہ لکھتے ہیں۔

''کنور جی (راجہ رتن سنگھ) زخمی تخلص۔ خلف الصدق رائے بالک رام۔ جوان وجیہہ۔ قابل و دانا۔ مہذب الاخلاق ہیں۔ فقیر (مصحفی) نے ایک دن ان کو مرزا حاجی کے یہاں مشاعرہ میں دیکھا تھا۔ وضع ولباس مرزایانہ ہے۔ شعر خوانی میں بھی ولائیتوں کا انداز ہے۔ عمر چالیس بیالیس سال ہوگی۔ بتاتے ہیں کہ مرزا قتیل مرحوم کے شاگرد ہیں[1]

بادشاہ غازی الدین حیدر ان کے علم اور صلاحیتوں سے اتنے متاثر ہوئے کہ منشی الملوک کے لقب کے ساتھ انہیں اپنی سیکریٹریٹ کا انچارج بنادیا۔ کنور جی یہاں اپنی صلاحیتوں کے باوجود دراندازوں سے مات کھا گئے اسی بادشاہ نے انہیں ماخوذ کیا اور قید میں ڈال دیا۔ لیکن قبلہ کے فیضان نظر سے نہ صرف بحال ہوئے بلکہ ریونیو کا انچارج بھی بنادیا گیا۔ فخر الدولہ دبیر الملک کے خطاب سے نوازے گئے۔ لیکن حضور چوتھے بادشاہ امجد علی شاہ سے مذہبی تعصب کی بناء پر بالکل نہیں نبھی۔ گدی پر بیٹھنے کے تین مہینے بعد (سہ شنبہ ۹ ررجب ۱۲۵۸ھ/۱۲ راگست ۱۸۴۲ء کو دیوان کا عہدہ فخر الدولہ راجہ رتن سنگھ سے نکال کر پھر مہیشر الدولہ مہاراجہ بالکرشن کو تفویض کیا۔[2]

کنور جی اور ان کا پورا خاندان ہر معاملہ میں حضرت ہی سے رجوع کرتا تھا۔ آپ کا انداز ترسیل اپنے معاصر علماء سے مختلف تھا۔ آپ کا انداز وہی تھا جو کہ آپ کے خواجگان چشت کا تھا۔ حضور محبوب الٰہی کا ارشاد ہے۔

کلامنا اشارۃ فاذا صار عبارۃ صار جفا (ہماری گفتگو اشاروں پر مشتمل ہوتی ہے اور جب یہ عبارت میں آتی ہے تو خشک معلوم ہوتی ہے)[3]

آپ اپنے انداز ابلاغ وترسیل میں پوری طرح کامیاب نظر آتے ہیں۔ لطیف تر اشاروں کے بعد سامع اور مخاطب کی صوابدید پر چھوڑ دیتے ہیں۔ جب توفیق الٰہی رفیق ہوئی اور ان کی تحقیق میں ظاہر ہوگیا تو ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء میں آبائی طریقہ کو خیر باد کہہ کر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

---

[1] ریاض الفصحا صفحہ ۱۱۵۔ اس وقت کنور جی کی عمر بمشکل تیس بتیس سال رہی ہوگی۔

[2] تاریخ اودھ جلد چہارم صفحہ ۹

[3] احسن الاقوال صفحہ ۱۲ بحوالہ آئینہ ملفوظات۔ علامہ اخلاق حسین دہلوی

آخر زمانے میں راجہ جی کو دو بڑے صدمے اٹھانا پڑے۔پہلا مالی صدمہ تھا کلکتہ کوٹھی (بینک) نے اپنے دیوالیہ کا اعلان کر دیا جس سے چالیس ہزار روپے کی رقم ڈوب گئی۔یہ رقم آج کے حساب سے کڑوڑوں روپیہ ہوتی ہے راجہ صاحب اس کو برداشت کر گئے۔لیکن جوان عمر ہونہار بیٹے دولت سنگھ شکری مرحوم کی موت نے انہیں گور سے لگادیا۔یہ صدمہ ایسا تھا جس کے لئے وہ بالکل تیار نہیں تھے۔

بعمر ستر (۷۰) سال ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۱ء میں اپنے رب سے جا ملے۔انا للہ وانا الیہ راجعون

تصانیف:

۱۔شرح گل گشتی۔مجموعۂ کلام

۲۔دیوان زخمی (فارسی) ۵۱۳صفحات پر مشتمل ہے (مطبوعہ جمادی الآخر ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷ء)۔دردارالسلطنت لکھنؤ بمطبع سنگین محمدی۔

۳۔دیوان زخمی (اردو)

۴۔حدایق النجوم (۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء) بادشاہ محمد علی شاہ کی فرمائش پر لکھی ہے۔

اس میں چھپن اجزا ہیں۔یہ فن نجوم کی بہترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے اس کی تدوین میں راجہ صاحب نے انگریزی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے۔

۵۔سلطان التواریخ ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء تک کے حالات پر مشتمل تاریخ ہے راجہ صاحب موصوف کے بارے میں ذیل کی عربی عبارت نزہت الخواطر سے پیش کی جارہی ہے۔

مہاراجہ رتن سنگھ زخمی البریلوی

الامیر الفاضل رتن سنگھ بن بالك رام البريلوی ثم الكهنؤی فخر الدوله.دبير الملك.مهاراجه رتن سنگھ بهادر -هوشيار جنگ كان من العلماء المبرزين فی الهيئت والهندسه والا نشاء والشعر ومعرفة اللغة المتنوعه۔

والده بالك رام كان من الهنادك الوثنين.وكان ناظر المدافع فی ايام آصف الدوله.وامارتن سنگھ فانه ولدو نشاء علی مذهب جدوده وقراء العلم

ونبغ فی فنون شتی .وفی اللغات العربیه والفارسیه والترکیه والکلیزیه.

فقرب الیه غازی الدین حیدر (١٨١٤ء الیٰ ١٨٣٧ء) ولا الشاء بدیوانه لقبه منشی الملوک. فاستقبل به الی ایام محمد علی شاه (١٨٣٧ء الیٰ ١٨٤٢ء) ثم ولی الخراج ولقبه محمد علی شاه المذکور بفخرالدوله دبیرالملک مهاراجه رتن سنگھ بهادر .

ثم لما حصحص علیه الحق ،رفض دین الاباء واسلم سنة اربعة وستین ومایتین والف (١٢٦۴ھ/١٨۴٨ء)

وعاش بعد ذالك ثلاث سنین (١٢٦٧ھ)[1]

کنور دولت سنگھ شکری مرحوم:

ماں باپ کی آنکھوں کا تارہ۔ازلی سعید اور غضب کا ذہین۔ نیاز بے نیاز کا چہیتا شاگرد، استاد کو اس کے روشن مستقبل کی توقعات، صادق الوعد اور قابل اعتماد۔استاد محترم اسے دیوان سلطنت اور وزارت عظمیٰ کا اہل سمجھتے تھے۔[2] جملہ علوم وفنون میں اپنے والد سے کئی قدم آگے۔ بقول مؤلف صبح گلشن:

''در جملہ فنون از پدر خود نیز قدم فراتر می گذاشت''[3]

لیکن عین جوانی میں باپ کے سامنے مرگیا۔

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

منوں لال فلسفی، کندن لال اشکی الٰہی اور راجہ رتن زخمی تینوں اکابرین

مشاہیر کے مشترکہ تبصرے

منوں لال فلسفی و اشکی یہ دونوں باپ بیٹے اس عہد کے بہترین مصنف ہیں۔[4]

منوں لال فلسفہ میں بہت نام آور ہوئے۔

1. نزہتہ الناظرین تذکرہ عام جلد ۷ صفحہ ۱۱۲
2. ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۴۷
3. تذکرہ فارسی در ہند و پاکستان صفحہ ۵۲۴
4. تاریخ اودھ جلد اول صفحہ ۲۴۳-۲۴۲-۲۰۷

باقی علوم طبعیہ (فزکس وسائنس) میں اشکی مصنف زیج فلسفی، رتن سنگھ زخمی......خاص دستگاہ رکھتے تھے۔ [1] رتن سنگھ کو فلسفہ میں کمال حاصل تھا۔ [2] راجہ کندن لال کو فنون معقولات متحضر تھے۔ [3]

یہ لوگ اعلی درجے کے تعلیم یافتہ انتہائی درجہ کے بامذاق، ذوق سخن سے آشنا، نکتہ پرور اور نکتہ سنج تھے۔ بیک وقت صاحب سیاست اور صاحب قلم تھے۔ راجہ رتن سنگھ و کندن لال وغیرہ ملک کے نظم ونسق پر یہی لوگ حاوی تھے اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ملک میں جو اقتدار انہیں حاصل تھا وہ بہت کم لوگوں کو حاصل ہوا ہوگا۔ راجہ کندن لال میر منشی بیت الاجراء تھے۔

حکیم جمال الدین

اسی جامع العلوم کے قدیم طلباء میں ہیں۔ یعنی حضرت والد ماجد حکیم الٰہی شاہ محمد رحمت اللہ ونیاز بے نیاز کے طب کے شاگردوں میں اور حضرت حکیم الٰہی (۱۲۰۶ھ/۱۷۹۱ء) کے بعد جامع العلوم کے طب کے استاد تھے۔ جہاں لالہ سوہن لال صاحب برادر راجہ منوں لال فلسفی، راجہ رتن سنگھ زخمی، حضرت شاہ آل رسول مارہروی اور راجہ کندن لال اشکی الٰہی [4] کے علاوہ خلق کثیر نے آپ سے فن طب کی کتب درسیہ پڑھیں۔ آپ استاذ الاطباء تھے۔ آپ اس دور کے زبردست حاذق اطباء میں تھے اور فن طبابت میں یکتائے زمانہ تھے۔ [5] خود استاد محترم کے نجی طبیب تھے اور سارے خاندان کا علاج یہی کرتے۔ استاد محترم کا خصوصی کرم تھا۔ خانقاہی تقریبات میں حکیم جمال الدین صاحب مع والدہ مدعو ہوتے۔ [6]

حکیم صاحب کا مکان محلہ خواجہ قطب سے قریب ہی محلہ گڈھیا میں واقع تھا جہاں حضرت قبلہ، حکیم حسین علی، میر قاسم علی اور حکیم جمال الدین کی دلداری میں عشرۂ محرم میں ایک مرتبہ تشریف لے جاتے۔ آخر زمانے میں ضعف زیادہ بڑھ گیا تھا تو پالکی میں بیٹھ کر تشریف لے جاتے۔ حکیم صاحب کے یہاں محرم کی مجالس میں کبھی کبھی لکھنؤ کے نواب کے خاندانی بھی ہوتے۔ [7]

---

۱ تاریخ اودھ جلد اول صفحہ ۲۰۷   ۲ تاریخ اودھ جلد اول صفحہ ۲۷۳

۳ قاموس المشاہیر جلد اول، تذکرہ انیس العاشقین وادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ

۴ تذکرہ روز روشن۔ نواب صدیق حسن خاں   ۵ منتخب تنقیح صفحہ ۱۴۳۔۱۴۸

۶ تذکرہ ناز ونیاز صفحہ ۲۸   ۷ تذکرہ ناز ونیاز بند بلاوہ قلمی منقولہ کتاب ہذا

حضرت کے آخر زمانے میں حکیم حسین علی اور حکیم جمال الدین ہر روز صبح کو باہم حاضر خدمت ہوتے۔ نبض دیکھتے۔ حال پوچھتے، پھر دونوں صاحبان آپسی مشورے کے بعد دوا تجویز کرتے اور اپنے سامنے دوا کا استعمال کراجاتے۔ اور نئے تغیرات سے باخبر رہتے۔

حکیم جمال الدین صاحب کی خدمات شائقہ کے لئے استاد محترم کی دعا و بشارت تھی کہ تو کچھ ہو رہے گا۔ حکیم صاحب کے ادب اور عقیدے کے بارے میں فرمایا تھا کہ:

"یہ شخص (یعنی حکیم جمال الدین) جس وقت سے مجھ سے ملا ہے اس کے عقیدہ میں فرق نہیں آیا بلکہ روز بروز ترقی ہے۔ آدمی کو صفائی عقیدے کی کام آتی ہے[1]

حکیم جمال الدین صاحب کا تذکرہ کرامات نظامیہ میں بہت بعد تک ملتا ہے۔ وہ دوسرے دور میں حضرت تاج الاولیاؒ کے بھی طبیب اور طبی مشیر رہے ہیں۔ ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء تک باقاعدہ ایک حاذق طبیب کی حیثیت سے خانقاہی تذکروں میں موجود ہیں

ان کا واقعہ ارتحال اس کے بعد ہوا ہوگا۔

حکیم میر حسین علی

آپ حضور قبلہ کے فن طب کے نامور شاگرد ہیں۔ حکیم جمال الدین کے بھائی ہیں۔ حکیم حسین علی بڑے حاذق طبیب فن طبابت میں یکتائے زمانہ۔ دونوں صاحبان اپنے استاد محترم کے حضور میں حاضر باش تھے۔

ایک روز حکیم حسین علی نے حکیم جمال الدین سے کہا کہ حضرت کی کیفیت مزاج میں فرق محسوس کرنے کے لئے امتحاناً کوئی علمی سوال دریافت کیا جائے تاکہ حواس ظاہر و باطن معلوم ہو جائیں۔ حکیم جمال الدین نے صاف الفاظ میں اپنا عندیہ بتادیا کہ وہ ایسا کرنا بے ادبی سمجھتے ہیں۔ حکیم حسین علی نے حاضری کے وقت عرض کیا کہ مدت سے کتب بینی ترک ہے، بعض طبعیہ (سائنسی) مسائل غور کرنے کے بعد بھی یاد نہیں آتے۔

حضور ارشاد فرمائیں کہ زمین کے لرزے کی علت اور قوس قزح کا وجود کس طرح ہوتا ہے۔

---

[1] تذکرہ نازونیاز جلد اول صفحہ ۲۸

فرمایا کچھ یاد نہیں رہا۔ جو کچھ جانتا تھا بھول گیا ہوں۔ حکیم حسین علی نے کہا ''سبحان اللہ!
یہ شعر حضور کا مدت مدید سے سنتے آئے ہیں اس کا حال ہم کو اب معلوم ہوا:

جبھی جا کے مکتب عشق میں ،سبق مقام فنا لیا
جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے ،سو وہ صاف دل سے بھلا دیا

پچھلی اور موجودہ حالت کے بارے میں دریافت کیا۔ فرمایا جب گاہ گاہ ہوتی تھی۔ اور اب دائمی چھائی رہتی ہے۔ ایک دم جدا نہیں ہوتی۔

حکیم جمال الدین نے حکیم حسین علی کو مزید دریافت کرنے کے لئے اشارے سے منع کیا۔ آپ نے اشارہ دیکھ کر حکیم جمال الدین کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ''تو کچھ ہو رہے گا''۔

تب حکیم حسین علی نے عرض کیا یہ نیاز مند قدیمی امیدوار عنایت مرحمت ہے کچھ ارشاد فرمائیے۔ فرمایا تیرا عقیدہ صاف نہیں ہے اور یہ شخص (یعنی حکیم جمال الدین) جس وقت سے کہ مجھ سے ملا ہے اس کے عقیدے میں فرق نہیں آیا بلکہ روز بروز ترقی ہے۔ ''آدمی کو صفائی عقیدے کی کام آتی ہے''۔ [1]

قطب الدولہ بہادر۔ بلیغ

(مندرجہ بالا عبارت تا خطابات و منصب قطب الدولہ پری خانہ سے ماخوذ ہے) [2]

قطب علی خاں کے آباء و اجداد، شہر بریلی کے راجپوت قوم سے تھے جن کا سلسلہ نسب راجہ جگت دیو سے ملتا ہے۔ اس شخص کی عمر تیس یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔

حلیہ: گندمی رنگ، مونچھیں کسی قدر لمبی، سارے سر پر بال......جڑی بھنویں۔

فارسی و عربی کا جاننے والا، بے بدل استاد، پڑھنے لکھنے میں ماہر، نثر نگاری میں بڑی شہرت تھی۔ محبت پسند اور عاشق مزاج آدمی تھا۔ شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ (بلیغ تخلص) بذلہ سنجی، معنی فہمی اور دور بینی بھی اس میں کافی تھی۔ (موصوف نے فارسی میں اپنا کلام چھوڑا ہے۔ ان کی

---

[1] تذکرہ ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۳۴۳ [2] پری خانہ۔ جان عالم واجد علی شاہ کی خود نوشت داستان

فارسی غزلیں کافی مقبول ہوئی ہیں۔ ان کے علاوہ اشیاخ سلسلہ نیازیہ کی شان میں منقبتیں بھی لکھی ہیں اور خاندان نیازیہ کے قادریہ و چشتیہ شجرے بھی نظم کیے ہیں۔ واجد علی شاہ، پری خانہ میں رقم طراز ہیں۔

''قطب علی خان فن موسیقی میں مشہور و ممتاز تھا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ واجد علی شاہ، پری خانہ میں رقم طراز ہیں۔ اس فن میں اس قدر مہارت رکھتا تھا کہ اس وقت کا نانک بیجو نانک گوپال اور تانسین تھا۔ اس شخص کو میں نے اپنے رفع ملال کے لئے ستار نوازی میں اپنا استاد مقرر کیا اور اس سے میں نے یہ فن اتنا سیکھا کہ کئی بار حاضرین محفل دنگ رہ گئے۔ لوگ ہنستے ہنستے، رودیتے تھے اور روتے روتے، ہنس دیتے تھے۔ پیار سے قطب علی خان میری تعریفیں کرتا تھا اور میرا ستار سن کر جھومنے لگتا تھا۔ بعض وقت تو خود قطب علی میرے ہاتھوں کو بوسہ دیتا تھا میں نے اس فن کو کمال کے درجہ تک پہنچا دیا تھا۔''

قبل ازیں مختار الدولہ ابن ناصر الدولہ مرحوم کے پاس ستار بجانے پر نوکر تھا۔[1]

جان عالم واجد علی شاہ اپنی شاہانہ خصلتوں کے باوجود اپنے مذہبی تعصب میں بادشاہ امجد علی شاہ سے مختلف نہیں تھے اس لئے اہل سنت والجماعت کو بے دین اور لامذہب سمجھتے تھے۔ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اسی وقت سے قطب علی خاں میرا رفیق اور ہمدم ہوگیا لیکن آدمی لامذہب تھا۔'' اس لامذہبی کی وضاحت خود واجد علی شاہ کے قلم سے ملاحظہ ہو۔

''رفتہ رفتہ چونکہ میرے تعلقات اور رابطۂ اتحاد امامن کے رشتہ داروں وغیرہ سے بڑھتے ہی جاتے تھے اور یہ تمام مذہب سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ میرے استاد قطب علی خاں بھی اسی فرقے سے متعلق تھے۔ اس لئے شب و روز میں اسی فکر میں لگا رہتا کہ یہ لوگ بھی میرا مذہب اختیار کرلیں تو نہایت خوشی کا باعث ہو۔ بعض وقت میں ان لوگوں کا رجحان معلوم کرنے کی کوشش کرتا تو محسوس ہوتا کہ یہ اپنے مذہبی معتقدات پر سختی سے پابند ہیں جنھیں ترک کرنا نہیں چاہتے۔

[1] پری خانہ۔ جان عالم واجد علی شاہ کی خود نوشت داستان۔ ترجمہ تحسین سروری صفحہ ۵۰ کتاب کار پبلیکشنز رامپور

ایک روز میں نے نہایت عاجزی اور خوشامد سے اور کچھ لالچ دے کر ان سے اپنا مذہب بدلنے کے لئے کہا۔ سارے لوگوں نے بات مان لی....... مجتہد وقت سلطان العلماء مولوی سید محمد کا خط بھی لائے یہ خط دیکھا تو مجھے بڑی خوشی ہوئی اور سب کو خلعتوں اور خطابوں سے مشرف فرمایا۔ چنانچہ ہر وقت میں ان کا سب سے زیادہ لحاظ رکھتا تھا، جہاں تک مجھے یاد ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کی پاسداری میں اب تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔

جزاکم الله فی الدارین خیراً[1]

اس (تخت نشینی) کے دوسرے روز (پنجشنبہ ۱۴؍فروری ۱۸۴۷ء؍۲۷صفر ۱۲۶۳ھ) مصاحبان خاص کو تلوار، خلعت اور معقول خطاب سے ممتاز فرمایا.......اس وقت جو خطابات میں نے دیے وہ حسب ذیل ہیں۔

''غلام رضا خاں۔(برادر قطب علی خاں قطب الدولہ) مرضی الملک غلام رضا خاں بہادر، ہزبر جنگ۔ غلام ید اللہ خاں۔قطب الدولہ۔ مفتاح الملک۔ مونس دل پذیر۔ محمد قطب علی خاں بہادر قایم جنگ۔ مصاحب خاص حضرت سلطان عالم خلد اللہ ملکہ، وسلطنتہ[2] قطب الدولہ بہادر کو دفتر سلطانی کی خدمت دی گئی۔[3] صاحب ضیاء اختر لکھتے ہیں کہ ان سب ارباب نشاط کو خدمات عالیہ ملیں۔ قطب الدولہ کو کچھ علم تھا اس جہت سے دستخط عرضداشت وغیرہ میں دخل تام ہوا۔ ان دنوں فرقۂ خاص کے احکام، فوق احکام وزیر اعظم ہونے لگے اور ان سب کا دماغ فلک ہشتمیں سے گزر گیا۔[4]

رضی الدولہ ڈھاری تھا بہ سبب فرومایگی ایک خطا اس سے سرزد ہوئی ....پھر اس نے ارتکاب خطا کیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ رضی الدولہ وحید الدین وقطب الدولہ ایک واسطہ دار ہیں۔[5] گرفتار قہر سلطانی ہوئے، اصطبل سلاخ آہنی میں قید ہوئے۔ بروز جمعہ ۱۵؍رجب ۱۲۶۶ھ؍ ۱۸۵۰ء کو اخراج کا حکم ہوا۔ چہار شنبہ ۲۰ رجب؍۲۹ مئی روانگی محبوسین بہ کانپور بہ ہمراہی میر محمد اکبر

---

[1] پری خانہ صفحہ ۹۴۔۹۳
[2] پری خانہ صفحہ ۱۵۰۔۱۴۹
[3] پری خانہ صفحہ ۱۵۰
[4] ضیاء اختر صفحہ ۲۲
[5] ضیاء اختر صفحہ ۲۶

کمیدان ہوئی ۔اس قید و بند سے یہ لوگ رہا کیے گئے ۔ بریلی ہوتے ہوئے رامپور پہنچے ۔جہاں ''نواب کلب علی خاں صاحب خوش اقبالی میں اپنے آباواجداد سے بڑھے ہوئے تھے ۔علما،فقراء اطبا،شعراوغیرہ تمام اہل ہنر کے بڑے قدر دان اور جویائے کمال تھے ...... خصوصاً لکھنؤ کے تباہ زدوں کے لئے یہی ٹھکانہ تھا۔ جو وہاں سے نکلتا تھا۔ادھر (ریاست رامپور) ہی کا رخ کرتا اور اتنا کچھ پاتا تھا کہ پھر دوسری طرف خیال نہ جاتا تھا۔''[1]

نواب صاحب فخر کرتے تھے کہ ہمارے یہاں ایسے ایسے لائق لوگ موجود ہیں کہ ہندوستان میں جن کی نظیر نہیں ہے اور طبع غیور ہونے کے باعث ان کو یہ امر بھی گوارا نہ تھا کہ خاندان کا آدمی یا معزز ملازم کسی دوسرے رئیس سے التجائے ملازمت کرے۔

مگر طرفہ یہ ہے کہ نواب صاحب نے ملازمین کی تنخواہ باعتبار تعلق وکمال فن بہت ہی کم رکھی تھی ۔زبانی خاطر مدارات ودلدہی اور انعام وعنایات زیادہ کرتے رہتے تھے ۔لیکن ان کے عہدہ داروں کی نگاہ مشاہرے سے زیادہ صلوں اورانعامات پر لگی رہتی تھی جو وقتاً فوقتاً کسی خاص خوشی ،اظہار کارگزاری کے وقت ان کو ملتے رہتے تھے۔[2]

۲۰ جون ۱۸۶۵ء وہ اسی دربار میں بہ حیثیت ستار نواز بمشاہرہ پچاس روپے ماہوار پر نظر آتے ہیں ۔واقعہ یہ ہے کہ اخراج لکھنؤ کے بعد اگر قدر دانی ہوئی تو اسی دربار میں جہاں مراعات ،صلوں اور عنایات کی بارش ہوتی رہتی تھی ۔ یہاں پہنچ کر بہت کچھ غم دور ہو گیا۔درباری سازشوں اور تقیہ سے بہت دور نہایت سکون کے ساتھ اپنے فن اور یاد مولیٰ میں غرق نظر آتے ہیں۔ یہاں انہیں حاکم وقت کو خوش کرنے کے لئے نہ تقیہ کرنا پڑا اور نہ سلطان العلماء کا سرٹیفکیٹ دکھانا پڑا۔ خوش باش ،قدر دان اور اپنے ہم عقیدہ شخص کے سایۂ عاطفت میں پہنچ گئے ۔نواب باوصف اعلیٰ درجے کے عیش وعشرت کے ،مذہبی معاملات میں نہایت راسخ العقیدہ ،حضور پاک ﷺ سے سچی ارادت (عاشقانہ وارفتگی تک) رکھتے تھے ۔یہی معاملہ اولادرسولؐ ،اولیائے کرام اور بزرگان دین سے تھا۔ خود اسی طور طریق کے ازلی دلدادہ قطب الدولہ بھی تھے۔

وہی قطب الدولہ جو کہ جان عالم پیا کی نظر میں لا مذہب آدمی تھا اور ان کی نہایت عاجزی

---

[1] تواریخ اودھ جلد دوم صفحہ ۸۵ [2] اخبار الصنادید جلد دوم صفحہ ۲۰۲

خوشامد اور لالچ سے مع افراد خاندان کے مجتہد وقت، سلطان العلما کی خدمت بابرکت میں جاکر صدق دل سے مذہب امامیہ میں داخل ہوگیا اور وہاں سے تصدیق کا خط لاکر خطابوں اور خلعتوں سے مشرف بھی ہوگیا۔ یہی آدمی کچھ ہی دنوں کے اندر امام اہل سنت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (جزاہ اللہ خیر الجزاء) کی جو اھر مضیه فی حلیه خیر البریه، پنجسورہ اور مجموعۂ اوراد اپنے دور کے استاد خطاط سے فرمائش کر کے اپنے روزانہ کے معمولات لکھواتا ہے اور انہیں اس کثرت سے اپنے معمولات میں رکھتا ہے کہ اوراق لوٹنے کی وجہ سے انگلیوں کے گہرے نشانات آج بھی اس مجموعہ پر موجود ہیں۔

اس مجموعے کے ترقیمہ کی عبارت یہ ہے:

تمت هذه النسخة الموسومة بالجو اهر المضيه فی حلية خير البرية المشتملة على الصلوة انسية الزكية

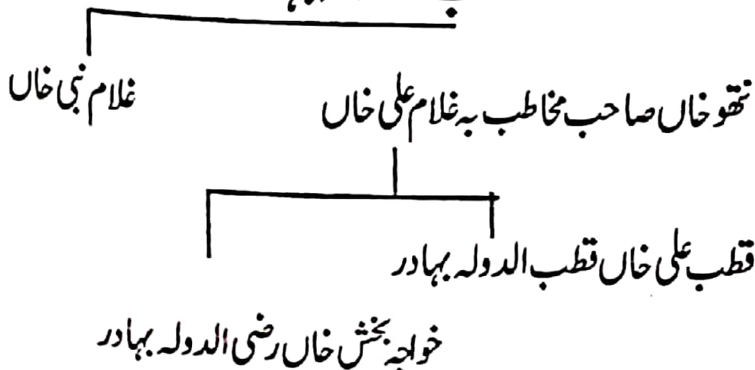
من تاليف صاحب العلوم اللدينيه، الشيخ البارع المحدث الحافظ ولی الله الدهلوی النعمة و الجاه مولانا مولوی ولی الله الدهلوی جزاه الله خيرا الجزاء بلطفه الخفی والجلی۔

حسب فرمائش خاں صاحب والا قدر: قطب الدولہ مفتاح الملک مونس دل پذیر، مستقیم جنگ محمد قطب علی خاں بہادر: مصاحب خاص: حضرت سلطان عالم وعالمیان: واجد علی شاہ خلد اللہ ملکہ وسلطانہ۔

بخام کاری داعی دولت واقبال، محمد حسین علوی بے پروبال، تاریخ ہفتم شہر شوال ۱۲۶۴ھ (چہار شنبہ ۱۶؍ اگست ۱۸۴۸) عیسوی حضرت رسول ایز ذو الجلال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وآلہ وصحبہ ذی المن والکمال فقط۔

ترتیب:

یہ تھیں قطب الدولہ کی لادینی اور صبح سے شام تک پانچوں وقت کی مصروفیات۔ قطب الدولہ کی اکلوتی بیٹی احمدی بیگم عرف لکھنؤ والی نہایت درجہ باخدا اور صاحب نسبت ولیہ تھیں جو کہ استاد محبوب خاں کے بیٹے محمد حسین بینکار (دربار حامدی رامپور) کو بیاہی تھی۔ خود شیخ کو اپنی مریدہ کی روحانی قوتوں پر ناز تھا۔ ان کی تنہا صاحبزادی۔ سرمایہ افتخار، سہسوان گھرانے کے موسیقار اعظم جناب مشتاق حسین خاں نیازی پدم بھوشن (م۱۹۶۴ء) کو بیاہی تھیں۔



قطب الدولہ بہادر سلسلہ فخریہ کے موروثی وابستگان میں تھے ان کے دادا کو حضرت مولانا فخر الدین جہاں سے شرف بیعت تھا۔[1]

حضرت شاہ نصیر الدین حسین صاحب فرماتے ہیں کہ قطب الدولہ کا ابتدائی نام قطب علی تھا۔ وہ قوال تھا، حضور قبلہ وکعبہ کا مرید تھا۔ اکثر حضرت کے حضور میں اپنے افلاس اور تنگ دستی کی شکایت کرتا۔[2] خود قطب الدولہ ناقل ہیں کہ ایک روز جناب قبلہ عصر کی نماز کا وضو فرماتے تھے اور میں لوٹا پانی کا لئے کھڑا تھا کہ ایک مرتبہ حضرت نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ "اللہ اکبر! میں اس وقت تیرا ایسا مرتبہ اور حال دیکھتا ہوں کہ تمام ہند میں جس کا چرچا ہوگا چنانچہ بعد انتقال کے لکھنؤ گیا اور میرے واسطے ایسا مرتبہ ہوگیا کہ قطب الدولہ ہوا۔[3]

لیکن خلیفہ نصیر الزماں خاں صاحب نے اسی تذکرہ کی دوسری جلد میں حضرت شاہ نصیر الدین حسین صاحب کی زبانی قطب الدولہ کا حضرت قبلہ کی حیات ہی میں لکھنؤ جانا نقل کیا ہے ان کی تنگ دستی اور افلاس کی شکایت پر اکثر فرمادیا کرتے تھے کہ تو تو قطب الدولہ ہے یہ کیا کہتا ہے؟

غرض کہ ایک زمانہ اسی حال میں گزر گیا۔ جب نوبت فاقہ کشی کی پہنچی تو مجبور ہوکر ایک ستار بغل میں دبا کر نکل کھڑا ہوا۔ چند روز میں خستہ وخوار لکھنؤ جا پہنچا۔ وہاں موسیقی کا چرچا تھا لیکن اس غریب کو کون پوچھتا تھا۔ امراء روسا تک رسائی ناممکن تھی۔ یہ ایک اپنے ہم پیشہ گویئے کے پاس گیا۔ جس کی کسی امیر (مختار الدولہ ابن ناصر الدولہ مقتول ۱۷۷۶ء) کے یہاں رسائی تھی۔ اس ڈھاری یا قوال کو اپنا گانا اور ستار سنایا۔ اس قوال نے رکھ لیا وہ جب کسی امیر کے یہاں جاتا تو اس کو بھی ساتھ لے جاتا۔ جب امراء لکھنؤ نے اس کا ستار بجانا سنا تو اس کے ستار کو بہت پسند کیا۔ رفتہ رفتہ تمام لکھنؤ میں اس کے ستار بجانے کی شہرت ہوگئی۔ اس زمانے میں واجد علی شاہ کو ستار سیکھنے کا شوق ہوا تھا۔ یہ بلالیا گیا اور پسند کیا گیا۔ بادشاہ نے شاگردی قبول کی اور اس کو استاد کہنے لگا۔

تھوڑے دنوں بعد (فروری ۱۸۴۷ء) قلمدان وزارت مل گیا اور قطب الدولہ ہوگیا۔ قطب الدولہ کی کوٹھی اب بھی بریلی میں مشہور ہے اور لاکھوں روپیہ کی جائداد باقی چھوڑی۔ اسی زمانہ

[1] نازونیاز جلد دوم صفحہ ۶۱
[2] نازونیاز جلد دوم صفحہ ۵۹
[3] نازونیاز جلد اول صفحہ ۵۸

عروج میں قطب الدولہ نے یہ غزل لکھ کر بھیجی تھی۔ جس کو حضرت نیاز بے نیاز نے پسند فرمایا۔

سزد آنکہ دم زنم زکمال فرشاہی ۔۔۔ کہ کمینۂ نیازم بہ غلامیش مباہی

فرمایا کہ یہ شعر قطب الدولہ کی ایک غزل کا ہے جو اس نے جناب قبلہ و کعبہ کی اس غزل پر لکھی تھی۔

سزد آنکہ دم زنم من زکمال کبریائی ۔۔۔ کہ سوائے حق نہ بینم بوجود فی قبائی [1]

اس روایت کے سننے میں خلیفہ صاحب کو تسامح ہوا ہے۔ حضرت قبلہ کا وصال ۱۰ اکتوبر ۱۸۳۴ء کو ہوا ہے اسکے بارہ سال چار ماہ اور چار روز بعد واجد علی شاہ بادشاہ ہوئے اور جشن تاج پوشی کے دوسرے دن قطب الدولہ کو خطابات و منصب عطا ہوا ہے۔ ممکن ہے یہ شعر مختار الدولہ کے دربار میں پہنچنے کے بعد لکھا ہو۔

اب ان کی لکھی ہوئی منقبتوں کے چند اشعار نقل کیے جا رہے ہیں۔

در مدح شاہ جیلانی

بنہہ از سر قدم، در راہ مدح شاہ جیلانی ۔۔۔ کہ ذاتش منبع فیض است، در اقلیم عرفانی

امیرے چارہ سازے، دستگیرے بے سروپایاں ۔۔۔ انیس خاطر محزون، ظہور لطف یزدانی

بہ رفعتہائے شانش، نسبت گردوں چسان زیبد ۔۔۔ کہ باشد بر در او نام زد بر کاسہ گردانی

بلیغا! گر شوی ہر کام خود فائز عجب نبود ۔۔۔ کہ ہستی از تہ باطن، غلام غوث صمدانی

در مدح خواجہ معین الدین حسن چشتی

نہادم سر، بخاک آستان فیض بنیانی ۔۔۔ معین الدین حسن چشتی، ظہیر دین و ایمانی

معلی بارگاہے، سرفرازے عالم آرائے ۔۔۔ شہ عالی جنابے، تاج دار، ملک عرفانی

مرید خاص خود را ہم صلائے عام فرمائی ۔۔۔ کہ از فیض تو مملواست عالم را تہی خوانی

بلیغت از تو شاہا! ایک نگاہ آرزو دارد ۔۔۔ کہ بیماران حرماں را نگاہ تست درمانی

[1] ناز و نیاز جلد دوم صفحہ ۶۰۔۵۹

از شجرۂ چشتیہ منظومہ قطب الدولہ

سرورِ انبیائے روئے زمیں — تاج کرّ و بیاں عرش بریں
نورِ پیشین و ہم پسیں باشد — شانِ او ختم المرسلین باشد
خواجہ سروراں، معین الدین — ہادی انس وجاں، معین الدین
انتخابِ زنسخۂ واسلام — راہ حق را دلیل و عرش مقام
سید اتقیاء است فخر الدین — زبدۂ اصفیاء است فخر الدین
ہیکل گردن اولالباب — حرز بازو جان شیخ و شاب
مرشد ما نیاز احمد پاک — لولوء رمز و فقر را حکاک
پے زعرفان حق، مسلم اوست — قطب عالم مدار اعظم اوست
جلوہ فرمائے منزل عرفاں است — شمع افروز محفل عرفاں است
طالباں جوق جوق، از درِ او — بہرہ ہامی برند در ہرسو

در مدح نظام الدین ثانی

ذات پاک، نظام الدین ثانی — عاشق خاص غوث صمدانی
برمسند یقیں زیبد — سر انگشتری نگیں زیبد
وزد امارہ زد بضاعت من — کرد تاراج نقد طاعت من
توشۂ نے کہ زاد راہ برم — طاعتے نے کہ پیش گاہ برم
بر درت آمدم، بسے دل گیر — دست من گیر و عذر من بہ پذیر
گرچہ من بندۂ ذلیل توام — لیک خاک درِ جلیل توام
گرد عصیاں و ذلتم یک بار — بنشاں، از سحاب رحمت بار
بہرہ دہ، زباغ رضوانم — منگر برگناہ عصیانم [1]

---

[1] مخطوطہ از قلم قطب الدولہ بہادر مخزونہ کتب خانہ راقم

باب پنجم

صفہ وخانقاہ

خانقاہ مشائخ کی مساعی جمیلہ کا مرکز ہوتی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اصل نوعیت سامنے آجائے۔ علم وعرفان کے دو مرکز ہیں۔ مسجد وصفہ۔ یعنی مدرسہ خانقاہ۔

زہے مدرسہ وخانقاہے کہ دروے بود قیل وقال محمد

یہ فکری وعملی تربیت کے ناگزیر مقام ومحل ہیں جس طرح دل ودماغ۔ ظاہری علوم شریعت، حدود اللہ، حقوق اللہ اور حقوق العباد لیکن ان کے اندر اگر خلوص اور روح کار فرما نہ ہو تو محض پہاڑے اور فارمولوں سے زیادہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یہی علوم جب اہل دل اور اہل نظر پڑھاتے ہیں تو کیفیت ہی دوسری ہوتی ہے اور ان کے سامنے وہی موہنی صورت گھومتی رہتی ہے۔ جس سے رب کو پیار ہے۔ ورنہ تن بے روح ہے اسے جس طرح اور جس طرف چاہو بلاتے رہو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ جس طرح قیل وقال کے مدرسہ میں الف، با، تا، ثا کی تختی پڑھائی جاتی ہے بالکل اسی طرح حال کے مدرسے بھی الف با تا ثا سے ہی شروعات ہوتی ہے لیکن اس تختی کا ہر ہر حروف اپنے اندر انتہا لئے ہوئے ہوتا ہے۔

مدرسہ میں عاشقوں کے جس کی بسم اللہ ہو اس کا پہلا ہی سبق یارو! فنا فی اللہ ہو

حضرت ابن عباس حضور آقا ومولا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

وقف رسول الله صلى الله عليه وسلم على اصحاب الصفه فراى فقرهم وجدهم وطيب قلوبهم فقال يا اصحاب الصفه فمن بقى من امتى على النعت الذى	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ کے پاس کھڑے ہوکر۔ ان کی مفلسی، مجاہدہ اور اس حالت میں دلوں کی خوشی دیکھی تو فرمایا اے اصحاب صفہ! تمہیں بشارت ہے۔ پس جو شخص میری امت میں سے اس صفت پر باقی رہے گا

انتم علیه راضیا بما فیه فانه ومن رفقای فی الجنة[1]

جس طرح تم راضی ہو تو وہ جنت میں میرے رفیقوں میں سے ہوگا۔

علتی گیرد اگر علت شود
ملتی گیرد اگر ملت شود

"اگر (روحانی) مریض کسی شے کو چھولیتا ہے تو وہ شے بھی (اس کے مرض کے جراثیم لگ جانے کی وجہ سے) خود بیماری بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس ملتی کے لمس (کی برکت سے) وہ شے خود ملت بن جاتی ہے۔)"

ایسے حضرات کے درس کی بدولت طالب علم کے قلب ونظر میں وہی موہنی صورت سمائی رہتی ہے جس سے رب کو پیار ہے۔ ورنہ ایسی شریعت بے روح جسم ہے۔

کل حزب بما لدیھم فرحون

ہر طبقہ نے اسے اپنا سامان تفریح بنالیا ہے۔

ع۔ چوند یدند حقیقت، رہ افسانہ زدند

جب انہیں حقیقت نظر نہیں آئی تو داستان سرائی کو اپنا مسلک و مذہب بنالیا۔

انہیں علماء سوء کی خام کاریوں اور اپنے خانہ ساز مسلکوں کی بدولت ملت اسلامیہ تہتر فرقوں میں بٹ گئی اور اس کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کب تک قیل وقال کے چکر میں پڑا رہیگا اس کی کوئی انتہا بھی ہونا چاہیے۔

ع۔ دریں تعلیم شد عمر و ہنوز ابجد ہمی خوانم

(اسی تعلیم میں میری ساری عمر گزر گئی لیکن اب بھی (اب ج د) ہی پڑھے جا رہا ہوں)

قال را بگذار مرد حال شو

(قال کے گورکھ دھندے کو چھوڑ کر مرد حال بن جا)

مردِ حال بننے کیلئے صاحب حال کو تلاش کرنا ہوگا

ع۔ بوسہ زن بر آستانے کاملے

لیکن اس تلاش وتجسس میں بے حد احتیاط لازم ہے

[1] کشف المحجوب باب ۹ صفحہ ۱۳۱ اردو ترجمہ

چوں بسے ابلیس روئے آدم ہست　　　　پس بہر دستے، بناید دست

(چونکہ اکثر انسانی شکل میں ابلیس ہوا کرتا ہے، لہٰذا ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیے)

جب ایسی ہستی میسر آ جائے تو:

واصبر نفسک مع الذین	مفہوم: جو لوگ شب و روز اپنے رب کی یاد میں
یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی	مشغول ہیں اور ذات مولا کے طالب ہیں ان کی معیت
یریدون وجھه ولا تعد عینک	وہم نشینی میں اپنے نفس کو مجبور کرو۔ تمہاری نظر ان (کے
عنھم ترید زینة الحیوة الدنیا و	چہروں پر) سے نہ ہٹنے پائے کہ اپنے دنیوی ساز و
لا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکر	سامان کی وجہ سے انہیں چھوڑ دو اور دیکھو اس کا حکم مت
نا واتبع ھو وکان امره فرطا	ماننا جس کا دل میری یاد سے غافل ہو۔ اپنی خواہشوں
پ۱۵ ع ۴/۳ ،۲۸ الکہف ۱۸	کے پیچھے پڑ کر اس کی دنیاداری حد سے بڑھ گئی ہو۔

وہاں زبان کے بجائے چشم و ابرو سے درس ہوتا ہے چہرے کے تاثرات سے درس روحانی کے اسباق تمام ہوتے ہیں۔ حضور محبوب الٰہی کا ارشاد ہے۔

کلا منا اشارۃ فاذا صار عبارۃ صار جفا![1]

ہمارا کلام اشارے میں ہوتا ہے جو کہ بے پناہ موثر ہوتا ہے اور جب یہی بات لفظوں اور عبارت میں نقل کی جاتی ہے اس کی وہ دل کش رعنائی و زیبائی باقی نہیں رہتی ہے، اور اتنی موٴثر بھی نہیں رہتی، بلکہ غیر جاذب اور خشک سی لگنے لگتی ہے

معنی خانقاہ:

حضرت مخدوم نصیر الدین محمودؒ چراغ دہلی فرماتے ہیں لفظ خانقاہ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ خان + قاہ۔ خان بہ معنی مکان و کارواں سرائے اور قاہ بہ معنی عبادت اور دعا، سرعت الاجابت (فوری قبولیت) یعنی عبادت کا گھر لہٰذا لازماً وہاں عبادت کی جانی چاہیے تاکہ وہاں دعا میں قبولیت بھی تیزی کے ساتھ ہو۔[2]

[1] احسن الاقوال صفحہ ۲۱　　[2] خیر المجالس۔ فارسی صفحہ ۲۳۸

خانقاہ میں ایسے لوگ ہوتے ہیں ۔جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنی مراد بنالیا ہے وہ کمانے کھانے، دنیا کی لذتوں سے کنارہ کش ہو کر مگن ہو گئے ہیں۔آداب خانقاہ صوفیہ کے روزانہ کا معمول ہے۔خانقاہ ان کا گھر اور خیمہ ہوتا ہے۔اسی وجہ سے وہ اصحاب صفہ سے مشابہ ہیں جیسا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل ہے۔

''جب کوئی مسلمان مدینہ منورہ آتا تھا اور وہاں اس کی جان پہچان کا آدمی ہوتا تو اسی کے گھر ٹھہرتا اور اگر کوئی ایسا نہ ہوتا وہ اہل صفہ کے ساتھ قیام کرتا۔میں نے بھی انہیں میں قیام کیا تھا''

اہل خانقاہ

خانقاہی لوگوں میں آپس میں بہت میل جول ہوتا ہے وہ صرف ایک ہی مقصد کے تحت جمع ہو کر کام کرتے ہیں ان میں آپس میں ایسا جوڑ اور لگاؤ ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں جنتیوں کے بارے میں فرمایا گیا۔

''ہم نے ان کے سینوں سے دشمنی اور کینہ کو دور کر دیا۔وہ بھائی بھائی بن کر آمنے سامنے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔'' ونزعنا مافی صدورھم من غلّ اخوانا علی سُرر متقبلین پ۱۴/الحجر ۴۶

اس کے برعکس اگر بھائی کا دل صاف نہ ہو اور منہ اس کی طرف ہو تو ایسا ہونا بیکار ہے۔دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے جب دنیا سے الگ تھلگ ہو گئے تو حسد اور جلن بھی جاتے رہے۔یہی حال خانقاہ نشینوں کا ہے وہ آپس میں محبت کے ساتھ جیتے ہیں اور ایک ساتھ بیٹھ کر بات چیت کرتے ہیں۔ساتھ بیٹھ کر کھاتے پیتے ہیں اور اکٹھے ہو کر میل جول کی برکت کو جانتے ہیں۔

گوشہ تنہائی:

چونکہ عام لوگوں کے ساتھ رہنے سے ان پر بلائیں نازل ہوتی تھیں ان کے ساتھ رہنے سے نفسانی خواہشات میں مبتلا ہو کر بے کار باتوں میں سوچ بچار کرتے تھے اس لئے انہوں نے اپنی بھلائی گوشہ تنہائی میں دیکھی۔جب انہوں نے اپنے اندر کی روحانی طاقت کے ذریعہ برائیاں دور کر دیں تو انہوں نے اپنے جماعت خانوں اور خانقاہوں کے دروازے عام لوگوں کے لئے کھول دیے۔

خانقاہی زندگی:

خانقاہ میں ا۔ جوان ،۲ پختہ عمر کے ،۳ بوڑھے ،۴۔ خدمت گار ،۵۔ اور خلوت نشین سب طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان میں بوڑھے گوشہ نشینی کو پسند کرتے ہیں کیوں کہ ان کا مزاج نیند آرام اور اپنے اٹھنے بیٹھنے کی آزادی کا زیادہ طالب ہوتا ہے اور اسی وجہ سے وہ تنہائی اور آرام چاہتا ہے۔

نوجوانوں کا خانقاہ میں رہنے سے دم گھٹتا ہے۔ وہ دوسروں کی نظروں میں رہنے کی وجہ سے مؤدب تو ہو جاتا ہے لیکن اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ جب تک اپنے اوقات کی پابندی نہ کرے تربیت اور ضبط نفس کا خاص اہتمام نہ کرے، یہاں رہنے کا مطلب ہی صرف رب سے لولگانا ہے۔ شیخ کی روحانیت اہل خانقاہ کی تربیت اور ان کے ضبط اوقات میں اکسیر اعظم کا کام کرتی ہے۔ ایسی صورت میں ضبط نفس کا سبق اہل خانقاہ کے مزاج میں رچ بس جاتا ہے۔

حضرت علامہ میکش اکبرآبادی تحریر فرماتے ہیں:

''خواجگان چشت کے حالات واقوال سے جو اس سلسلے کی نمایاں خصوصیات ثابت ہوتی ہیں وہ یوں ہیں: ''عشق الٰہی اور سوز و گداز۔ مرشد کے ساتھ محبت کی غیر معمولی اہمیت، انسان دوستی، خدمت خلق اور دلنوازی و دلداری، غیر مذاہب کے ساتھ رواداری اور شفقت حکومت اور بادشاہوں سے بے تعلقی اور ان سے دور رہنا''

مرشد سے بے پناہ محبت کی وجہ سے مرید مرشد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور فنافی الشیخ ہو جاتا ہے۔ اس کی یہ فنا مرشد کے ساتھ بے پناہ محبت ہی ہے جو سالک میں سوز گداز اور اندرے جوالا مکھی کی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ یہ کیفیت ہی اسے اپنے پیر و مرشد میں فنا کی جانب لے جاتی ہے۔ پیر و مرشد کی خدمت ان سے عشق حقیقت میں فنا کی منزل ہے جہاں سالک کے ہونٹوں سے اندر کی گونج باہر سنائی دینے لگتی ہے۔

ع تورا رنگ مورے من بھایو

رنگ کا بھا جانا اس کی محبت میں ڈوب جانا ہے۔ آگے چل کر سالک اس کے رنگ پر ریجھ جاتا ہے اور اپنے آپ اس کے ہاؤ بھاؤ سے انگ انگ سے یہی صدا سنائی دیتی ہے۔

میں تورے رنگ رجھوا　　　میں تورے رنگ رجھوا

پیر کی محبت ابتدا میں ٹھہرے ہوئے پانی میں ڈھیلا پھینکنے کی سی ہے۔ ڈھیلا پھینکتے ہی تالاب میں ایک چھوٹی سی لہر پیدا ہوتی ہے اور پھر دوسری بڑی لہریں، یہاں تک کہ پورے تالاب میں آخری سرے تک لہریں چھا جاتی ہیں اور ڈھیلے کا وجود ان لہروں میں غائب ہو جاتا ہے۔ یہی حالت سالک کی ہو جاتی ہے

ع　　　درنسبت خود باشما، دریا و موج آساستم

یکے سوئے خالق یکے سوئے خلق:

پیر کی محبت میں دو سمتیں پیدا ہوتی ہیں۔ یکے سوئے خالق یکے سوئے خلق۔ ادھر وہ اپنے رب سے لو لگاتا ہے، ادھر اس کی بنائی ہوئی مخلوق سے پیار اور ان کی سیوا میں مگن ہو جاتا ہے۔ اللہ کے بندوں سے محبت ان کی خدمت ان کی دل داری اور دل نوازی اس کا دین دھرم ہو جاتا ہے۔ وہ لوگوں کی بپتائیں سنتا ہے، ان کے ساتھ ساتھ آنسو بہاتا ہے اس کے گرم گرم آنسو دکھ کے ماروں کے زخموں پر ٹھنڈے پھایوں کا کام کرتے ہیں۔ وہ دکھ کے ماروں کا دکھ بانٹ لیتا ہے، ان میں شریک ہوتا ہے۔ دل سے اٹھتے جذبات دعاؤں کا روپ دھار لیتے ہیں۔ دعاؤں کے لئے ہلتے ہونٹ رب العالمین کے تخت کو ہلا دیتے ہیں۔ اس کی دعائیں نشانے پر بیٹھتی ہیں۔ رب فرماتا ہے، مجھے بھی اپنے عظمت و جلال کی قسم ہے۔ میں وہی کروں گا جو میرے بندے کی خواہش ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بُود　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بُوَد

(اس کا کہا ہوا اللہ کا کہا ہوا بن جاتا ہے، اگرچہ بندے کے منہ کی آواز ہوتی ہے)

اصل میں اسکی فنا، فنا فی الرسولؐ اور فنا فی اللہ ہے۔ وہ اسی نقطے سے ایسی رہنمائی حاصل کرتا ہے جہاں زمان و مکان کی قیدیں ٹوٹ جاتی ہیں اور حسن جاناں ہر شے میں جلوہ گر نظر آنے لگتا ہے پھر کوئی شے زبوں دکھائی نہیں دیتی۔ حضرت بابا فرید گنج شکر کے الفاظ میں۔

فریدا! خالق میں خلق میں　　خلق وسے رب ماہ

مندا کس نوں آکھیئے　　جانس بن کوئی ناہ

من وتوا کٹھے جہاں ہوں ہوس وہاں کہاں ہوں
جو دوئی کے تھے لازم سو رہائی ان سے پائی

وہ ہر مذہب وملت کے لوگوں سے پیار کرتا ہے۔ وہ اپنے رب کے سبھی بندوں سے پیار کرتا ہے۔ وہ اس کی سچی محبت کے سہارے اس کی بنائی ہوئی ہر چیز سے اٹوٹ پیار کرتا ہے۔ خصوصاً انسان سے چاہے وہ کسی ملک ورنگ کا ہو۔ دین دار ہو یا بے دین۔ نیک ہو یا بد۔ مفلس ہو یا مال دار۔ اس کے عشق میں والہانہ سرمستی پیدا ہی نہیں ہوسکتی جب تک وہ بنا بھید بھاؤ کے اپنے مالک کی بنائی ہوئی ہر شے سے بے حد محبت نہ کرے۔ وہ اپنے رب کے عشق میں ڈوبا ہوا اور انسانوں کے غموں میں دکھی رہتا ہے[1]

خدمت خلق:

خانقاہ میں نو وارد نے چوں کہ علم کا مزہ نہیں چکھا ہے اور روحانیت کے اعلیٰ درجوں پر بھی نہیں ہے اسے چاہیے کہ وہ خانقاہ نشینوں کی خدمت کرے اس کی یہ خدمت ہی اس کی لو، لگن اور ریاضت میں شمار ہوگی۔ اس طرح وہ انتھک خدمت کرنے سے اللہ والوں کا دل جیت لے گا۔ ان گوشہ نشینوں کی دعاؤں کا مستحق ہو جائے گا۔

مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ ہر ایک دوسرے سے اپنی کچھ ضرورتیں پوری کرنا چاہتے ہیں۔ جو کوئی بھائی کسی بھائی کی ضرورت پوری کرے گا تو خدا بھی قیامت کے دن اس کی ضرورت پوری کرے گا۔

خدمتی بھائی اپنی خدمت کی بدولت بے کاری کے عذاب سے محفوظ رہے گا جو دلوں کو مردہ کرتی ہے، خدمت بھی ایک نیک کام ہے اور روحانیت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ جس کی بدولت انسان میں اوصاف حمیدہ اور خصائل حسنہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر اس شخص سے خدمت نہ لی جائے جو ان کا اپنا نہ ہو۔

---

[1] حضرت بابا فرید علیہ الرحمۃ کی انسانی تعلیمات۔ مقالہ راقم صفحہ ۵۔۲

نا اہلوں سے پرہیز:

نا اہلوں کو منہ نہ لگایا جائے۔ان سے خانقاہی ماحول خراب ہوتا ہے۔ان لوگوں سے اکثر وبیشتر ایسے کام بھی ہو سکتے ہیں جو دوسرے لوگوں میں ناپسندیدگی، بدنامی اور رسوائی کا سبب ہوں۔ ایسی صورت میں نا اہلوں سے پرہیز، اللہ کے نیک اور بھولے بندوں پر رحم اور شفقت ہے۔

خدمت کا اجر:

جب نوجوان سالک ان اللہ والوں کی خدمت کرتا ہے تو وہ بھی ان کے مراتب میں شریک ہوجاتا ہے۔اس طرح مقربین بارگاہ الٰہی کی خدمت کرنا، خدا سے محبت کی نشانی ہے۔حضرات اہل صفہؓ بھی نیکی اور تقویٰ کی بنا پر ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔مذہبی معاملات اور اپنے بھائیوں کی جان و مال سے مدد کرنے کے لئے مل جل کر کام کرتے تھے۔

منشائے تعمیر خانقاہ:

صاحب مصباح الہدایت شیخ اعزالدین محمود علی کاشیؒ نے کتنے عمدہ اور مناسب الفاظ میں تعمیر خانقاہ کا منشا بیان کیا ہے:

''بناء خانقاہ بر صنعتے کہ اصل وضع اوست، زینتے است از زینت ہائے اسلام''[1]

''اس قسم کی خانقاہوں کی بنیاد ایسے انداز پر رکھی گئی ہے جو کہ ملت اسلامیہ کی زینتوں میں سے ایک زینت ہے۔''

یہ حقیقت واقعہ ہے کہ یہی خانقاہ ہیں خالص اسلامی تہذیب وتمدن کا گہوارہ تھیں جہاں سے پورا معاشرہ نشو ونما پاتا تھا۔ایسی ہی عظمتوں والی خانقاہ حضرت شاہ نیاز بے نیاز کی خانقاہ ہے۔

---

[1] بحوالہ تاریخ مشائخ چشت قدیم ایڈیشن صفحہ ۲۶۵

مطلع انوار سبحانی

خانقاہ نیازیہ

بارگاہ وے معدن فیوض ربانی، خانقاہ وے مطلع انوار سبحانی، صد ہا مہجوران بوسیلۂ جمیلہ بقرب الٰہی و بے خبراں بہ مراتب آ گاہی رسید ند طالبان حق را بہ حق رسانیدے، اسپ شوق در میدان عشق دوانیدے۔

''آپ کی بارگاہ معدن فیوض ربانی اور خانقاہ مطلع انوار سبحانی ہے۔ ہزار و ہزار مہجور آپ کے وسیلۂ جمیلہ کی بدولت قرب الٰہی اور بے خبر لوگ مراتب آ گاہی و عرفان کو پہنچ گئے۔ طالبان حق کو حق تک پہنچا دیتے اسپ شوق میدان عشق میں دوڑاتے۔''

صاحب خانقاہ اور اہالیان خانقاہ کے مثالی کردار کی عظمت کا یہ اثر ہے کہ بقول مفتی غلام سرور:

بے شمار مخلوق بہ حلقۂ وے در آمد مردمان از اقالیم دور و دراز یعنی از کابل قندھار و شیراز و بدخشاں بدخدمت وے حاضر آمدہ مستفید و مستفیض شدند۔

بے گنتی، بے شمار مخلوق آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل تھی لوگ دور دراز ملکوں یعنی کابل قندھار، شیراز و بدخشان سے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کر رہے تھے۔ اور فیض پا رہے تھے۔

آپ کی خانقاہ کا دروازہ بے امتیاز مذہب و ملت ہر شخص کے لئے کھلا ہوا تھا۔ خانقاہ فیض کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھا۔ خانقاہ کے فیضان کا یہ عالم تھا کہ بقول خود:

خانقاہ چشت میں جس نے پہلا قدم رکھا دوسرا اس کا قدم پھر عرش کے بالا پڑا

پھر رہے ہیں، ہر گلی کوچے میں، از خود رفتگان
عشق کی یاں سلطنت ہے، بے خودی کا دور ہے

خانقاہ عالم پناہ:

چنانچہ اس وقت افق عرفان، آپ کے نجوم ہدایت وشموس ولایت سے منور ہورہا تھا۔ ان میں کوئی سراج السالکین تھا تو کوئی امام السالکین، کوئی شمس الاولیاء تھا کوئی تاج الاولیاء۔ تمام نظام روحانی وعرفانی آپ کے تحت تصرف میں تھا۔ چہار سمت عالم اس خانقاہ عالیہ سے منور ہورہا تھا۔ ہر طبقے اور ملت و مذہب کے لوگ حاضر ہورہے ہیں اور اپنی جھولیاں مرادوں سے بھر بھر کر لے جارہے ہیں۔ ان میں ہندو مسلمان، عیسائی، پارسی، عالم، جاہل، فاسق وفاجر، عابد وزاہد، عام خاص، امیر، امراء، مالدار، غریب، فقیر رذیل شریف کسی کی کوئی قید نہیں ہے۔ خانقاہ میں ہر وقت ارادت مندوں کا میلہ لگا ہوا ہے۔ اس کا تو نام ہی خانقاہ عالم پناہ ہے۔ جو بھی آ گیا رنگ گیا۔ پورے سماج میں انہیں کا بول بالا ہے آپ نے نظام خانقاہی کا ایسا احیا کیا تھا کہ صوبہ سرحد سے لے کر ترکی تک کے علاقے آپ کے خلفا کی تبلیغی جدوجہد کی وجہ سے مرکز سے وابستہ تھے۔ ان کی للّٰہیت اور روحانیت میں ایسی کشش اور جاذبیت تھی کہ خانقاہ میں آنے والا شخص متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتا۔ آنے والے پر ایسی ربودگی طاری ہوتی تھی کہ دنیا کی لذتوں سے دل سرد ہو جاتا۔ یہ کیفیت دوامی تھی کہ۔

سخت مشکل ہے دلا! اس کا پھر آنا اس طرف
وہ نہ، ان مُردوں میں ہے، جن کو، مسیحا لے جلا

وہاں پہنچتے ہی "طلسم عالم" کے دھوکے کا علم حق الیقین تک پہنچ جاتا اور وہ اچھی طرح سمجھ لیتا ہے کہ اس کے علاوہ۔

جو کچھ سنا تھا سو ہے فسانہ　　　جو کچھ کہ دیکھا سو خواب دیکھا

یہ خانقاہ زبان حال سے گویا ہے۔

فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

(تم میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ (پھر گویا) میری جنت میں داخل ہو جاؤ گے)

بڑے سے بڑے فاسق وفاجر اور جرائم پیشہ آرہے ہیں اور تائب ہو کر روحانیت کے مدارج

اقصی پر فائز ہو رہے ہیں۔ سیکڑوں نہیں ہزاروں آپ کی بدولت ربقۂ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

طریقہ تعلیم:

حضرت قبلہ کا طریقہ تعلیم یہ ہے کہ سلسلہ عالیہ قادریہ کے اذکار، چشتیہ کے مراقبات، نقشبندیہ قدیمہ کے لطائف عشرہ، نقشبندیہ مجددیہ کے لطائف ستہ، سہروردیہ کے وظائف واوراد، اور غیر مسلم طالب وسالک کو بھی اسی فیاضی کے ساتھ قبول فرما رہے ہیں۔ اوران کو یوگ آسنوں کی تعلیم ہو رہی ہے۔ حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادیؒ کی ہدایت ہے۔

اگر مرید عجمی باشد بہر زباں کہ داشتہ باشد تلقین بفرمایند۔ کشکول کلیمی

''اگر مرید عجمی ہوتو اس کی زبان میں تلقین فرمائیں۔''

عشق را با کافر و مومن نباشد احتیاج — ایں سخن بر مسجد و بت خانہ می باید نوشت

(عشق کو کافر اور مومن (نام) کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قول فیصل مسجد اور بت خانہ پر لکھ دینا چاہیے۔)

یہ وہ لائحہ عمل ہے جو برابر خواجگان چشت کے ذریعہ سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ چنانچہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے پنجابی کے ملتانی لہجے سرائے کی میں ذکر تعلیم فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ بھی غیر مسلم مریدین کو قرآنی اذکار کے بجائے ہم معنی جوگیہ تعلیمات اور اسلامی طریقۂ نشست کے بجائے یوگ کے آسنوں کی تعلیم فرماتے۔ آپ سے قبل آپ کے عظیم شیوخ میں سے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ الغفر ان نے لطائف ستہ (چھ لطیفے) یا کھٹ چکر یا کھٹ کنول بھی اسی غرض سے اختیار فرمائے تھے۔

دار و مدار مجددیہ۔ لطائف ستہ

تذکرہ وغوثیہ حضرت غوث علی شاہ قلندر کی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔ گل حسن شاہ صاحب نے مرتب فرمایا ہے۔ اس میں صراحت کی گئی ہے کہ سید غوث علی شاہ قلندر نے متعدد مسلمان اور ہندو صوفیوں سے بیعت کی اور طریقت کی تعلیم حاصل کی ان کا ارشاد ہے۔

''دار و مدار خاندان نقشبندیہ (مجددیہ) کا لطائف ستہ (چھ لطائف) پر ہے''

اس کے بعد لطائف کی ترتیب اور محل وقوع اور نام تحریر کر کے فرماتے ہیں۔

''اور یہ لطائف ستہ، سنیاس مت میں بھی ہیں، کھٹ کنول، کھٹ چکر بطریق یوگ یہ ہیں۔''

ا۔ نابھ کنول، ۲۔ من کنول، ۳۔ ہردے کنول، ۴۔ بھرکٹی، ۵ ترکٹی، ۶۔ بھونر گپھا۔

ستیہ ارتھ پرکاش میں ہے کہ جین مت جوہروں سے عالم کی ترکیب کا قائل ہے۔[1]

آپ کے طلبا کی ریاضت کا یہ حال تھا کہ دن کو ایک وقت کھانا کھاتے اور شب کو چائے پر گزارتے۔ روزانہ اپنے اپنے شغل میں شام سے بیٹھتے تو صبح کر دیتے۔ بعد وصال جناب قبلہ کے حضرت تاج الاولیاء کے زمانے میں بھی (حضرت) مولوی عبید اللہ صاحب کے زمانہ (۱۲۸۲ھ, ۱۸۶۵ء) تک طلبا کی یہی حالت رہی۔ جب کسی کو غفلت ہوئی یا کوئی بغیر خیال کے ویسے ہی بیٹھا ہوتا تو مولوی صاحب مغفور نے (جن کے ذمہ یہ کام تھا) آکر ڈانٹ بتاتے اور متنبہ کر کے اپنے کام میں لگا دیتے تھے۔[2]

ذکر جہر جنگل میں:

ذکر جہر کے طلبا کو حضور قبلہ کا حکم تھا کہ شہر کے باہر جا کر ذکر کیا کریں۔ ایک روز ان سب میں مشورہ ہوا کہ اس قدر دور جانا کیا ضرور ہے (قریب کے باغ) میں بیٹھ کر ذکر کرنا چاہیے۔ چنانچہ اس باغ میں جا کر دو تین روز انہوں نے ذکر کیا ان کے ذکر سے باغ کی یہ حالت ہوئی کہ اس کے پتے اور میوے خشک ہونے لگے۔ مالی نے یہ حالت دیکھ کر مالک سے عرض کیا...... مالک نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کوئی ارضی وسماوی وجہ تو معلوم نہیں ہوتی۔ البتہ دو تین روز سے میاں صاحب کی خانقاہ کے آدمی رات کو ''کوکا'' کرتے ہیں۔ مالک باغ نے جناب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کے طلبا نے میرے باغ کو اجاڑ دیا۔ آپ کو یہ خیال ہوا کہ اس کے باغ سے میوہ توڑا ہوگا۔ اس نے ساری کیفیت بیان کی اس وقت جناب قبلہ نے ان طلباء کو بلا کر فرمایا کہ میں جو تم کو ذکر کرنے کے لئے جنگل بھیجا کرتا ہوں تو کیا خانقاہ میں جگہ نہیں ہے؟ میں جو تم کو بھیجتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے ذکر کے اثر سے شہر ویران ہو جاتا۔ اس مصلحت سے وہاں بھیجتا

---

[1] تذکرہ غوثیہ مطبوعہ جوہر ہند صفحہ ۱۵۲-۱۴۶
[2] نقد اقبال پہلا ایڈیشن ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۷۹

ہوں اور تم لوگوں نے ان کے باغ میں ذکر کر کے اس باغ کو ویران کر دیا۔ آئندہ ایسی باتوں سے احتیاط چاہئے۔ یہ واقعہ مبتدی حضرات کے ذکر جہر کا ہے۔

یہ چار قسم کے سالک ہوتے ہیں جو آخر کو پارس بن کر نکلتے تھے۔

۱۔ مبتدی	ذکر جہر
۲۔ متوسط	ذکر خفی
۳۔ بین البین	مراقبہ
۴۔ منتہی	مشاہد

اسی سے ملتا جلتا واقعہ حضرت خلیفہ یار محمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ آپ رات دن اپنے شغل میں مستغرق رہتے تھے۔ اس قدر غلبہ حرارت عشقی کا ہو گیا کہ جو کوئی پاس سے نکلتا اس کو آگ کی سی لپٹ محسوس ہوتی تھی۔ حضرت نیاز بے نیاز کا ایک مالی حاضر خدمت ہوا اور ایک روز کی رخصت چاہی نیز یہ کہ ایک خادم رات میں رہ کر باغ کی حفاظت کرے۔ آپ نے فرمایا جسے تو پسند کرے ساتھ لے جا۔ اس نے آپ کو شب بیدار دیکھ کر پسند کیا ہے۔ یہ رات بھر اس باغ میں رہے، صبح کو واپسی پر مالی نے سب باغ جلا دیکھا۔ روتا پیٹتا حضرت کی خدمت میں آیا۔ آپ نے فرمایا ہم کیا کریں تو خود اپنی پسند سے ایسے شخص کو لے کر گیا تھا جس کی گرمی سے باغ جل گیا۔[1]

گیندے کے پیڑ کو خشک کرنا:

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ جب نیاز بے نیاز نے طلباء کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ کوئی ایسا ہے جو گیندے کے پیڑ کو خشک کر دے۔ شاہ جی شرف الدین صاحب ردولوی نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں اس عمل کو کروں آپ نے حکم دیا انہوں نے اپنی توجہ سے اس درخت کو خشک کر دیا۔

دوبارہ سبز ہونا:

دو ایک روز بعد پھر آپ نے خطاب کیا کوئی ایسا ہے کہ اس درخت خشک کو پھر ہرا کر دے۔

[1] ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۲۳

مرزا اسداللہ بیگ صاحب نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں اس عمل کو کروں چنانچہ ان کی نظر پر تاثیر سے وہ درخت خشک سرسبز ہو گیا۔[1]

سلب مرض:

ایک افغانی مرید کے سلب مرض کا واقعہ بھی صاحب کرامات نظامیہ نے نقل کیا ہے۔ موصوف نے حضرت قبلہ کے حکم کے مطابق مریض کے پلنگ کے برابر پلنگ پر لیٹ کر اپنے اندر مرض سلب کر لیا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت نیاز بے نیاز حسب استدعا چودھری بسنت رائے (م ۱۲۵۴ھ/۱۸۷۳ء) ان کے مکان پر تشریف لے گئے ایک شخص ان کے عزیزوں میں سے استسقاء کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اس کی صورت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ قرب المرگ ہے۔ حضرت نیاز بے نیاز نے اس کی حالت دیکھ کر اپنے ہمرائیوں میں سے ایک ولایتی سے کہا کہ اس کی چارپائی کے برابر لیٹ جا۔ موافق حکم کے وہ اس کے برابر جا لیٹا۔ بعد لیٹنے کے اس کا پیٹ اور جسم پھولنے لگا اور مریض اچھا اور چنگا ہو گیا۔ اس نے کھانا طلب کیا۔ معلوم ہوا جو کھانا مریض کے لئے پکتا تھا وہ ابھی تیار نہیں ہوا ہے۔ جناب قبلہ نے فرمایا کہ رسوئی میں جو کچھ تیار ہو اس کو کھلاؤ۔ ترکاری آلو کی اور روٹی اس کے سامنے رکھی گئی اس نے خوب سیر ہو کر کھایا اور آپ مکان پر تشریف لائے اور چودھری صاحب سے کہہ آئے کہ اس ولایتی کو ہمارے یہاں پہنچا دو۔ انہوں نے اس ولایتی کو چارپائی پر لیٹا کر خانقاہ شریف پہنچا دیا۔

خانقاہ میں آ کر دو ایک روز بعد وہ ولایتی بھی اچھا ہو گیا۔[2]

بیعت قادریہ

حسب معمول پورے اہتمام کے ساتھ مع قافلہ مریدین وخلفاء حضرت شاہ شاہان کے ۴۲ ویں سالانہ عرس مبارک (مورخہ چہار شنبہ ۱۲ رذیقعدہ ۱۱۸۴ھ/ ۲۷ رفروری ۱۷۷۱ء) میں آپ کی حاضری ہوئی۔

---

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۲۵ [2] کرامات نظامیہ صفحہ ۳

عرس شریف کی تقریبات سے فرصت پا کر کئی روز بعد حضور مولانا صاحب صبح کے وقت مکان سے برآمد ہوئے۔ سب خدام سلام کے لئے حاضر تھے۔ مولانا صاحب نے نیاز بے نیاز کی طرف دیکھ کر فرمایا'' میاں! آج شب میں حضرت پیران پیر قدس سرہ العزیز نے تمہاری بیعت اپنے دست مبارک پر قبول فرمائی اور مجھ کو ایک صورت دکھلائی ہے اور فرمایا کہ اپنی اولاد میں سے ان کو بھیجتا ہوں۔ بظاہر ان کے ہاتھ پر بیعت کرا دینا۔ یہ سن کر نیاز بے نیاز نے مولانا کے قدم چومے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ دہلی میں دو شہنشاہ آ رہے ہیں شاہ عالم الہٰ آباد سے دلی میں مسند نشین ہونے آ رہے ہیں ادھر دلوں کے شہنشاہ سیدنا عبداللہ بغدادی قادری بغداد شریف سے دلی تشریف فرما ہو رہے ہیں۔

حسب معمول گیارہویں شریف اور ستر ہویں کے اہتمام کے واسطے حضور قبلہ پہلے سے حضور مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو جاتے تھے۔

بیعت قادریہ کی بشارت کو چھ ماہ گزرے ہوں گے، ایک دن (چہارشنبہ، ۱۱ر ربیع الثانی ۱۱۸۵ھ ۲۴ر جولائی ۱۷۷۱ء) حضور مولانا صبح کو برآمد ہوئے اور فرمایا کہ حضرت پیران پیر قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ ہمارے فرزند مرسلہ کو آج تین روز دلی پہنچے ہوئے گزرے (گویا ۹ر ربیع الثانی کو حضرت بغدادی صاحب خاموشی کے ساتھ دلی تشریف لے آئے) اور تم ان سے غافل ہو۔ یہ فرما کر لوگوں کو تلاش کرنے کے لئے بھیجا۔ ان میں سے ایک شخص نے آ کر بیان کیا کہ دو روز سے ایک صاحب بغداد شریف کے رہنے والے جامع مسجد دہلی میں مقیم ہیں آپ نے ان کا حلیہ اور ان کی وضع اور قطع دریافت فرمائی۔ جیسا کہ مولانا نے عالم رویا میں دیکھا تھا وہی وضع اور قطع اس نے بیان کیں۔ یہ سن کر مولانا نے مٹھائی لانے کا حکم دیا۔ جب مٹھائی آ گئی تو اس مٹھائی کو خوان میں رکھ کر اپنے سر پر اٹھایا۔ ہر چند خادموں اور خلفا نے عرض کیا کہ حضور ہم کو دیں، مولانا صاحب نے قبول نہیں فرمایا اور اس حیثیت سے کہ مٹھائی کا خوان سر پر اور داہنے ہاتھ سے ہاتھ حضرت نیاز بے نیاز کا پکڑے ہوئے جامع مسجد میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ مسجد کے بیچ کے در میں وہی صاحب بیٹھے ہیں جن کی صورت مجھے دکھلائی گئی تھی اور ان بزرگ نے (جن کا اسم مبارک سید عبداللہ بغدادی ہے) نیاز بے نیاز کو دیکھ کر فرمایا کہ انہیں کی صورت مجھ کو دکھلائی گئی تھی جن کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

دیر آمدی اے نگار سرمست! زودت ندہم دامنت از دست

خلافت قادریہ

غرض کے مٹھائی کا خوان مولانا نے سر سے اتار کر حضرت عبداللہ بغدادی قدس سرہ العزیز کے سامنے رکھا اور آپ نے وہیں محراب مسجد میں ادائے دوگانہ تحیت و دعائے ماثورہ خاندانی کی ہدایت فرمائی اور ہر قسم کی تعلیم اور تلقین سے آپ کو مالا مال کر دیا۔ علاوہ اشغال کے باون طریقے سے ذکر نفی واثبات تعلیم ہوا جو خدام میں موجود ہے اور عربی میں خلافت نامہ لکھ کر جو مزین پانچ مہروں سے ہے (حضرت مولانا فائق صاحب نے پانچ مہروں سے مزین بنایا ہے جب کہ خلافت نامہ سات مہروں سے مزین ہے) مع اپنی دستار کے مرحمت فرمایا جو تبرکاً اس وقت خانقاہ میں موجود ہے۔

(منجملہ سات مہروں کے ایک بڑی گول مہر ہے اس میں تین سطروں میں سید عبداللہ بن سید عبدالجلیل القادری الواثق باللہ العلی کندہ ہے۔ نچلی سطر میں سید عبداللہ بن لکھا ہے درمیانی سطر میں سید عبدالجلیل القادری ہے۔ اس سطر میں لفظ سید کے اوپر دائیں جانب ۱۱۹۲ھ درج ہے)

اور نیز اپنی صاحبزادی کا نکاح حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ العزیز کے ساتھ کر دیا جو چند سال کے بعد لاولد اس عالم جاودانی کو روانہ ہوگئیں۔

إنا للّٰه و إنا اليه راجعون۔[1]

حضرت نے اپنے عطا کردہ خلافت میں منصب سجادگی عطا فرمایا ہے۔ جو آپ کو دوسرے خلفائے کرام سے ممتاز کرتا ہے۔ خلافت نامہ کی عبارت یہ ہے۔

سجادگی نامہ کی عبارت

فخلفته واعطية الخلافة ولقنته كلمة التوحيد و جعلنه نيابتا عنا، ان يودى الخلافة للمستحقين ان يلقن كلمة التو حيد و ان يرب المريدين ....وايضا جاء الينا شاه نياز احمد و تخلف منا فاعطية الخلافة، انا سيد عبدالله كما اخذ تها من ابی سید عبدالجلیل۔[2]

"لہٰذا میں نے خلیفہ کیا۔ کلمہ توحید القا کیا اور اپنے بجائے انہیں نائب مقرر کیا۔ مستحقین کو

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۲۰

[2] کرامات نظامیہ صفحہ ۲۴

خلافت دیں کلمہ توحید القا کریں اور مریدین کی تربیت کریں۔" مزید بطور تاکید فرماتے ہیں "شاہ نیاز احمد ہمارے بعد (یا ہماری غیر موجودگی میں ہمارے جانشین رہیں گے لہٰذا میں نے انہیں بالکل اسی طرح خلافت و نیابت دی ہے جس طرح میں (سید عبداللہ) نے اپنے والد سید عبدالجلیل سے حاصل کی تھی۔

مرزا محمد اختر دہلوی ایسے راوی ہیں جو تقریباً حضرت قبلہ کے معاصر ہیں۔ حضرت کے فیض یافتہ مرزا روشن بخت گورگانی کے مرید ہیں وہ بغدادی صاحب کی صاحبزادی سے نکاح اور تشریف آوری کے مقصد کو واقعہ مشہورہ کہہ کر قلم بند کر رہے ہیں۔

"مشہور ہے کہ حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری گیلانی کہ اولاد سے حضرت غوث اعظم کے تھے۔ دہلی میں تشریف لائے۔ بمقام جامع مسجد مجمع عام میں حضرت مولانا فخر الدین سے کہا چندے نیاز احمد کو مجھے دے دیجئے کہ ہندوستان میں اسی کے واسطے آیا ہوں جو امانت اس کی ہے اس کو دوں اور حسب الحکم حضرت غوث پاک کے اپنی لڑکی کی شادی اس سے کروں دوسرا کام نہیں ہے۔ حضرت مولانا نے ان کا فرمان قبول کیا"[1]

واپسی بغداد شریف

اس کے بعد حضرت سیدنا بغداد شریف کے لئے روانہ ہو گئے حضرت سیدنا بغدادی صاحب کی واپسی پر آپ ان کے ہم رکاب ہیں۔ چنانچہ دہلی سے پوربی اصلاح ہوتے ہوئے پٹنہ پہنچے وہاں کے اکابر مشائخ میں حضرت مخدوم منعم نقشبندی ابوالعلائی (م ۱۱۸۵ھ/۱۷۷۱ء) حضرت شاہ غلام حسنین چشتی داناپوری (مرید و خلیفہ حضرت مخدوم منعمؒ) حضرت شاہ مجیب اللہ پھلواروی کا آخری زمانہ تھا حضرت شاہ رکن الدین عشق عرف مرزا گھسیٹا، حضرت خواجہ شاہ خیر الدین اور حضرت میر اشرف نے بسر و چشم پیشوائی کی حضرت مخدوم منعم اور حضرت شاہ مجیب اللہ پھلواروی نے میزبانی کے فرائض انجام دیے۔ تذکرہ کاملان رامپور کے مؤلف کا بیان ہے کہ حضرت کی ذات میں کچھ ایسا تصرف تھا کہ جس شہر سے گزر ہوتا تھا لوگ نہایت تعظیم و تکریم سے پیش آتے تھے[2] وہاں سے چل

[1] تذکرہ اولیائے ہند جلد دوم صفحہ ۲۷۳
[2] تذکرہ کاملان رام پور

کرمحمد علی انصاری (مولف تالیف محمدی) کے چچا کے باغ میں شب کو قیام فرمایا اگلے روز حضرت نے کلکتہ کے لئے کوچ فرمایا۔

کلکتہ میں بھی حضرت کی ذات والا کی بدولت سلسلہ عالیہ قادریہ کی بے پناہ نشرواشاعت ہوئی جب تک آپ کلکتہ سے روانہ نہیں ہوئے اللہ کی مخلوق پروانہ وار آپ پر نثار ہوتی رہی بہ مشکل حضرت نے بغداد شریف کا پروگرام بنایا۔ جانثاروں کا یہ عالم تھا کہ حضرت کو روکنے کے بہانے تلاش کررہے تھے ادھر حضرت سیدنا اپنی ذمہ داریوں کے پیش نظر واپسی کے لئے بے چین تھے آخرش الحاح وزاری کے باوجود حضرت سیدنا نے واپسی کا تہیہ فرمالیا۔

نیست اندر اختیارم، ضبط حالت چوں کنم | می برآید از درونم می خروش ومی خروش!!
یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعان غم مخور | کلبۂ احزاں شود روزے، گلستاں غم مخور
گر برسر بالنیم نازاں بخرام آئی | جان از سرنو یابم، ہم تاب وتوانائی

حضرت قبلہ کا حلیہ مبارکہ

چھریرا اور پھرتیلا بدن، نکلتا قد، موہنی صورت، گلابی رنگت میں سبزی اور سنہرا پن۔ اونچی پیشانی، دیدہ زیب بھنویں۔ ان کے نیچے لمبی پلکوں والی بڑی بڑی کالی غلافی نشیلی اور رسیلی آنکھیں اور ان میں ایسی غضب کی جوت کہ نظر سے نظر ملانا دوبھر۔

کھڑی سی ستواں ناک، ۔ دانت موتیوں کی طرح جڑے ہوئے۔ پتلے پتلے ہونٹوں پر سرخی کی جھلک، مونچھیں پست اور ترشی ہوئی، گھنی داڑی سنت کے مطابق اور باقاعدہ خط کی تحریر نبی ہوئی۔ چہرے پر علم وعرفان کی نکہتیں۔ صراحی دار گردن سینہ کشادہ۔ چوڑی ہڈی، ہاتھ لمبے، انگلیاں لمبی اور ان میں گلابی خوشنما لمبوترے ناخون۔ نرم گالاسی ہتھیلیاں جو دل کی کیفیت کی آئینہ دار۔

لباس کی سادگی میں بھی غضب کی جامہ زیبی۔ سراپا ایک شہسوار۔ رفتار ایسی کہ میانہ روی میں بھی ساتھ چلنے والوں کو دوڑنا پڑتا تھا۔

پیمائش چغہ شریف حضور قبلہ مع کلاہ ودستار

درتحویل جناب ماسٹر آفاق احمد صاحب ۔ اولاد حکیم رحیم اللہ صاحبؒ

حضور قبلہ نے حضرت خلیفہ حکیم رحیم اللہ صاحب بچھرایونی کو اپنا استعمالی چغہ مبارکہ عطا فرمایا تھا۔

(بچھرایوں کے چغہ مبارکہ کا ناپ از قدیم پرچہ ذاکر ٹیلر) ۱۲رمئی ۲۰۰۵ء جمعرات

۱۔ لمبائی	۵۳ $\frac{۱}{۲}$
۲۔ گوٹ چغہ	۱ $\frac{۱}{۲}$
۳۔ تیرا	۱۹
۴۔ لمبائی آستین مع گوٹ	۲۶
۵۔ گوٹ آستین	۱ $\frac{۱}{۴}$
۶۔ موری آستین	۵ $\frac{۳}{۴}$
۷۔ چوڑائی بغل	۱۳ $\frac{۱}{۲}$
۸۔ سینہ ایک پٹ	۱۸x۲
۹۔ کمر	۲۱
۱۰۔ دامن	۲۲x۲
۱۱۔ چاک	۵
۱۲۔ گھیر پشت	۹ $\frac{۱}{۲}$

کلاہ مبارکہ:

چوڑائی	۲۱
لمبائی/اونچائی	۷ $\frac{۱}{۲}$
گوٹ	۱ $\frac{۳}{۵}$



چغہ حضرت نیاز بے نیازؒ

صافہ: رنگ ملاگری چوڑائی $\frac{1}{2}$ ۷

لمبائی $\frac{3}{4}$ ۶ گز

کشکول، نظامی ۱۵۲

لباس اور وضع

مشائخ ہر معاملے میں اپنے پیر مرشد کو ہی مثالی انسان سمجھتے تھے لہٰذا وہ اپنے جانشین کی پرورش وتربیت بھی اپنے شیخ کے نمونے پر کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا فخر پاک نے بھی آپ کی تربیت اپنے شیخ حضرت شاہ شاہان نظام الدین اورنگ آبادی کے انداز پر کی تھی۔ اسی لئے حضرت نیاز بے نیاز کے ہر کام میں بے پناہ سادگی اور بے نیازی ہوتی تھی۔ یہی انداز لباس کا بھی تھا۔ اس میں کسی قسم کا تکلف اور اہتمام ہرگز نہ ہوتا، لباس اکثر بریلی کے بنے ہوئے کھادی کا ہوتا۔ اس کے باوجود آپ میں بلا کی جامہ زیبی تھی جو کپڑا پہنتے وہی جسم پر پھبتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اسی جسم کے لئے بنایا گیا ہے۔

کلاہ وفیل گوشہ دستار

عموماً کلاہ طاقیہ (سر پر چپکی ہوئی ٹوپی) کا استعمال فرماتے۔ گلے میں یا کاندھے پر بڑا سفید رومال۔ گھٹنے سے نیچا سفید بغدادی کرتا۔ اس کرتے میں گریبان کے بجائے سینہ پر دوہرا پردہ ہوتا تا کہ سینہ چھپا رہے۔ سیدھے شانے پر گردن کے قریب گھنڈی اور تکمہ ہوتا۔ عام طور سے نیلے رنگ کا تہبند (اپنے شیخ کے اتباع میں) استعمال فرماتے اور وہ بھی ٹخنہ سے اونچا ہوتا۔

باہر تشریف لے جاتے وقت صافہ بھی زیب سر ہوتا۔ یہ دستار چار گزی موٹی ململ کی ہرے بلکہ قدرے گہرے سبز کا ہی رنگ کی ہوتی۔ اس کی بندش فیل گوشہ ہوتی۔ اس دستار کے تین بند سیدھے یعنی کور پر کور اور چار بند آڑے اس طرح ہوتے کہ الٹے کان کا سرا ڈھک جاتا۔ دستار کے نیچے ٹوپی ضرور ہوتی۔ موسم سرما میں یہ ٹوپی روئی دار ہوتی یا روئی دار کنٹوپ ہوتا ورنہ پنجابی سادہ کلاہ

ہوتا۔ دستار کے ساتھ عبا، چغہ، نیمہ آستین یا انگرکھا بھی زیرِ استعمال تھا۔ آپ کے انگرکھے کے نیچے کرتا ضرور ہوتا، شرعی شلوار پہنتے جس کی موری چھوٹی اور ٹخنوں سے اونچی رہتی یا پتلی موری کا مخروطی بٹنوں دار پاجامہ ہوتا اس کے پائینچے میں دو گھنڈیاں یا بٹن ہوتے اور تقریباً ایک بالشت پائینچہ آستین کے کف کی طرح کھلا ہوا جسے پہننے کے بعد بند کرلیا جاتا۔ یہ اہتمام و ثیابک فطہر (اور اپنے (نیچے) کپڑوں کو اونچا کرلینا) کے حکم کے تحت ہوتا۔

جاڑے کے موسم میں روزمرہ کے استعمال میں ٹوپی کے بجائے روئی دار کنٹوپ کا معمول تھا۔ یہ کنٹوپ سادہ کپڑے کا یا مخمل کا گہرے رنگ کا ہوتا۔ مرزئی یا سینہ بند اوپر سے روئی بھرا ہوا فرغل یا دگلہ ہوتا۔ یہ کپڑے سوتی چھینٹ کے ہوتے جن پر کیریاں یا جامہ دار کی قلمکار چھڑیاں ہوتیں۔ ساری زندگی آپ نے ریشمی یا باریک کپڑا زیب تن نہیں فرمایا۔

چشمہ:

عمر کے لحاظ سے لکھتے پڑھتے وقت چشمہ بھی استعمال فرماتے۔ یہ چشمہ میں نے نہ صرف دیکھا ہے بلکہ لگا کر بھی دیکھا ہے۔ یہ فرانسیسی چشمہ نہایت نفیس کام کا پتلے فریم کا ہے۔ پورے شیشوں کے بجائے اس میں بادامی سائز کے تال (شیشے) لگے ہوئے ہیں۔ چونکہ آپ کی دور کی نظر پر اثر نہیں پڑا تھا اس لئے دور کی نظر کا چشمہ نہیں تھا۔

چھڑی:

اس دور کے رواج کے مطابق مکان سے باہر جاتے وقت آپ کے داہنے ہاتھ میں چھڑی ہوتی۔ یہ اچھی لانبی چھڑی ہے اس کے علاوہ ایک پہاڑی چھڑی بھی ہے جس کے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بونڈیاں ابھری ہوئی ہیں۔

نعلین مبارک:

لال نری کی جوتی، دلی وال جوتی، یا پنجابی کھونسے (یہ سلیپر نما چپل ہوتی تھی جس کا اگلا سرا اوپر کی طرف کئی لپیٹ میں مڑا ہوتا) اس پر رنگین ڈورے کی موزن کاری ہوتی۔

کھڑاؤں:

لکڑی کی کھونٹی دار کھڑاویں بھی زیر استعمال تھیں۔

حلق و موتراشی

موتراشی کی خدمت نعمت اللہ حجام کے سپرد تھی۔ ہفتہ میں دو بار دوشنبہ اور پنجشنبہ کو آپ کے سر کا حلق ہوتا۔ زمانہ مجاہدات میں کبھی یہ بال کان کی لوتک اور کبھی شانوں تک بھی رہے تھے۔ لیکن بعد میں اپنے شیخ اور تمام مشائخ چشت کی اتباع میں سر کا حلق کراتے تھے۔ اور آخر تک یہی معمول رہا۔

دوپہر میں نماز ظہر سے قبل نعمت اللہ حاضر ہو جاتے پہلے سر کا حلق کرتے پھر ریش مبارک کا نمبر آتا۔ خط کی تحریر بنتی۔ مونچھیں باریک اور پست کی جاتیں داڑھی کے مسنوں لمبائی سے زیادہ بال تراش دئے جاتے اور ہمیشہ یہ احتیاط رہتی کہ آپ کی ریش مبارکہ سے متجاوز نہ ہونے پائے۔ اس کے بعد پھر کنٹھا صاف کیا جاتا، پھر موئے بغل۔

ناخن تراشی:

ناخن کٹوانے میں بھی سنت کا اہتمام ہوتا۔ پہلے دائیں ہاتھ کے کلمہ والی انگلی سے ناخن تراشی شروع ہو کر چھنگلیا پر ختم ہوتی۔ اس کے بعد بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع ہو کر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم ہوتی۔

پیروں کے ناخن تراشنے میں سیدھے پاؤں کی چھنگلیا میں ناخون نہیں کے برابر ہونے کی وجہ سے برابر والی انگلی سے ناخون تراشی ہوتی اور انگوٹھے پر ختم ہو جاتی۔ الٹے پاؤں کے انگوٹھے سے شروع ہو کر چھنگلیا پر ناخن تراشی ختم ہو جاتی۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ جس طرح وضو کرنے میں پیروں کی انگلیوں میں خلال ہوتا ہے بالکل اسی طرح ناخن تراشی بھی عمل میں آتی۔

مزید اہتمام سنت میں پندرہ روز میں پاؤں کی ناخن تراشی ہوتی۔

غذا:

اس عظیم تحریک کے محی کی غذا بھی ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت کے خادم خاص منشی علی بخش

صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ آخر زمانے میں حضور ڈیڑھ روٹی تناول فرماتے تھے۔ زمانہ بعد میں یہ ڈیڑھ روٹی بھی ختم ہو کر صرف چند لقمے مقدار رہ گئی تھی۔ اگر حالت صحو میں ہوتے تو لوگ عرض کرتے کہ کھانا حاضر ہے اور لقمے بنا بنا کر منہ میں دے دیتے۔ اگر نوش فرما لیتے تو خیر، ورنہ وہ لقمہ منہ میں ہی رہ جاتا اور آپ مستغرق ہو جاتے غرض کہ بمشکل چند لقمے حلق سے فرو ہوتے تھے۔[1]

حافظ اکبر علی خاں نقل کرتے ہیں کہ:

"حضرت مولانا شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس قدر آخر زمانے میں قرب اور اتصال مشاہدہ میں مصروف رہتے تھے کہ ہر وقت حضرت پر عالم استغراق طاری رہتا..... کہ کھانے تک کا ہوش نہیں رہتا کہ حضرت کئی کئی وقت کے فاقے بے ہوشی میں ہو جاتے۔"[2]

سادہ کھانا:

معمولاً آپ کھانا بہت سادہ نوش فرماتے۔ کھانے میں مونگ کی دھلی ہوئی پھریری دال، مونگ کی دال کی کھچڑی، ثرید، بکری کا سادہ شوربہ۔ پالک گوشت، سبزی میں کریلا بہت پسند تھا۔ سرکہ کھانا سنت ہے آپ کو بھی مرغوب تھا لیکن اپنے گھر میں سرکہ ڈالنے کی ممانعت تھی چنانچہ یہ خدمت حضرت کے مرید خاص حضرت سلامت اللہ خاں صاحب شاہجہانپوری رحمۃ اللہ علیہ انجام دیتے، سرکہ چٹنی، اچار، وہ پیش کرتے تھے۔ سرکہ میں آلو، لہسوڑہ (لاشورہ) پیاز کریلا وغیرہ ہوتا تھا۔ آج تک حضرت کی اولاد کے گھروں میں سرکہ نہیں ڈالا جاتا۔ پھلوں میں چوسنے والے تخمی آم میٹھے میں گڑ کی تل شکری اور قلاقند بھی۔

پسندیدہ اشیاء:

آپ نے فرمایا تھا کہ ہندوستانی مرید کر لیے پر میری فاتحہ کرائیں اور ولایتی لوگ چائے پر یہ چاء بغیر دودھ کی ہوتی تھی۔ اور خاص طور سے کوہ قاف کی سبز چاء یا لمبی پتی کی سفید روئیں دار کے علاوہ کاوا پیشاوری بھی ہوتی۔ چائے بے شیر میں نمک ڈال کر پیتے۔ ایک بار حضرت خلیفہ محمد بخش اللہ خاں صاحب نے خانقاہی لنگر خانے کی نذر پیش کی۔ جس میں چاء کا بنڈل بھی تھا۔ حضرت

---

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ٦٨ [2] ایجاد اکبری صفحہ ٤٥٤

بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ ہمارے کام کی چیز ہے اور اپنے دست مبارک میں لے لیا۔[1]

ناپسند سبزیاں:

سبزی میں سوئے کا ساگ تیز بو کی وجہ سے ناپسند تھا جو آپ کے باورچی خانے میں بھی نہیں پکتا تھا اور آج تک ان کی اولاد کو ناپسند ہے اور یہ راقم اس کے ذائقہ سے بھی واقف نہیں ہے۔

اسی طرح چچینڈے (سانپ کی شکل کی برساتی سبزی) بھی نہیں کھاتے تھے جواب بھی ہمارے یہاں نہیں کھائے جاتے ہیں۔ کھانوں میں سرخ یا پیلی مرچ کا استعمال بھی برائے نام ہوتا تھا لیکن دعوت کے کھانوں میں خاموشی سے برداشت فرمالیتے تھے۔

حقہ نوشی:

اپنے شیخ حضرت مولانا فخر پاک کی اتباع میں حقہ نوش فرماتے تھے۔ صبح کو بیدار ہوتے ہی حقہ پیش کیا جاتا تھا۔ اس کی چلم میں پہلے تمباکو پر مٹی کا چھوٹا سا توا رکھا جاتا پھر کوئلے کی آگ رکھی جاتی۔ آگ کے کوئلوں کو روکے رکھنے کے لئے چلم پر سرپوش رکھا جاتا تھا۔ جب بھی حقہ بھرا جاتا اس کی فرشی یا کلی کا پانی بدلا جاتا۔ نیچہ یا سٹک دھوئی جاتی اس طرح حقہ تازہ کیا جاتا۔

خوشبوئیں، عطر، تیل، پھلیل:

خوشبوؤں کا بے حد اعلیٰ ذوق تھا۔ اپنے باغ کے پھولوں میں بسا کر تیل پھلیل تیار کیے جاتے جو کہ گھڑوں اور بڑے چرمی کپوں میں بھرے رہتے، عرقیات کیوڑہ، گلاب وغیرہ اپنے یہاں قرنبیق سے کشید کیے جاتے مزید عطاروں کے یہاں سے منگوائے جاتے۔

اسی طرح عطریات خانقاہ میں تیار کیے جاتے اس کے علاوہ مشہور عطر سازوں کے یہاں کے مخصوص عطریات خرید کیے جاتے۔ قسم قسم کے عطریات کے بلوریں قرابے اور کنٹر بھرے ہوتے، چیدہ عطریات صندوقچوں اور چرمی کپیوں میں محفوظ ہوتے یہ اشیاخ سلسلہ کے مزارات پر پیش کیے جاتے۔ چیدہ عطریات کی قلمیں عطر دانوں میں رکھی جاتیں۔ یہ عطر دان لکڑی کے خوش نما منقش

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۷

صندوقچیاں ہوتی تھیں۔ جنھیں بڑی صناعی کے ساتھ بنایا جاتا تھا ان میں عطر رکھنے کے لئے چھوٹی بڑی بلوریں عطر دانوں کے علاوہ عارضی عطر دان ہوتے جو زینت محفل ہوتے۔ یہ مختلف دھاتوں کے ہوتے۔ چھوٹے دستی عطر دان جنہیں کنول بھی کہتے ہیں وہ ہوتے اور لوگ حاضرین محفل کے عطر لگاتے۔ آپ کے صاجزادگان کو عطر کا بے حد ذوق تھا۔ بڑے صاجزادے حضرت تاج الاولیاء تو عطریات کے متبحر تھے۔ آپ کے مخصوص عطریات کا قلمی رسالہ بھی ہے جو کہ راقم کے کتب خانہ میں محفوظ ہے)

سماع:

صاحب سماع ووجد:

اگرچہ آپ کے والدین، قادری، نقشبندی ومجددی تھے اس کے باوجود آپ صاحب سماع تھے دہلی کے قیام میں بھی ہر ماہ کی بارہ تاریخ کو پابندی کے ساتھ مجلس مشائخ منعقد کرتے جس میں سرود پرداز اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے۔ وجد وحال کی محفل گرم ہوتی۔

آپ قوالی مزامیر اور بغیر مزامیر دونوں طریقوں سے سنتے تھے۔ سماع چشتیہ میں بہت سخت پابندی فرماتے، بالکل حضرت شیخ کلیم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مخصوصین کے ساتھ سنتے۔ سماع کے وقت دروازہ بند ہوتا تھا۔ اس پر نگرانی کے لئے آدمی مقرر ہوتا۔ مریدین میں سے جو شخص اس دن کا پرول (Code Word) بواب کے کان میں کہہ دیتا اسی کو اندر جانے کی اجازت ہوتی۔ اس محفل میں مزامیر کجا، تالی بجانے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔

محفل سماع ووجد:

محفل سماع میں آپ باوضو اور نہایت ادب کے ساتھ دوزانو بیٹھے۔ رقت طاری ہوتی تو شدت گریہ سے کئی کئی رومال بھیگ جاتے۔ حالت وجد میں طبیعت پر پوری طرح قابو میں رکھنے کی کوشش کرتے۔ سینہ کو اس طرح دونوں ہاتھوں سے بھینچتے کہ دونوں ہاتھ بغل میں ہوتے تھے۔ کیف کے عالم میں بے اختیاری میں ہاتھ اوپر اٹھ جاتے اس صورت میں دونوں ہتھیلیاں سامنے کی طرف ہوتیں۔ وفور کیف میں ہتھیلیوں میں کبھی کبھی ہاتھوں کے جھٹکنے کی سی جنبش ہوتی اور بلا رقت منہ سے قہقہے کی سی آواز نکلتی۔ جوش کے عالم میں کبھی گھٹنوں کے بل کھڑے ہو جاتے اور کبھی کھڑے ہو کر جنبش بھی کرتے۔ اس میں متوازن پا کوبی بھی ہوتی، ایسی کیفیت میں مقرب حضرات آپ کو حلقہ میں لے لیتے تاکہ اضطرار میں جسم مبارک کو گرانے سے بچایا جا سکے۔ یا حالت اتنی متعدی

ہوتی کہ سنبھالنے والوں میں سے جو ہاتھ لگ تا وہ بھی وجد میں آجاتا۔ایسی صورت میں صرف دو حضرات یعنی حضرت امام السالکین میر محمد سمیع بدخشانی اور خوان علوم حضرت مولوی عبداللطیف" صاحب قوقندی (فرغنہ) ثم بخاری ہی (ایسے عالی حوصلہ) تھے کہ حضرت کو لا کر دربارہ مسند پر بیٹھا دیتے تھے۔

کھڑے ہونے کی صورت میں تمام حاضرین مجلس آپ کی متابعت میں دست بستہ کھڑے ہوجاتے۔حتیٰ کہ قوالان بھی پہلے سے یہ اہتمام کرتے کہ ڈھول کی ڈوری گلے میں ڈال کر بیٹھتے تا کہ قیام کی حالت میں فوراً کھڑے ہوسکیں۔

انداز عطا:

محفل میں تمام حاضرین صرف حضرت کو ہی نذریں پیش کرتے ۔دوسرے کسی فرد کے سامنے نذر پیش نہیں ہوتی۔نذر پیش کرنے والا کھڑے ہوکر مسند کے سامنے نذر پیش کرتا اور الٹے قدموں اپنی جگہ آکر بیٹھ جاتا۔ایک نقیب پہلے سے محفل میں دست بستہ کھڑا رہتا جو نذر کردہ روپے حضرت سے لے کر قوالوں کو دیتا رہتا۔

خود قوالوں کو روپے دیتے رہتے جو چیز ہاتھ میں آجاتی وہی عطا فرمادیتے۔عطا فرمائی چیزیں بدلے میں روپے دے کر بھی واپس نہ لیتے۔محفل میں عطا فرمائی ہوئی ٹوپیاں ان قوالوں کی اولادوں میں بطور تبرک محفوظ تھیں اگر چہ یہ ٹوپیاں کھادی کی چوگوشہ طاقیہ (سر سے چپکی ہوئی) ہوتی تھیں جن کی قیمت اس زمانے میں چند ٹکوں سے زیادہ نہ ہوتی لیکن مریدین کی نظر میں وہ بیش بہا تھیں۔فوری طور پر قوالوں سے اونچے معاوضے پر لی جاسکتی تھیں۔لیکن وہ قوال خود سر آنکھوں پر رکھ کر انہیں لیتے تمام زندگی اپنے جی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ان سے برکتیں حاصل کرتے کچھ صاحبان اپنی قبروں میں دفن کرنے کی وصیت کرجاتے۔عموماً آپ کی محفل میں آلات سماع میں ڈھول اور ستار ہوتا۔

موسیقار و گویے:

بڑے بڑے موسیقار اور گویے آپ کی خدمت میں اپنی موسیقی پیش کرنے میں فخر محسوس

کرتے۔ وہ اپنی اپنی موسیقی ان کو پیش کر کے فن کی داد پاتے تھے۔ دربار واجدی کے موسیقار اعظم خود قطب الدولہ بہادر ستار بجاتے۔ علاوہ ازیں ان کے افراد خاندان بھی یہ شرف حاصل کرتے۔ قطب الدولہ کے والد نتھو خاں جنہیں نواب واجد علی شاہ نے غلام علی خاں کے خطاب سے نوازا تھا۔ بھائی خواجہ بخش خاں رضی الدولہ مرضی الملک غلام رضا خاں بہادر ہزبر جنگ۔ چچا غلام نبی خاں تحسین الدولہ غلام نبی خاں بہادر۔ خالو غلام حیدر خاں بہادر داروغہ ارباب نشاط[1] اسی طرح ثابت الدولہ۔ وہاج الدولہ، نجیب الدولہ انیس الدولہ، مصاحب الدولہ (اگر چہ ان سب ارباب نشاط واجدی کے احکام فوق وزیر اعظم تھے۔ اس دربارِ بے نیازی مین سرنجم حاضر ہوتے اور ان کی دعاؤں سے مالا مال ہوتے۔[2] ان صاحبان کے علاوہ ہندوستان کے سبھی مایہ ناز اساتذۂ فن اپنے کمالات موسیقی پیش کرتے جن میں سے چند صاحبان کمال کے اسماء درج ذیل ہیں۔

مشاہیر دہلی:

ہمت خاں، نور خاں، مسیت خاں، چھوٹے صاحب، قائم خاں، جگنو خاں، اخیل خاں عرف حلال خور۔

مشاہر رام پور:

خالق داد والہ داد پنجابیان۔ جمالی ودھمالی ومراد بخش۔ غلام غوث وبولن خاں رامپوریاں۔

مشاہیر بریلی:

نواب اقبال الدولہ ومشر پراگ دت (شاگردان میاں شوری) نظام خاں وامیر خاں (پسران قایم خاں) احمد علی (پسران میاں جانی)۔ سکھن، نامدار، کامدار، چینک ونور الکھنویاں۔ سدھو وچین سکھ بانیاں۔

مشاہیر فرخ آباد:

سندر، وار جن وغیرہ ساکنان گھاٹ کانور (فرخ آباد)

---

[1] پری خانہ۔ نواب واجد علی شاہ صفحہ ۱۵۵ [2] تاریخ اودھ جلد دوم صفحہ ا

مشاہیر مقامات متفرقہ:

تیغہ وطبلہ نواز محمد خاں ڈھرپتیا۔ (لشکر مہاراج سندھیہ بہادر گوالیار)۔ یک زنگہ۔ نوکر راجہ سنسار چند والی نگر کوٹ (جوالا مکھی) میر تقی ستار نواز بنارسی۔ بہ رفاقت راجہ اودت نرائن (بریلی) میر علی صاحب، حسین علی خاں ومولوی (لکھنو) پیارے خاں ربابی۔ رباب نوازی میں لاثانی جان کی داس جنہوں نے درویشی کے باوصف فن بانسری نوازی کو درجہ کمال پر پہنچا دیا تھا۔

خانقاہی چوکی:

ساتھ ساتھ خانقاہ عالیہ نیازیہ میں خسرو خاں کی مستقل خانقاہی چوکی تھی جنہوں نے تاحیات بہ حسن وخوبی یہ خدمت انجام دی اور صلوں سے اپنے جھولیاں بھرتے رہے۔ یہ صاحبان متقی و پرہیز گار آداب مجلس سے پوری طرح واقف اور اپنے مخدوم کے چشم وابرو کے محرم تھے۔ خانقاہی غزلوں کو خانقاہ کے مقرر کردہ راگوں میں گانے کے ماہر تھے۔ صاحب وجد وحال کو ایک حاذق طبیب کی طرح اپنے نغموں کے زیر وبم سے سنبھال لیتے تھے۔

اہتمام شریعت

سراپا سیرت وخوئے محمد شو، محمد شو

ان تمام تر مساعی جمیلہ کا حاصل یہ ہے کہ انسان اخلاق الٰہی سے متصرف ہو جائے اور وہ اتمام شریعت اور اتمام سنت کے بغیر ناممکن ہے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے۔

(اے میرے محبوب) آپ تمام عالم کو مطلع کر دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری تابعداری کرو وہ تم سے خود بخود محبت فرمانے لگے گا (اور اس تابعداری کے مہدس) تمہارے (تمام) گناہ معاف فرمادے گا وہ تو اپنے خصائص میں غفور بھی اور رحیم بھی۔ قل ان کنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله يغفرلكم ذنوبكم والله غفورر حيم۔

حضرت شیخ کلیم اللہ کا ارشاد ہے کہ جو بھی اس دولت سے بہرہ یاب ہوا ہے انہیں آداب شریعت کی بدولت ہوا ہے وہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''طریقت کا مینار حقیقت ہے اور شریعت (مطہرہ) طریقت کا مینار ہے ۔جس کی نظر میں شریعت کا جمال زیادہ ہوگا اس کی طریقت و حقیقت بھی بیشتر ہوگی ۔اور طریقت و سر حقیقت بھی اتم و اکمل ہوگی ۔درجہ حقیقت میں وصول (الی اللہ) کی یہ علامت ہے کہ روز بروز اور آناً فاناً میں سالک کا قدم شریعت میں جمتا چلا جائے گا۔

یہ بے دین (صوفی) شریعت کو ہاتھ سے دے کر (صرف) چرب نوالہ کی بھیک کے لئے لاطائل بے دینی کی باتیں کہتے رہتے ہیں اور باشرع لوگوں کو بے حقیقی کے طعنے دیتے ہیں یہ سزا کے قابل ہیں ان کی توحید کی باتیں بے معنی اور بدمزہ، زبانی اور حال سے خالی ہیں۔ ہرگز! ہرگز! ایسے احمقوں کی صحبت میں بیٹھیں اور نہ ایسے بے دینوں سے کلام توحید سنیں بلکہ ان حضرات کی خدمت میں بیٹھیں جہاں شریعت کی بدولت توفیق (الٰہی) رفیق بن جائے اور لمحہ بہ لمحہ ایسا عجیب حال ہو جو کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقبول ظاہر ہو۔سالک کا رخ ماسواء کے بجائے ماورئی کی جانب ہو پھر اس کی بات، اس کا عمل دیکھکر اور سن کر اپنے حال و مقال میں ڈھال لینا چاہئے''۔

مرد (درویش) وہی ہے جو شریعت، طریقت اور حقیقت کا جامع ہو۔راہ شریعت پر چلنا چاہئے۔ اتمام سنت کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔تا کہ دنیا والے اس سے فائدہ حاصل کریں۔

الغرض اگر کوئی شخص کسی مقام (طریقت) سے تنزل کرتا ہے تو شریعت کے حدود میں رہے گا اور اگر (خدانخواستہ) وہ شریعت سے بھی گرا (جو کہ چھجہ کا آخری سرا ہے) تو پھر کہاں رہے گا۔

حضرت شاہ شاہاں نظام الدین اورنگ آبادی کے ملفوظات لکھنے والے خواجہ کامگار خاں رقم طراز ہیں کہ:

(حضرت موصوف کے) تمام احوال، افعال اور اقوال سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوتے آپ کا کبھی کوئی فعل خلاف سنت نہیں سنا گیا۔

اہل اللہ کا حصہ ہر ایک کو نصیب کرے اس کے قول اور فعل اللہ اور اس کے رسول کا ارشاد تصور کرے۔

باب ششم

محبت الٰہی

محبت الٰہی کی کسوٹی:

محبت الٰہی کے دعوے دار ہر امت میں ہوئے ہیں۔یہود و نصاری بھی محبت الٰہی کا دعویٰ کرتے ہیں۔دور رسالت میں منافق بھی یہی دعوے کرتے تھے۔اس دعوے کی کسوٹی یہ دو آتیں ہیں۔

''کہہ دو اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو تا کہ تم سے اللہ محبت فرمائے اور تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

''کہہ دو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور اگر پھر منہ پھیریں تو اللہ کو کافروں سے محبت نہیں ہے۔'' (آل عمران:۴ع:آیات ۳۲ تا ۳۱)

باخلاق الٰہی متصف بودن اگر خواہی ـــــ سراپا سیرت وخوئے محمد شو محمدؐ

حضرت خواجہ حسن بصریؒ نے ان آیتوں کی یہ تفسیر کی ہے:

زعم اقوام على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم انهم يحبون الله فاراد ان يجعل لقولهم تصديقاًمن عمل فمن ادعى محبته وخالف سنة رسوله فهو كذاب وكتاب الله يكذبه. (حاشیہ تفسیر جلالین بحوالہ صفحہ ۲۹۷/اسلامی تصوف)

''حضورﷺ کے دور میں چند گروہوں کو ناز تھا کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔اللہ نے ان کے قول کی عملی تصدیق کے لئے ان کے سامنے یہ کسوٹی رکھ دی ہے۔پس جو بھی اللہ سے محبت کا دعوے کرتا اور اس کے رسول کی سنت کی مخالفت کرتا ہے وہ بڑا ہی جھوٹا ہے اور اللہ کی کتاب اس کے دعوے کو جھٹلاتی ہے۔''

گویا اللہ تعالیٰ کی محبت،حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام وارشادات کی تعمیل پر

منحصر ہے۔اگر وہاں قصور و بے اعتنائی واقع ہوئی تو ولایت در کنار خود ایمان کے لالے پڑ جائیں گے۔اس کے برعکس ان سے تعلق اور نسبت ہے تو ان کے ارشادات میں بھی ویسے ہی چستی ،تندہی اور احتیاط زندگی میں خون اور روح کی طرح سرایت کر جائیں گے اور جب ایسا ہو جائے گا تب انعامات الٰہی کا سمندر جوش میں آجائے گا وہ خود محبت فرمائے گا۔

ع۔ اے گل بہ تو خرسندم تو بوئے کسے داری

باری تعالیٰ کی ایسے لوگوں کے لئے بشارت ہے:

(ان الذین آمنوو عملوالصلحت سیجعل لهم الرحمٰن ودّا[1])

''یقیناً مومنین صالحین کے لئے عنقریب رحمٰن لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا فرمادے گا۔''

حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی نے محبّت الٰہی کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی حدیث شریف بیان فرمائی۔

عن عبد الرحمن (بن عبد الله بن دينارعن ابى صالح عن ابى هريرة رضى الله عنهم اجمعين. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم.

ان اللّٰه تعالىٰ اذااحب عبدا يقول لجبريل انى احب فلانا فأحبه فيجبه،ثم ينادى جبريل فى اهل السماء ان الله قداحب فلانا فاحبوه فيجبه اهل السماء فيضع لهٗ القبول فى الارض[1]

''جب خدائے تعالیٰ کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو جبریل سے فرماتا ہے، میں نے فلاں بندہ کو محبوب کیا تو بھی اسے محبوب رکھ۔لہٰذا جبریلؑ آسمان ملکوت میں منادی کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے فلاں بندہ کو محبوب کیا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔لہٰذا اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں۔پھر اس کی مقبولیت کرۂ زمین میں رکھ دی جاتی ہے۔''

اس کے بعد ارشاد فرمایا۔دوسری روایت میں ہے کہ اس کی محبت سمندروں میں ڈال دی جاتی ہے۔جو بھی یہ پانی پیتا ہے اس بندہ سے محبت کرنے لگتا ہے۔[2]

رب کریم کو اپنے اس بندہ کی خوشی اور ناخوشی کا پورا خیال رہتا ہے۔حضور داتا صاحب نے

---

[1] سورہ مریم آخر رکوع (۹۶) [2] خیر المجالس صفحہ ۸۵۔۸۴

ایک حدیث قدسی نقل فرمائی ہے۔اس کے تیور ملاخطہ ہوں۔

من اھان لی ولیافقد بارزنی بالمحاربة ماترددت فی شی کترددی فی قبض نفس عبد المومن من یکره الموت واکره مساته لا بدله عنه .

جس نے میرے دوست کی توہین کی اس نے مجھ سے جنگ کا اعلان کیا۔ مجھے کسی چیز کے متعلق اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا ایک مومن کی روح قبض کرنے میں وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے تکلیف دینا ناپسند کرتا ہوں حالانکہ اسے موت سے چارہ نہیں۔

وما یتقرب الی عبدی بشیٍ احب الی من ادآماافترضت علیه ولایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا أحبته کنت له سمعاًونصراًویداورجلاً ولسّنا(الحدیث)

''اور میرا بندہ کسی ایسی چیز سے میرا قرب حاصل نہیں کرسکتا جو مجھے ان احکام کی ادائگی سے زیادہ محبوب ہو جو میں نے اس پر فرض کیے اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا ہے، یہاں تک میں اسے اپنا دوست بنالیتا ہوں۔ پس جب میں اس کو محبوب رکھتا ہوں تو میں اس کا کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور زبان بن جاتا ہوں''

محبوب خلائق:

اللہ کے مخلص بندے جب مقام محبوبیت پر فائز ہو جاتے ہیں تو بلا امتیاز ہر فرد بشر کے دل میں اللہ تعالیٰ ان کی محبت ڈال دیتا ہے انہیں حسن قبول عطا ہو جاتا ہے۔

چوں آفتاب معنی در جان من درخشید — گشتم بچشم مردم چوں مردمک بہ دیدہ

حدیث الاحسان

یہ حدیث کئی ناموں سے منسوب ہے مثلاً حدیث عمرؓ، حدیث الاحسان، حدیث جبریل، مسلم شریف کی طویل حدیث ہے جس کے راوی حضرت سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ حضرت راوی موصوف ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کیا دیکھتے ہیں کہ اس عرش پائے گاہ میں ایک پردیسی مسافر اس شان سے حاضر ہوتا ہے کہ اسکے کپڑے بے داغ انتہائی سفید

اور بال ایک دم کالے ہیں جن پر سفر کے آثار دھول اور گرد وغبار بھی نہیں ہے لیکن وہ اجنبی معلوم ہوتا ہے یہاں اس کا کوئی جان پہچان بھی نہیں ہے اور نہ ہی وہ اس دربار کے آداب سے واقف دکھائی دیتا ہے وہ اس محفل مبارکہ میں اس طرح آکر بیٹھا ہے کہ اپنے گھٹنے حضور کے مبارک گھٹنوں سے ملادیئے اور دست بستہ بیٹھنے کے بجائے اپنے دونوں ہاتھ سرکار پاک کے رانوں پر رکھ کر عرض کرنے لگا اے محمدؐ! مجھے اسلام، ایمان، احسان، قیامت اور اسکے آثار، سے مطلع کیجئے وہ ایک ایک کرکے سوال کرتا جاتا ہے جواب پاکر خود ہی تصدیق بھی کرتا جاتا ہے۔ حاضرین وسامعین حیران تھے کہ یہ کیا انداز ہے یہ پانچ سوالات تھے اس اجنبی کا تیسرا سوال یا سوالوں کے بیچ کی کڑی الاحسان تھا اس نے عرض کیا کہ آپ مجھے اس سے باخبر فرمائیے ارشاد ہوا احسان یہ ہے کہ تو اس طرح اللہ کی عبادت کر گویا اس چشم سر سے تو دیدار باری تعالیٰ کر رہا ہے۔ اور اگر تو اس طرح (تصور قایم) نہ کر سکے تو (کم از کم یہ تصور ضرور رہے) کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

”ألإحسان أن تعبدو الله ،كانك تراه ، فان لم تكن تراه ، فانه يراك“

اس اجنبی کے چلے جانے کے تھوڑی دیر بعد آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبریل تھے جو دینی معاملات میں تمہاری تعلیم کے لئے آئے تھے۔

یہ انداز عبادت موت کی آخری دستک تک جاری رہنے کا نام الاحسان یا تصوف ہے۔

كماتعيشون تموتون كما تموتون تحشرون (جس طرح زندہ رہو گے اسی طرح مرو گے اور جس طرح مرو گے اسی طرح اٹھائے جاؤ گے) انشاء اللہ تعالیٰ!

عملی تصوف میں اسی مقام کو حاصل کرنے کی تمام تر مشقتیں کرائی جاتی ہیں جس کے ذریعہ سے اہل اللہ آخری مرحلہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس زندگی سے محروم علماء ظاہر کی ایک تحریک ہے جو ہمیشہ سے اس کی مخالفت کرتی آئی ہے اور آج بھی اپنے داعیہ پر اسی شدت کے ساتھ مصر ہے۔

مخالفین......الاحسان

مدینۃ العلمؐ اور باب العلمؑ کے امینوں کو شروع سے ہی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔

منافقین، ناجی، خارجی، بنوامیہ، اور خلفائے بنوعباس۔ ان طبقات نے ہر طریقہ سے امکانی

نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ جان و مال ثانوی درجے کی چیز تھے۔ علمی و ذہنی نقصانات حقیقی اور اول درجہ کی چیز۔ اس کے باوجود جب جب انہوں نے صاحبان الاحسان میں پہلے سے زیادہ توانائی دیکھی تو مخالف جماعتیں اس کے استیصال میں منہمک ہوگئیں اور پھر پہلے سے زیادہ درپے آزار ہوگئیں۔ ہر طرح سے نقصان پہنچاتی رہیں۔ ان جماعتوں نے اپنے انداز میں قرآن پاک کی تفسیریں لکھیں۔ احادیث و آثار مرتب کرنے میں انتہائی چابکدستی سے تخلیط، تحریف اور تغلیط کا کام کیا۔ چنانچہ علمی تسامح ہوا یا کشفی التباس۔ اگر ان محرکات کا نفسیاتی جائزہ لیا جائے تو ایک بات ضرور مشترک نظر آئے گی وہ ان کی قلبی دشمنی ہے جس نے علم و فضل کے حسین ترین لبادے اوڑھ لیے اور تقدس کی نقابوں میں اپنے چہرے چھپا لیے ہیں۔ قلبی قساوت اور کورچشمی ان کے ہر انداز سے پھوٹی پڑتی ہے۔

اولیاء اور صالحین کی للّٰہیت و اخلاص کی بدولت رب کریم نے انہیں بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی تو خارجی رجحان کے علماء نے انہیں تفضیلی کہا اور وجہ جامع یہ بتائی کہ خلفائے ثلاثہ کو چھوڑ کر یہ اپنے شجروں میں صرف حضرت علی کا نام لکھتے ہیں ان کا جی تو یہ چاہتا تھا کہ منہ کھول کر ان مقبولان بارگاہ کو رافضی بد دین کے کہہ کر دل کی بھڑاس نکالیں، عوام میں ایسی باتیں کہہ کر ان کی روز افزوں مقبولیت میں کمی لائیں لیکن خطرہ یہ رہتا ہے کہ یہی عوام ان کے ہی دشمن نہ ہو جائیں اس لئے کھل کر نہیں کہہ پاتے چونکہ یہ مقبولیت اللہ پاک کی عطا کردہ ہے۔ اس لئے اس میں کمی کے بجائے انشاءاللہ اضافہ ہی ہوتا ہے۔

ع قبول خاطر و لطف سخن خداداد است

آنکھیں مندی ہو تو دن میں بھی رات ہے — اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

ایمان جسے کہتے ہیں عقیدے میں ہمارے — وہ تیری محبت، تری عزت کی ولا ہے

(حالی)

المودة القربیٰ

قل لا اسئلكم عليه اجراً الا المودة فى القُربىٰ (پ ۲۵، س ۴۲، آیت ۲۳)

یعنی تو کہہ: میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کچھ بدلا مگر دوستی چاہیے قرابت میں)

بعض علماء نے مودۃ فی القربا سے اہل بیت نبوی (صلی الہ علیہ وآلہ بارک وسلم) کی محبت مراد لے کر یوں معنی کیے ہیں کہ میں تم سے تبلیغ پر کوئی بدلا نہیں مانگتا بس اتنا چاہتا ہوں کہ میرے اقارب کے ساتھ محبت کرو۔ کوئی شبہ نہیں کہ اہل بیت و اقارب نبی کریم (صلی الہ علیہ وآلہ بارک وسلم) کی محبت و تعظیم اور حقوق شناسی امت پر لازم وواجب اور جزو ایمان ہے۔ اور ان سے درجہ بدرجہ محبت رکھنا حقیقت میں حضور ﷺ کی محبت پر دال ہے (تفسیر مولانا محمود حسنؒ)۔

حضور ﷺ کی محبت اور حضور کے اقارب کی محبت دین کے فرائض میں سے ہے۔ (جمل و خازن وغیرہ) تفسیر مولانا نعیم الدین۔

امام احمد بن حنبل، طبرانی وبغوی، ابن ابی حاتم، مقابل کلبی، حاکم، دیلمی اور طبری نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کیا کہ جن لوگوں کی محبت کا ہم کو حکم ہوا۔ وہ کون ہیں، آپ نے فرمایا علی، فاطمہ اور ان کے دونوں بیٹے۔ اس مقام سے حضرت سادات کرام کا اکرام واحترام بھی معلوم کرنا چاہیے۔ (حقوق الاسلام۔ مولانا اشرف علی تھانوی) حضرت امام شافعی کے دو ایمان افروز شعر ملاحظہ ہوں۔

یا اھل البیت رسول اللہ !حبکم فرض من اللہ فی القران انزلہ

کفا کم من علیم القدر إنکم من لم یصل علیکم لا صلوۃ لہ

(اے اہل بیت رسول آپ! کی محبت فرض ہے جو قرآن پاک میں نازل ہوئی۔ آپ کی یہی عظمت ومرتبت کافی ہے جو آپ پر درود نہ بھیجے اس کی نماز ہی مقبول نہیں ہے۔

(جواہر العقدین۔ سمہوی)

پنجتن پاک اور آیتِ مباہلہ

فقل تعالو ندع ابناء نا و ابنا ئکم و نساء نار ونساء کم وانفسنا و انفسکم ثم نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکاذبین (پ۳ س۳ آیت ۶۱)

(یعنی آپ ان سے فرمادیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور

اپنی جانیں اور تمہاری جانیں، پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔ یہاں انفسنا سے جناب سرور عالم اور حضرت علی علیہما السلام اور ابنائنا سے حسنین علیہ السلام اور نساءنا سے جناب سیدہ علیہا السلام مراد ہیں (اخرجہ الحاکم)

کچھ نصاری کے سرغنہ اور پادری لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس بحث کرنے آئے اور عرض کیا اگر حضرت عیسیٰ خدا تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہیں تو بتلاؤ دنیا میں ان کا باپ کون ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمادیا جس طرح بے ماں باپ کے حضرت آدم پیدا ہوئے ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوئے اور یہ بھی فرمادیا کہ اگر اس فہمائش کے باوجود نصاریٰ نہ مانیں تو جھوٹے گروہ پر بدعا کرنے کا جو طریقہ ہے دونوں فریق مسلمان اور نصاریٰ جنگل میں جا کر اس کو جاری کریں جھوٹا گروہ خود وبال میں پھنس جائے گا۔ دوسرے روز آنحضرت ﷺ حضرت علیؑ، حضرت حسنین اور حضرت فاطمہ علیہم السلام کو ساتھ لیکر جنگل میں جا کر جھوٹے گروہ پر بدعا کرنے کو تیار ہو گئے اور آپ نے ان حضرات سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ نصاریٰ نے اس پر صلح کر لی (احسن التفاسیر۔ سید حسن)

بخران کے سب سے بڑے نصرانی عالم (پادری) نے جب ان حضرات کو دیکھا تو کہنے لگے اے جماعت نصاریٰ! اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے پہاڑ ہٹا دینے کی دعا کریں تو اللہ تعالیٰ پہاڑ کو جگہ سے ہٹا دیں۔ ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور قیامت کے روز تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ (تفسیر مولانا نعیم الدین)

عن زید بن ارقم:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: انی تارک فیکم الثقلین ما ان تمسکتم لن تضلو ابعدی احدھما اعظم من الاخر کتاب اللہ وعترتی

حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا لوگو! میں تمہارے پاس دو بھاری (عظمتوں والی) چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اگر تم ان سے چمٹے رہے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ان میں سے ایک دوسرے سے زیادہ عظیم ہے۔ اللہ کی کتاب اور میری عترت۔

اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ محبت اہل بیت ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض اور لازم بلکہ اس کے

ایمان کا ایک جز ہے۔[1]

آیۂ تطہیر

عن عائشه رضی اللّٰه عنهما ، قالت خرج النبی صلعم غداه و علیه مرط مرحل من شعر اسود فجاء الحسن بن علی فاد خلهٔ ثمّ جاء الحسین فد خل معهٔ ثمّ جاء ت فاطمه فاد خلهاثم جاء علی فاد خله ثمّ قال انّمایر ید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت یطهرکم تطهیراب ۲۲ س ۲۳ آیت ۳۳)

(احمد، مسلم، ترمذی، سیوطی فی درالمنثور)

حضرت سعد بن وقاصؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کے نزول پر آپ نے حضرت علی حضرت سیدہ اور حضرت حسن و حسین کو بلا کر اللہ کے حضور میں عرض کیا۔ الٰہی یہ میرے اہل بیت ہیں (مسلم، ترمذی، نسائی)

حدیث الثقلین:

اسی طرح کی ایک دوسری حدیث میں حضرت ابن ابی سلمہ کی روایت ہے لیکن اس میں یہ عبارت زائد ہے۔ ''اے اللہ! ان سے نجاست کو دور فرما اور ان کو اچھی طرح پاک کردے۔

(احمد۔ ترمذی۔ طبرانی)

عن جابر رضی الله عنه قال : رایت رسول الله صلعم فی حجة الوداع، یوم عرفه وهو علی ناقة القصوی بخطب فسمعته بقول : یاایها الناس !انی ترکت فیکم ما ان اخذتم به لن تضلوا کتاب الله و عترتی اهل بیتی (ترمذی)

(حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے بتایا کہ میں نے رسول خدا صلعم کو حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن دیکھا آپ اپنی اونٹنی قصویٰ پر تشریف فرما خطبہ دے رہے ہیں اور میں نے سنا آپ ارشاد فرماتے ہیں اے لوگو! میں تمہارے درمیان وہ چھوڑ رہا ہوں اگر تم نے انہیں پکڑے رکھا تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے کتاب اللہ اور میری عترت اہل بیت۔

اسی مضمون کی حدیث حضرت زید بن ارقمؓ کی ہے جس میں یہ عبارت زائد ہے کہ میں اپنے

[1] تحفۂ اثنا عشریہ صفحہ ۶۲

اہل بیت کے معاملہ میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں یہ بات آپؐ نے تین بار ارشاد فرمائی۔(مسلم)

انہیں سے ایک دوسری حدیث مروی ہے۔ان رسول اللہ صلعم قال العلی و فا طمة والحسن و الحسین اناحرب عن حاربهم وسلم عن سالهم (رواۃ الترمذی)

(رسول اللہ صلعم نے علی فاطمہ حسن اور حسین کے لئے ارشاد فرمایا میں اس شخص سے لڑنے والا ہوں جوان سے لڑے اور اس شخص سے صلح کرنے والا ہوں جوان سے صلح کرے)

اہل بیت سفینۂ نوح:

حضرت ابوذر غفاری راوی ہیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا اهل بیتی کسفینة النوح من رکبها نجا ومن تخلف عنها غرق کہ آگاہ ہو میرے اہل بیت کا حال مثل کشتی نوحؑ ہے جو کوئی اس میں سوار ہوا نجات پائی اور جو کوئی پیچھے رہا اور سوار نہ ہوا ہلاک ہوا۔(رواہ احمد۔مشارق الانوار)

اہل بیت کرام مقتدایان اہل سنت ہیں جوان (حضرات کرام) سے محبت نہ رکھے مردود و ملعون اور خارجی ہے۔(بہار شریعت حصہ اول)

حضرت قبلہ نے اپنے خمسہ پنجتنی میں تحریر فرمایا ہے:

خمسة فضلهم من علی الکونین   فضل راس علی علی القدمین

منهم العزللوری والزین   نورهم شمع محفل الدارین

احمد وفاطمه علی حسنین

(ان پنجتن پاک کو دونوں عالم میں ایسی فضیلت حاصل ہے جس طرح سر کو دونوں قدموں پر۔انہیں حضرات کی بدولت کائنات کی عزت و زینت ہے۔ان کا نور دو عالم کی شمع محفل کی روشنی ہے۔یہ حضرات احمد و فاطمہ علی حسن اور حسین علیہم السلام ہیں)

بارہ امام

یہ حضرات حضور پاکؐ کے چشم و چراغ ہیں آل محمد ہیں۔یہ اہل بیت رسالت کی گیارہ پشتیں اور بارہ امام ہیں۔جن کی امامت و روحانیت کا تصرف قیام قیامت تک جاری رہے گا۔انشاء اللہ تعالیٰ یہ حضرات روحانی سلاسل کا سرچشمہ ہیں۔

عن جابر بن سمرہ قال : قال صلعم لا یزال ھذا لأ مر عزیز ینصرون علی قادلھم اثناعشر خلیفة کلھم من القریش (رواہ الشیخان ای بخاری و مسلم)

''جابر ابن سمرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیشہ یہ امر عزت والا رہے گا کہ جب تک کہ بارہ خلیفہ مدد کرتے رہیں جو سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔''

یہی حدیث اور بھی طریقوں سے الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ وارد ہے۔ مسند احمد، مسلم اور بزار میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

یہ بارہ امام سب آل رسول و اولاد بتول سے ہوں گے ان آیمہٴ کرام علیہم السلام میں سے نو حضرات حضرت سید الشہداء امام حسین شہید کربلا علیہ السلام کی اولاد پاک میں سے ہوں گے جن کے اسمائے مبارک عنقریب آرہے ہیں۔

عن سلمان قال: دخلت علی النبی فخذیه و یقبل عینه و یقبل فاه و یقول : انت سید وانت امام ابن امام وانت حجة ابن حجة ابو حجج تسعه تا سعھم قائمھم (المودات السید علی ھمدانی شافعی و خطب خوارزمی فی المناقب)

(حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ جب میں نبی کریم کے خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حسینؑ آپ کی ران پر ہیں اور آپ ان کی آنکھوں اور رخساروں کو بوسہ دے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں تو سردار ہے امام ابن امام اور حجت ابن حجت ہے نو 9 حجتوں کا باپ ہے اور ان کا نواں قایم آل محمد (آخرالزماں) ہے۔''

ابو نعیمؒ، خدیفہؓ سے عالیہ میں روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسول خدا صلعم امام آخرالزماں کا حال بیان فرما رہے تھے جب یہ فرمایا کہ میری اولاد میں سے ایک آدمی کا نام میرے نام پر ہوگا تو صحابہ نے عرض کیا کس فرزند کی اولاد میں سے ہوگا؟ فرمایا میرے اس فرزند سے ہوگا اور حضرت حسین کی پشت مبارک پر دست کرم رکھا۔

اسی طرح کی ایک اور بشارت حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

امام مہدی آل فاطمہ میں سے:

اسی طرح کی ایک بشارت حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

عن ام سلمه قالت سمعت رسول الله صلعم يقول المهدى من عرتى من ولد فاطمه (ابوداؤد، نسائی، بیہقی، سیوطی)

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول خدا صلعم کو فرماتے سنا کہ مہدی آل فاطمہ کی اولاد سے ہوگا۔

عن ابى هريره رضى الله عنه قال حدثنى خليلى ابو القاسم: لا تقوم الساعة حتى يخرج عليهم رجل من اهل بيتى فضربهم حتى يرجعون الى الحق (رواه ابو على وسيوطى)

(حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میرے دوست ابوالقاسم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص حاضر ہوگا وہ (بددینوں کو) مارے گا یہاں تک کہ لوگ حق کی طرف رجوع کریں گے)

سعید بن المسیب کی روایت میں مهدی من عترتی کے بجائے المهدی من ولد فاطمه نقل ہوا ہے۔

اثنیٰ عشرہ نقیبا:

ان احادیث مبارکہ۔ کے پیش نظر وہ بارہ خلیفہ اثنیٰ عشرہ نقیبا یہی بارہ امام حضرات ہیں۔ یہاں خلافت سے خلافت فی الولایت مراد ہے۔

نخبۃ المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کا ارشاد ہے اجماع اہل سنت سے بلاشبہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ان بارہ اماموں کا مذہب واقعی برحق ہے اور ان حضرات کا طریقہ سلوک و عبادت میں اہل سنت کے تمام فرقوں کے نزدیک مقبول و مطبوع ہے۔ نیز اکثر صوفیوں کے طریقوں کی اسناد انہیں حضرات تک منتہی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضور غوث الاعظم کے سلسلہ کے منبع و مخرج بھی یہی حضرات طیبات ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کے والد ماجد حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

"اس فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ بارہ امام رضی اللہ عنہم ایک نسبت کے قطب ہوئے ہیں اور ان کی

رحلت کی قربت سے اس نسبت کا رواج ہوا ہے۔" (ترجمہ اردو۔ وصیت نامہ)

اس سلسلہ کو اکابر دین نے سلسلۃ الذھب (سونے کی زنجیر) سے تعبیر کیا ہے۔

اسماء دوازدہ امام

۱۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
۲۔ حضرت امام حسن مجتبیٰ
۳۔ حضرت امام حسین سید الشہداء شہید کربلا
۴۔ حضرت امام زین العابدین سید الساجدین
۵۔ حضرت امام محمد باقر
۶۔ حضرت محمد جعفر صادق
۷۔ حضرت امام موسیٰ کاظم
۸۔ حضرت امام ضامن ثامن علی رضا
۹۔ حضرت امام تقی جواد
۱۰۔ حضرت امام علی نقی
۱۱۔ حضرت امام حسن عسکری
۱۲۔ حضرت امام مہدی آخر الزماں

حضرت قبلہ نے اپنی مناجات میں انہیں حضرات کے واسطے سے دعائیں مانگی ہیں۔

الٰہی بحق نبی انام — علیہ الصلوٰۃ علیہ السلام
بحق امام علی مرتضیٰ — وصی نبی و ولی خدا
بحق بتول کہ زہرہ است او — نساء جہاں را وبست آبرو
بحق امام حسن مجتبیٰ — جگر گوشۂ شاہ مشکل کشاہ
بحق امام شہیداں حسین — شہادت از و یافتہ زیب وزین
بحق امام شہ دین ودار — کہ نامش علی ہست وزین العباد
بحق امام کہ باقر خطاب — شنیدیم اورا زروئے کتاب
بحق امام کہ او جعفر است — بصدق وصفا رہبر است
بحق امام کہ موسیٰ ست نام — از و یافتہ شرع ودین انتظام
بحق امام علی رضا — لقب ضامن وثامن آمد ورا
بحق امام محمد تقی — کہ دین نبی شد از و منجلی
بحق امام نقی رہنما — شفیع خلایق بروز جزا

بحق امام حسن عسکری | کہ سوئے حقیقت کند رہبری
بحق امام کہ مہدیست آں | جہاں منتظر کے شود او عیاں
بحق شہنشاہ دین غوث پاک | نوازندہ از سمک تا سماک
بحق غلامان این بارگاہ | کہ ہر فرد فرد است عالم پناہ

شہنشاہ دین غوث پاک

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت کبری سے آپ کو تا ظہور مہدی علیہ السلام نیابت اتم کا مرتبہ عطا ہوا ہے۔ اس مدت میں جو غوث و قطب تشریف لائیں گے وہ آپ کے فیض نیابت سے سرفراز کیے جاتے رہیں گے۔

قدمی ہذا علی رقبۃ کل ولی اللہ

آپ کے اس ارشاد عالی سے مراد آپ کے معاصر حضرات ہیں اور آپ کے دورۂ نیابت میں پیدا ہونے والے تمام اولیاء اللہ آپ کے دست قدرت کے ماتحت ہوں گے۔

بحق شہنشاہ دیں غوث پاک | نوازندہ از سمک تا سماک
بحق غلامان ایں بارگاہ | کہ ہر فرد فرد است عالم پناہ

آپ کے اکابر و متقدمین حضرات مشائخ اور حضرت مہدی علیہ السلام کے وجود باوجود کے ساتھ تمام اولیاء اللہ اس ارشاد کے ذیل میں نہیں آتے۔ کیوں کہ آپ کا دور نیابت حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور پر ختم ہو چکے گا۔

اہل سنت والجماعت

جب اللہ پاک کی فتح و نصرت صحابہ کرام اور تابعین عظام کے ہمرکاب ہوئی تو یہود و نصاریٰ مجوس اور بت پرستوں کے شہر فتح ہوتے چلے گئے۔

(جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا)

(حق آیا اور باطل ضائع ہوا اور بلاشبہ باطل تو ضائع ہونے کے لئے ہی ہے)

جس کی بدولت دشمنانِ اسلام کو ذلت و ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ان لوگوں نے ہر چند زور مارے، بغاوتیں بھی کیں لیکن ان کی ایک نہ چلی پھر بھی یہ لوگ فتنہ پردازی میں اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے۔ چنانچہ خلیفہ سوم کے دور میں ایک زبردست سازش یہ کی کہ اپنے چہروں پر اسلام کا نقاب لگا کر مسلمانوں میں شامل ہو گئے اور فتنہ وفساد، بغض وعناد کی تاک میں لگے رہے۔ چنانچہ آخری دور خلافت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف مصر کی ایک جماعت نے بغاوت کی۔ ان مفسدوں نے موقع سے پورا فائدہ اٹھایا، کوفہ ونواحی عراق سے سمٹ کر مدینہ منورہ کو فتنہ کا مرکز ٹھہرایا یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نہایت بے دردی سے شہید کر دیا اور مدینۃ النبی کی عظمت کو پامال کیا۔ فتنہ پردازوں کا سربراہ یمنی یہودی ابن سبا تھا وہ کھُل کھیلا۔ سب سے پہلے خاندان نبوت کے محبت پر سادہ لوح عوام کو نہایت گرم جوشی کے ساتھ بھڑکانے لگا۔ جب عوام اس کے فریب میں آ گئے تو اپنی گھڑی ہوئی روایات کی تبلیغ واشاعت میں مشغول ہو گیا۔ جب اس کا یہ حربہ بھی کارگر ثابت ہوا تو خلفائے راشدین کے خلاف بکواس کا میدان ہموار کیا اور ثابت کرتا رہا کہ وہ حضرات اہل بیت کے بہی خواہ ہونے کے بجائے خاندان رسالت کے حقوق کے غاصب تھے۔ (نعوذ باللہ) ان بکواسوں کی بدولت جناب امیرؑ کی فوج میں یہ فتنہ شروع ہو گیا۔ ان باتوں کا تذکرہ اور خلفاء پر طعن ودشنام کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جب مولیٰ نے برسر منبر اس ملعون جماعت سے بیزاری ظاہر فرمائی اور ان کو سخت قانونی سزا سے دھمکایا۔ مخصوص لوگوں میں اسے آپ کے تقیہ پر محمول کیا، اس نے اپنے مخصوص ترین شاگردوں کی جماعت کو قول وقسم لے کر ملک کے اطراف میں پھیلا دیا جہاں ان شیاطین نے جناب مولیٰ کو الوہیت کے درجے تک پہنچا دیا۔ جب یہ نازیبا کلام آپ کے کانوں تک پہنچا تو آپ نے ابن سبا اور اس کی جماعت کو جلا دینے کی سزا کا اعلان فرمایا۔ ان شیاطین نے بظاہر توبہ کر لی لیکن اپنی خبث باطنی سے باز نہ آئے آذربائیجان اور عراق کو اپنی شیطانی کا مرکز بنایا۔ ادھر جناب مولیٰ باغیان شام اور مہمات خلافت میں منہمک تھے۔ ادھر یہ مفسد اپنی ریشہ دوانیوں کے ذریعہ افتراق بین المسلمین کے ہدف میں کامیاب ہوتے جا رہے تھے۔ چنانچہ ان مفسدوں کی وجہ سے جناب امیر کی فوج چار فرقوں میں بٹ گئی۔

ا۔ اول فرقہ شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین

یہ اہل سنت والجماعت کے پیشوا ہیں۔ یہ لوگ اصحاب کبار، ازدواج مطاہرات کی حق شناسی وظاہری و باطن کی پاسداری میں اور باوجود جھگڑوں اور لڑائیوں کے سینہ کومکر ونفاق سے پاک صاف رکھنے میں جناب علی مرتضی کے ہمرکاب تھے۔ ان کو شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین کہتے ہیں اور اس حکم کے مطابق ان عبادی ليس لك عليهم الشيطان یہ حضرات ہر حیثیت سے دھوکے باز شیطان (ابن سبا) کے شر سے محفوظ و مامون رہے۔ اس ناپاک کی نجاست کا دھبہ ان کے پاک دامن پر نہیں لگ سکا۔ جناب مولی نے خود اپنے خطبوں میں ان حضرات کی مدح سرائی اوران کے رویہ کو پسند فرمایا۔

بحق محبان واشیاع شان　　　بحق غلامان واتباع شان

۲۔ تفضیلہ:

دوسرے طبقہ تفضیلہ کا ہے۔ یہ جناب علی مرتضیٰ کوتمام صحابہ پرفضیلت دیتے تھے۔ گویا اس ملعون کے ادنیٰ شاگردوں میں سے تھے۔ انہوں نے اس کے وسوسے کوتھوڑا سامان دیا۔ جناب مرتضیٰ نے ان کے حق میں تہدید فرمائی اور فرمایا کہ اگر کسی کے بارے میں میں نے سنا کہ مجھکو شیخین پرفضیلت دیتا ہے تو اس کو (اسی کوڑوں کی سزا) حد افترا کی لگاؤں گا۔

۳۔ فرقہ شیعہ سبیہ

تیسرا فرقہ شیعہ سبیہ کا ہے۔ جن کوتبرائیہ بھی کہتے ہیں۔ اس فرقہ کے لوگ صحابہ کرام کو ظالم غاصب۔ بلکہ کافر اور منافق جانتے تھے۔

۴۔ فرقہ غلاۃ:

چوتھا فرقہ غلاۃ کا ہے۔ یہ اس کے شاگرد اور اس کے یار غار دوستوں میں سے تھے۔ یہ آنجناب کی الوہیت کے قائل تھے۔[1]

[1] تحفۂ اثناعشریہ صفحہ ۵

مذکورہ اول فرقہ: ان مخلصین اہل سنت والجماعت کا جن میں صحابہ، مہاجرین، انصار اور تابعین کا شمار ہے جو ہمیشہ جناب مرتضٰی کی رفاقت میں رہے اور ان کی خلافت کے مددگار۔ ان کا مذہب یہ تھا کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت مرتضٰی امام برحق ہیں اور ان کے اطاعت سب مسلمانوں پر فرض ہے اور یہ کہ وہ اپنے زمانے میں سب سے افضل ہیں۔ جس نے ان کے ساتھ خلافت میں مخالفت برتی اور ان کو لائق خلافت نہیں سمجھا وہ باغی، گمراہ اور خطا کار ہے۔

لقب اہل سنت والجماعت:

ام المومنین حضرت بی بی عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو حضرت علی کی خلافت کے بارے میں ان سے کوئی نزع نہ تھا بلکہ حضرت عثمان کے قاتلین کے قصاص لینے میں عجلت کرنے اور اس میں تاخیر نہ کرنے میں اختلاف تھا اور یہ اختلاف بھی قریب تھا کہ صلح سے ختم ہو جائے۔

جب غلاۃ روافض زیدیوں اور اسماعیلوں نے یہ لقب اپنے لئے اختیار کیا، عقائد اور اعمال میں ان سے شر و قبائح سرزد ہونے لگے تو حق و باطل کے مل جانے کے خطرے سے فرقہ سنیہ و تفضیلیہ نے اس لقب کو اپنے لئے ناپسند کیا اور اس کی جگہ سنت والجماعت کا لقب اختیار کیا۔

اب یہ بات واضح ہوگئی کہ تاریخ کی قدیم کتابوں میں جہاں یہ الفاظ آتے ہیں کہ فلاں من الشیعۃ او من شیعۃ علی (یعنی وہ شیعہ ہے یا شیعہ علی میں سے ہے۔) حالانکہ یہ حضرات روسا اہل سنت و جماعت میں سے ہوتے ہیں۔ تو یہ الفاظ اپنی جگہ صحیح ہیں۔ تاریخ واقدی اور استیعاب میں یہ الفاظ بہت آئے ہیں لہٰذا باخبر رہنا چاہیے۔[1]

شیعہ اولٰی مہاجرین، انصار و تابعین:

پہلا فائدہ: سب سے پہلے وہ مہاجرین و انصار و تابعین اس لقب سے ملقب تھے جو زندگی کے ہر پہلو میں حضرت مرتضٰی کی متابعت اور پیروی کرتے تھے اور وقت خلافت سے ہی آپ کی صحبت میں رہے، آپ کے مخالفین سے لڑے اور آپ کے اوامر و نواہی کو مانتے رہے، انہی حضرات کو

[1] تحفۃ اثنا عشریہ صفحہ ۱۶

شیعہ مخلصین کہتے ہیں، اس لقب کی ابتداء ۳۷ھ میں ہوئی۔

فرقہ تفضیلیہ:

پھر دو تین سال بعد فرقہ تفضیلیہ رونما ہوا، ابوالاسود دویلی اسی فرقہ میں سے ہے۔ یہ علم نحو کا موجد ہے۔ امیر المومنین کا شاگرد اور (قرآن پاک میں اعراب لگانے والا) ہے۔ یہ آپ کے حکم و تعلیم کے بموجب تالیف علم نحو میں مشغول رہا۔

ابو یحیٰ بن یعمر عدوانی بھی ان میں سے ہے یہ تابعی عبداللہ بن سوید عدوی سے ملاقات رکھتا تھا۔ قرات، تفسیر، نحو اور لغات عرب کا بڑا عالم تھا۔ یہ بصرہ کے قراء میں سے ہے، اور نحو میں ابوالاسود مذکور کا شاگرد ہے۔ قاضی شمس الدین بن خلکان وفیات الاعیان میں لکھتے ہیں کہ یحیٰ بن یعمر شیعہ اولیٰ کے اس فرقہ میں سے ہے جو تفضیل اہل بیت کے قائل تھے بغیر اس کے کہ دیگر صاحب فضل حضرات کی برائی کریں۔

اسی فرقہ میں سے یہ لوگ بھی ہیں: سالم بن حفصہ جو امام محمد باقر اور امام جعفر صادق سے حدیث کا راوی ہے۔ عبدالرزاق صاحب مصنف جو اہل سنت کا مشہور محدث ہے۔ ابو یوسف یعقوب بن اسحاق جو کتاب اصلاح المنطق کا مصنف ہے اسی کو ابن سکیت کہتے ہیں۔[1]

روافض:

اس جماعت کو کہتے ہیں جس نے حضرت زید شہید کے ساتھ بے وفائی کر کے انہیں چھوڑ دیا تھا، حضرت نے ان جھوٹے بے وفا لوگوں کے لئے فرمایا تھا۔ رفضونا فھمہ روافض۔ (جنہوں نے ہمیں چھوڑ دیا تھا وہ روافض ہیں)

عشق اہل بیت اور رافضیت دو متضاد امور ہیں جو باہم مخلوط نہیں ہو سکتے۔ حضور پاک ﷺ کے اہل بیت کرام سے بے پناہ عشق مومن کا سرمایۂ ایمان ہے لیکن اس بات کا شدت کے ساتھ خیال رکھنا ہے کہ کہیں انہیں راستوں سے رافضیت ہمارے معتقدات میں شامل نہ ہو جائے۔ اہل بیت کرام کے عشق کے بہانے شیطان اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔

[1] تحفۂ اثنا عشریہ صفحہ ۲۷

اگر بالفرض نعوذ باللہ ایسا ہے تو اہل بیت اطہار کا عشق محض فریب نفس ہے۔ بد دینی اور گمراہی ہے، ایسی مکروہ صورت میں عشق اور بد دینی ساتھ نہیں رہ سکتے۔ چنانچہ آج مشاہیر اولیاء اللہ کے کچھ خانوادے اسی پھٹکار میں رافضی ہو چکے ہیں۔

صحابہ کرام

اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لا تتخذ وھم غرضاً من بعدی من أحبھم فحبی أحبھم فبغضبی أبغضھم[1]

اللہ اللہ تم میرے بعد میرے اصحاب کو دشمن نہ بناؤ جس نے ان سے محبت رکھی تو میری محبت کے ساتھ محبت رکھی اور جس نے ان سے دشمنی رکھی تو میری دشمنی کے ساتھ دشمنی رکھی۔

القرب بالقرب والبعد بالبعد

حقیقت میں ایمان کا معیار بھی یہی ہے کہ جو حضور سے قریب ہے وہ اللہ سے قریب ہے جو ان سے دور ہے۔ وہ اللہ سے دور ہے ان کے جانثاروں سے محبت رکھنا حقیقت میں انہیں سے محبت رکھنا ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو یہ دریافت ہوگا کہ صحابہ کرام پر مکہ میں جو ظلم ڈھائے گئے وہ ان حضرات سے دشمنی کی وجہ سے نہیں تھے۔ بلکہ انہیں کی وجہ سے تھے۔

ان کے صحابہ کرام کی اگر عظمت وتوقیر کی جائے گی ان سے والہانہ محبت کی جائے گی تو انہیں کی بدولت۔ نعوذ باللہ اگر ان سے بغض رکھا گیا تو وہ بغض بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہی ہوگا۔ اس سلسلہ میں ایک بات ضرور ذہن میں رکھنی ہے کہ اس میں اعتدال وتوازن کو کسی صورت میں ہاتھ سے نہیں جانے دینا ہے۔ خدانخواستہ اگر خود ساختہ فضیلت کے معیار پر ان حضرات کو پرکھنا شروع کر دیا تو افراط وتفریط پیدا ہو جائے گی جو ہوائے نفس کا نتیجہ ہوگی۔

آپ کا بھی عقیدہ من وعن وہی ہے جو آپ کے مشائخ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے۔ ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت رکھنے والی ہر شے کو اسی طرح چاہا جس طرح آقا مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عین منشا تھا۔ آپ نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف شمس العین میں

[1] تحفۂ اثنا عشریہ صفحہ ۱۰

نہایت تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر مدلل گفتگو ہے۔ پہلے صحابیت کی حدود متعین فرمائی ہیں اس کے بعد ایمان لانے والے حضرات میں اولیت و اسبقیت کی تعین پر مختلف گروہوں کے عقائد و اقوال قلم بند کیے ہیں۔ اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

قول علماء متاخرین:

و بعض العلماء المتاخرین قالو ان الاقرب الی الا حتیاط القول بان السابق فی الایمان من الصبیان علی المرتضی ومن النسوان خدیجة الکبریٰ ومن الاحرار البالغین ابوبکر صدیق ومن الموالی زید بن حارثه ومن العبید بلال :

اور بعض علماء متاخرین کا قول ہے کہ احتیاط سے زیادہ قریب یہ قول ہے کہ ایمان میں سبقت کرنے والوں میں بچوں میں علی مرتضیٰ، عورتوں میں خدیجہ الکبریٰ اور آزاد بالغوں میں ابوبکر صدیق، آزاد کردہ غلاموں میں زید بن حارثہ اور غلاموں میں بلال ہیں" اس کے بعد فرماتے ہیں:

صحابہ نجوم ہدایت وشموس ولایت:

اے طالبان صادق یہ تمام صحابہ بہر حال نجوم ہدایت شموسؔ ولایت ہیں اور یہ بات سبقت ایمان پر موقوف نہیں اور نہ اس طرح حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمادے وہ تو فضل عظیم کا مالک ہے۔ صاحبان عقل کا قیاس اس بات سے متقضی ہے کہ قرب کے ساتھ قرب اور بُعد کے ساتھ بُعد ہو۔ لہٰذا واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل بشر کی تعین کے بارے میں مسلمانوں میں اختلاف ہے چنانچہ اکثر علماء ظاہر کا قول ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور ان میں سے ایک طبقہ کے لوگ اس طرف ہیں کہ وہ علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔

یہاں تک کہ وہ علماء ظاہر کا عقیدہ بیان فرما کر حضرات کشف وشہود کا عقیدہ بیان کرتے ہیں ان میں بھی کئی گروہ ہیں۔

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

فذهب بعضهم الی انه ابوبکر رضی الله تعالیٰ عنه وذهب الاخر الی انه علی وقال جماعة ان الافضل فی الرافة والتلطف و ترغیب الناس و تالیف

القلوب کماینبغی فی الخلافة و النیابة الظاهریة لنبی (عنهم) ابو بکر:

کچھ حضرات اس طرف ہیں کہ (انبیاء کے بعد افضل بشر) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اور دوسرے حضرات کا رجحان یہ ہے کہ وہ علی کرم اللہ وجہہ ہیں اور ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ بلاشبہ محبت وشفقت میں لوگوں کو ترغیب دلانے اور ان کی تالیف قلوب میں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت وخلافت ظاہری کے شایان شان ہیں ان میں ابوبکر افضل ہیں۔

قول صوفیاء متاخرین:

صوفیاء کے موخر الذکر طبقے کا قول ہے:

والا فضل فی باب العلوم النیابة والکمالات کما ینبغی فی الخلافة والنیابة الباطنیة له صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلافت ونیابت باطنی کے لئے جو باطنی علوم وکمالات درکار ہیں ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ افضل ہیں۔

ان ہی صوفیاء میں چوتھا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خلفاء اربعہ اپنے اپنے دور مبارکہ میں بے نظیر و بے عدیل تھے۔ ان حضرات میں سے ہر خلیفہ بیک وقت خلافت و نیابت ظاہری و باطن کا حامل ہوتا تھا۔

خلفاء اربعہ کی خلافت ظاہری و باطنی:

ومال شر ذمة الی ان الخلفاء ألا ربعة کلهم فی زمان خلا فتهم لا مثل لهم ولا عدیل فابو بکر فی زمان خلافته افضل من جمیع الصحابه و مند کان وصول الفیض و المدد الباطنی لجمیع العالم فلما مات رضی الله تعالیٰ عنهٗ قام فی مقامه و مرتبة عمرؓ فبقی فی زمان خلافته ماکان ابوبکر مرشداً أویعناً للعالم فلم یکن مساویا لأبوبکر فی کانه هو و هکذا الی یوم القیامة

"اور ایک جماعت کا میلان ہے کہ بلاشبہ خلفاء اربعہ میں سب کا اپنے زمانہ خلافت میں کوئی نظیر نہ تھا اور نہ کوئی عدیل۔ چنانچہ ابوبکرؓ اپنے زمانہ خلافت میں پوری جماعت صحابہ سے افضل تھے

اور تمام عالم کو ان سے فیض و باطنی مدد مل رہی تھی ان کے بعد عمرؓ ان کے قائم مقام ہوئے یہ اپنے دور خلافت میں بالکل ابوبکر کی طرح دنیا کے لئے مرشد و معین رہے لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مساوی نہیں تھے۔ بلکہ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا“۔

اس جماعت صوفیاء نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد اس ترتیب روحانیت کو تا قیامت جاری رکھا ہے (جیسا کہ سلاسل کے شجروں میں ظاہر ہے) ان کے اقوال و ارشادات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بلاشبہ خلفاء اربعہ اجماع کے باوجود اپنے عہد خلافت میں قطب المدار تھے۔

اتباع رسول علامت محبت الٰہی:

اے طالب زکی! اخبار و آثار اور اسی طرح انکشافات میں باہم تعارض و تناقص نظر آتا ہے لہٰذا تم (ان علمی مباحث میں نہ پڑ کر) قرب الٰہی اختیار کرو نہ کہ بُعد اور قرب الٰہی بغیر قربت و اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاصل ہونا ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحبکم الله ۔”اے نبی تم ان لوگوں سے کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ خود تم سے محبت فرمانے لگے گا۔ مفہوم“ لہٰذا قربت و اتباع رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اختیار کی جائے اس مناسبت سے قرب سے قرب الٰہی کی دولت میسر آئے گی۔ اس (نکتہ) کو بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہیے۔

صحابہ کرام کے باہمی اختلاف کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ بیان فرماتے ہیں۔

خطاء اجتہادی:

عند اهلسنة والجماعة كان بسبب الخطاء الواقع فی الاجتهاد من بعض الصحابة ذهبت الكل كانت على الصواب وانما الاعمال باالنيات فكلهم مستحقون لثواب

”اہل سنت والجماعت کے نزدیک بعض صحابہ (کے باہمی اختلافات) خطاء اجتہادی کی بنا پر ہوئے تھے اور یہ تمام حضرات اپنی جگہ درستی پر تھے۔ بے شک اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ لہٰذا یہ سب حضرات ثواب کے مستحق ہیں۔

عقائد شیعی:

اس کے بعد وہ شیعہ عقاید پر روشنی ڈالتے ہیں۔

انہ لبیب للنفسانیہ والحرص علی الرباست الدنیویہ التی کانت فی بعض بل اکثرھم من المسلمین یقال لھم الاصحاب

ان کا یہ اختلاف دنیائے دنی کی حکومت کی حرص ونفسانیت کی بدولت تھا جو کہ بعض مسلمانوں میں بلکہ ان کی اکثریت میں موجود تھا جنہیں صحابہ کرام کہا جاتا ہے۔(نعوذ باللہ)

یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ ہر گروہ خود کو حق پر اور باقی سب کو باطل پر سمجھتا ہے اور ہر گروہ اپنے دعووں پر معقولی اور منقولی دلائل پیش کرتا ہے۔

حقوق صحابہ کا احترام:

اے عزیز من! مختصر یہ کہ یہ بات یاد رہے کہ صحابہ کرام کے مسلمانوں پر بے حد حقوق ہیں جس کی ادائیگی سے وہ کبھی عہدہ برا نہیں ہو سکتے۔ان حضرات نے دین اسلام کی تقویت میں کس قدر جانبازی کی ہے کیسے کیسے فاقے سہے اور کفار کی تکلیفیں اور مصیبتیں جھیلی ہیں۔اکثر شہروں اور ملکوں میں اسلام کی اشاعت کی ہے روئے زمین کو کفر وشرک کے غبار وخاشاک سے پاک صاف کیا ہے۔احکامِ شریعت، آدابِ طریقت اور معارف حقیقت انہیں کی بدولت دنیا میں پھیلے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات، احوال اور افعال انہیں حضرات کے وسیلۂ جمیلہ کی بدولت ہمیں ملے ہیں۔بغور دیکھئے خدا اور رسول جماعت صحابہ کے بارے میں کیا کیا ارشاد فرماتے ہیں۔

صحابہ کرام سے بغض، عتاب الٰہی:

طالب حق کو مشورہ دیتے ہیں کہ صحابہ کرام کے تنازع واختلاف کو مضبوط تاویلات کے ذریعہ صحیح معاملات ومقامات پر محمول کیا جائے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو اپنی کم فہمی اور بے عقلی کا قصور سمجھا جائے۔ہرگز کسی صحابی کے بغض کو اپنے دل میں جگہ نہ دی جائے دل محبت الٰہی کا مسکن ہے۔صحابہ سے بغض رکھنے کی جگہ ہرگز نہیں اس سودائے خام میں جو عتاب الٰہی میں گرفتار ہو وہ کہیں

کانہیں رہا۔

ہر کہ باذُرد کشاں درافتاد، برافتاد

(جو شخص بھی تلچھٹ پینے والوں سے الجھا وہ اوندھا گرا)

کہیں ایسا نہ ہو کہ اس خیال فاسد کی بناء پر خدا اور رسول ﷺ کی بارگاہ میں راندۂ درگاہ ٹھہرایا جائے۔

اندریں سودائے کج، بوجہل گردو بوالحکم

(اس سودائے خام کی لعنت میں ابوالحکم جیسا شخص ابوجہل ہو کر رہ جاتا ہے۔)

صحابہ خیر خواہ اہل بیت:

جملہ صحابہ کرام اہل بیت رسول ﷺ کے خیر خواہ ہیں اور یہ اختلاف و تنازع جو اتفاقاً خطائے اجتہادی کی وجہ سے رونما ہوا اسے بھی خیر خواہی پر محمول کرنا چاہئے۔ خطائے اجتہادی تو حقیقت میں وہی ہے جو واقعہ کے مطابق نہ ہو مثلاً کوئی شخص غلط فہمی کی وجہ سے سمجھ لے کہ میرا بھائی ارتکاب گناہ کی وجہ سے سزا کا مستحق ہے اور وہ مظلمہ کو دفع کرنے کی غرض سے اسے سزا دیتا ہے تو ایسی صورت میں ہم اس کے بھائی کو خیر خواہ ہی کہیں گے اگرچہ بھائی نے نہ گناہ کیا ہو اور نہ وہ سزا کا مستحق تھا اور اگر بالفرض محال یہ مجادلہ دیدہ و دانستہ عداوت کے طور پر ہوگا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کو ایذا پہنچانے والے لوگ صحابیت کی حدود سے خارج ہیں۔ اہل بیت (رسول ﷺ) کی ایذا رسانی حقیقت میں خدا اور رسول کی ایذا رسانی ہے۔ ایسی صورت میں خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان ہی ثابت نہیں ہوتا۔ کہاں یہ کہ صحابیت (جیسا عظیم المرتبت مقام)

زامت بہترین صدیق اکبرؓ:

مبیں اندر کمالات نبوت زامت بہتریں صدیق اکبرؓ

حقیقت میں کمالات نبوت کا حامل ان جیسا کوئی نظر نہیں آتا اسی لئے وہ امت مسلمہ میں سب سے بہتر ہیں۔

اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان مبارکہ میں آب و تاب منقبت کے تمام اشعار

ہدیۂ ناظرین کرام ہیں۔

امیر المومنیں صدیق اکبر	امام المسلمیں صدیق اکبر
رئیس العاشقیں صدیق اکبر	انیس العارفیں صدیق اکبر
رفیق مصطفٰے در غار تاریک	نبودہ غیر ایں صدیق اکبر
نثار ما حضر بر مصطفٰے کرد	برائے کار دیں صدیق اکبر
مبیں اندر کمالات نبوت	زامت بہتریں صدیق اکبر
نبی را داد حق تسکین بہ معراج	بآواز ہمیں صدیق اکبر
امام ہر کہ و مہ از صحابہ	کہ شد؟ اے دل! جز یں صدیق اکبر
باجماع صحابہ شد مقرر	نبی را جانشیں صدیق اکبر

نیاز از بہر آں مداحش آمد
کہ بودہ است ایں چنیں صدیق اکبر

عقیدہ حضرت فخر جہاںؒ:

الحمدللہ بالکل یہی عقیدہ آپ کے ولی نعمت و شیخ (جن میں آپ فنا تھے) محب النبی فخر الدین فخر جہاں کا تھا۔ وہ اپنی تصنیف عقاید نظامیہ میں فرماتے ہیں:

حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وجود باجود کے بعد افضل الناس حضرت ابوبکر بن قحافہ رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، اور ان کے بعد حضرت علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ ان چاروں خلفاء کے بعد باقی حضرات صحابہ جو ہمیشہ حق کی پیروی پر ہیں جیسے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھے ویسے ہی (بغیر کسی تغیر یا کمال میں نقصان کے) بعد میں ہیں۔

ہم اصحاب کو محبوب رکھتے ہیں اور اصحاب میں (بدرجہ اتم) آپ کی آل بھی شامل ہے۔ رافضیوں اور خارجیوں کے برعکس ہم ان سے محبت رکھتے ہیں اور ان میں سے کسی کو برا نہیں کہتے

(جب کہ وہ اصحاب وآل کے حضور میں بے ادب و گستاخ ہیں) ان حضرات سے ہماری محبت اس فرمان کے تحت کہ سابقین ہی اول ہیں جو مکہ سے مدینہ کو ہجرت کرنے والے ہیں اور انصار جنہوں نے مہاجرین کی مدد کی اور باقی وہ ہیں جنہوں نے اطاعت وایمان میں سابقین کی پیروی کی خدائے تعالیٰ ان کے اخلاص سے راضی ہو گیا اور وہ اس کی (عطا کردہ) دینی و دنیوی نعمتوں سے راضی ہو گئے۔(خلاصہ تفسیر حسینی)''۔

آپ کا فرمان ہے کہ میرے صحابہ کو بُرا نہ کہو۔ہم صحابہ میں سے ہر ایک کا ذکر خیر سے کرتے ہیں۔اگرچہ ان میں سے کچھ سے شر کی صورت میں باتیں ظاہر ہوئیں۔حسب فرمان سب سے اچھا میرا دور ہے، نیز یہ کہ جب میرے اصحاب کا ذکر ہو تو خاموش رہو۔اس حدیث میں ان مشاجرتوں کی جانب اشارہ ہے جو ان حضرات سے معرکوں میں واقع ہوئی ہیں۔ان سے پرہیز کرو۔ملامت اور خودرائی میں افراط وتفریط سے بچو۔

عقیدہ غوث الاعظمؒ و شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ:

عقاید کے سلسلے میں تمام مشائخ کرام کا یکساں رویہ رہا ہے۔چنانچہ حضور غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلیفۂ اعظم حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی موقف ہے۔عقائد صوفیاء کی نویں فصل (عدامت المعارف) میں تحریر فرماتے ہیں۔

''حقیقت میں صحابہ کرام کے معاملات میں بہت زیادہ تجسس کرنا بُری بات ہے۔تمام حضرات صحابہ سے یکساں محبت کی جائے، باہم فضیلت دینے میں ہرگز غلو نہ کیا جائے۔اگر دل میں ایسی بات محسوس ہو تو اس کو (حدیث نفس) قلبی شرارت سمجھ کر دوسروں پر ظاہر نہیں کرنا چاہئے۔محبت میں توازن باقی رکھنا چاہئے۔اکثر لوگ بھٹک کر افراط وتفریط میں چلے گئے۔اگر صحابہ سے متعلق کوئی خرابی ذہن میں آئے تو اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنا چاہئے۔ان کی فضیلت کے بارے میں جو روایات صحابہ وتابعین سے وارد ہیں ان پر عقیدہ صحیحہ قائم کرنا چاہئے۔

عقیدہ یہ ہو کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت درست ہے، بالکل اسی طرح حضرات عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی خلافت کے بارے میں بھی۔

یہ بھی واضح رہے کہ حضرت علی و معاویہ کے درمیان جنگ کے باوجود وہ ایک دوسرے کو کافر نہیں کہتے تھے۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی خلافت میں اجتہاد کیا جس میں ان کی رائے درستی پر تھی اور وہ اس زمانے میں تمام صحابہ کرام سے زیادہ خلافت کے مستحق تھے۔ اس کے برعکس حضرت معاویہ کا اجتہاد خطائے منکر تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں وہ ہرگز خلافت کے مستحق نہ تھے۔

اے اللہ! ہم کو حضرات صحابہ کی محبت سے بہرہ ور فرما اور اُن کے زمرہ میں ہمارا حشر فرما۔ آمین!!

خارجی وخارجیت

رسولؐ دشمنی کے لئے مشرکین مکہ، یثرب کے عیسائی اور یہودی کھلم کھلا اور در پردہ کام کر رہے تھے۔ لیکن تجربوں نے یہ بتا دیا کہ اسلام اب ایسی چیز نہیں ہے کہ سامنے آ کر اس کی مخالفت کی جائے اور اپنی ہی توانائیاں برباد کی جائیں۔ لہٰذا پردہ میں کام شروع ہو گیا اور انہیں اپنے ہدف سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ انہوں نے اسی سلسلے کا ایک کام جو سب سے اہم تھا یہ کیا کہ اسلام قبول کر کے اندر داخل ہو گئے اور انہیں حسب دل خواہ کام کرنے کے مواقع فراہم ہو گئے۔ ان تحریکوں نے اپنے کام کو انتہائی ترقی پر پہنچا دیا۔ یہ منافقین خود کام کرتے اور دوسروں کے سروں پر تھوپتے رہتے۔ ایک مدت تک عبداللہ ابن سبا یہودی کے نام سے اپنے کام کو پروان چڑھاتے رہے اور خود منافقین دین کے مخلص بن کر دین میں خلفشار پیدا کرتے رہے۔ ان مکروہ حالات نے مسلمانوں کی مشہور عالم یک جہتی کا شیرازہ بکھیر دیا ہمیشہ کے لئے پارہ پارہ کر دیا اور اگلا قدم یہ ہوا کہ مسلمانوں کی یک جہتی کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ سیاسی قیادت اور دینی قیادت۔ چونکہ یہ ڈھانچہ انہیں

کی کوششوں کا نتیجہ تھا، اس لئے وہ خود اس کے اندر موجود تھے۔

دینی قیادت:

دینی قیادت کے لئے حضرات صحابہ کرام، ان کے متبعین، تابعین اور تبع تابعین کی صورت میں تشریف لائے رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ لیکن ان حضرات کے شانہ بہ شانہ وہ مستحکم اور منظم تحریکیں اپنا کام نہایت مستعدی سے انجام دیتی رہیں۔ منافقین، محدثین کے مقدس طبقے میں داخل ہوگئے۔ کبھی یہ فقہا کے جامے میں فساد پھیلاتے رہے، چنانچہ ان کی کارستانی کی بدولت دینی قیادت بھی منظم جماعت کی شکل اختیار نہیں کرسکی۔ حکومت کی سرپرستی سے محروم اور بے سہارا لوگ دین کا کام کررہے تھے۔ اسی لئے یہ کام غیر منظم ہی رہا آخرش جزئیات وفروعات میں اختلاف رائے ہوتے ہوتے بات یہاں تک پہنچی کہ مسلک میں اختلاف کی وجہ سے ایک امام کے متبعین نماز جیسے دین کے ستون کو قایم کرنے کے لئے بھی شانہ بہ شانہ کھڑے نہیں رہ سکے اور علماء نے فتویٰ دے دیا کہ ایک امام کے پیرو کی نماز دوسرے مسلک کے امام کے پیچھے نہیں ہوسکتی۔ اگر موقعہ کی نزاکت کے پیش نظر منافقت میں پڑھ بھی لی جائے تو نماز دہرانی ہوگی۔ فساد کی یہ لعنت روحانی دنیا میں بھی در آئی حتیٰ کہ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ جیسے مقبول عالم کے پیچھے ان کے شیدائیوں اور جاں نثاروں کی ہی نماز نہیں ہوگی۔ یعنی ہمارے جن اکابر مشائخ سلسلہ نے حضور سیدنا غوث الاعظم کی امامت میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل کیا تھا ان سب کی نمازیں باطل تھیں۔ (نعوذ باللہ)

یہ ہمارے مدعیان نیابت رسول ﷺ کے کارنامے ہیں:

ع دین ملائی سبیل اللہ فساد

سیاسی قیادت کی ابتری:

دینی قیادت سے کہیں بدتر حال سیاسی قیادت کا ہوا۔ منافق علماء سیاسی قیادت کے ہاتھوں خود فروشی کرتے رہے۔ یہ دنیا کے کتوں کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کرتے کہ آپ فرمائیں تو آپ کے فضائل میں حدیثیں لکھ لائیں۔ یہ حدیثیں تیار کر کے لاتے اور اپنی جھولیاں بھر

بھر کر لے جاتے۔وضع حدیث کا یہ سلسلہ بنی عباس کے آخر دور تک چلتا رہا۔
منافقین کی دینی سیادت بھی سیاسی قیادت کے حضور میں سجدہ ریز ہوگئی۔وہاں پہنچ کر علماء نے وہ گل کھلائے کہ پناہ بخدا......!!

جمعہ کے خطبوں میں ظالم بادشاہوں کی مدح وثنا:

انہوں نے بادشاہوں کو ظل اللہ کا درجہ دیا جمعہ کے مقدس خطبوں کو ان ظالم اور بے دین بادشاہوں کی مدح وثنا سے نجس کیا چنانچہ سیاسی قیادت نے بھی اپنے نام کا خطبہ پڑھوانا دین کا رکن سمجھ لیا اور اس کے انعام میں یہ منافقین شیخ الاسلام کے درجوں پر فائز ہوتے رہے۔

ع ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا!!

سلطان علاء الدین خلجی سکندر ثانی کو نبی بنائے دے رہے تھے لیکن معاملہ کچھ کچارہ گیا اور وہ بھی ان کے شیطانی وسوسوں سے تائب ہوگیا۔لیکن یہ کہاں ماننے والے تھے گھات میں لگے رہے اور آخرش اکبراعظم کے دور فارغ البالی میں اسے نبی بنا کر چھوڑا۔

بطور لطیفہ فیضی کا ایک شعر:

شکر صد شکر کہ خیر البشرے پیدا شد   یک نبی رفت بہ جہانش دگرے پیدا شد

اور اس کے رد میں ملا عبدالقادر بدایونی کا ایک شعر اسی پس منظر میں ملاحظہ ہو۔

حیف صد حیف کہ شر البشرے پیدا شد   بلکہ در دین نبی رخنہ گرے پیدا شد

دین خالص کے دیوانے:

صرف چند اللہ والے دین خالص کے دیوانے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا کر اس دینی وسیاسی قیادت کا مقابلہ کرتے رہے اور آج الحمد للہ انہیں حضرات مخلصین کے پاکیزہ کردار کی بدولت ساری دنیا میں کروڑوں انسان دائرہ اسلام میں داخل ہیں اور امت مسلمہ انہیں کی وجہ سے دین خالص کا روپ دیکھ رہی ہے۔

علماء کے تفرقوں اور اختلافوں کی وجہ صرف ان کا اپنی فوقیت جتانا تھا جس کی وجہ سے بے گنتی فرقے اور مسلک طاعونی وبا کی طرح امت مسلمہ میں پھیل گئے۔

شیعہ، خوارج، مرجیہ اور معتزلہ تو مشہور فرقے ہیں ہی حقیقت یہ ہے کہ:

ع یہ امت خرافات میں کھوگئی

شیعہ و خوارج فعال فرقے:

مذکورہ فرقوں میں دو فرقے شیعہ اور خوارج دونوں بے حد فعال ثابت ہوئے ان کے عمل اور ردعمل میں ایسے بھیانک نتائج برآمد ہوئے کہ آج کوئی بھی مسلک ہو اس کے اندر انہیں دونوں فرقوں کے عمل ورد عمل کے عوامل نظر آتے ہیں۔ شیعہ معتقدات سے ڈرانے والے علماء اہل سنت والجماعت کی اچھی تعداد خارجی رجحان کی ہے۔ اس کا تانا بانا بھی وہی ہے۔ یہ محبین اہل بیت کو تفضیلی کے لقب سے نوازتے ہیں۔ وپچھلے اوراق میں بیان کیا جا چکا ہے کہ تفضیلی فرقہ رافضیوں ہی کا فرقہ ہے۔

کلمہ گوؤں کی اعلانیہ تکفیر

(۱) خارجیوں کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کلمہ گوؤں کو اعلانیہ کافر کہتے اور گالیاں دیتے اور اس میں بھی کوئی امتیاز نہ کرتے۔ ذرا ذراسی بات پر کافر ٹھہراتے۔

(۲) خلافت کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ امام ہونے کے لئے اولاد رسول تو کجا قریشی ہونا بھی لازم نہیں ہے اور آج تک وہ اپنے عقیدے پر قائم ہیں

(۳) وہ قرآن وحدیث کو تو مانتے ہیں لیکن ان کے انہیں مطالب پر یقین رکھتے ہیں جو ان کے علماء نے بیان کیے تھے خواہ وہ حقیقت سے کتنا ہی بیگانہ کیوں نہ ہوں۔

دبیز نقابوں کے باوجود ان کے مسخ چہروں کے خدوخال پوری طرح نظر آ رہے ہیں۔

بہر رنگے کہ خواہی، جامہ می پوش من انداز قدت را می شناسم

(۱) ان خارجیوں کا سب سے بڑا طبقہ (ازارقہ) اپنے علاوہ تمام مسلمانوں کو مشرک کہتا ہے۔

(۲) اس کا مسلک یہ تھا کہ خوارج کو اپنے (ہم عقیدہ کے) سوا کسی کی اذان پر نماز کے لئے جانا روا نہیں ہے۔ یعنی اپنے عقیدے والے امام کے علاوہ دوسرے عقیدے والے امام

کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

(۳) نہ کسی دوسرے (عقیدے والے مسلمان) کا ذبیحہ حلال ہے۔

(۴) نہ کسی دوسرے (عقیدے والے مسلمان) سے شادی بیاہ کا تعلق جائز ہے۔

(۵) نہ خارجی، غیر خارجی کے وارث ہو سکتے ہیں۔

زمانہ سازی کے مشاق:

یہ وہ معتقدات ہیں جو باہم مشترک ہیں انہیں اسی فریم میں دیکھا جا سکتا ہے اور یہی ان کا نیٹ ورک ہے جس سے بال برابر آج بھی تجاوز نہیں کرتے ہیں۔ انہیں کے ذریعہ صحیح صورت حال سمجھ میں آسکتی ہے، ویسے زمانہ سازی کے مشاق ہونے کی وجہ سے ہر خانہ میں ڈھل جاتے ہیں۔ موقع شناسی کی وجہ سے ابلہ فریبی کے لئے ہر قسم کے نعرے لگا سکتے ہیں جیسے حالات ہوں اگر صوفیاء کی محفل ہے تو حال وقال کی تحیر خیز باتیں کرنے لگیں گے ان میں بھی اگر سادہ لوح قادری اکثریت میں ہیں تو یاغوث کے نعرے لگائیں گے اور دوسروں کو بھی آمادہ کریں گے۔ اسی طرح چشتیوں مداریوں جن کے بیچ میں بیٹھیں گے بالکل انہیں کی بولی میں بولیں گے۔ جب بھولے بھالے عوام اور سریع العقیدہ لوگ اس دام تزویر میں آجائیں گے تو پھر اپنے قدیم خارجی مسلک کے تحت پورے اعتماد کے ساتھ اولاد رسول ﷺ کی دشمنی میں زہر افشانی کریں گے دشمنان اہل بیت (علیہم السلام) کے ایسے مناقب وفضائل بیان کریں گے جو حضرات خلفاء اربعہ، عشرہ مبشرہ، اصحاب بدر بین واحدین میں بھی نہ ہوں۔

باب ہفتم

اکابر علماء ومشائخ کی حضرت نیاز بے نیاز کے حضور میں حاضریاں

حضرت غوث علی شاہ قلندر کی حاضری

حضرت مولوی گل حسن شاہ صاحبؒ مرتب تذکرہ غوثیہ میں نقل فرماتے ہیں۔ ''ایک روز ارشاد ہوا کہ ایک بار شہر بریلی میں گزر ہوا۔ وہاں شاہ نیاز احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات ہوئی۔ نہایت اخلاق سے پیش آئے۔ بہ ہمہ صفت موصوف تھے۔

ہم چند روز وہاں ٹھہرے۔ ایک دن فرمانے لگے کہ:

''تم ہمہ اوست کیوں نہیں کہتے؟

ہم نے عرض کیا کہ ''حضرت جو کہتے ہیں وہ قالی اور خالی ہیں اور جو حالی ہیں وہ کہتے نہیں''۔

قالی خالی...... حالی خاموش!

ایں مدعیان در طلبش بے خبر انند ‏ ‏ ‏ کانرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

دوسرے یہ کہ ہم ٹھہرے طالب اگر ہمہ اوست کہیں تو کس کی طلب کریں؟

مولانا صاحب چپ ہو گئے۔

مگران کے خلیفہ صاحب بولے: ''ہمارے حجرے میں آؤ ہم تم کو توجہ دیں گے''۔

ہم نے کہا: ''بسم اللہ''۔ حجرے میں جا کر توجہ لینے بیٹھے۔

ہم نے کہا کہ ''صاحب! اس وقت تو آپ بالکل مولانا نیاز احمد صاحب معلوم ہوتے ہیں''۔

خلیفہ صاحب نے کہا: ''اجی! استغفر اللہ! ذرہ کو آفتاب سے کیا نسبت''؟

ع چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

ہم نے کہا: ''سبحان اللہ! خدا بننے کو آپ تیار ہیں مگر نیاز احمد نہیں بن سکتے۔ رکھیے، اپنی توجہ۔ ایسے شخص کی توجہ کس کام کی جو کبھی تو خدا بن بیٹھے اور کبھی بندے کا بندہ۔

غرض کہ چند روز بعد ہم وہاں سے چل دیے۔ [1]

یہ قلندر صاحب کی نوجوانی اور تعلیمی دور کے خاتمہ کا دور ہے۔ یہ دور ہوتا ہی ایسا ہے۔ یہ ان کا بیس سالہ (۱۲۳۹ھ کا) دور ہے اس عمر میں مشہور اولیاء کی زیارت کرنے اور فیض حاصل کرنے یا ان کو ٹٹو لنے اور کھنگالنے نکلے ہیں اس سے پہلے علم ظاہری کے بڑے بڑے جغادریوں سے سابقہ رہا ہے، جو خود کو نائب رسول ﷺ اور اصفیاء طریقت کو مدعیاں فرما کر بات بات پر ان کا استہزاء فرماتے تھے۔

اور حضور قبلہ کا نویں دہے کا دور ہے۔ بڑے میاں دل میں ہنس کر خاموش ہو رہے۔ پہلے سے حضرت غوث علی شاہ صاحب اپنے سفروں کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ سیاق سے اندازہ ہوتا ہے کہ پانی پت ہوتے ہوئے میرٹھ میں حضرت حبیب اللہ شاہ کی خدمت میں پھر انہیں کی ایماء پر دہلی میں شاہ ابو سعید کی خدمت میں، وہاں تسلی نہ ہونے کی صورت میں مرزا عبدالغفور بیگ صاحب کی زیارت کے لئے خورجہ پھر وہاں سے میرٹھ میں روشن علی شاہ سے کوٹلہ کی مسجد میں ملاقات کی۔ موضع منڈاور کے سجادہ نشین سے سابقہ رہا۔

قلندر صاحب کا عندیہ یہ ہے کہ ''اکثر پیرزادے صاحب سوائے بزرگی خاندان کے اپنی گرہ کا کچھ نہیں رکھتے اور مریدوں کی خوب خبر لیتے ہیں۔ اگر کوئی راسخ الاعتقاد اپنی محبت سے پیر کا کچھ کام کرے تو اس کو اختیار ہے لیکن بدلہ دینا اس کو بھی لازم ہے۔

کرت پور میں حضرت احمد شاہ کے سجادہ نشین صاحب نے فرمایا: ''میاں طالب علم حجتی ہوتے ہیں۔ اسی واسطے انہیں فیض نہیں ہوتا''۔

مراد آباد میں حضرت شیدی میاں صاحب سے ملاقات کرتے ہوئے بریلی آگئے۔

[1] تذکرہ غوثیہ صفحہ ۶۵

حضرت قبلہ کی خدمت میں قلندر صاحب کا تاثر:

یہاں حضرت شاہ نیاز احمد صاحب کے پاس اچھا خاصا قیام رہا۔ قلندر صاحب ان کی دو باتوں سے بے حد متاثر ہوئے۔ (۱) نہایت اخلاق سے پیش آئے۔ (۲) بہ ہمہ صفت موصوف تھے۔

جوہر قابل:

ویسے تو حضرت قلندر صاحب کا قیام حضرت کے یہاں بہت دنوں رہا لیکن حضرت قبلہ کی چشم بصیرت نے پہلی ہی نظر میں ان کے اندر ہمہ اوست کا جوہر قابل دیکھ لیا تھا۔ میاں صاحبزادے طالب علم ٹھہرے مزید یہ کہ علماء ظاہر کے چنیں چناں کا زنگ چڑھا ہوا تھا ان کو اس وقت تک اس احساس کی ہوا بھی نہیں لگی تھی، انہیں تو برجستہ ضلع جگت اور پھبتی کسنے کا شوق، اب تک سفر میں صوفیہ سے ایسے ہی نمٹتے اور دو دو ہاتھ کرتے چلے آرہے تھے۔ یہاں نیاز بے نیاز کی وجاہت عرفانی ایسی حاوی رہی کہ جواباً صرف عرض ہی کیا ورنہ حسب عادت کچھ اور ہی کہہ دیتے۔

یہ دور حضور قبلہ کا چوراسی سال کے بعد کا دور ہے۔ بڑے میاں نے اس خیال سے نظر انداز فرمادیا کہ نوجوان طالب علم ہیں تجربات و مشاہدات کی دنیا میں ابھی قدم بھی نہیں رکھ پائے ہیں اسی لئے منہ زوری ہے۔

کرت پور میں حضرت احمد شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے سجادہ نشین کا برمحل ریمارک پہلے سے ان کے لئے پاس ہو چکا ہے کہ:

"میاں! طالب علم حجتی ہوتے ہیں اسی واسطے ان کو فیض نہیں ہوتا"۔

حضور قبلہ نفسیات انسانی کے ماہر اور نباض فطرت ہیں۔ خود بقول قلندر صاحب وہ بہمہ صفت موصوف ہیں وہ اتنی جلدی جوش میں آکر ایک باصلاحیت آدمی کو بدل کر دیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا تھا، انہوں نے بخوبی سمجھ لیا تھا کہ یہ سب کچھ تو ہو کر رہے گا۔ آگے چل کر جب شعور بیدار ہوگا تو ازخود اس تخم (ہمہ اوست) میں برگ و بار آجائیں گے۔ قلندر صاحب بیچارے کیا سمجھ پاتے۔

ناصحا! یہ چناں چنیں کہ ہیں سب خود پسندی کے قریں
نہ دکھائی دے گی کبھی کہیں جو کسی نے سُجھا دیا

خلیفہ صاحب بالکل نیاز احمد صاحب:

خلیفہ صاحب (حضرت عبید اللہ صاحب بدخشانی رحمتہ اللہ علیہ) کے بارے میں حضرت غوث علی شاہ قلندر صاحب نے اپنے مشاہدے اور احساسات کا اظہار فرمایا ہے کہ: ''صاحب اس وقت بالکل مولانا نیاز احمد صاحب معلوم ہوتے ہیں''۔

تو یہ صد فیصد حقیقت ہے کہ حضرت مولوی صاحب (نور اللہ مرقدہ) عین نیاز بے نیاز تھے اس لئے حسب ارشاد شیخ ملکی وغیرہ ملکی اشاعتی سفروں کے دوران وہی کار نیابت انجام دیتے تھے۔ اس دوران میں لوگوں کو سلسلہ عالیہ میں داخل کرتے وقت اپنے دائیں دست مبارک کے لئے فرماتے تھے کہ یہ حضرت مولانا مرشدنا نیاز بے نیاز کا ہاتھ ہے اور اس ہاتھ پر تم نے حضرت مولانا فخر الدین محمد دہلوی کی بیعت قبول کی۔

فنا فی الشیخ کے بعد ہی تو شیخ نے وثوق کامل کے ساتھ ان کے لئے تحریر فرمایا ہے:

وجعلته عنی نائبالیرب المریدین ۔(میں نے انہیں اپنی جانب سے نائب مقرر کیا ہے تا کہ یہ مریدین کی تربیت کریں)فامره من أمرنا ومن خالفه غيرحق خالفنا ۔(لہٰذا ان کا حکم میرا حکم اور ان کی ناحق مخالفت حقیقت میں میری مخالفت ہے۔)

جناب قلندر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مشاہداتی تاثر کے بعد حضرت قبلہ کے خلیفہ صاحب کا یہ ارشاد فرمانا کہ:

''اجی! استغفر اللہ! ذرہ کو آفتاب سے کیا نسبت؟

ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک

حقیقتاً یہ حضرت خلیفہ صاحب کی انتہائی انکساری تھی جو عین سنت کے مطابق تھی۔ انہیں کیا خبر کہ کبھی وہ اعلیٰ ارفع ذات ﷺ یوں فرمائے:

لی مع الله وقت لا يسعني فيه ملك مقرب ولانبی مرسل .(الحدیث)

(میرا خدا کے ساتھ ایک وقت ایسا بھی ہوتا ہے جس میں مقرب فرشتے اور نبی مرسل کی بھی گنجائش نہیں ہوتی)

کبھی فرمائے: انا احمد بلا میم۔ (میں بغیر م کا احمد۔ احد) ہوں۔
اور کبھی زبان الہام سے فرمائے انا عرب بلا عین (میں بغیر 'ع' کا عرب = رب) ہوں۔
اور پھر کبھی جب بسوئے کثرت توجہ فرمائے تو بزبان فیض ترجمان ارشاد ہو۔
ماعر فناك حق معرفتك (ہم نے تجھ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح پہچاننے کا حق تھا)۔

ع ماعرفنا گفت، اینجا سید ابرار ما

حضرت خلیفہ صاحب ابھی گویا توجہ دینے کے لئے ملتفت بھی نہیں ہو پائے تھے کہ حضرت قلندر صاحب کا یہ کہنا ایسے شخص کی توجہ کس کام کی جو کبھی تو خدا بن بیٹھے اور کبھی بندہ کا بندہ۔ اس دعوت توجہ میں کہیں انا الحق کا دعویٰ نہیں تھا۔ بلکہ خود قلندر صاحب کے اندر کی دبی دبائی صلاحیت کو ابھارنا تھا۔ قلندر صاحب اپنی جلد بازی اور منہ زوری کے بعد چند روز اور وہاں ٹھہرے اور پھر وہاں سے چل دیے۔

مارا تمہاری زلف کا ہر گز نہ بچ سکے سو بار بچ رہا ہو جو افعی ڈسا ہوا

جناب قلندر صاحب نے القائی توجہ، اتحادی، اصلاحی، منامی، ہیجانی اور غضبانی کے علاوہ پتھر پھوڑ اور دل پھاڑ بھی دیکھی تھیں لیکن ایسی توجہ کبھی نہیں دیکھی کہ شمہ برابر احساس نہیں ہوا اور وہ لاشعوری طور پر اندر تک سرایت کرتی چلی گئی۔

ہمہ اوست طاری ہو گیا:

ع گوشہ ہوئی عقل اور ہوئے اوسان کنارے

کبھی کہتے:

کچھ نہیں کھلتا مجھے میں کون ہوں صورت حیرت ہوں یا شکل جنوں

ہمہ اوست ان پر طاری ہو گیا، اعماق روح میں سما گیا اور اس کے بعد ان کی ہر سانس میں ہمہ اوست ہی تھا۔ جی یہ چاہتا ہے کہ اس دعویٰ کے ثبوت میں سارا تذکرہ غوثیہ نقل کر دیا جائے۔ اس سے قبل کہ حضرت قلندر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے اقوال وارشادات میں سے کچھ اس موضوع پر نقل کیے جائیں۔ اس متعدی توجہ کا اثر مرتب تذکرہ غوثیہ حضرت سید گل حسن شاہ صاحب میں دیکھ لیا

جائے۔ جناب ممدوح بذات خود افغانی ہیں۔ حضرت قلندر صاحب کے تربیت یافتہ بلکہ ان کا نفس ناطقہ ہیں وہ اپنے بارے میں رقم طراز ہیں:

"یہ نیاز مند، خاکسار، خادم الفقراء گل حسن قادری نہ تو اردو کا اہل زبان نہ اس دیار کی پیدائش۔ آوارہ گرد، بے وطن۔ نہ کوئی ماوانہ مسکن"۔[1]

توجہ متعدی۔ ہمہ اوست کی فراوانی:

یہی افغانی، حضرت موصوف کی متعدی توجہ کی بدولت کس روانی کے ساتھ ہمہ اوست بیان کر رہا ہے۔ منہ سے ہمہ اوست کا فوراہ چھوٹ رہا ہے جو دوسروں کو بھی بے خیالی میں شرابور کر رہا ہے اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت قلندر صاحب کی اپنی کیا کیفیت رہی ہوگی۔

دیباچہ کی حمد و نعت میں سے چند چند جملے نقل کیے جا رہے ہیں۔ ورنہ تمام تر دیباچہ ہمہ اوست کا آئینہ ہے۔

"حمد و ثناء، سہو و خطا، شکر و سپاس، ۔ وہم و وسواس، کیسی حمد کس کا شکر؟ حامد کون؟ محمود کون؟ شاکر کدھر؟ مشکور کہاں؟ قطرہ ہے تو دریا موہوم۔ دریا ہے تو قطرہ معدوم۔[2]

کہاں کا وہم؟ کیسا قیاس؟ اپنی حمد، اپنا سپاس۔ اپنی داستان اپنا بیان، اپنا مقال، اپنا حال۔ خود شاکر خود مشکور۔ خود ذاکر خود مذکور۔ قطرہ میں دریا غرق۔ دریا میں قطرہ فنا۔ ذرہ پر آفتاب محیط۔ آفتاب پر ذرہ حاوی۔ دانہ میں شجر کے آثار۔ شجر میں دانہ آشکار۔ وجود میں شہود، شہود میں وجود۔

هوالاول هوالاخر هوالظاهر هوالباطن

حسن ذات نے حلیہ صفات میں نگار بیرنگی نے لباس تعینات میں ظہور کیا۔ وہی روز ازل، وہی موج اول۔ وہی تجلی و نزول۔ وہی مرتبہ اول وہی شان آخر۔ جو حال جو قال و عبارت جو اشارت چاہو قرار دو۔ اعتبار اظہار تجلی تفصیل، تغیر، تبدیل، تصور تخیل، تشخص، تعین، حدوث خلق کون و فساد سب کا ایجاد۔ اول ما خلق اللہ نوری۔ یعنی غایت مقصود علم میں مقدم مگر ظہور میں مؤخر ہے۔ تخم ریزی سے پہلے

---

1. تذکرہ غوثیہ۔ حضرت سید گل حسن شاہ قادری صفحہ ۷
2. // // // صفحہ ۱۸۰

ثمر مد نظر ہے۔ بعدہٗ ظہور شجر ہے۔ شاخ و برگ پھل پھول یہ سب اسی اجمال کی تفصیل ہے۔ انجام کار ثمر کا اظہار۔ ثمر میں تخم مندمج۔ تخم کے اندر ثمر موجود۔ خفا میں ظہور، ظہور میں خفا، غیب میں شہادت، شہادت میں غیب۔ ظاہر میں باطن، باطن میں ظاہر۔ ھوالاول ھوالآخر۔

وہی علم وہی ارادہ، وہی ازل وہی ابد، وہی دور جاری وساری۔ وہی آثار وہی اطوار طاری۔ وہی سبو وہی پیمانہ۔ وہی خم وہی میخانہ، دریا کا وہی جوش وخروش، موج وحباب کی وہی آب وتاب، اسی شان بیچون و بے چگون۔ بے شبہ و بے نمون، نے پردہ اسرار سے یہ تجلی نمودار کی۔

حضرت قبلہ وکعبہ شہنشاہ والا جاہ، شاہبازِ بلند پرواز۔ شہسوار معارک تجرید۔ تاجدار کشور توحید، مرد میدان تفرید، عارف بے باک، اکمل کملاء۔ وراء الورا، واصل بے حجاب، شاہد بے نقاب، دریائے بے کنار، بحر ذخار، جہان عرفان، آفتاب حقیقت، برزخ کبریٰ۔ تارک ماسواء، جہاں سوز، بزم افروز۔ قلندر خانماں برباد، فرد الافراد، اعنی سید غوث علیشاہ قلندر قادری رحمتہ اللہ علیہ۔ سادہ آرائے ہدایت ہے۔[1]

چونکہ اکثر کلام حضرت مولانا مرشدنا کا درس توحید پر مشتمل تھا جیسا کہ ارشادات سے جو باب آئندہ میں مذکورہ ہیں ظاہر ہوگا۔[2]

دیباچہ کی نثری عبارت میں دیوان نیازؔ کے افکار کی بازگشت ہے۔ کہیں کہیں کے مصرعے زبان قلم سے ٹپکے پڑے ہیں۔

غوث علی شاہ کے ارشادات۔ قالی، حالی:

ع ان کہنی موسوں کہلائی سرسوں پھولی آنکھوں میں

اب حضرت غوث علی شاہ صاحب کے اقوال وارشادات میں سے مشتے از خروارے:

"نہ کوئی ساجد، نہ مسجود۔ نہ عابد نہ معبود۔ نہ آدم نہ ابلیس۔ صرف ایک ذات قدیم"۔ صفات رنگا رنگ میں جلوہ گر ہے نہ اس کی ابتدا نہ انتہا۔ نہ اس کو کسی نے دیکھا نہ سمجھا۔ نہ فہم وقیاس میں آئے نہ وہم وگمان میں سمائے۔ جیسا تھا ویسا ہی ہے اور جیسا ہے ویسا ہی رہے گا۔ نہ گھٹے نہ بڑھے۔ نہ

[1] تذکرہ غوثیہ صفحہ ۵

[2] ؍؍ ؍؍ صفحہ ۱۲۸

اترے نہ چڑھے۔لم یزل ولا یزال ۔واحد بے مثال ۔یگانہ و یکتا، وہ ایک ہے لیکن ایک بھی نہیں، کیوں کہ موجودات سے اور موجودات کو اس سے پرتھک (علیحدہ) سمجھنا محض اودیا (جہل) اور نادانی ہے۔کون طالب؟ کس کی طلب؟ اور کیسا مطلوب؟

دنیا میں طرح طرح کے کاروبار اور رنگارنگ اشغال مروج ہیں ۔ایسی ہی خدا جوئی اور خدا شناسی بھی ایک دھندا ہے۔جس کا سر ہے نہ پاؤں۔

ع نام عنقا فاش وذاتش ناپدید

وہ ذات پاک کہ اروپ وامر۔بے چون و بے نمون ہے۔اس کا حصول و وصول خیال محال ہے[1]

ایک روز ارشاد ہوا کہ لوگوں کے عقاید تین قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) ایک فرقہ کہتا ہے کہ جو کچھ ہے خدا ہی کے اختیار سے ہے بندہ کا کچھ اختیار نہیں۔

(۲) دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ کچھ بندہ کا اختیار ہے باقی خدا کا۔

(۳) تیسرا گروہ قائل ہے کہ نیکی خدا کی طرف سے ہے اور بدی اپنی طرف سے۔

اگرچہ یہ بات کہی جاتی ہے مگر اصل میں جھوٹ ہے۔جو کچھ ہے اسی کی طرف سے ہے۔ بھلا شیطان کو کس نے پیدا کیا اور اس کو تعلیم کس نے کی؟ اور پیغمبر کو کس نے پیدا کیا اور کس نے تعلیم کی۔کسی کو شان مذلی کی تعلیم دی اور کسی کو شان معزی کی تعلیم فرمائی۔استاد دونوں کا ایک ہے[1]

ع بحر وحدانی ست جفت زوج نیست

ع گھہ ابل باہر گرے گھہ خم سے نکلے پھوٹ پھوٹ

اب کوئی حضرت قلندر صاحب سے پوچھے کہ کیا فرماتے ہیں حضور! بیچ اس مسئلے کے کہ جو (ہمہ اوست) کہتے ہیں وہ قالی ہیں اور خالی ہیں۔اور جو حالی ہیں وہ (ہمہ است) کہتے نہیں۔

اس استفتاء کا جواب یقیناً یہی ارشاد ہوگا۔

''یہ تیر لگا ہوا کسی سے نکلنے کا نہیں''

---

[1] تذکرہ غوثیہ صفحہ ۱۶۱

بے باکانہ ارشادات:

ایک روز کسی شخص پانی پتی نے عرض کیا کہ سلطان نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ منصور حلاج کو مردود لکھا ہے۔ جناب قبلہ نے پوچھا کہ کس طور سے لکھا ہے؟

میر عباس علی لدھیانوی نے عرض کیا: یہ بات نہیں۔ بلکہ مردود دست لکھا ہے یعنی پہلے بیعت خیر علی نساج سے تھے، پھر بیعت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ بات کچھ نہیں ہے۔

فرمایا کہ حضرت بایزید نے اول امام جعفر صادق ؒ سے بیعت کی تھی۔ چونکہ ہمت بلند اور فراخ حوصلہ رکھتے تھے تسلی نہ ہوئی۔ بہت سے کاملین کی خدمت میں گئے اور فائدہ اٹھایا پھر بھی تسکین نہ ہوئی آخر اس نابینا سے تشفی ہوئی کہ جس کا ذکر مثنوی میں موجود ہے۔ میر عباس علی نے عرض کیا کہ حضرت! بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ شاہ منصور کی حالت اناالحق کے وقت اگر ہم ہوتے تو ان کو اس منزل سے نکال دیتے لیکن مجھ کو بہ وجوہات تامل ہے:

(۱) اول یہ کہ خود حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ موجود تھے۔

(۲) دوسرے اور بہت سے اکابر ایک سے ایک اعلیٰ اس زمانے میں تھے کیا ان کو اس قدر تصرف نہ تھا۔ اس پر جناب قبلہ نے فرمایا کہ ہاں حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی لکھا ہے۔ لیکن یہ صرف کہنا ہی کہنا ہے جو حالت شاہ منصور کی تھی خود حضرت جنید کو نہ تھی جب حضرت جنیدؒ کو قریب مرگ حالت میں توحید طاری ہوئی تو روتے اور کہتے تھے کہ افسوس تمام عمر قیل وقال میں گزری یہ حال کھلتا تو عمر ضائع نہ کرتے۔

غرض کہ منصور ہرگز مردود دست نہیں ہوسکتا، کیوں کہ مردود دست وہ شخص ہوتا ہے جو پیر سے انکار کرے اور پیر مردود کر کے نکال دیتا ہے انہوں نے نہ پیر سے انکار کی اور نہ پیر نے مردود کیا۔ اور جو باصفا پیر ہوتا ہے۔ تعلیم کے بعد اپنے مرید کو اجازت دیتا ہے کہ اگر زیادہ حوصلہ ہو تو اور بزرگ کی خدمت میں جاؤ۔ ایسا شخص مردود نہیں کہلاتا اور جو حالت منصور پر طاری ہوئی تھی اس نے منصور کو من کل وجوہ فنا کر دیا تھا۔ اگر منصور کچھ باقی رہتا تو کوئی اسے نکالتا اور خود حضرت جنید رحمۃ

اللہ علیہ موجود تھے ان سے بھی کچھ نہ ہوسکا۔ ا

ع کسے سرش نمی داند، زبان درکش، زباں درکش!!!

زیادہ حد ادب!! وہ قلندر ہیں، کون ان کے منہ آئے؟

تذکرہ غوثیہ ہمہ اوست کے افکار سے مالا مال:

تذکرہ غوثیہ ہمہ اوست کے افکار وخیالات سے مالا مال ہے۔ اگر اس کے منتشر افکار کو مربوط طریقہ سے مرتب کیا جائے تو اس موضوع پر ان کے افکار کا بہترین اثاثہ مرتب ہو جائے گا۔

دیوان نیاز از بر:

دیوان نیاز اور اس کے مفاہیم انہیں از بر تھے۔ دیوان کے مصرعے کے مصرعے بطور ضرب الامثال ان کے منہ سے نکلتے رہتے۔ وہ برمحل اشعار پڑھ کر اپنے موضوع کلام کی حلاوت کو دوبالا کردیتے۔ کبھی اس ضمن میں مسلسل اشعار پڑھتے چلے جاتے۔ کہیں موضوع سخن کے اعتبار سے پوری غزل پڑھ دیتے اور ان اشعار کی تائید وتصدیق میں کتنے ہی ہندی کے دوہے اور چھند، اسی طرح فارسی کے اشعار نقل فرما دیتے۔

حرز جان:

دیوان نیاز ان کے لئے حرز جان تھا۔ اسے ہمیشہ بالکل اپنے قریب رکھتے۔ ایک بار ایسا بھی ہوا کہ ایک ضروری دعا پسند آئی وہ بھی آپ نے دیوان نیاز پر لکھوالی۔ تاکہ دیوان کا مطالعہ کے وقت وہ بھی نظر سے گزرتی رہے۔ ۲

ان کا ارشاد فرمودہ مقولہ پھر دوہرا دوں.........."یہ تیر لگا ہوا نکلنے کا نہیں"

تقریباً ستر سال ہمہ اوست کی نشر واشاعت:

خانقاہ نیازیہ سے واپس جانے کے بعد حضرت غوث علی شاہ قلندر تقریباً ستر سال حیات رہے

---

۱ تذکرہ غوثیہ حضرت سید گل حسن شاہ قادری صفحہ ۱۸۸۔۱۸۷

۲ 〃 〃 〃 〃 صفحہ ۴۴

اور آخر تک وہ اس مسلک ہمہ اوست کی نشر و اشاعت کرتے رہے۔

دریائے توحید کی مواجی:

تذکرہ غوثیہ چار سو ساٹھ صفحات پر مشتمل ہے لیکن اصلی تذکرہ یعنی اقوال و ارشادات صفحہ تیں سے تین سو پچانوے (۳۹۵) صفحات تک ہیں گویا اصل تذکرہ کل ۳۷۲ صفحات پر محیط ہے۔

مؤلف تذکرہ نے اس کے اختصار کی تین وجوہ بیان فرمائی ہیں:

ہمہ اوست اصل مقصود:

(۱) اس طرح جو کچھ یاد آ گیا قلم بند کیا۔ لیکن بہت کچھ مقالات ہیں کہ ان کا نقش دل و دماغ سے بالکل مٹ گیا۔

ظہور کمالات ہیچ:

(۲) ہمیشہ دریائے توحید کی مواجی میں کشف و کرامات اور ظہور کمالات کو ہیچ فرماتے رہے اور تطہیر القلب عن ماسوا اللہ کو اصل مقصود سمجھا۔

شعر: یہ جو کچھ ہونا جسے کہتے ہیں میاں! فقر میں پستی یہی ہے اور پستی کچھ نہیں (شاہ نیاز)

(۳) اور طوالت کتاب سے بھی اس کے ترک کا خیال رہا۔ ورنہ ستر سال کے واقعات، اقوال و ارشادات کتنے صفحات پر مشتمل ہونے چاہیے تھے۔ اس کا اندازہ ہر صاحب فہم لگا سکتا ہے۔ یہ تذکرہ مرتب کی سال بھر کی خامہ فرسائی ہے۔

آغاز تذکرہ: ماہ رجب ۱۳۰۰ھ / ماہ مئی ۱۸۸۳ء

اختتام تذکرہ: ۱۴ شعبان ۱۳۰۱ھ ۹۔ جون ۱۸۸۴ء بروز دوشنبہ [1]

---

[1] حضرت غوث علی شاہ صاحب قلندر کی ولادت بروز جمعہ ۴ رمضان المبارک ۱۲۱۹ھ / ۲ دسمبر ۱۸۰۴ء کو ہوئی اور حضرت ممدوح کا وصال بروز دوشنبہ ۲۶ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ / ۴ مارچ ۱۸۸۰ء کو ہوا۔ مزار مبارک پانی پت (ہریانہ) میں محلہ انصاریان میں آج مرجع خلائق ہے۔ اگرچہ پانی پت کی تمام مسلم آبادی پردیسی ہے ۱۹۹۳ء میں راقم نے وہاں حاضر ہو کر زیارت کی تھی۔ مزار شریف پر جگمگ کرتی بروکیڈ کی چادر تھی۔ دوسری منزل پر بھی قبر مبارک کا تعویذ ہے اس پر بھی سبز رنگ ایک سادہ چادر تھی۔ جنوب میں اچھی بڑی مسجد ہے اسی میں تبلیغی جماعت کا مرکز ہے۔

حضرت فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کی حاضری

منجھلے ابا (حضرت محبوب میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ) نے مجھ سے فرمایا کہ دولہا میاں (والد ماجد) کے منجھلے خالو جناب منشی صادق علی صاحب وکیل (مرحوم) کو حضرت شاہ فضل رحمان گنج مرادآبادی رحمتہ اللہ علیہ سے شرف ارادت تھا۔ ایک بار جناب موصوف حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دولہا میاں کو ہمراہ لے گئے اس وقت وہ مشکل سے دس سال کے ہوں گے۔

حاضری کے وقت حضرت مولوی صاحب مسجد میں جانماز پر تشریف فرما تھے۔ والد نے سلام پیش کیا۔ تو دیکھتے ہی بڑی شفقت سے پیش آئے۔ جانماز سے خود کھسک کر ذرا نیچے ہو گئے اور دولہا میاں کو سجدہ گاہ کی طرف جگہ دی۔ اس کے بعد خلاف عادت اپنا حقہ پیش کیا۔ مولوی صادق علی صاحب نے نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ حضور یہ غلام زادہ بچہ ہے جس کی آپ اتنی تواضع فرما رہے ہیں اور یہ حقہ بھی نہیں پیتا۔ حضرت نے فرمایا: ''ہاں'' تم نہیں جانتے ہو میں ایک نسبت کی وجہ سے ان کی تواضع کر رہا ہوں۔ آئندہ یہ صاحبزادے خاندانِ نیازیہ کے سرسلسلہ ہوں گے منشی صاحب نے دوبارہ عرض کیا کہ حضور! فی الحال یہ مرید بھی نہیں حضرت نے فرمایا ابھی نہ سہی لیکن ہوگا اور ایسا ہی ہوگا اور یہ اسی خاندان کا تبرک ہے۔

پھر اپنی طالب علمی کا قصہ سنانے لگے کہ دہلی میں میں نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی خدمت میں حدیث پڑھی۔ ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث سے رخصت چاہی تو دریافت فرمایا کہ کس مرادآباد میں رہتے ہو؟ عرض کیا گنج مرادآباد اناؤ میں۔ حضرت نے پوچھا کس طرح جاؤ گے؟ عرض کیا کہ مرادآباد، رام پور، بریلی، شاہجہاں پور ہوتا ہوا گنج مرادآباد پہنچ جاؤں گا۔ فرمایا کہ جب بریلی سے گزرو تو حضرت شاہ نیاز بے نیاز کی خدمت میں حاضر ہو کر ہماری طرف سے ان کی خدمت میں ہمارا سلام پیش کرنا خود دعا لینا اس وقت ان سے علمی گفتگو کر کے ان کا وقت ضائع نہ کرنا۔

اخلاق کریمانہ:

دہلی سے روانہ ہو کر منزلیں طے کرتا ہوا بریلی پہنچا۔ معلوم ہوا کہ حضرت اندر تشریف رکھتے

ہیں، وہیں اطلاع کرائی گئی کہ دہلی سے ایک طالب علم سلام کی غرض سے آئے ہیں۔ حضرت خانقاہ میں تشریف لائے تو خادم حقہ اٹھائے ہوئے ساتھ تھا میں نے سلام پیش کیا۔ مزاج پرسی کی حضرت شاہ صاحب کا سلام پیش کیا حضرت انتہائی اخلاق سے پیش آئے لیکن اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ میں حضرت کی مشغولیت میں حارج ہو رہا ہوں بایں ہمہ وہ اخلاق کریمانہ سے پیش آ رہے تھے۔

حقہ نوشی:

اپنا حقہ میری طرف کرتے ہوئے فرمایا حقہ پیتے ہو؟ میں نے کہا ''نہیں! میں نہیں پیتا ہوں۔ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہے۔'' فرمایا ''ہوں'' پھر آپ نے آنکھیں بند کر لیں اور مراقب ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد اجازت لے کر اپنی بہلی میں بیٹھ کر روانہ ہوا۔ جیسے ہی بہلی شہر کی آبادی سے باہر نکلی، پیٹ میں درد ہونا شروع ہوا۔ فرید پور پہنچتا دوبھر ہو گیا۔ راستہ میں بہلی بان نے گاڑی روکی۔ خادم نے گاڑی سے اتر کر پیٹ کی سنکائی کے لئے گھانس پھونس اکٹھا کر کے جلانا چاہا تو جھاڑیوں میں سے ایک گاؤں والا نکلا اس نے کہا وہاں حقہ سے محفوظ کہہ کر آیا ہے کبھی محفوظ نہیں رہے گا، جا اس کا علاج وہیں ہوگا۔ مرتا کیا نہ کرتا بہلی بریلی کے لئے موڑ دی جیسے جیسے بہلی بریلی کی طرف بڑھ رہی تھی درد میں کمی ہوتی جا رہی تھی۔ شہر میں داخل ہوتے ہی درد جاتا رہا۔ خانقاہ میں آیا تو حضرت اندر تشریف رکھتے تھے۔ اطلاع ہوئی کہ وہی طالب علم پھر حاضر ہیں، حضرت باہر تشریف لے آئے، پھر وہی اخلاق و تواضع تھی لیکن اس بار حقہ ساتھ نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا حضرت حقہ نوش نہیں فرما رہے ہیں؟ فرمایا ''ہوں'' اور پھر آنکھیں بند کر لیں افاقہ کے بعد میں نے دوبارہ جرأت کی کہ حضور! حقہ نہیں نوش فرما رہے؟ فرمایا: کیا تم پیو گے؟ عرض کیا ''جی!!'' فرمایا ''اچھا'' خادم کو اشارہ کیا۔ وہ لے آیا ادباً چند کش لئے۔ اس دن کا دن ہے اور آج کا دن۔ حقہ نہیں چھوٹا۔

حقہ نوشی نسلاً بعد نسلاً:

اسی واقعے سے ملتا جلتا واقعہ مولوی محمد زماں خاں صاحب (مرید حضرت شاہ نصیر الدین حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کے ساتھ پیش آیا۔ وہ مزید بیان کرتے ہیں کہ بعد انتقال مولوی

فضل الرحمان (کذا) کے میں نے یہ روایت احمد میاں صاحبزادہ ممدوح سے بیان کی تو انہوں نے اس بیان کی تصدیق کر کے اس قدر اور اضافہ کیا کہ مولوی صاحب کی جو حالت حقہ سے متعلق تھی وہ تھی لیکن میری یہ حالت ہے کہ کسی وقت بغیر حقہ کے چین نہیں ملتا، نہ بغیر حقہ کے کھانا ہضم ہوتا ہے۔ یہی حالت میرے کم سن بچے کی ہے۔ معلوم نہیں کب تک اثر (حضرت کے) اس ارشاد کا اس خاندان میں رہے گا۔[1]

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی اور مولوی عبدالحی صاحب کی آمد

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب سکھوں سے جہاد کے لئے طوفانی دورے کر رہے تھے اس دوران میں وہ مرجع خلائق درویشوں اور فقیروں سے بھی ملاقات کرتے تھے جسے اپنے حسب منشانہ پاتے تو اس پر اعتراضات کرتے، مورد الزام ٹھہراتے۔ لکھنؤ میں حضرت شاہ عبدالرحمٰن موحد کے اقوال وافعال پر اعتراضات کئے۔ حضرت شاہ صاحب ممدوح علم باطن کے باوصف جید عالم بھی تھے ان سے مباحث میں دونوں صاحبان مغلوب ہوئے اور غضبناک ہوکر کہا اس وقت جہاد کا تہیہ کر چکے ہیں انشاء اللہ جہاد سے واپسی میں تم سے جہاد کریں گے شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم واپس نہیں آ ؤ گے اور تمہارا یہ ارادہ پورا نہ ہوگا۔

غرض کہ لکھنؤ سے مولوی صاحبان بریلی آئے اور حضرت نیاز بے نیاز کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ حاضری اوائل ۱۸۲۶ء قبل رمضان ۱۲۴۱ھ کی ہے۔ دوران گفتگو عرض کیا آپ شیرینی اور ہر قسم کے طعام پر فاتحہ پڑھتے ہیں اس کی سند نہ کسی آیت قرآنی سے ہے اور نہ کسی حدیث سے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس دو قسم کے کھانے لاؤ ایک پر فاتحہ پڑھنا اور دوسرے پر نہ پڑھنا میں اس کی خوشبو سونگھ کر پہچان لوں گا پھر تم سمجھ لینا کہ ہم لوگ کھانے پر کیوں فاتحہ کرتے ہیں۔ یہ سن کر دونوں مولوی خاموش ہو گئے۔[2]

صاحب کرامات نظامیہ نے لکھا ہے کہ ان صاحبان نے حضرت سے فرمائش کی کہ آپ بھی مجلس وعظ میں تشریف لے چلیں آپ نے ہر چند اپنے ضعف و نقاہت کا عذر کیا لیکن جب

[1] نازو نیاز جلد اول صفحہ ۶۸۔۶۷۔۶۶ [2] نازو نیاز جلد اول صفحہ ۶۸

اصرار بڑھا تو آپ نے وعدہ فرمالیا۔حسب وعدہ آپ مجلس وعظ میں تشریف لے گئے۔مولوی صاحبان نے شایاں شان استقبال کیا۔آپ کو صدر میں بیٹھایا۔ہنوز وعظ شروع نہیں ہوا تھا اور لوگ جمع ہورہے تھے۔آپ کی نظر با انداز کی طرف گئی تو دیکھا کہ ایک سید صاحب خاندان نوملہ کے فرد پھٹے کپڑے پہنے ہوئے گھٹنے کھلے ہوئے آخر میں تشریف رکھتے تھے فوراً حضور قبلہ نے ان کے قدموں پر سر رکھ دیا اور مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''سب صاحبان گواہ رہیں کہ اگر خدا کے یہاں مجھ سے سوال ہوگا کہ مجلس وعظ میں گیا تھا تو یہی عرض کروں گا کہ میں نے وہاں بھی تیرے رسول کی اولاد کے قدموں پر سر رکھا تھا اور سلام علیک کر کے وہاں سے واپس آگئے۔جناب قبلہ کا واپس آنا تھا کہ اور مخلوق بھی واپس ہوگئی'' [1]

کتاب تقویت الایمان

حضور قبلہ کا معمول تھا کہ دوپہر میں قیلولہ فرمانے کے بعد دو بجے مسجد بی بی جی صاحبہ میں نماز ظہر پڑھاتے پھر درس شروع ہوتا۔ایک روز خلاف معمول وقت مقررہ پر تشریف نہیں لائے اور ظہر کا بھی وقت گزر گیا۔عصر کا وقت ہوگیا۔اس وقت وابستگان کو پریشانی ہوئی۔ڈیوڑھی پر حاضر ہوکر عدم تشریف آوری کا سبب دریافت کیا فرمایا کہ خانقاہ میں نہ آنے کا سبب یہ ہے ایسی کتاب لائے ہو جس سے حضور کی تکسیر شان ہوتی ہے۔اس کتاب کو خانقاہ سے باہر کردو۔جب خانقاہ میں آؤں گا۔یہ سن کر حاضرین میں سے ایک صاحب نے معذرت کی کہ حضور یہ خطا مجھ سے سرزد ہوئی ہے۔ایک دوست سے یہ کتاب بغرض تحقیق لے آیا تھا۔غرض کہ جب وہ کتاب خانقاہ سے دور کر دی گئی تو آپ باہر تشریف لائے۔

کتاب کے نام میں اصلاح

یہ واقعہ میرے گھر کا ہے اور مکرر اپنے بزرگوں اور بالخصوص منجھلے ابا (حضرت محبوب میاں صاحبؒ) سے سنا ہے اور یہ بھی کہ مولوی محمد محسن صاحب بچھرایونی اپنے ایک دوست سے کتاب تقویت الایمان مستعار لائے دوران مطالعہ وہ استنجے کے لئے اٹھے بڑے بھائی صاحب

---

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۳۶

(مولوی احمد حسن محدث) نے اپنے قلم سے تقویت سے قاف کے دونوں نقطوں کو ملا کر ف بنا دیا جب محسن چچا (مرحوم) پاخانے سے برآمد ہوئے اور کتاب پر ایسی اصلاح دیکھی تو بے چین ہو گئے۔ کہنے لگے میں کتاب مانگ کر لایا تھا اور آپ نے کتاب کے نام کی اصلاح کر دی۔ انہوں نے جیب سے دو روپے نکال کر دیئے کہ صاحب کتاب کو اس کی قیمت دے دینا ویسے یہ کتاب اسی عنوان (تفویت الایمان) کی مستحق ہے۔

اس کتاب پر خود کچھ لکھنے کے بجائے تاج دار اہلسنت حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید میاں صاحب مجددی رحمتہ اللہ علیہ کی وقیع تصنیف مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویہ الایمان سے اس کتاب پر حضرت مولانا فضل رسول بدایونی کا سات سوالات پر مشتمل مکتوب اور مولانا مخصوص اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا جواب والا حصہ نقل کیا جا رہا ہے جس سے اس کتاب کا عمل ورد عمل بخوبی دریافت ہو جائے گا۔ حضرت مولانا مخصوص اللہ صاحب مولانا اسماعیل دہلوی کے سگے تایا (حضرت شاہ رفیع الدین صاحب) کے صاحبزادے اور ولی اللہی خانوادہ کے روشن چراغ ہیں۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ فرماتا ہے۔ واذاارادالله بقوم سوءً فلا مردله ومالهم من دونه من وال۔ (اور جب چاہے اللہ کسی قوم پر برائی، پھر وہ نہیں پھرتی اور کوئی نہیں ان کو اس بن مددگار)۔

نو سو سال سے مملکت اسلامیہ کا جو چراغ اس برصغیر میں جل رہا تھا آپس کے اختلافات اور غداروں کی وجہ سے ایسا بجھا کہ پھر جل نہ سکا۔

لله الامر من قبل ومن بعد۔ (اللہ کے ہاتھ میں کام پہلے اور پچھلے)

اب مولانا فضل رسول بدایونی کا مکتوب اور مولانا مخصوص اللہ کے جواب کو رسالہ تحقیق الحقیقۃ میں نقل کر دیا ہے اور یہ رسالہ ۱۲۶۷ھ/۱۸۳۶ء میں بمبئی سے شائع ہوا ہے۔ مولانا قاضی فضل احمد لدھیانوی نے اپنی عظیم کتاب ''انوار آفتاب صداقت'' میں مکتوب کو نقل کر دیا ہے اس کتاب سے مکتوب و جواب مکتوب نقل کرتا ہوں۔ (از ص ۶۱۷ تا ۶۲۰)

مولانا فضل رسول کا مکتوب:

بعد گزارش.............آداب، تسلیمات۔

عرض ہے کہ (کتاب) تقویۃ الایمان کے مشہور ہونے کے وقت سے لوگوں میں بڑی نزع ہے۔ مخالفین کہتے ہیں وہ کتاب مخالف ہے تمام سلف صالح اور سواد اعظم کے اور مخالف مصنف کے خاندان کے۔ اس کی رو سے ان کے استادوں سے لے کر صحابہ تک کوئی کفر وشرک سے نہیں بچتا۔ ان کے موافق لوگ کہتے ہیں کہ وہ کتاب موافق سلف صالح اور ان کے خاندان کے ہے۔ چونکہ اس بات کو جیسا کہ آپ جانتے ہوں گے غالب کہ دوسرا نہ جانتا ہوگا۔

اھل بیت ادری مافی البیت ۔اس خیال سے چند باتیں معروض ہیں۔

امید ہے جواب باصواب مرحمت ہو۔

(۱) تقویۃ الایمان آپ کے خاندان کے موافق ہے یا مخالف؟

(۲) لوگ کہتے ہیں کہ اس میں انبیاء اولیاء کے ساتھ بے ادبی کی ہے اس کیا حال ہے؟

(۳) شرعاً اس کے مصنف کا کیا حال ہے؟

(۴) لوگ کہتے ہیں عرب میں وہابی پیدا ہوا تھا۔ اس نے نیا مذہب بنایا تھا۔ علماء عرب نے اس کی تکفیر کی تقویۃ الایمان اس کے مطابق ہے۔

(۵) وہ کتاب التوحید ہندوستان آئی آپ کے عم بزرگوار اور حضرت والد نے اسے دیکھ کر کیا فرمایا تھا؟

(٦) مشہور ہے کہ جب اس مذہب کی نئی شہرت ہوئی تو آپ جامع مسجد میں تشریف لے گئے مولوی رشید الدین خان صاحب وغیرہ وتمام اہل علم آپ کے ساتھ گئے مولوی اسماعیل صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب کو ساکت اور عاجز کیا اس کا کیا حال ہے؟

(۷) اس وقت آپ کے خاندان کے شاگرد اور مریدان کے طور پر تھے یا آپ کے موافق؟

امید ہے کہ جواب ان سب مراتب کا صاف صاف مرحمت ہو کہ سبب ہدایت ناواقفوں کا ہے۔

مولانا مخصوص اللہ کا جواب

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ تقویۃ الایمان میں نے اس کا نام تقویۃ الایمان (ساتھ فا کے) رکھا ہے۔ اس کے رد میں رسالہ جو میں نے لکھا ہے اس کا نام معید الایمان رکھا ہے۔

اسماعیل کا رسالہ موافق ہمارے خاندان کے کیا، تمام انبیاء اور رسولوں کی توحید کے خلاف

ہے۔ کیوں کہ پیغمبر سب توحید کے سکھلانے کو اپنی راہ پر چلانے کو بھیجے گئے تھے اس رسالہ (تقویۃ الایمان) میں اس توحید کا اور پیغمبر کی سنت کا پتہ بھی نہیں ہے۔ اس میں شرک اور بدعت کے افراد گن کر لوگوں کو سکھلاتا ہے۔ کسی رسول نے اور ان کے خلیفہ نے کسی کا نام لے شرک یا بدعت لکھا ہو۔ اگر کہیں ہو تو اس کے رہبروں سے کہو کہ ہم کو بھی دکھاؤ۔

(۲) دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ شرک کے معنی اسے کہتے ہیں کہ اس کے رو سے فرشتے اور رسول خدا کے شریک بنتے ہیں اور خدا شرک کا حکم دینے والا ٹھہرتا ہے اور وہ شریک کہ شرک سے راضی ہو وہ مبغوض خدا کا ہوتا ہے۔ محبوب کو مبغوض بنانا اور کہلوانا ادب ہے یا بے ادبی ہے؟ اور بدعت کے معنی وہ بتائے اور پھیلائے ہیں۔ اصفیا اولیا بدعتی ٹھہرتے ہیں یہ ادب ہے یا بے ادبی ہے؟

(۳) تیسرے مطلب کا جواب یہ ہے کہ پہلے دو جوابوں سے دین دار اور سمجھنے والے کو ابھی کھل جائے گا کہ جس رسالہ سے اور اسکے بنانے والے سے لوگوں میں برائی اور بگاڑ پھیلے اور خلاف سب انبیاء اولیاء کے ہو اور وہ گمراہ کرنے والا ہوگا یا ہدایت کرنے والا ہوگا؟ میرے نزیک اس رسالہ کا عمل نامہ برائی اور بگاڑ کا ہے اور بنانے والا (مصنف) فتنہ گر اور مفسد اور غاوی اور مغوی ہے۔ حق اور سچ یہ ہے کہ ہمارے خاندان سے دو شخص ایسے پیدا ہوئے کہ دونوں کو امتیاز اور فرق نیتوں اور حیثیتوں اور اعتقادوں اور اقراروں کا اور نسبتوں اور اضافتوں کا نہ رہا تھا اللہ تعالیٰ کی بے پروائی سے سب چھن گیا تھا۔ مانند قول مشہور کے۔

ع چو حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

ایسے ہی ہو گئے۔

(۴) چوتھی بات کا جواب یہ ہے کہ وہابی (محمد بن عبدالوہاب) کا رسالہ (کتاب التوحید) متن تھا یہ شخص گویا اس کی شرح کرنے والا تھا۔

(۵) پانچویں بات یہ ہے کہ بڑے عم بزرگوار (شاہ عبدالعزیز) نے کہ وہ بینائی سے معذور ہو گئے تھے۔ (رسالہ) کو سنا یہ فرمایا اگر بیماریوں سے معذور نہ ہوتا تو تحفۂ اثنا عشریہ کا سا جواب اس کا رد بھی لکھتا۔ اس کی بخشش وہاب بے منت نے اس بے اعتبار (مولانا مخصوص اللہ) کو اس کی شرح کا رد لکھا۔ متن کا مقصد بھی نابود ہو گیا۔ ہمارے والد ماجد (شاہ رفیع الدین) نے اس

(رسالہ) کو دیکھا نہ تھا۔ بڑے حضرت کے فرمانے سے کھل گیا کہ جب اس کو گمراہ جان لیا تب اس کا رد لکھنا فرمایا۔

(۶) چھٹی تحقیق کا جواب یہ ہے کہ یہ بات تحقیق اور سچ ہے کہ میں نے مشورت کی راہ سے کہا تھا کہ تم نے سب سے جدا ہو کر تحقیق دین میں کی ہے وہ لکھو کچھ ظاہر نہ کیا۔ ہماری طرف سے جو سوال ہوئے تھے اس کے جواب میں ہاں جی ہاں جی کر کے مسجد سے چلے گئے۔

(۷) ساتویں بات کا جواب یہ ہے کہ اس مجلس تک سب ہمارے طور پر تھے پھر ان کا جھوٹ سن کر کچے کچے آدمی آہستہ آہستہ پھرنے لگے اور ہمارے والد کے شاگردوں اور مریدوں میں سے بہت بچے رہے۔ "شاید کوئی نادر پھرا ہو تو مجھے اس کی خبر نہیں"۔

(بلفظہ ص ۶۴) یہ نمبر تحقیق الحقیقہ کا ہے۔

اللہ مولانا مخصوص اللہ فرزند شاہ رفیع الدین رحمتہ اللہ علیہما و رضی اللہ عنہما و انزلہما منزل الرضاء کو اجر ہائے کثیرہ عنایت فرمائے۔ آپ نے تیسرے سوال کے جواب میں کیا خوب تحریر فرمایا ہے۔

"میرے نزدیک اس کا رسالہ عمل نامہ برائی اور بگاڑ ہے"

اسی طرح یہ راقم دعا کرتا ہے حضرت تاج دار اہلسنت مولانا ابوالحسن زید میاں صاحب فاروقی (مؤلف کتاب مولانا اسماعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان) نور اللہ مرقدہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین۔

وہ مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اگر اس رسالہ کا صحیح ترجمہ عربی میں کیا جائے اور عرب ممالک کو بھیجا جائے تو بجز نجدیوں کے کوئی اس کی حمایت نہیں کرے گا"۔[1]

[1] مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان۔ ناشر حضرت شاہ ابوالخیر اکاڈمی ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء

باب ہشتم

چند محفلیں

عرس مولا علی........حسین باغ

آصفی دور (بعہد نواب وزیر ۱۲۰۸ھ/۱۷۹۴ء) میں نواب حسین علی خاں (ابن حیدر بیگ خاں کابلی نائب ملک) بریلی کے صوبہ دار تھے اور مذہباً شیعہ تھے۔ایک روز ہم جلیسوں میں باہم یہ مشورہ ہوا کہ صوفیوں کی دعوت کی جائے اور قوالی کرا کران کا ناچ دیکھا جائے۔سوائے حضرت نیاز بے نیاز کے، سب کے پاس دعوت کے رقعے بھیج دیئے۔صوفیوں کو کسی قرینے سے معلوم ہوا کہ بہ غرض مضحکہ انہوں نے یہ تقریب کی ہے سب مل کر جناب قبلہؒ کے پاس آئے اور عرض کیا ہم لوگوں کی شرم اور آبرو آپ کے ہاتھ ہے آپ کا تشریف لے جانا ضروری ہے۔اول تو آپ نے عذر کیا۔جب ان کا زیادہ اصرار ہوا تو آپ نے وعدہ کیا کہ میں بھی آجاؤں گا۔چنانچہ وقت معمور پر ڈولی میں بیٹھ کر آپ بھی تشریف لے گئے اور تمام فقرا آپ کی ڈولی کے ساتھ تھے۔

مجلس کا یہ رنگ دیکھا کہ فرش بچھا ہوا ہے جس پر صوفی اور قوال بیٹھے ہیں اور لب فرش کرسیاں بچھی ہیں جن پر صوبہ دار صاحب اور ان کے مصاحب بیٹھے ہیں آپ ڈولی سے اتر کر صوفیوں کے پاس فرش پر بیٹھ گئے۔ان لوگوں نے دیکھ کر کہا یہ سب کے گرو ہیں غرض کہ قوالی شروع ہوئی جب قوال نے اس شعر کی تکرار کی۔

تا نقش زمیں بود و زماں بود علی بود　　　تا صورت پیوند جہاں بود علی بود

تو جناب قبلہ کو ایک حالت شروع ہوئی۔آپ کے گلے میں جو رومال بندھا تھا اس کو کھول کر

ل تاریخ آصفی اردو ترجمہ تفضیح الغافلین۔مرزا ابو طالب اصفہانی لندنی ترجمہ و ترتیب ڈاکٹر ثروت علی ۱۹۶۸ء

جس وقت سیدھے ہاتھ کو ہلایا، اس طرف جتنے کرسی پر بیٹھے تھے وہ کرسیوں سے فرش پر گر لوٹنے لگے اور ان کی وہ بری حالت ہوئی کہ سر ٹوٹ پھوٹ گئے۔ حسین علی کے بھائی (حسن علی) جو مجلس سے باہر تھے ان کو خبر ہوئی وہ دوڑے ہوئے آئے اور حضور قبلہ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور قصور معاف کرایا۔ حضرت نے پانی منگوا کر دم کیا اور فرمایا ان کے منہ پر چھڑکو اور تھوڑا تھوڑا پلا دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ان سب کو ہوش آیا۔ آپ نے ڈولی طلب کی حسین علی خاں نے عرض کیا حضور پالکی حاضر ہے۔ غرض کہ ان کے اصرار سے آپ پالکی میں سوار ہوئے اور حسین علی اور ان کے بھائی نے پالکی کو کندھا دیا اور باوجود منع کرنے کے بازار چوک (قلعہ) تک کندھا دیتے چلے آئے وہاں سے حضرت نے ان کو واپس کیا۔

اسی نوعیت کی دوسری مجلس:

۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء میں بریلی اودھ کی نوابی کے تحت آ گیا تھا۔ یہاں شیعہ افسران متعین کیے گئے تھے۔ مقامی شیعوں کو دل کھول کر نوازا گیا تھا۔ اہل سنت والجماعت کے اکابر کی جاگیریں اور جائیدادیں جو اہل دلی سے انہیں بخشی گئی تھیں ضبط کر لی گئیں ایک کہاوت نما بکواس ایسے ہی موقعوں کے لئے زبان زد عام تھی:

"جسے نہ دے مولا اسے دے آصف الدولہ"

چنانچہ ایسے ویسے لوگ نواب کے خطاب سے سرفراز کیے جا رہے تھے۔ یہ لوگ اپنی اہمیت جتانے اور اکابر اہل سنت کی تذلیل کرنے کے لئے طرح طرح کے طریقہ اختیار کر رہے تھے۔ اسی طرح کی ایک دوسری محفل کا تذکرہ صاحب انوار العارفین نے اپنے پیر و مرشد حضرت سید امانت علی امروہوی کی زبانی نقل کیا ہے۔

اہل تشیع میں سے کسی شخص نے محفل آراستہ کی اور تمام مشائخ بریلی کا رقص دیکھنے کے لئے یہ تقریب کی۔ سب سے پہلے تمام مشائخ حضرت (شاہ نیاز بے نیاز) کے پاس آئے اور محفل میں قدم رنجہ فرمانے کے لئے عرض کیا۔ حضرت نے انکار فرمایا۔ انہوں نے کہا اگر آپ تشریف نہیں لائیں گے تو ہم لوگ بھی نہیں جائیں گے۔ مجبوراً آپ نے ان کی عرضی قبول فرمالی۔ آپ اپنی تیغ

باطنی کو آب دے کر شریک مجلس ہوئے۔ جب مطربوں کے نغمے گرم ہوئے تو صوفیاء جوش وخروش میں آگئے۔ ان کے پرسوز نالوں کی صدا آسمان تک پہنچنے لگی۔ اس وقت آپ جس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یہ شعر پڑھ دیتے:

بگوش گل چہ سخن گفتۂ؟ کہ خنداں است　　　به عندلیب چه فرمودۂ؟ کہ نالاں است

وہ زمین پر گر پڑتا اور لوٹنے لگتا۔

مجلس میں شوروغوغا مچ گیا مدعی لوگ پشیمان ہو کر اٹھ اٹھ کر بھاگنے لگے۔[1]

میاں نوری کے گھر دعوت

آپ کے ایک مرید میاں نوری محلہ باقر گنج (متصل مزار نواب حافظ رحمت خان شہید) میں رہتے تھے۔ ہر سال بڑی پابندی سے اپنے گھر حضرت قبلہ کی دعوت کرتے۔ آپ ان کی دل جوئی میں تشریف لے جاتے۔ ہمراہیوں میں ملکی وغیر ملکی مریدین بھی ہوتے۔ اس دعوت کے کھانے میں سب کچھ خلاف مزاج ہوتا۔ گائے کے گوشت کا سالن اور اس میں بھی بہت سی سرخ مرچیں ہوتیں جب کہ آپ معمولاً دونوں چیزیں استعمال نہیں فرماتے تھے۔ میاں نوری اپنے ہاتھ سے گاڑھا بن کر (حضرت قبلہ کے واسطے اسی موقع کے لئے) ایک جوڑا بھی تیار کرتے تھے۔ حضرت مکان سے پالکی میں سوار ہو کر مع خدام دعوت میں تشریف لے جاتے اور (دعوت کے بعد) واپسی میں میاں نوری کا تیار کردہ جوڑا زیب تن کر کے پاپیادہ تشریف لاتے تا کہ عوام وخواص اس جوڑے کو دیکھیں۔ (قریب میں گورنر ہاؤس تھا جہاں نواب حسین علی خاں اور نواب حسن علی خاں، نواب مہدی علی خاں اور دیگر ارباب حکومت صف بستہ پیشوائی کے لئے حاضر ہوتے۔ یہ صاحبان جب تشریف آوری کی وجہ دریافت کرتے تو آپ فرماتے آج میاں نوری کے یہاں دعوت تھی اور یہ جوڑا خود انہوں نے اپنے ہاتھ کے بنے ہوئے کپڑے کا پہنایا ہے۔

اللہ اکبر! یہ سلطان بے نیازی جو بادشاہ، قلعہ معلیٰ اور امراء کو بھی خیال خطرے میں نہیں لاتا وہ اپنے طریقہ کار کے مطابق یوں بھی کرتا ہے۔

[1] انوار العارفین مصنفہ مولانا محمد حسین مرادآبادی صفحہ ۵۱۳

سلطان بے نیازم ، چوں سرو سرفرازم ہم بندۂ نیازم ، مثلِ کماں خمیدہ

اس دعوت میں عجیب لطف ہوتا تھا۔ ولایتی (غیر ملکی حضرات) جن کے ملک میں سرخ مرچ کا رواج بالکل نہیں تھا......ان بے اندازہ مرچوں سے بہت گھبراتے تھے، کسی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے۔ کسی کو چھینک پر چھینک آتی اور کہتے تھے کہ میاں نوری! تم نے خدا کے سامنے رونے کے لئے بھی آنکھ میں آنسو نہیں چھوڑا۔ حضرت تبسم فرما کر خاموش فرما دیتے۔[1]

محلّہ گڑھیا کی مجلس عزا میں شرکت:

ایک بار محرم شریف میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ محلّہ گڑھیا میں حکیم حسین علی اور میر قاسم رہتے تھے۔ حکیم حسین علی بڑے حاذق طبیب تھے اور فن طب میں حضرت نیاز بے نیاز کے شاگرد تھے۔ عشرہ محرم میں حضرت نیاز بے نیاز ایک مرتبہ (پاس خاطر میں) ان کے مکان پر مجلس میں شریک ہوا کرتے۔ آخر زمانے میں جب آپ بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ آپ نے خدام (مریدین) سے فرمایا تم چلو میں پیچھے سے پالکی میں آتا ہوں اس زمانے میں کوئی رشتہ دار نواب لکھنؤ موجود تھے۔ ان نواب نے کہا کہ محبت اہل بیت اور جناب امیر علیہ السلام کی سوائے مذہب امامیہ کے اور کسی کو نہیں ہے اور سب جھوٹے ہیں۔ اس کے سوا کچھ کلمات اور بھی سخت کہے حضور کے خدام تو پہنچ ہی چکے تھے۔ جناب مرزا اسد اللہ بیگ صاحب کو یہ کلمہ ناگوار ہوا اور پیش قبض نکال کر نواب مذکور کے سینے پر سوار ہو گئے۔ اور چاہتے تھے کہ ماریں اسی اثنا میں حضرت نیاز بے نیاز پہنچ گئے۔ حضرت نیاز بے نیاز کی تعظیم میں مرزا صاحب اس کے سینے سے اتر پڑے۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ کیا معرکہ ہے؟ مرزا صاحب نے سب حال عرض کیا۔ اس عرصہ میں مرثیے شروع ہوئے جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے جسم اطہر پر تیر لگنے کا حال شروع ہوا بمجرد استماع اس حال کے حضرت نیاز بے نیاز زمین پر گر گئے اور روح مبارک پرواز کر گئی۔ تمام مجلس درہم برہم ہو گئی۔ واویلا! واحسرتا!! ہونا شروع ہوا کہ یہ کیا معاملہ پیش آیا۔

خدام حضور کو پلنگ پر ڈال کر دولت خانے پر لائے۔ حکیم جمال الدین اور حکیم حسین علی

---

[1] ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۷۴۔۷۳

دو چار گھڑی کامل بیٹھے رہے اور نبض دیکھتے رہے جب کسی عنوان رمق روح بھی نہ پائی گئی تو حکماء مذکور نے اجازت تجہیز و تکفین کی دی لیکن خلفاء حضرات نے نہ مانا اور کہا کہ صبح دیکھا جائے گا۔ مجبور ہو کر تمام عمائد شہر مع حکماء کے اپنے اپنے گھر چلے گئے اور تیسرے دن عصر کے وقت حضرت کی آنکھ کی پتلی نیچے کو آئی اور کسی قدر آنکھ کھلی۔ منشی علی بخش صاحب (شاگرد طبیب) نے انار کا عرق دودھ میں ڈال کر روئی کے پھوئے سے حضرت کے منہ میں ٹپکایا وہ حضرت کے حلق میں نہ گیا اور پھر آپ نے آنکھیں کھولیں تو اس وقت وہی عرق وغیرہ حلق سے نیچے اتر گیا ہر طرف مبارک سلامت کی آوازیں آنے لگیں۔

حضرت نے دریافت کیا کون وقت ہے؟ خدام نے عرض کیا مغرب کا وقت ہے۔ حسب ارشاد آپ کا پلنگ خانقاہ میں لایا گیا لوگ نماز میں مصروف ہوئے تو آپ نے بھی تیمم کر کے اشارہ سے نماز ادا کی۔

کیفیت متعدی:

خلیفہ میر اکبر علی صاحب نے تنہا پا کر اصل واقعہ دریافت کیا فرمایا تجھ کو اس سے کیا؟ عرض کرنے پر آپ نے کرتہ اُٹھا کر دکھایا تمام جسم مبارک زخموں سے چھلنی ہو رہا تھا، میں فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا۔[1]

کچھ معمولات خانقاہی سالانہ عرس اور مجلس

محرم کا چاند دیکھتے ہی پورا ماحول سوگوار ہو جاتا اور ساتھ ہی ساتھ نذر و نیاز کا اہتمام شروع ہو جاتا۔ دونوں وقت شربت اور لنگر پر حضرت امام حسین علیہ السلام اور رفقائے کربلا کی فاتحہ ہوتی۔ خانقاہ میں ذکر عزا ہوتا۔ اس کے علاوہ محلہ گڑھیا میں ایک روز مجلس عزا میں مع خانقاہیوں کے جاتے۔ ایک بار اسی مجلس میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا جو کہ اس سے قبل میں آچکا ہے۔

محرم کی پانچ تاریخ کو حضور بابا فرید الدین گنج شکر کا عرس بغیر قوالی کے ہوتا۔ تبرک میں چنے کی میٹھی کھچڑی کے بجائے مونگ کی دھلی دال کی کھچڑی بڑے اہتمام سے پکتی۔ اس میں میوہ جات

[1] ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۳۰-۲۹

ناریل، کشمش، چھوارہ، پستہ، بادام اور کیوڑہ ڈالا جاتا۔

شب عاشورہ میں دیر گئے چند تعزیوں کی زیارت کو بھی جاتے پھر تمام رات اوراد و نوافل میں بسر ہوتی۔ نماز فجر کے بعد حسب معمول استراحت فرماتے۔ چاشت کے وقت عاشورہ کی ماثورہ دعاؤں سے فرصت پاکر نوافل پڑھتے۔ ظہر تک تمام متعلقین اور وابستگان فاتحہ کرتے[1] بعد نماز ظہر امام اور رفقائے کربلا کی فاتحہ کے بعد شربت اور کھانا تقسیم ہوتا اور خود بھی نوش فرماتے۔

غرض کہ بارہ روز تک نذر و نیاز کی گہما گہمی رہتی اور ان بارہ دنوں میں محفل سماع بالکل بند رہتی۔ ۲۰ صفر المظفر یعنی امام کے چہلم (پچاس دنوں) تک نذر و نیاز کا سلسلہ جاری رہتا۔

عرس حضرت سیدنا بغدادی رحمتہ اللہ علیہ:

محرم: حضرت سید عبداللہ بغدادی قادری رحمتہ اللہ علیہ کے وصال فرمانے (۱۴۔محرم ۱۲۰۷ھ یکم ستمبر ۱۷۹۲ء) کے بعد سے باقاعدہ بلاناغہ رامپور جا کر عرس شریف میں خود اہتمام فرماتے آخری سال وصال فرمانے سے تقریباً پانچ ماہ پہلے محرم ۱۲۴۹ھ فروری ۱۸۳۴ء میں جاڑے کے باوجود ایسے حاضر ہوئے کہ دائیں جانب فالج کی وجہ سے فریش تھے اور بالکل ڈوبے ہوئے۔ خود بے سہارے کے چل بھی نہیں پاتے تھے۔

صفر: ۲۸ صفر المظفر کو قطب مدینہ حضور یوسف یحیٰ مدنی رحمتہ اللہ علیہ کی فاتحہ ہوتی جس کے التزام کی حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہان آبادی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔

ربیع الاول:

۶۔ ربیع الاول کو حضرت والدہ ماجدہ بی بی شاہ غریب نواز صاحبہ (م چہار شنبہ ۱۲۱۷ھ/

[1] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم عاشورہ میں روزہ رکھنا اپنا معمول بنالیا اور مسلمانوں کو بھی اس کا حکم دیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اس دن تو یہود و نصاریٰ بڑے دن کی حیثیت سے مناتے ہیں اور اس دن ہمارے روزہ رکھنے سے ساتھ اشتراک و تشابہ والی بات باقی نہ رہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ جب اگلا سال آئے گا تو نویں کو روزہ رکھیں گے۔ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں لیکن اگلے سال کا ماہ محرم آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

۷۔جولائی ۱۸۰۲ء کی فاتحہ ہوتی۔

۱۲۔ربیع الاول کو عید میلاد النبی ﷺ کا جشن ہوتا، ۱۳۔کو حضرت مخدوم علاؤ الدین صابر کلیری اور ۱۴ کو شہید محبت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، ۲۴ر کو حضرت کلیم اللہ شاہجہان آبادی کے اعراس ہوتے۔

ماہ ربیع الثانی:

اس ماہ مبارک میں محبوبین (حضرت محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ اور محبوب الٰہیؒ) کے عرس ہوتے۔سولہویں اور سترویں شریف کا اہتمام بہت شان وشوکت کے ساتھ ہوتا۔۱۶ تاریخ کو حضور غوث پاک عرس ہوتا جس میں در و دیوار پر چراغاں ہوتا۔گلی میں خانقاہ کی مشرقی اور زنانہ مکان کی مغربی دیوار میں چراغاں کے لئے چراغ بھر کے طاق پوری دیوار میں شمالاً جنوباً بنے ہوئے تھے اس طرح بڑے کنویں سے اندر گلی میں آنے والوں کو دو رویہ چراغوں کی قطاریں دکھائی دیتیں۔فاتحہ میں بتاشے تقسیم ہوتے اور کھانے کھلائے جاتے۔

راستوں کی خرابی، بدامنی اور بیماریوں کے ہجوم کی وجہ سے جب دہلی کے آستانوں پر حاضری دشوار ہونے لگی تو یہ اعراس آپ بریلی میں ہی کرنے لگے۔

سترہویں کا اہتمام بھی بڑے تزک واحتشام کے ساتھ ہوتا تھا۔آخر زمانے میں چودھری بسنت رائے صاحب تعلقدار اور رئیس شہر آرائش وزیبائش کے منتظم ہوتے۔چودھری صاحب موصوف صبح سے ہی فرش فروش اور شامیانے لگوا دیتے۔سترہویں شریف بڑی دھوم دھام سے ہوتی اور ہزاروں مقامی آدمی اور ان کے علاوہ دور دراز سے مہمان شرکت کی غرض سے حاضر ہوتے جن میں مسلم وغیر مسلم وغیرہ سبھی لوگ ہوتے۔

وقت ظہر سے عرس جناب محبوب الٰہی صاحب وغیرہ شروع ہو جاتا۔قوالان خوش الحان اپنے اپنے کمالات کا مظاہرہ کرتے۔محفل سماع میں حمد ونعت کے بعد اولاً غوث پاک کی منقبتیں ہوتیں اور پھر حضرت محبوب الٰہی کی شان میں ہوتیں۔اس کے بعد قل شریف ہوتا۔جلسہ مبارکہ نو بجے شب تک چلتا۔اس طرح محبوبین کا عرس ہوتا۔ان مواقع پر بھی آپ اپنے غیر مسلم حاضرین

کا خاص خیال رکھتے۔ محفل کے بعد تبرک کی تقسیم میں آپ بتاشوں کو پسند کرتے کیوں کہ ہندو مسلم یکساں لے سکتے تھے۔

جمادی الاول:

۵ جمادی الاول کو والد ماجد حاجی الحرمین حکیم الٰہی حضرت شاہ محمد رحمت اللہ علوی (رحمۃ اللہ علیہ) کا عرس نقشبندیہ مجددیہ طریقہ پر انتہائی سادگی کے ساتھ ہوتا۔ اسی ضمن میں حضرت حکیم الٰہی کے اشیاخ ثلاثہ یعنی (۱) حضرت والد ماجد شاہ محمد عظمت اللہ محقق نقشبندی وسہروردی۔ (۲) حضرت سید قطب الدین اشرف حسین حیدر مجددی صابری (۳) حضرت شیخ ناصر الدین محمد سنوری سہرندی کی بھی فاتحہ ہو جاتی۔

جمادی الثانی:

۲۶۔ جمادی الثانی کو انتہائی اہتمام کے ساتھ حضرت مولانا فخر پاک کا عرس ہوتا۔ حسب معمول یہ عرس بھی مسجد بی بی جی صاحبہ میں ہوتا۔ قوالوں کی کئی کئی چوکیاں ہوتیں۔ حاضرین کے اژدہام کی وجہ سے لنگر نہیں ہوتا تھا۔

مخصوص مقربین کی حاضری پر نظر رہتی جو حضرات کسی معذوری کی وجہ سے سترہویں شریف میں حاضر نہ ہو پاتے تو وہ حضرت مولانا صاحب کے عرس مبارکہ میں ضرور حاضر ہوتے۔

ایک بار کسی معذوری کی وجہ سے حضرت خلفیہ حکیم رحیم اللہ صاحب بچھرایونی حاضر نہیں ہو پائے آپ انہیں تحریر فرماتے ہیں:

منتظر بودم کہ در مجلس ہفتدہم ربیع الثانی شریک مجلس شوند چوں وقت در گزشت درخیالم بود کہ الحال داخل بست و ششم جمادی الثانی خواہند شد۔

"میں انتظار میں تھا کہ آپ سترہویں (ربیع الثانی) کی محفل عرس میں شریک ہوں گے جب وہ وقت نکل گیا تو خیال یہ ہوا کہ اب ۲۶۔ جمادی الثانی کے عرس (حضرت مولانا فخر پاک) میں شریک ہوں گے۔"

اس عرس شریف میں شرکت کی غرض سے دیگر ممالک سے مریدین خلفاء اور ان خلفاء

حضرات کے مریدین بھی حاضر ہوتے تھے۔اس کے بعد وہ خواجہ اجمیری کے عرس میں ماہ رجب میں شریک ہوجاتے تھے۔

چندسیر روٹی ہزاروں کے لئے کافی:

آخری سال (یکشنبہ ۲۶۔ جمادی الثانی ۱۲۴۹ھ/۱۰۔نومبر ۱۸۳۳ء) کا واقعہ ہے کہ قل کے وقت ارشاد ہوا کہ شیرینی کے ساتھ روٹی بھی لاکر رکھ دو۔روٹی صرف خانقاہی حضرات کے لئے پکائی جاتی تھی، منتظمین اس حکم سے گھبرا گئے۔ہزاروں کے مجمع میں یہ چند سیر روٹی کیا کافی ہوگی مگر حسب الحکم روٹی لائی گئی اور وہ تمام مجمع کو کافی ہوگئی۔[۲]

عرس خواجہ غریب نواز

رجب: ۶۔رجب کو دن میں حضرت خواجہ غریب نواز کا قل شریف ہوتا اس میں بغیر تمباکو کے پان شربت ہوتا، شیرینی ہوتی۔شربت آبخوروں اور گھڑوں میں ہوتا، آبخوروں کے منہ پر اور گھڑے کی گردن میں کلاوہ لپٹا ہوا ہوتا۔

شعبان، رمضان وشوال:

چونکہ شعبان میں شب برأت سے ماہ شوال عشرۂ اول تک جامع العلوم فخریہ کی تقریباً پونے دو ماہ کی تعطیلات کلاں ہوجاتیں۔لہٰذا آپ بھی اِدھر سے فارغ ہوکر حضرت دہلی کی حاضری کا عزم فرماتے اور یہ پچاس پچپن دن اپنے اشیاخ سلسلہ کے آستانوں اور حضرت مولانا صاحب کی خدمت میں اور حضرت کے بعد ان کے اولاد کی خدمت میں گزارتے تھے۔

عیدالفطر کے بعد بریلی کا رخ فرماتے۔آخر زمانے میں بڑے بھتیجے حضرت شاہ فخرالدین اور بڑے صاحبزادے حضرت شاہ نظام الدین حسین کے علاوہ دیگر ہمراہیان بھی ہوتے۔

حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب بچھریوانی کے نام ایک والانامہ سے اس پروگرام کا اندازہ ہوتا ہے:[۱]

سفر کی پہلی منزل رام پور میں حضرت سیدنا بغدادی صاحب کی زیارت سے شروع ہوتی

۱ مکتوب حضور قبلہ بنام حکیم رحیم اللہ بچھرایونی

۲ نازونیاز جلد اول

وہیں برادر کلاں حضرت مولوی جمال الدینؒ اور دوسرے اعزا مریدین و وابستگان سے ملاقات ہو جاتی ۔رام پور سے چل کر دوسری منزل قصبہ بچھراؤں میں ہوتی جہاں ارد گرد کے وابستگان بھی حاضر ہو جاتے ۔تیسری اور آخری منزل دہلی میں ۔

اس والا نامہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اگر چہ دو تین ماہ (۹۔جنوری ۱۸۲۶ء) سے شدید بیمار تھے ابھی بخار اور مسہلوں سے پوری طرح شفا نہیں ہوئی تھی اس کے باوجود محض اس امید پر کہ دو چار روز میں حرارت جاتی رہے گی لیکن ہوک اور تڑپ کی وجہ سے اس طویل سفر کے لئے کمر بستہ و پا بہ رکاب ہیں۔

اب والا نامہ کی جستہ جستہ عبارت نقل کی جا رہی ہے:ا

''اگر چہ الحال ہم یک گونہ تب باقی است واز مسہلات ہم شفاء کلیہ دست نداده است مگر امید غالب است کہ درسہ چار روز ایں فی الجملہ حرارت باقیہ رفع شود۔عزم فقیر مع برخورداران فخر الدین حسین ونظام الدین حسین برائے زیارت حضرات دہلی بعد لیلۃ البرأت مصمم است،اگر تندرستی تام وخرچ وافی آمد ورفت ونذر ونیاز آنجا دست می دہد۔البتہ روانہ آں سمت خواہم شد بلکہ از راہ بچھرایوں شده دوستاں را دیده خواہم رفت وگرنہ خیر۔انتظار فقیر ہیچ ضرور نیست۔

یک دو مقام بہ تقریب فاتحہ برادر کلانم مولوی جمال الدین مرحوم ۲۹ر جمادی الاول ۱۲۴۱ھ/ دوشنبہ ۹ر جنوری ۱۸۲۶ء در رامپور ضرور۔باز یک مقام دو بچھرایوں ہم ضرور۔من بعد ہیچ جا مقام درکار نیست،ماه رمضان وزیارات حضرات گذرانیده راجع بہ این سمت خواہم شد۔

(دو تین ماہ کے بخار وزکام کے بعد) اگر چہ ابھی تک کسی قدر بخار باقی ہے اور مسہلوں سے بھی پوری طرح شفاء حاصل نہیں ہوئی ہے مگر امید غالب ہے کہ تین چار روز میں باقی حرارت جاتی رہے گی ۔فقیر کا پختہ ارادہ یہ ہے کہ برخورداران فخر الدین حسین اور نظام الدین حسین کی ہمراہی میں شب برأت کے بعد حضرات دہلی کی زیارت کروں بشرطیکہ بالکل تندرستی رہے اور آمد ورفت کے علاوہ وہاں کی نذر و نیاز کا کافی خرچ فراہم ہو گیا تو ضرور اس طرف روانگی ہو گی بلکہ بچھرایوں سے ہوتا ہوا اور احباب سے ملتا ہوا جاؤں گا ورنہ نہیں۔فقیر کا انتظار کرنا کچھ ضروری نہیں ہے۔''

ا مکتوب حضور قبلہ بنام حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب بچھرایونی مورخہ ۲۷ر رجب ۱۲۴۱ھ/ ۷ار فروری ۱۸۲۶ء

رامپور میں ایک دو جگہ اپنے بڑے (پیر) بھائی حضرت مولوی جمال الدین مرحوم (خلیفہ حضرت مولانا صاحبؒ) م۔۲۹ جمادی الاول ۱۲۴۱ھ/دوشنبہ ۹/جنوری ۱۸۲۶ء چونکہ ماہ ربیع الثانی/نومبر سے بعارضہ بخار وزکام شدید علیل ہونے کی وجہ سے ۲۹/جمادی الاول حضرت مولوی جمال الدین صاحب کے وصال اور تدفین میں شریک نہیں ہوسکے تھے۔اس لئے ان مقامات پر حضرت موصوف کی فاتحہ کرنی تھی۔بچھرایوں میں ایک دو جگہ ضرور اور اس کے بعد پھر کہیں نہیں ٹھہرنا ہے۔

دہلی میں اپنے حضرات کی زیارتیں کرتا ہوا ماہ رمضان گزار کر اس طرف (بریلی کو) واپس ہوں گا۔

رمضان کی فاتحائیں

دہلی میں ۳۔رمضان کو حضرت بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا کی فاتحہ۔۱۸۔کو مخدوم پاک نصیر الدین چراغ دہلی کے عرس شریف میں شرکت۔۲۱۔رمضان المبارک کو جناب مولا کی فاتحہ کے طعام اور افطار میں انتہائی اہتمام ہوتا۔رمضان شریف کے معمولات، تلاوت، نوافل کی کثرت اور شب بیداریاں ہوتیں۔بالخصوص شب قدر کے انتظار میں آخری عشرہ۔

عیدالفطر:

عیدالفطر کے بعد ۶۔شوال کو بڑے خواجہ حضرت عثمان ہرونی کا عرس ہوتا۔اسی عشرہ میں دارالعلوم فخریہ کی تعطیلات ختم ہوتیں چنانچہ آپ بریلی تشریف لے آتے۔

ذیقعدہ:

۵۔ذیعقدہ کو حضرت والدہ ماجدہ کے پیر و مرشد حضرت محی الدین دیاسنامی قادری علیہ الرحمۃ کی فاتحہ کا کاسہ تیار کیا جاتا یہ فاتحہ بڑے اہتمام کے ساتھ قادری طریقے سے کی جاتی۔

عرس حضرت شاہ شاہان رحمۃ اللہ علیہ:

۱۲۔ذیقعدہ کو دادا پیر حضرت شاہ شاہان نظام الدین اورنگ آبادی کا عرس ہوتا۔ویسے تو آپ حسب اجازت مولانا صاحب بلاناغہ ماہانہ فاتحہ بڑی پابندی کے ساتھ دہلی میں انجام دیتے

رہے تھے لیکن یہ سالانہ عرس ان کے سجادگی کا سالانہ جشن بھی تھا، اس جشن کی آب وتاب میں مریدین و وابستگان کا یہ فطری جذبہ بھی کارفرما ہوتا۔ اسی ماہ کی ۱۸ کو حضرت خواجہ محمد حسن چشتی کی۔ ۲۷۔ تاریخ کو حضرت خواجہ علامہ کمال الدین چشتی (رحمہما اللہ) کی فاتحائیں ہوتیں۔

بقرعید: بقرعید سے فارغ ہو کر ۲۰۔ تاریخ کو حضرت مولانا جمال الدین عرف چشتی کی فاتحہ پر سال کا اختتامیہ ہوتا۔

بسنت آیا بہار آئی بسنتی

موسم کے خاتمہ پر پھاگن کے مہینے میں بسنت پنچمی کو یہ تہوار منایا جاتا ہے اس فصلی ماہ کے انگ انگ سے بہار پھوٹی پڑتی ہے۔ فضاؤں سے نشہ ٹپکا پڑتا ہے۔

کچھ موجِ ہوا پیچاں اے میر نظر آئی　　　شاید کہ بہار آئی زنجیر نظر آئی

بسنت کی تقریب خانقاہ عالیہ نیازیہ میں پوری آب وتاب کے ساتھ منائی جاتی۔ خانقاہ پھولوں سے سجائی جاتی۔ خانقاہ کے مالی کنج بہاری اور ان کے گبرو بیٹے دھنو نے کس چابکدستی سے خانقاہ معلّٰی کو گیندے اور گلاب کے پھولوں سے آراستہ و پیراستہ کر دیا ہے۔

اہالیان خانقاہ مریدین و وابستگان بسنتی کپڑے پہنے بسنت کے جلوس کے خیر مقدم کے لئے تیز قدموں کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں خسرو قوال بسنت لے کر انتہائی والہانہ انداز میں دھمار میں بسنت گاتے ہوئے پوقدمی کے ساتھ بڑھ رہے ہیں اکابر خلفاء پر وجد کی کیفیت طاری ہے۔

سرزمین چشت کی آب وہوا کچھ اور ہے
دین و دنیا سے نرالا اور ہی کچھ طور ہے
پھر رہے ہیں ہر گلی کوچے میں از خود رفتگان
عشق کی واں سلطنت ہے بے خودی کا دور ہے
کیا ہی تیزی اور تندی رکھتی ہے اُن کی نگاہ
جا پڑے جس پر نظر، رہتا وہیں وہ ٹھور ہے
وہ جو اک عرصے میں ہوتا ہے میسر اور جائے
یاوری سے عشق کی حاصل یہاں فی الفور ہے

خواجہ کے آستانے پر بسنت کی بہار:

رجب ۱۲۰۸ھ/ فروری ۱۷۹۴ء میں خواجۂ خواجگان کے عرس مبارک میں حضرت قبلہ نے حاضری دی، یہ بسنت کا موقع تھا اور ان دنوں تک حضرت خواجہ کے آستانہ عالیہ پر بسنت کی تقریب نہیں ہوتی تھی۔ آپ نے ایک بسنت لکھا اور آستانۂ خواجہ پر بسنت پیش کیا۔ جس کا مضمون یہ ہے کہ ہندوستان کے شہنشاہ حضرت خواجہ غریب نواز کا فصل ربیع کا دربار عام ہو رہا ہے اور حاضرین دربار میں سے ہر ایک کو اپنے مقررہ وقت پر سلام و مجرا پیش کرنے کی عام اجازت ہے چنانچہ فصل بہار بھی اپنی گلبدن سکھی سہیلیوں کے ساتھ جن کے ہاتھوں میں سرسوں کے پھولوں کے گڈوے ہیں اور سبھی سولہ سنگھار سے بن بنا اور سج سجا کر بسنتی پوشاک زیب تن کیے گانے بجانے کے ساتھ ناز و ادا سے جھومتی ہوئی تیز قدمی سے مجرے کے لئے حاضرِ دربار ہو رہی ہے۔ کہیں مجرا و سلام کے وقت میں تاخیر نہ ہو جائے اور اس شرف سے محروم رہ جائے۔ اب بسنت کے اشعار ملاحظہ ہوں:

خواجہ معین الدین کے گھر آج دھاتی ہے بسنت
کیا بن بنا اور سج سجا مجرے کو آتی ہے بسنت
پھولوں کے گڈوے ہاتھ لے ، گانا بجانا ساتھ لے
جوبن کے مدھ میں، مست ہو ہو، راگ گاتی ہے بسنت
چھتیاں امنگ سے بھر رہیں، نیناں سے نیناں لڑ رہیں
کس طرز معشوقانہ سے، جلوہ دکھاتی ہے بسنت
لے سکھیاں گل بدن ، رنگ بسنتی کا برن
کیا ہی خوشی اور عیش کا سامان لاتی ہے بسنت
ناز و ادا سے جھومنا ، خواجہ کی چوکھٹ چومنا
دیکھو! نیازؔ! اس رنگ میں کیسی سہاتی ہے بسنت

راقم نے مورخہ ۱۲- دسمبر ۱۹۶۶ء کو ناظم درگاہ معلّٰی اجمیر شریف کو بسنت سے متعلق چند سوالات پر مشتمل ایک خط لکھا تھا، ناظم صاحب موصوف نے مورخہ ۲۶- دسمبر ۱۹۶۶ء کو جواباً

مراسلہ روانہ کیا راقم مؤلف جس کا تہ دل سے ممنون ہے۔

آستانہ خواجہ پر جبین نیاز:

خواجہ غریب نواز کے آستانہ عالیہ پر حاضری ہر عقیدت مند کی دلی آرزو ہوتی ہے، آپ بھی حاضر ہوتے۔ اجمیر شریف میں حاضری کا طریقہ یہ تھا کہ دہلی دروازہ (اجمیر) سے پا پیادہ اور پابرہنہ ہو جاتے۔ قیام اجمیر شریف میں چارپائی پر نہیں سوتے اور نہ چھاتہ لگاتے۔ اپنے پیران سلسلہ کی اقتداء میں دہلی دروازہ سے آستانہ خواجہ پر حاضری دیتے۔ کبھی قبہ مبارکہ کے اندر حاضر نہیں ہوتے۔ بلکہ بیگمی دالان میں حاضر ہوتے جو کہ خواجہ کے مشرقی رُخ پر ہے قبہ مبارکہ کے صدر دروازے (یعنی پائیں کے دکھن) کی طرف شمال رویہ (آپ کی) نشست و مراقبہ کی جگہ تھی۔

آستانہ خواجہ اجمیری میں کوئی خادم اور وکیل آپ کا مقرر نہیں تھا جس کا اکثر آپ نے اعلان بھی فرمایا تھا۔ اجمیر شریف میں ادنیٰ سے ادنیٰ خدمت گار کا بے پناہ ادب کرتے بالخصوص خادمانِ درگاہ معلیٰ کا۔ ان خادموں کو دونوں ہاتھوں سے نذر پیش کرتے ان کی فرمائشوں کی تعمیل میں قلبی راحت محسوس فرماتے۔ درگاہ شریف کے پیرزادوں اور خادموں میں اکثر آپ سے وابستہ تھے۔ لیکن خصوصی کرم سید رحمت علی صاحب مرحوم اور ان کے افراد خاندان پر تھا۔ قیام اور دوسری سہولتوں کا انتظام میر رحمت علی صاحب کرتے موصوف اور ان کا تمام خاندان حضرت سے شرف بیعت رکھتا تھا۔ ان سبھی حضرات کی تربیت کے لئے حضرت نے اپنے عظیم المرتبت خلیفہ شہزادہ کہنہ حضرت سید شرف الدین صاحب علیہ الرحمۃ کو متعین فرمایا تھا۔ حضرت شہزادہ صاحب موصوف کے ذریعہ سے سلسلہ کی بہت اشاعت ہوئی۔

اجمیر شریف میں عرس مبارک کے موقع پر مندرجہ ذیل معمولات انجام پاتے۔

سیج پیالہ، شیرینی فاتحہ، نذر پنچایتی، نذر دیوان صاحب، نذر متولی صاحب، نذر صاحبزادہ چلہ حضرت قطب صاحب، انعام چوکی قوالان درگاہ شریف، فاتحہ خوان، چوبداران و چپراسیان، فقیران، نذر فاتحہ ششم شریف، خادم تارا گڑھ وغیرہ، غرض کہ کوئی نہیں بچتا اور ہر ایک کو نذرانے نام بنام دیئے جاتے۔

ان کی حاضری پر عرس خواجہ کی نوعیت ہی کچھ اور ہوتی ۔ جدھر نکل جاتے ہجوم کا رُخ انہی کی طرف ہو جاتا۔ خواجہ اجمیری کا قل شریف اب بھی آپ ہی کی پیش کردہ منقبت پر ہوتا ہے:

خواجۂ خواجگاں معین الدین　　　فخر کون و مکاں معین الدین

قربِ حق اے نیاز اگر خواہی　　　ساز وردِ زباں معین الدین

حضرت کی یہ منقبت حضرت خواجہ غریب نواز کے حضور میں ایسی مقبول ہوئی کہ جب سے آج تک کسی شاعر کی منقبت کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا۔

حقیقت میں حضرت خواجہ غریب نواز کا جو کرم آپ پر رہا وہ آج تک کسی پر نہیں رہا، چنانچہ آستانہ خواجہ سے سات پارچہ کا خلعت اور پنچایتی دعوت آج تک جاری ہے۔ آستانہ خواجہ سے یہ وہ امتیازات ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں۔

فروری ۱۹۵۶ء میں راقم حضور خواجہ غریب نواز کے عرس میں حاضر ہوا۔ حسن اتفاق کہ بسنت کی تقریب عین ایام عرس میں یعنی خواجہ کے قل شریف سے ایک روز قبل ہوئی تھی اور وہی دن آستانہ خواجہ پر ہم لوگوں کی حاضری کا تھا۔ دوسرے افسران اعلیٰ کے علاوہ جناب ہری بھاؤ صاحب وزیر اعلیٰ راجستھان بھی خواجہ کی چوکھٹ پر سر رکھنے کے لئے حاضر تھے۔ اس سال بسنت کے جشن میں ایک محتاط اندازے کے مطابق سات لاکھ زائرین نے شرکت کی تھی۔

نقل جوابی خط ناظم درگاہ معلیٰ اجمیر شریف:

دفتر درگاہ شریف اجمیر

۲۶ دسمبر/۱۳ رمضان المبارک

دوشنبہ

مکرمی، وعلیکم السلام۔ گرامی نامہ ۱۶- دسمبر موصول ہوا جوابات ارسال ہیں:

(۱) آستانہ خواجہ غریب نواز پر بسنت کا رواج حضرت مولانا شاہ نیاز بے نیاز بریلوی کے زمانے میں خود ان کے ہاتھوں ہوا۔

(۲) اس کے بعد سے درگاہ شریف کے مراسم میں یہ تقریب داخل ہے اور پابندی کے ساتھ ہر سال منائی جاتی ہے۔

(۳) آجکل بھی بسنت پنچمی ہندی کے مطابق جو قمری مہینہ ہوتا ہے اس کی پانچ تاریخ کو منایا جاتا ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے:

"قمری ماہ کی پانچ تاریخ کو دس بجے دن موروثی قوالاں سرسوں کا گڈوہ بنا کر دروازہ درگاہ شریف پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور سجادہ نشین صاحب اپنے مکان سے تشریف لا کر شاہجہانی دروازہ درگاہ شریف پر ٹھہرتے ہیں، جہاں درگاہ شریف کے چوبدار طلائی چوبیں لئے ہوئے موجود ہوتے ہیں۔ اس وقت قوالان بسنت گاتے ہوئے جن میں حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شاہ نیاز بے نیاز کا کلام متعلق بسنت ہوتا ہے گڈوہ لے کر آجاتے ہیں اور سجادہ نشین صاحب راستہ میں کچھ توقف کرتے ہوئے قوالی سنتے ہوئے آستانہ اقدس کے اندر جاتے ہیں اور مزار اقدس پر پھول پیش کرتے ہیں"۔

کافی تعداد میں ہر طبقہ کے لوگ صوفیاء کرام اور مشائخین اس جلوس میں ہوتے ہیں۔ مجمع ہزار پندرہ سو افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ غیر مسلم افراد کی تعداد بھی سو دو سو افراد تک ہو جاتی ہے۔

دستخط

ناظم درگاہ معلیٰ اجمیر شریف

26-12-66

باب نہم

مرض الوفات

مجاہدات وریاضات کی کثرت، درس وتدریس، سالکین کی تربیت، تقلیل غذا اور برسہا برس کی بے خوابی صحت پر اثر انداز ہونے لگیں پھر عمر کا تقاضا۔ آخر زمانے میں بیماریوں کا ہجوم رہنے لگا تھا۔ جس کی وجہ سے صحت تیزی کے ساتھ متاثر ہو رہی تھی۔ بالخصوص اعصاب زیادہ متاثر ہو رہے تھے۔ چونکہ مرض کی تفصیلات دستیاب نہیں ہیں اس لئے مرض کی تفصیلات کے بارے میں حتمی طور پر کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

البتہ گڑ کی تل شکری (جاڑے کی موسمی مٹھائی) کی پسندیدگی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاید پیشاب کی کثرت کی وجہ سے استعمال فرماتے ہوں۔ اس لئے کہ تل اور گڑ اس مرض میں مفید ہوتے ہیں۔ اسی طرح کڑوے کریلے اور بے دودھ وشکر کی سادہ چائے کا اہتمام[1] بھی ذیابیطس (شکر) کا امکان یا احتیاط کی جانب اشارہ کرتے ہیں کیوں کہ اس مرض میں کڑوی اور کسیلی ادویہ کا استعمال مفید ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ آپ کے صاحبزادے حضرت تاج الاولیاء فرماتے تھے کہ میں میٹھا نہیں کھاتا[2]۔

بہرنوع اعصاب متاثر ہو رہے تھے، چلنے پھرنے میں دشواری محسوس ہونے لگی تھی لہٰذا آپ نے باہر جانا ترک فرما دیا تھا۔ بصورت مجبوری قریب کے محلوں میں بھی پیدل چلنے کے بجائے پالکی، میانہ یا ہوادار پر بیٹھ کر تشریف لے جاتے تھے۔ گھٹنوں اور جوڑوں کی شکایت رہنے لگی تھی۔ نوے سال پورے کرنے کے بعد یہ شکایتیں اور تیزی کے ساتھ بڑھنے لگی تھیں۔ جناب

---

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۳۷ [2] ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۵۲

جناب حکیم جمال الدین اور جناب حکیم میر حسین علی صاحب آپ کے مخلص شاگرد اور حاذق اطباء میں سے تھے، یہ صاحبان بڑی دلسوزی کے ساتھ آپ کے علاج میں مصروف تھے۔ لیکن آپ نے سمجھ لیا تھا کہ:

ازنسخہ طبیب نباشد شفائے من ۔ دردم ہر آنکہ داد، علاجم لقائے اوست

فالج کا حملہ:

ترانوے سال کے بعد فالج کا شدید ترین حملہ ہوا جس سے پوری دائیں جانب متاثر ہوگئی۔ سیدھا ہاتھ اور سیدھا پاؤں بیکار ہوگیا۔ یادداشت بھی متاثر ہوئی۔

انتہائی محویت اور استغراق کے باوجود جب کبھی آپ عالم صحو میں ہوتے تو عیادت کے لئے آنے والے وابستگان اور علماء کرام سے علیٰ قدر مراتب ویسے ہی پیش آتے۔



ایک بار مولوی محمد سعید الدین لمکنی جو کہ اپنے دور کے فاضل متبحر تھے بغرض عیادت حاضر خدمت ہوئے۔ جب صحن نشست گاہ میں پہنچے تو جناب قبلہ نے دور سے دیکھا اور کھڑے ہوگئے اور فرمایا آؤ مولوی صاحب! جب نزدیک پہنچے تو بغل گیر ہوئے اور تعظیم سے بٹھایا اور مسکرا کر ان کا مزاج پوچھا۔ مولوی صاحب نے مزاج عالی دریافت کیا۔ فرمایا اچھا ہوں اس وقت حضرت صحو میں گفتگو فرما رہے تھے۔ مولوی صاحب موصوف نے ایک پیچیدہ مسئلہ دریافت کیا۔ حضرت کے تشفی بخش جواب سے مولوی صاحب قدموں پر گر پڑے، پھر رخصت ہو کر باہر آئے تو کہا کہ جو کوئی آپ کے حواس متاثر بتاتا ہے اس کے حواس میں خود خلل ہے اور یہ محویت و استغراق مرتبۂ انتہائے عرفان کا ہے۔[1]

ضعف کے باوجود قوت ارادی:

بیماری کی شدت کے باوجود محرم شریف کے معمولات پورے کیے۔ جمادی الثانی میں حضرت مولانا فخر پاک کے عرس کی تقریبات کیں۔ اسی حالت میں اگلے محرم میں رامپور جا کر حضرت سیدنا بغدادی صاحب کے عرس مبارک میں حاضر ہوئے۔ وہاں ہزار ہا آدمی شہر اور قریہ

[1] ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۱۴۲۔۱۴۱

کے حاضر ہوئے اس میں ہزارہا آدمی جو پہلے حاضر ہوئے تھے بیعت ہو گئے[1]۔ اس کے بعد حضرت تاج الاولیاء کو حکم دیا کہ بیعت فرادیٰ کے بجائے بیعت شمری ادا اس میں بھی صبح سے مغرب کا وقت ہو گیا۔ ایک ہزار آدمی کی بیعت سے فرصت ہوئی[2]۔

لیکن یہ محویت بتدریج بڑھتی ہی رہی۔ جس کی تفصیل جناب حکیم جمال الدین صاحب اور جناب حکیم میر حسین کے سلسلے میں درج کر دی گئی ہے۔

دو کھ روپ، جو بن سب کھوئے دیو نیوں بیت ندتن نکتن کو
جب پران سکت نہ رہی، پھر کا کرہوں، ان باذن کو

سورۃ النصر کا اعادہ:

اسی اثناء میں انہوں نے صوفی غلام حسین سے ایک چھوٹی سورت کا نام پوچھا، کئی سورتوں کا نام لینے کے بعد اذا جاء نصر اللہ کا نام آیا فرمایا میں اسی کو پوچھتا تھا اور فرمایا مجھ کو اس سے کام لینا ہے۔ جب یہ سورہ نازل ہوئی تب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام افراد خاندان تڑپ تڑپ کر رونے لگے تھے۔ اور سمجھ گئے تھے کہ اب حضور ﷺ کی رحلت کا وقت قریب آچکا ہے اور جدائی ہونے والی ہے۔ اس وقت یہ واضح اشارہ تھا کہ میرا بھی تم لوگوں سے رخصت ہونے کا وقت بالکل قریب آچکا ہے۔ فتح و نصرت اور سلسلے میں فوج در فوج داخلہ کی بشارت پوری ہو چکی ہے لہٰذا اب میری اس طرف واپسی ہی رہ گئی ہے جو بہت جلد ہونے والی ہے۔

اتنی فعال شخصیت کو بے حس و حرکت بستر پر لیٹا ہوا دیکھ کر لوگوں سے ضبط نہیں ہوتا تھا اور بے قابو ہو کر ان کی آنکھیں چھلک پڑتی تھیں[3]۔

الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب:

آب حیوان مرگ باشد در مذاقِ عاشقاں زندہ جاوید ہستند ایں کساں از جان عشق

کل نفس ذائقة الموت:

موت کا ذائقہ بلاشبہ ہر نفس کو چکھنا یقینی ہے لیکن یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ سب کی موت

---

[1] نازونیاز جلد اول صفحہ ۸۰   [2] کرامات صفحہ ۸۰   [3] کرامات صفحہ ۵۲

یکساں نہیں ہوتی۔انبیاء کرام اور ان کی سچی پیروی کرنے والے اولیاء عظام اپنی حیات میں ہی موتوا قبل ان تموتوا کے مراحل سے گزر چکے ہوتے ہیں لہٰذا ان کی موت بقاء باللہ کا آخری مرحلہ ہوتی ہے۔ان کی موت جسم عنصری کی قید سے نجات کا پروانہ ہوتی ہے۔شہادت کبریٰ ہوتی ہے۔ان مراحل سے گزر کر وہ اپنے رب کے حضور میں پہنچنے کے بعد اور بھی زیادہ صاحب قوت ہو جاتے ہیں اور جسم و جان کا ملان حاصل ہو جاتے ہیں:

ع   تری اُلفت میں مر مٹنا شہادت اس کو کہتے ہیں

حضرت سنائی رحمتہ اللہ علیہ نے کیا لطیف بات ارشاد فرمائی ہے:

غازی ز پے شہادت، اندر تگ و دوست   غافل کہ شہید عشق فاضل تراز دست

در روز قیامت ، ایں بہ او کے ماند   ایں کشتۂ دشمن است وآں کشتۂ دوست

مندرجہ بالا رباعی حقیقت میں ایک حدیث شریف کا ترجمہ ہے البتہ شاعر نے کشتۂ دوست کہہ کر ایک غزلیاتی فضا پیدا کر دی ہے۔

حدیث یہ ہے:

عن ابی الدردا رضی الله عنه. قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: الا انبئکم بخیر اعمالکم وازکاها عند ملیککم. وارفعها فی درجاتکم. وخیر لکم من انفاق الذهب والورق. وخیر لکم ان تلقوا عدوکم: فتضربوا اعناقهم ویضربوا اعناقکم.

قالوا : بلیٰ

قال ﷺ : ذکر الله

یعنی حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہارے اعمال میں بہترین، اور خدا کے نزدیک پاک ترین، اور درجے کے اعتبار سے بلند ترین، عمل نہ بتا دوں جو (خدا کی راہ میں) سونا چاندی خرچ کرنے اور قتل کرنے اور قتل کیے جانے سے بھی بہتر ہو؟

صحابہ نے عرض کیا: ضرور یا رسول اللہ ﷺ!

فرمایا: (وہ عمل) اللہ کی یاد ہے۔[1]

محویت میں اہتمام نماز:

حضرت کے پوتے شاہ محی الدین احمدؒ نے آخر زمانے کا حال بیان فرمایا ہے کہ:

''حضرت نیاز بے نیاز قدس سرہ کا استغراق اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ ہر وقت ذات میں ڈوبے رہتے تھے۔ باوجود اس حالت کے خلفاء و مریدین کو تاکید تھی کہ جب نماز کا وقت ہوا کرے ہم کو ہوشیار کر کے نماز پڑھوا لیا کرو چنانچہ حسب الحکم جب نماز کا وقت ہوتا بہ مشکل تمام آپ کو ہوشیار کرتے اور وضو کرا کے نماز پر آمادہ کرتے۔ نماز کی حالت میں کئی کئی مرتبہ ڈوب جاتے اور حاضرین ہوشیار کرتے رہتے............

جب نماز پوری ہو جاتی تو حاضرین عرض کرتے کہ حضرت نماز ختم ہو گئی اس وقت آپ فرماتے الحمدللہ!! میں نے نماز پڑھ لی۔

غذا کی کیفیت:

اسی طرح کھانا کھلانے میں دقت پیش آتی۔

''جب کھانے کا وقت ہوتا تو خدام عرض کرتے کہ کھانا تیار ہے، کچھ شنوائی نہیں ہوتی.......... آخر کار کوئی ہجریہ اور کوئی مصرعہ وصلیہ، کوئی مصرعہ عشقیہ آپ کے سامنے پڑھتے تو.......... آپ کی حالت میں تغیر واقع ہوتا اس وقت فرماتے خراب کر دیا! خراب کر دیا!۔

اس وقت خدام نے لقمہ حضرت کے منہ میں دے دیا اگر نوش فرما لیا تو خیر ورنہ وہ لقمہ منہ میں رہ جاتا اور حضور مستغرق ہو جاتے پھر اسی طرح ہوشیار کیا جاتا اور ایک لقمہ اور منہ میں دے دیا اسی طرح چند لقمے کھلائے جاتے تھے۔ اس کے بعد استغراق اور بڑھا۔

حضرت حافظ اکبر علی خان صاحب لکھتے ہیں:

''اور بر تقدیر دس پندرہ روز میں کبھی استغراق سے افاقہ ہو جاتا۔[2]

---

[1] نقد اقبال پہلا ایڈیشن۔ حضرت میکش اکبر آبادی۔ ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۰۵

[2] ایجاد اکبری قلمی صفحہ ۴۵۴

اونچی آواز سے ہوشیار کرنے پر کبھی کبھی ایسے الفاظ بھی منہ سے نکلتے تھے:

می آیم می آیم[1]

ایک روز، بعد ہوشیاری سلامت اللہ خاںؒ نے عرض کیا کہ: حضور ازِ کجا می آئید؟

فرمایا: مقامے دارم۔

نہ مقام گفتگو ہے نہ محل جستجو ہے نہ وہاں حواس پہنچیں نہ خرد کو ہے رسائی

نہ مکیں ہے نے مکاں ہے نہ زمیں ہے نہ زماں ہے دل بے نوا نے میرے، جہاں چھاؤنی ہے چھائی

استغراق تامہ:

تا وقت وصال یہ حالت قائم رہی کہ کچھ یاد نہیں رہا حتیٰ کہ کسی کا نام بھی یاد نہیں آتا تھا اگر حضرت تاج الاولیاءؒ کو بلانا ہوتا تو اپنے سینہ پر ہاتھ رکھتے اگر سلامت اللہ خاںؒ کو بلانا ہوتا اپنی زبان پر انگلی رکھتے (کیوں کہ وہ چٹنی بنوا کر پیش کرتے تھے)۔

کیفیت بر وقت وصال

وصال سے پہلے ہوشیار ہو گئے تھے۔ مخدوم جی سے فرمایا اس وقت سختی اور تکلیف بہت ہے۔ مخدوم جی نے عرض کیا حضور کیا بات ہے؟ فرمایا میں نے جناب باری میں عرض کیا تھا کہ میرے سلسلہ کے تمام مریدین کی تکلیف جان کنی مجھ پر کر لی جائے اور ان کو بری کیا جاوے، یہ بات مقبول ہوئی اس کو بھگت رہا ہوں۔

گر نمانِدیم دریں دیر، چہ باک است نیاز کز ازل تا بہ ابد جان جہانم باقیست

وصال سے پہلے پھر غشی طاری ہوئی۔ یکا یک دونوں ہاتھ حضور کے پھیلے۔ حاضر خلفاء میں ہر ایک قریب جا کر حاضر ہوا۔ ہاتھ بدستور پھیلے رہے۔ آخر کو حضرت تاج الاولیاء صاحب سجادہ قریب ہوئے۔ دونوں ہاتھوں سے آپ نے ان کو سینۂ پر گنجینہ سے لگا لیا اور نعمت باطنی اور اسرار مخفیہ جو ودیعت تھے آپ کے سینہ میں بطور القا کے تفویض فرمائے۔ اس فیضان سے حضرت تاج الاولیاء بے ہوش ہو گئے اور اسی حالت میں جناب قبلہ کی روح پر فتوح قالب عنصری سے مفارقت

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ٦٩



مزار: حضرت شاہ نیاز بے نیازؒ

کر کے اپنے مرکزِ اصلی کو پہنچی۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ

ع نیازؔ گیا جب اللہ لوگو! کون رہا؟ فرماؤ جی

اثرِ فیضان:

اس فیضان کے اثر سے حضرت تاج الاولیاء کو ایسی غشی طاری ہوئی کہ حاضرین کو یہ خیال پیدا ہوا کہ خدانخواستہ جناب قبلہ کے ہمراہ آپ بھی سفر کر گئے۔ ایک صدمہ تھا ہی، دوسرے صدمہ سے آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ چنانچہ بعد افاضۂ تام خود بخود علیحدہ ہو گئے لوگوں نے حضرت کو سینہ سے اُٹھا کر دوسری چارپائی پر لٹا دیا کافی دیر کے بعد آپ کو ہوش آیا۔[1]

تاریخ و وقتِ وصال:

حضرت نیاز بے نیاز نے چھٹی جمادی الثانی ۱۲۵۰ھ/ (۱۰-اکتوبر ۱۸۳۴ء۔ سودی ۸- کنوار ۱۸۹۱) بعد نماز جمعہ دو بج کر دس منٹ پر وصال فرمایا۔

گلی کے اندر مشرقی دروازے سے بائیں جانب اور کنویں سے پہلے لحد بنا کر غسل دیا گیا، جہاں اب راقم کے دادا حضرت مہدی میاں صاحب کا مزار ہے۔

مزار شریف کی جگہ:

خانقاہ شریف کے صدر دروازہ میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب مغرب میں کافی اونچا ٹیلہ تھا جہاں حضرت کے گھوڑے کا اصطبل تھا، یہ اصطبل ستر، بہتر سال سے تھا۔ حضرت کی وصیت کے مطابق آپ کو وہیں دفن کرنا تھا چنانچہ اس ٹیلے کو ہموار کرنے کے بعد ایک بانس نیچے قبر کھودی گئی۔

تدفین: شب میں نو اور دس بجے کے درمیان آپ مدفون ہوئے۔

آپ کی تاریخ وصال یہ آیہ کریمہ ہے اور یہی آیت "اِنّ" کے تخرجہ سے آپ کے پیر و مرشد حضور مولانا صاحب کی بھی ہے۔

(ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولاھم یحزنون)

---

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۶۷

دیگر

سن بارہ سو پچاس تھے اور خواجہ جی کے ماس　　نیاز پیارے جائے بسے اللہ جی کے پاس

کہاں یہ عشق کا مرنا کہاں وہ موت سر پڑنا　　یہاں اب روح قدسی ہوں وہاں زیر زمیں سڑتا

زیارت گاہ عالم آج ہے یارو! مزار اپنا　　کہو حاسد کو تو بھی ساتھ میرے، آ یہاں گڑتا

عمر مبارک: وصال کے وقت آپ کی عمر مبارک بحساب قمری پچانوے سال دو ماہ اور گیارہ روز اور بحساب شمسی بانوے سال چار ماہ اور گیارہ روز ہوئی۔

عمر حضرت تاج الاولیا:

حضرت مولوی محمد فائق صاحب حضور قبلہ کے مرتبہ زائچہ سے نقل فرماتے ہیں کہ وصال کے دن بڑے حضرت (تاج الاولیاء) کی عمر چودہ سال چار ماہ اور پانچ دن اور چھوٹے حضرت (شاہ نصیر الدین صاحب) کی عمر آٹھ سال اور بائیس روز تھی۔[۳]

ہر دو حضرات اپنے والد ماجد کے علم و فضل اور روحانی مدارج اعلیٰ کے وارث ہوئے دونوں حضرات کا ذکر تفصیل کے ساتھ عنقریب آ رہا ہے۔

مزاج کے آئینہ دار چند اشعار

علم رسمی در کنار

علم رسمی در کنار انداز دیگر از دل سبق　　نکتۂ عشقت کند حل، بحث و تکرار دگر

پریشان حالی از درس علم رسمی

مدہ تکلیف علم رسمیم اے عالم حالم!　　پریشان حالیم روی دہد از درس و ابوابم

مارا بہ کتاب دگرے چیست حوالہ　　دل در بر خود دار و انیست کتابم

علم منطق یا برہان دل

دید چوں میدان دل، برہان سلم نقص یافت　　منتج عکس قیاس است حجت و برہان دل

جہاں حرفیست از ورق دفتر علم

حرفیست جہاں از ورق دفتر علم　　من نسخۂ جامع عجب طرفہ کتابم

نظر اہل نظر منتج کشفست و شہود صوفی صافیم از حجت و برہان برگشت

تہی زخویش، چونے شو، زپائے تا سرخود وگرنہ بوس لب لعل بنائی آسان نیست

زوجہ کونین را طلاق

مطلق کردہ ام من زوجۂ کونین راز اں دم کہ بامہرت قبولم افتادوایجابم

زفقر و خاکساری

بقومے فخر فقر و خاکساری کردہ ارزانی بجمع تاج فغفوری و جاہ وحشمت دارا

کلاہِ بے سری برسر

گدا و بے نوایم ساز و برگم خوش نمی آید کلاہِ بے سری برسر بہ است از تاج فغفورم

گدا و بے نوایم بے سرو برگیست سامانم نخواہم ملک اسکندر، نہ جاہ وحشمت دارا

فارغ از سود و زیان

فارغ از سود و زیان دین و دنیا گشتہ ام عاشق غم دیدہ را سود و زیانے دیگر است

نیاز و بے نیازی

گاہے نیاز ایمان من، گہہ بے نیازی شان من ایں ہر دو می زیبد بہ من، ہم بندہ، ہم مولاستم

سلطان بے نیازی

سلطان بے نیازم چو سرو سرفرازم...... ہم بندۂ نیازم مثل کماں خمیدہ

نیاز بہ مقابل ناز

اہل دل گویند مارا آفریں!!!! اے نیاز! ایں نیاز گر بہ ناز ادمقابل بگذرد

راہ رسم دیگر

عشق باز اں حقیقت راست از سر تا قدم راہ ورسم دیگر و اوضاع و اطوارے دگر

ہفت آسماں زیر پا

دیوانگان بادیہ پیمائے عشق او ہفت آسمان بہ چشم زدن زیر پا کنند

گدائی درت مقابلہ شاہی عالم

بہ گدائی درت، شاہی عالم چکنم
تاج بخشان جہانند، گدایانے چند

خسروی دو جہاں

فیض محبوب اہلبیت کہ در خطۂ ہند
خسروان دو جہانند، گدایانے چند

خدمت پیر مغاں

خدمت پیر مغاں برخود گرفتم فرض عین
کمترین از بندگانش، بندہ ام حلقہ بگوش

کشف وکرامات افتادہ بہ راہ

از کشف وکرامات، ملا فید کہ اینہا
افتادہ بہ راہند بہ تعداد حسابم

خالصاً للہ عبادت

نباشد، گر عبادت خالصاً للہ، اے زاہد!
بگو حاصل چہ باشد؟ زیں جنت وحورت

بہر ملکے راہے ورسمے

بہر ملکے دگر، راہے ورسمے دیگرے دارد
بہ ہر طرفے، معین ساختہ افواج اسماء را

منکر فرقہائے تفرقہ

از فر قہائے تفرقہ ، بس منکریم ما
با جمع ، اہل جمع موافق تریم ما

از نسخۂ طبیب نباشد شفائے من ......
دردم ہر آں کہ ، علا جم لقائے اوست

بہ دور زندگی یک لحظہ آسائش نمی بینم
زفیض عام تو اے مرگ! زنہار آرزو دارم

مرگ آب حیوان

آب حیواں، مرگ باشد، در مذاق عاشقاں
زندہ جاوید ہستند ایں کساں از جان عشق

گر نما ندیم دریں دیرچہ باک است نیاز!
کز ازل تا بہ ابد جان جہانم باقیست

تعمیر سہ دری:

بریلی اور بریلی کے نواح میں کنوار کے مہینے میں بھی اچھی خاصی بارش ہوتی ہے اور چونکہ یہ زمانہ کنوار کے پہلے عشرے کا تھا۔ رات کو دفن کے بعد اچھی بارش ہوئی۔ قبر شریف کچی تھی۔ پا انداز میں پانی نے سوراخ کر دیا۔ پھر شامیانہ کھڑا کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد چوبیں محراب دستون کی منقش سہ دری بنا دی گئی۔ بعد میں حضرت تاج الاولیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خلیفہ نثار علی بیگ صاحب علیہ الرحمۃ کے ذریعہ سے آگرہ سے سنگ مرمر منگوا کر سہ دری بنوا دی چونکہ حضرت نثار علی بیگ صاحب وہاں بحیثیت ڈپٹی کلکٹر متعین تھے اس لئے بہت دشواری پیش نہیں آئی۔

۱۹۰۴ھ/۱۳۲۲ء میں حضرت تاج الاولیاء نے وصال فرمایا چنانچہ دوسرے محاذی ٹیلے پر جہاں حضرت موصوف نے پھلواری لگا رکھی تھی اسے ہموار کرا کر حضرت تاج الاولیاء کا مزار بنا دیا گیا اور وہاں بھی سہ دری بنا دی گئی۔

تعمیر مزارات و برآمدہ:

حضرت سراج السالکین نے درمیانی گلی پاٹ کر دونوں مزارات ایک سطح میں کر لئے اور مزارات کے سرہانے صدر دروازہ کے بجائے چھوٹا دروازہ لگوا دیا۔ پھر حضرت کی ایماء پر حضرت احمد میاں چغتائی نے برآمدہ کی تعمیر کرائی جسے مکرانہ کے مشہور استاد نتھو مرحوم نے ۱۹۲۲ء تک بڑے خلوص سے انجام دیا۔ استاد نتھو نے یہ کام بڑی صناعی اور فنکاری سے انجام دیا۔

۲۷-اکتوبر ۱۹۲۴ء کو دونوں مزارات کے درمیان میں حضرت سراج السالکین دفن کئے گئے گویا اس تعمیر کا آخری منشا پورا ہو گیا اور تعمیر مکمل ہو گئی۔ لیکن حضرت خلیفہ احمد حسین صاحب (شمسی پنجابی) ساکن آنولہ کی اہلیہ مرحومہ نے اس حسین مرمریں عمارت پر گنبدوں کی کمی محسوس کی چنانچہ خلیفہ صاحب نے حضرت منجھلے ابا (محبوب میاں صاحب) کے انتظام واہتمام میں ستمبر ۱۹۳۱ء میں صد سالہ عرس حضور قبلہ سے قبل تین گنبد تعمیر کرائے۔ اور اب اس تعمیر کا آخری مرحلہ بھی پورا ہو گیا۔ یہ گنبد بھی استاد نتھو کی ماہرانہ فنکاری کا نمونہ ہیں۔ ان میں سنگ موسا کی کالی پٹیاں حضور محبوب الٰہی کے گنبد مبارک کا نمونہ ہیں۔ ان کالی پٹیوں کی عجب بہار ہے۔

ع سیاہی با سپیدی الفش بند

بیچ کا گنبد کرسی دے کر اُٹھایا گیا ہے جس کی وجہ سے دہلی کی جامع مسجد کے گنبدوں کی یکسانیت سے علیحدہ نمایاں شان پیدا ہوگئی ہے۔

اگرچہ ۱۹۶۸ء کے بعد دوسرے مزارات بھی سنگ مرمر سے بنائے گئے ہیں لیکن ان میں استاد ناتھو کے ہاتھ کی نفاست کہاں۔

(ا) خانقاہ نیازیہ قدیم وجدید:

پرانی خانقاہ:

حضرت نے بریلی شریف آنے پر خس پوش خانقاہ بنائی جو مطلع انوار سبحانی بن گئی۔ رحمتوں کی کثرت سے اس کا دامن تنگ ہونے لگا تو اس میں توسیع کی ضرورت پیش آئی۔

اس خانقاہ میں دو دروازے تھے ایک مغرب کی جانب۔ یہ دروازہ مسجد کے سامنے سڑک پر کھلتا ہے یہیں سے سڑک پار خواجہ قطب غربی شروع ہو جاتا ہے۔ غربی سڑک محلہ سیتارام کوچہ سے آتی ہوئی مسجد بی بی صاحبہ کی طرف بذریعہ بہاری پور میں نکل جاتی ہے اس کا دوسرا دروازہ مشرق جانب کھلتا تھا اس پر چار برجیاں تھیں اس سے آگے ٹیلہ تھا جس پر حضور قبلہ کے گھوڑے کا اصطبل تھا حسب وصیت حضور قبلہ یہیں آپ کا مزار شریف بنایا گیا۔ آگے کافی وسیع میدان تھا۔ تنگی کے پیش نظر بچھرایوں کے رئیس مولوی کریم اللہ صاحب[1] (منجھلے بھائی حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ) نے زمین خرید کر نئی خانقاہ تعمیر کرائی تھی۔ اس کے محفل خانہ کا رُخ شمال کی جانب تھا۔

نئی خانقاہ:

یہ خانقاہ کافی وسیع تھی۔ یہ خانقاہ شمالاً جنوباً تھی محفل خانہ کی دیوار مسند مبارکہ کی پشت سے ہوتی ہوئی حضور قبلہ کے مزار شریف تک چلی جاتی تھی۔ مسند مبارکہ کے پس پشت پر الماریاں تھیں جن میں خانقاہی کتب خانہ کی کتابیں ہوتی تھیں اس ہال کی توسیع کے بعد یہ الماریاں پیچھے ہٹ کر آخری مغربی دیوار میں پہنچ گئیں۔ اس ہال کے مشرق، شمالاً، جنوباً میں کمانچہ تھا جس میں حضرت



مزار: دروازہ خانقاہ نیازیہ بریلی

مولوی عبید اللہ صاحب کا قیام تھا اور ان کے وصال فرمانے کے بعد حضرت مولوی محمد فضل عالم صاحب کا قیام تھا اور وہ حضرت تاج الاولیاؒ کے خطوط تحریر فرماتے تھے۔

اس خانقاہ میں تین دروازے تھے شمال میں صدر دروازہ تھا جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ آ رہا ہے۔ دو دروازے مشرق رُخ تھے اس میں پہلا دروازہ وہ ہے جو اب صدر دروازہ ہے اس سے اندر آنے کے بعد حضرت سیدیٰ میاں صاحب کا مزار شریف ہے دوسرا دروازہ بھی مشرق رخ ہے یہ سماع خانہ کے ہال سے متصل ہے۔ سماع خانہ کے سامنے طویل و عریض صحن ہے جس میں عرس شریف کے زمانہ میں محفل سماع ہوتی ہے اس کے انتہائی شمال میں سرکاروں کے مزارات مقدسہ ہیں۔

(۲) خانقاہ نیازیہ کا صدر دروازہ:

جدید خانقاہ نیازیہ کا صدر دروازہ حضور قبلہ کے مزار مبارک کے بالکل سرہانے سے متصل مشرق شمال گوشہ میں تھا۔ یہیں سے لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ محفل سماع کے بعد بتاشوں کی تقسیم بھی اسی دروازے پر ہوتی تھی۔ بڑے عرس کے ایام میں یہاں عارضی بڑا گیٹ لگایا جاتا جس پر کڑوے تیل کے چراغوں سے چراغاں ہوتا، بعد میں چراغوں کے بجائے بڑی موم بتیاں ہوتیں۔ بلند دروازے کی سجاوٹ و آرائش کا خصوصی اہتمام حضرت چھوٹے میاں صاحب فرماتے۔ یہ سلسلہ ۱۲۸۱ھ / نومبر ۱۸۶۴ء تک بڑے زور و شور میں چلتا رہا۔ حضرت کے بدایوں تشریف لے جانے کے بعد ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء کے عرس سے بند ہو گیا۔ بڑے حضرت فرماتے تھے کہ ان سب کاموں سے مجھے چھوٹے میاں کی یاد بے چین کر دیتی ہے۔

حضرت سراج السالکین نے (مشرقی ٹیلے پر جہاں کیاریاں تھیں)۔ پیائش کر کے جناب قبلہ کے محاذ میں حضرت تاج الاولیا کو دفن کیا (تدفین کی اجازت خود بڑے حضرت نے مجسٹریٹ سے حاصل کر لی تھی۔)

دونوں مزارات کی تعمیر کے زمانے (۱۹۰۷ء) میں حضرت نے دونوں ٹیلوں کی درمیانی گلی کو پاٹ کر ہموار کرا دیا تھا۔ یہ دروازہ چھوٹا ہو گیا۔ دونوں مزارات کے درمیان میں لوگ باقاعدہ نماز پڑھنے لگے، نماز کے اوقات میں دونوں مزاروں کے پردے گرا دیے جاتے تاکہ نماز میں کوئی

قباحت نہ ہو۔

اکتوبر ۱۹۲۴ء میں حضرت سراج السالکین رحمتہ اللہ علیہ کی تدفین یہیں عمل میں آئی تو اس دروازے سے آمدورفت ختم ہوگئی۔ یہ چھوٹا دروازہ حضرت موصوف کے سرہانے ہے۔

موجودہ صدر دروازہ مشرق رویہ ہے اور تنگ گلی میں ہے۔

(۳) خانقاہ میں کنوئیں کی تعمیر

اس محلہ میں آنے کے بعد پانی کی فراہمی کا مسئلہ تھا۔ اس زمین پر یا اس کے قریب کوئی کنواں نہیں تھا۔ خانقاہ سے تیس چالیس گز کے فاصلے پر شمال کی جانب ایک بہت بڑا کنواں تھا، اگرچہ اس کے اوپر لکڑی کا چوکھٹا تھا۔ جس کے صرف چار طرف کے خانے پانی بھرنے کے لئے کھلے ہوئے تھے باقی بند تھے۔ اس احتیاط کے باوجود اکثر بلیاں اور گلہریاں کنوئیں میں گر کر مر جایا کرتی تھیں اور کنواں نجس ہو جاتا۔ پھر اس کی صفائی محلے والوں کے اجتماعی چندے سے ہوتی اور یہ حضرات بھی چندہ دیتے تھے۔

ایک بار کسی جانور کے گر جانے کی وجہ سے کنواں اوندھوانا تھا۔ محلہ والوں نے حسب معمول چندہ کیا تو حضرت کے یہاں سے یہ کہہ کر مہلت چاہی گئی کہ اس وقت پیسے نہیں ہیں، ہم بعد میں دے دیں گے۔ محلہ والوں نے فوری ضرورت کے پیش نظر اسے صاف کرا لیا۔ اتفاق کی بات کہ اتنے پیسے نہیں ہوئے کہ چندہ کی ادائیگی ہو جاتی۔ دو ایک روز تک محلے والوں نے تاخیر برداشت کر لی ایک بار جب کہ خانقاہ کے لیے پانی بھرا جا رہا تھا ایک محلہ والے نے کہا کہ میاں پانی تو بھروا لیتے ہیں لیکن کنوئیں کی صفائی کے دام نہیں دیتے۔ آدمی نے آ کر عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ کنوئیں سے پانی نہ بھرنا اب ہم اپنے کنویں کا پانی پئیں گے۔

خانقاہ کے شمال مغرب ٹیلے کے نیچے کنواں کھودا گیا کافی کھدائی کے باوجود پانی نکلنے کے آثار نظر نہیں آئے تو دوسری جگہ اس کے مقابل میں شمال مشرقی ٹیلے کے نیچے کنواں کھودا گیا۔ وہاں پانی نکل آیا۔ اس کنویں سے خانقاہ اور متعلقہ مکانات میں پانی کی فراہمی ۱۹۶۸ء تک ہوتی رہی۔

یہ کنواں اس زمانے میں خانقاہ کے مشرق رویہ صدر دروازے سے متصل ٹیلے کے جنوب میں



دروازہ مسجد بی بی صاحبہؒ بریلی

تھا۔اس ٹیلے کو کسی قدر ہموار کرا کر حضرت تاج الاولیاء نے اس میں موسمی پھولوں کی کیاریاں بنوالی تھیں۔کنویں کے جنوب میں حضور قبلہ کی میت کے غسل کے لئے لحد کھودی گئی تھی۔اس کے بعد لحد میں بھی کیاری بنادی گئی تھی۔اسی کیاری میں نومبر ۱۹۳۷ء میں حضرت داداصاحب مہدی میاں قبلہ کی تدفین عمل میں آئی۔یہ مزار مشرق رویہ صدر دروازے میں داخل ہوتے ہی داہنے ہاتھ پر ہے۔

(۴) تعمیر مسجد بی بی شاہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہا:

محلہ سواد اعظم نگر (موجودہ خواجہ قطب) میں قیام کے ساتھ ساتھ مسجد کی ضرورت تھی۔پرانی خانقاہ و زنان خانہ کے مغربی دروازے کے مقابل سڑک پار شمال مغرب گوشہ میں اہل تشیع کی مسجد تھی اور اس مسجد پر سنیوں کا قبضہ تھا۔اس مسجد کے علاوہ دوسری مسجد اس علاقہ میں نہیں تھی۔

نماز فجر میں آپ کو بہت قباحت ہوتی۔ظہر سے عشاء تک کی نمازیں آپ معہ جملہ طالبان حق و طلباء مدرسہ کے ہمراہ ادا فرماتے لیکن دوسرے افراد خاندان و وابستگان کو یہ ضرورت شدت کے ساتھ محسوس ہوتی خود حضرت کو تعطیل مدرسہ کے ایام میں نمازیں پابندی اوقات کے ساتھ با جماعت پڑھنی ہوتیں اور مکان سے متصل مسجد کے لئے حضرت کا فتویٰ تھا کہ شیعہ چونکہ حربی نہیں ہیں اس لئے ان کی عبادتگاہوں پر قبضہ کرنا اور ان میں نماز پڑھنا ناجائز ہے۔غصب کی ہوئی جگہ پر نماز نہیں ہوسکتی،اسی وجہ سے شمال کی طرف کافی دور چل کر ڈولی والان متصل مداری دروازہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے جانا پڑتا تھا۔جلد ہی آپ نے خانقاہ سے شمال مغرب گوشہ میں تقریباً سو گز کے فاصلہ پر ایک قطعہ آراضی خرید کر ایک مختصر مسجد بنالی۔

مزارات والدین:

اسی مسجد کے صحن کے باہر خارج از مسجد مشرق جانب ایک مجذوب صاحب کا مزار پہلے سے موجود تھا۔اس مزار کے مشرق میں حضرات والدین کے مزارات تعمیر کیے گئے۔مجذوب صاحب کے مزار کے بعد حضرت کے والد حکیم الٰہی حاجی شاہ محمد رحمت اللہ کا مزار ہے،یہ زیادہ اونچا اور نمایاں ہے اس کے پہلو میں حضرت والدہ ماجدہ بی بی شاہ غریب نواز آسودہ ہیں۔اس کا اوپری حصہ بالکل سپاٹ ہے۔یہ تینوں مزارات احاطہ میں تھے اور احاطہ میں دکھن رُخ پاکتی کو دروازہ لگا

ہوا ہے، جو صرف زیارت، پھولوں کی چادریں۔ اور چراغ بتی کے وقت کھولا جاتا تھا۔ حضرت والد صاحب چونکہ نقشبندی مجددی تھے اس لئے مزار پر چھت یا چھت گیری نہیں ہے اور نہ سرہانے کوئی کتبہ ہے جیسے کہ اس زمانے میں امام ربانی کا مزار شریف تھا۔ یہاں اس احاطے میں نہ کبھی محفل سماع ہوتی ہے اور نہ محفل میلاد۔ دروازۂ مسجد و دروازۂ مزارات سے پہلے جنوب میں باہر ہی ایک کنواں تھا جو کہ غالباً ۱۹۷۰ء تک کھلا ہوا تھا اور کارآمد تھا۔

۱۹۴۷ء میں پھوپی (رحمت النساء) صاحبہ مرحومہ کی قبر مزارات کے احاطہ کے باہر پوربی دیوار کے نیچے برابر بنا دی گئی پھر ۱۹۴۸ء میں دادی صاحبہ (حضرت مستقیماً النساء صاحبہ) کا مزار بنا تھا تب احاطہ کی پوربی دیوار نکال کر اسی میں انہیں دفنا دیا گیا اور احاطہ کی دیوار بڑھا کر پھوپی صاحبہ کی قبر بھی احاطہ کے اندر کر لی گئی اس طرح یہ احاطہ زیادہ وسیع ہو گیا۔

(۴) خرید بڑا مکان:

آبادی بڑھنے کی وجہ سے جب آبائی مکان (متصل پرانی خانقاہ) میں گنجائش نہیں رہی تو حضرت قبلہ نے خانقاہ کے صدر دروازے کے شمال مشرق گوشے میں واقع مکان خرید فرمایا۔

<u>از بیعنامہ مکان ہٰذا:</u> باسم میاں صاحب شاہ نیاز احمد صاحب قبلہ بن حاجی رحمت اللہ بن شاہ عظمت اللہ مرحوم۔

ایک منزلہ پختہ مکان مبلغ -/363 روپیہ میں 452.22 گز واقع مشرق خانقاہ مسمی حافظ بخش ولد شیخ مصطفیٰ بن محمد جمال سے خریدا۔ بہ عملہ خشتی و چوبی مکان یک منزلہ پختہ سہ درہ دالان شمال رویہ اندر کوٹھا مع چہار کوٹھری بغلی" واقع محلہ سواد اعظم نگر،

محصول معاف نمودہ شد

عبارت ظہری

شہر بستم ربیع الثانی ۱۲۱۵ھ/ چہارشنبہ ۱۰ ستمبر ۱۸۰۰ء

چہارشنبہ ۲۰- ربیع الثانی ۱۲۱۵ھ/ ۱۰ ستمبر ۱۸۰۰ء کو (بدور حکومت نواب سعادت علی خان والی اودھ و بہ نظامت حسین علی خان (ولد حیدر بیگ خان کابلی نائب صدر)۔ مع مہر قاضی شہر۔



مزارات والدین: حضرت بی بی شاہ غریب نوازؒ حضرت شاہ رحمت اللہؒ

ان دو مزارات پر پھولوں کی چادریں مالی کنج بہاری بنا کر لاتے تھے۔ان کے بعد ان کے بیٹے چودھری دھنون اور ان کے بیٹے بدری پرشاد اور ان کے بیٹے نتھو پیش کرتے تھے۔

اس دور میں مفتی شہر کی مہر سے رجسٹری ہوتی تھی اس دستاویز پر مفتی کی مہر ہے بائع و مشتری کی ولدیت کے ساتھ دادا کا نام بھی ہوتا تھا۔

مذکورہ مکان بڑے مکان کے نام سے موسوم ہے۔

حضرت قبلہ نے اس یک منزلہ عمارت کو عارضی طور پر دو منزلہ کرایا لیکن حضرت کے بعد یہ دو منزلہ شکستہ اور مخدوش ہو گیا تھا۔اس کی بالائی منزل حضرت مولوی عبید اللہ شاہ صاحب بدخشانی (م ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) نے اتروادی تھی۔

اس مکان کا صدر دروازہ مغرب رُخ ہے دروازہ کے اوپر چھجہ ہے دروازے کے اندر ڈیوڑھی ہے اس ڈیوڑھی میں جنوب رُخ داخلی دروازہ ہے اس کے بعد بھی ڈیوڑھی ہے اس کے مشرق میں مکان کے اندر جانے کے لئے دروازہ ہے۔اندر داخل ہوتے ہی بڑا چوکور صحن ہے۔

دروازہ کے تقریباً سامنے خاصا بڑا کنواں تھا یہ ۱۹۲۴ء تک کھلا ہوا تھا اسی کنویں سے اندر کی ضرورت کے لئے پانی کھینچا جاتا تھا۔

اندرونی دروازہ کے بائیں جانب ایک غسل خانہ اور دو پاخانے مشرق رخ شمالاً جنوباً ہیں۔ اس کے بعد شرقاً، غرباً پہلے کوٹھری پھر باورچی خانہ جنوب رُخ باورچی خانہ اور کنویں کے درمیان امرود کا پیڑ تھا۔

داخلی دروازے کے دائیں جانب مغرب کی طرف شمالاً جنوباً مشرق رُخ لمبا چھپر تھا اس کے بعد شرقاً غرباً شمال رخ سہ درہ دالان ہے اس دالان کی منقش محرابیں دو بڑے چوبی ستونوں پر قائم ہیں۔

بیچ کی محراب کے مغربی دوہرے ستون کا اگلا ستون مع پایہ کے گل گیا تھا۔۱۹۵۳ء میں محمد سعید خاں مرحوم زمیندار گوتنی ضلع پرتاپ گڑھ نے اپنے ہمراہ بڑھئی لاکر بوسیدہ ستون کو بدلوادیا تھا۔

مغربی در میں نماز کا تخت تھا، تخت پر پانی سے بھرا ایک بڑا تانبے کا لوٹا رکھا رہتا تھا لوٹے پر تانبے کا ڈھکن تھا، اس کے آگے زمین پر شمال رُخ پر تانبے کا بڑا طشت تھا جس میں وضو کا پانی گرتا تھا۔

اسی تخت کے بالکل پیچھے دالان کی جنوبی دیوار میں بڑا کلاک تھا، یہ حضرت تاج الاولیاء کے

زمانہ سے تھا۔

یک منزلہ دالان مع کوٹھا و ہر دو کوٹھری اندرونی غربی شرقی باقی ہے۔ دالان کی لمبائی بڑھانے کے لئے دونوں جانب کی کوٹھریاں ختم کر کے دو کمانچے بنادیے گئے ہیں۔ دالان کے شرقی سرے پر مغرب رُخ بڑا کمرہ ہے کمرے سے ملی ہوئی شمال میں سہ دری ہے اس کے بعد اوپر جانے کے لئے زینہ ہے، زینہ کے شمال میں مغرب رُخ کوٹھا رہے۔

حضرت دادی صاحبہ نے یہ مکان بتاریخ ۲۳- جولائی ۱۹۳۴ء کو برائے سجادہ نشیناں و برائے اولاد سجادہ نشیناں وقف کر دیا۔

اسی مکان میں حضرت تاج الاولیا شاہ نظام الدین حسین اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت شاہ نصیر الدین حسین تولد ہوئے۔ حضور قبلہ نیاز بے نیاز تا دم آخر اس میں مقیم رہے۔

بند بلاوہ

قارئین کرام کی خدمت میں معذرت کے ساتھ یہ بند بلاوہ نقل کیا جا رہا ہے، حضور قبلہ کے حالات کے آرزومند حضرات کو اس فہرست کو پڑھنے میں بے وجہ طوالت اور خستگی محسوس ہوگی لیکن حضرت پر تحقیقی کام کرنے والے ریسرچ اسکالروں کو معاصرین کے نام دریافت کرنے میں کچھ سہولت ضرور ہوگی۔

یہ بند بلاوہ حضور قبلہ کا املا کرایا ہوا ہے، جن صاحبان کو خانقاہی معمولات میں مدعو کیا جاتا تھا یہ ان کے اسمائے گرامی کی فہرست ہے۔ یہ صاحبان کسی نہ کسی حیثیت سے حضور قبلہ اور ان کی خانقاہ کے علاقہ مند ہیں۔

اولاً اصل بند بلاوہ کی فہرست اسماء نقل کی جا رہی ہے تا کہ بلاوہ کی خط شکست کی عبارت اس فہرست کی مدد سے پڑھی جا سکے۔ اس بند بلاوے کے کاتب حضرت قبلہ کے خلیفہ فضیلت مآب حضرت مولوی محمد فضل عالم پھپرایونی ہیں۔ اس فہرست اسماء کے بعد حروف تہجی کے اعتبار سے اسماء مرتب کیے گئے ہیں اور جہاں تک معلومات ہو سکی ہے ناموں کے ساتھ کچھ وضاحت کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

حضرت قبلہ یہ اہتمام فرماتے تھے کہ ہر کام میں سادات کرام کو ترجیح دیتے چنانچہ ہر کام میں

فہرست اسماء معاصرین حضور قبلہ بے نیازؒ

جن صاحبان کو خانقاہ کی معمولات و تقریبات میں مدعو کیا جاتا تھا

[illegible]

[illegible]

نہیں اولادِ رسول ﷺ سے ہوتی۔ اس اہتمام کی وجہ سے ایسا بھی ہوا کہ غرض مندوں نے بھی سید بن کر فائدے اٹھائے۔ حضرت بھی دیدہ و دانستہ اولادِ رسول ﷺ کی طرح ان کا ادب کرنے میں سرمو فرق نہ فرماتے۔ بعض جرأتمندوں نے جسارت کر کے اصل صورت حال عرض کرنا بھی چاہی تو فرما دیا کہ وہ جانیں اور آئندہ کے لئے تاکیداً منع بھی فرما دیا کہ نسب میں تجسس نہ کیا جائے۔ مجھے تو اسی عالی نسبت کا پاس ادب ہے چنانچہ اس بند بلادے میں ایسے نام بھی آ گئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہ بند بھی تبرکاً بریلی کے سادات کرام کے اسماء مبارکہ سے شروع ہوا ہے۔ اس میں شہر کے مشہور سید بزرگ میر بطن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے نام نامی سے شروعات کی گئی ہے اور بند کے شروع کے پانچ نام سادات کرام کے ہیں۔

بند بلادہ کے اسماء

(۱) میاں بطن صاحب
(۲) حکیم میر حسین علی وغیرہ
(۳) میر شجاعت علی وغیرہ
(۴) میر احسان علی
(۵) میر غلام علی عشرت
(۶) فرزندان حکیم اسد علی مرحوم
(۷) مولوی ملوک
(۸) فرزندانِ غوث محمد مرحوم
(۹) نواب محمد یار خاں صاحب مع فرزندان
(۱۰) نواب اللہ یار خاں صاحب مع فرزندان
(۱۱) حافظ سید احمد شاہ آبادی
(۱۲) شاہ حفیظ اللہ
(۱۳) میر نیاز علی
(۱۴) مولوی منیر الدین
(۱۵) مولوی سید محمد
(۱۶) شیخ عظمت علی
(۱۷) حافظ عبد الغفور صاحب آخوند
(۱۸) مولوی نور اللہ
(۱۹) حافظ نور
(۲۰) حافظ غوث محمد پسر چوکا جان

(۲۱)	محمد علی خاں صاحب	(۲۲)	خواجہ عبدالرحیم مع فرزندان
(۲۳)	محمد جان	(۲۴)	بغدادی صاحب
(۲۵)	حافظ قاسم	(۲۶)	حافظ کریم اللہ
(۲۷)	پسران گھنگھرو شاہ	(۲۸)	عنایت علی بیگ
(۲۹)	ظہور علی وغیرہ	(۳۰)	شاہ ثابت
(۳۱)	شیخ عبدالقادر	(۳۲)	شیخ قطب الدین
(۳۳)	شیخ منیر	(۳۴)	شیخ فیض اللہ
(۳۵)	میر ثناء اللہ	(۳۶)	حافظ قادر بخش
(۳۷)	قاضی شہر مولوی غلام محمد	(۳۸)	مفتی ابوالحسن
(۳۹)	ملک احمد خاں	(۴۰)	حکیم نور علی
(۴۱)	قمر علی وغیرہ	(۴۲)	میاں کفایت اللہ وغیرہ
(۴۳)	میر کریم بخش	(۴۴)	جان محمد
(۴۵)	امام بخش	(۴۶)	غوث محمد
(۴۷)	پسران چودھری خیر محمد	(۴۸)	حکیم غلام حسین
(۴۹)	مفتی امیر اللہ خاں	(۵۰)	مفتی عبداللہ
(۵۱)	حافظ ابوسعید	(۵۲)	شیخ برکت اللہ
(۵۳)	حکیم جمال الدین مع والدہ وفرزندان	(۵۴)	فرزندان میر شہامت علی
(۵۵)	محمد علی	(۵۶)	حافظ غلام محمد
(۵۷)	میر ولایت علی	(۵۸)	احمد یار خاں مع فرزندان
(۵۹)	جلال الدین خاں	(۶۰)	عثمان خاں
(۶۱)	کاظم علی خاں	(۶۲)	مولوی فخر الدین احمد
(۶۳)	رضی الدین	(۶۴)	میر حسین علی صاحب

(۶۵) خان بہادر خاں — (۶۶) میاں غلام حیدر
(۶۷) خواجہ حسین وغیرہ — (۶۸) مرزا فضائل بیگ وغیرہ
(۶۹) مولوی نجابت حسین — (۷۰) مفتی سلیم اللہ وغیرہ
(۷۱) قاضی فریدالدین — (۷۲) خاندان سید عمر علی صاحب
(۷۳) نواب عمر خاں مع فرزندان — (۷۴) مولوی عبداللہ وکیل
(۷۵) شاہ غلام حسین سرہندی — (۷۶) برہان شاہ
(۷۷) اعظم صاحب — (۷۸) سراج الدین وغیرہ
(۷۹) میر نثار علی صاحب — (۸۰) حافظ غلام علی صاحب
(۸۱) حافظ لطف اللہ — (۸۲) مرزا مومن جان کوتوال
(۸۳) مولوی گوپاموی — (۸۴) میر صاحب نائب کوتوال
(۸۵) میر فضل حسین — (۸۶) نواب رعایت اللہ خاں
(۸۷) سعادت یار خاں — (۸۸) یار محمد خاں
(۸۹) محمد سعید خاں وغیرہ — (۹۰) کنور رتن سنگھ
(۹۱) چودھری بسنت رام — (۹۲) فرزندان نواب ارادت خاں
(۹۳) شیخ اکبر صاحب — (۹۴) احمد حسین
(۹۵) بندگی بخش — (۹۶) ناظر دائم علی
(۹۷) میر عبداللہ صاحب مع فرزندان در مسجد دلیر خاں — (۹۸) محمد حسن
(۹۹) عبدالملک — (۱۰۰) کلو جان
(۱۰۱) فیض اللہ — (۱۰۲) فرید شاہ
(۱۰۳) قدرت علی وغیرہ — (۱۰۴) غلام حضرت مع فرزند
(۱۰۵) مولوی منصور — (۱۰۶) تفضل علی
(۱۰۷) محمد بخش — (۱۰۸) تاج محمود

(۱۰۹)	محمود علی	(۱۱۰)	رحیم جان
(۱۱۱)	ناظر حسین خاں	(۱۱۲)	منشی محمد بنی
(۱۱۳)	میر بہادر علی	(۱۱۴)	محبوب علی
(۱۱۵)	سید علی (صحیح سعید علی)	(۱۱۶)	میر حسن شاہ
(۱۱۷)	تصدق علی	(۱۱۸)	مولوی حسن علی
(۱۱۹)	مفتی کفایت اللہ صاحب	(۱۲۰)	قاضی سعید الدین خاں صاحب
(۱۲۱)	سعادت اللہ	(۱۲۲)	مولوی علیم اللہ
(۱۲۳)	میر بشیر الدین وغیرہ	(۱۲۴)	غلام نبی وکیل
(۱۲۵)	تمام محلّہ خواجہ قطب	(۱۲۶)	شاہ غلام محی الدین مجذوب
(۱۲۷)	سید جمال شاہ		

اگر چہ مذکورہ فہرست ایک سوستائیس ناموں پر ختم ہو جاتی ہے لیکن واقعتاً کئی سو افراد پر مشتمل ہے جس میں فرزندان بارہ بار۔ پسران دو بار اور خاندان پانچ بار وغیرہ استعمال ہوا ہے۔

اوّلاً انہیں حضرات کی گنتی دریافت نہیں ہے چہ جائیکہ تمام خواجہ قطب، یہ محلّہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ محلّہ خواجہ قطب شرقی اور خواجہ قطب غربی۔ ان ہر دو حصوں کی آبادی پانچ سو افراد سے کم کسی حالت میں نہیں تھی، اتنی آبادی تو راقم نے ۱۹۴۷ء کے بعد بھی دیکھی ہے۔ بلکہ مبالغہ نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ پانچ سو نفر سے زائد نے اس محلّہ سے پاکستان کو ہجرت کی تھی خود ہمارے چوک گڑھیا متصل خانقاہ سے بانوے نفوس نے ہجرت کی تھی۔

راقم کے ہوش میں آنے تک یہ رواج تھا کہ عرسوں یا محرم شریف کی خاص تاریخوں میں محلّہ کی باہر بیاہی ہوئی لڑکیاں، ان کے بچے اور سمدھیانے کے افراد موجود ہوتے تھے۔ ان سے محلّے میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی۔

ترتیب فہرست بہ لحاظ حروف تہجی:

(۱) ابوالحسن مفتی عثمانی: آپ مولوی محمد حسن صدر الصدور کے والد ماجد ہیں:۔

(۲) ابراہیم خاں، عرف بھورے خاں: حافظ الملک کے (آٹھویں بیٹے) نواب اللہ یار خاں کے بیٹے ہیں۔ صاحب تاریخ روہیل کھنڈ کا بیان ہے کہ:

"اسی مہینے اگست ۱۸۵۷ء میں محمد ابراہیم خاں عرف بھورے خاں نبیرۂ حافظ رحمت خاں نے ٹھیکہ داتا گنج اوراوسیت کا خان بہادر خاں سے لیا۔ ۲۰ دسمبر کو عبدالرحمٰن خاں مذکورہ نے بشراکت نیاز محمد خاں جنرل اور فصاحت اللہ خاں وغیرہ نے ٹھیکہ ضلع بدایوں کا لیا۔

ماہ جنوری ۱۸۵۸ء کو محمد ابراہیم خان عرف بھورے خاں کو جنرل مذکور نے بے گناہ ہلاک کیا جو کہ خان بہادر خان کو عداوت قلبی اہل خاندان حافظ رحمت کے تھی، اس لئے جنرل مذکور سے خوش ہو کر کچھ بدلا بھائی کے قتل ہونے کا نہ لیا۔

(۳) حافظ ابو سعید۔

(۴) میر احسان علی احسنؔ: آپ مرزا عباس بیگ اور نادر بریلوی (م ۱۷۵۷ء) کے فن شاعری میں شاگرد ہیں۔ محلّہ ذخیرہ کے باشندہ اور اپنے دور کے مشہور نعت گو ہیں۔ انیسویں صدی تک موجود تھے، آپ کے تلامذہ میں بریلی کے مشہور و معروف نعت گو لطف علی خاں لطف اور سید مہربان علی فرحان بریلوی بھی ہیں۔

(۵) احمد حسین۔

(۶) احمد خان ملک: حافظ الملک کے سگے چچا زاد بھائی۔ حقیقی داماد۔ (نویں بیٹی اور غلام مصطفیٰ خان کی حقیقی بہن کے شوہر) ہیں۔

(۷) احمد رضا خاں ولد نواب محمد یار خاں۔ نواب احمد رضا خاں نو بھائی تھے ان میں آپ کا نواں نمبر ہے۔ خانقاہ نیازیہ کے ہمہ وقت کے حاضر باشوں میں تھے۔ حضرت تاج الاولیاء کے خاص احباب میں تھے۔ حضرت ان کی بہت دلداری فرماتے۔[۱] اور ان کے دولت خانے پر بھی قدم رنجہ فرماتے۔[۲]

(۸) احمد یار خاں: آپ حافظ الملک کے (ساتویں) بیٹے کے بڑے بیٹے اور حسب دستور اپنے والد کے گھر کے رئیس تھے۔ آپ کے چار فرزند تھے۔ مظفر حسین خاں، احمد حسین خاں، رحمت

---

۱ کرامات نظامیہ صفحہ ۱۹۷ ۲ ؍؍ ؍؍ صفحہ ۲۲۹۔۲۲۸

حسین خاں اور علی حسین خاں۔

(۹) اعظم صاحب۔

(۱۰) شیخ اکبر صاحب۔

(۱۱) اکبر حسین خاں: نبیرہ حافظ الملک۔ آپ حافظ الملک کے (تیسرے) صاحبزادے ارادت خان کے (دسویں) بیٹے ہیں۔ علاوہ ازیں دوسرے بارہ بھائی بھی اس فہرست میں شامل ہیں۔

(۱۲) اللہ یار خاں: اپنی ردیف میں حافظ الملک کے آٹھویں بیٹے اور ماتقی فہرست میں چھٹے ہیں۔ آپ حافظ محمد یار خاں کے سگے بھائی ہیں۔ اپنے بھائی سے صرف تین سال چھوٹے ہیں۔ والد کی شہادت کے وقت عمر اکیس سال تھی گویا آپ کی پیدائش تقریباً ۱۷۵۳ء کی تھی، ساٹھ سال اور چند ماہ حافظ الملک کی شہادت کے بعد زندہ رہے، جمعہ ۹۔شعبان ۱۲۴۷ھ/۱۳۔جنوری ۱۸۳۲ء کو بہ عمر اکیاسی سال انتقال کیا۔

(۱۳) امام بخش: حافظ الملک کے (چوتھے) صاحبزادہ نواب محبت خاں صاحب کے منجھلے بیٹے تھے۔

(۱۴) امیر الدین خاں: نبیرۂ حافظ الملک۔ نواب ارادت خاں صاحب کے (ساتویں) فرزند۔

(۱۵) مفتی امیر اللہ۔

(۱۶) شیخ برکت اللہ۔

(۱۷) برخوردار خاں: آپ حافظ الملک کے نبیرہ اور حافظ نواب محمد یار خاں کے، ساتویں بیٹے تھے۔

(۱۸) برہان شاہ۔

(۱۹) بسنت رام: روساء و تعلقداران بریلی میں سے تھے اور حضور قبلہ جناب نیاز بے نیاز کے زمرۂ بندگان میں داخل تھے۔[1] باشندہ محلہ گلاب نگر۔ مخصوص حاضر باش۔ حضرت کی تقریبات میں فرش و فروش کے منتظم تھے۔ علی الصباح چودھری بسنت رام مذکور خود آ کر مسجد (بی بی جی صاحبہ) بہاری پور میں زیر فرش جانماز و فرش وغیرہ بچھا کر لگا دیا کرتے تھے۔ چودھری صاحب موصوف فقیر

[1] ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۶۲

دوست آدمی تھے۔ آپ کو دوسرے فقراء سے بھی قرآنی اعمال پہنچے تھے۔

ایک بار حضرت نیاز بے نیاز کے حضور میں عرض کیا کہ حضور کے کرم سے کوئی تمنائے دنیوی ایسی نہیں باقی ہے کہ جس کی حسرت ہوالبتہ ایک نعمت اولاد سے......محروم ہوں...... جناب نیاز بے نیاز نے باکمال ترحم اپنے دہن مبارک سے اگال پان کا نکال کر چودھری صاحب کو عنایت کیا...... فرمایا اپنی زوجہ کو لے جا کر کھلا دو...... چند روز میں استقرار حمل ہوا۔ مدت مقررہ پر چودھری صاحب کے یہاں لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام نوبت رام رکھا گیا۔ یہ لڑکا اپنے باپ سے بڑھ کر معزز ہوا انگریزوں کے یہاں سے راجہ کا خطاب پایا۔

بریلی میں رام نومی کے مہتمم چودھری صاحب تھے اور رام نومی کا جلوس انہیں کے پھاٹک سے اُٹھتا تھا۔ جمعہ ۸-محرم (۱۲۵۲ھ/۱۴-اپریل ۱۸۳۷ء) اور رام نومی ساتھ ساتھ پڑے۔ یہ موقع انگریزوں کی دوعملی سیاست کے لئے تیر بہدف تھا۔ اس لئے کہ بریلی کا ہندو مسلم بھائی چارہ مثالی تھا۔ چنانچہ انگریزوں نے اپنی سیاست کا کوئی زہریلا تیر ایسا نہیں تھا جو نہ چھوڑا ہو، تیر نشانے پر بیٹھا۔ ہندو مسلم دونوں میں نفاق پیدا ہو گیا۔ دیکھتے دیکھتے مدتوں پرانا ہندو مسلم ایکا بکھر کر رہ گیا اور بریلی کی تاریخ میں پہلا بلوہ رونما ہو گیا۔ تاریخ روہیلکھنڈ کا مؤلف لکھتا ہے: (یہ منحوس بلوہ بھی حضور قبلہ کے بعد ہی رونما ہو سکا گویا ان کے بعد شیرازہ کا بکھر گیا)'' (جمعہ) آٹھویں محرم ۱۲۵۳ھ (۱۴-اپریل ۱۸۳۷ء) کے بریلی میں بہ سبب نکلنے رام نومی کے ہندو اور مسلمانوں میں نفاق پیدا ہوا۔ اکثر اہل اسلام اور تعزیہ دار تعزیے لے کر چھٹی محرم کو باہر شہر کے کربلا میں جا پڑے۔ آٹھویں محرم کو باہتمام ہنسن صاحب مجسٹریٹ کے سواری رام نومی کی بریلی میں نکلی۔ بعد دفن تعزیوں کے اہل اسلام شہر میں آئے۔

فساد عظیم:

ہندو مسلمانوں میں اختلاف شدید ہوا یہاں تک کہ دوکانیں ہر قسم کی علیحدہ ہو گئیں، ہر جگہ فساد عظیم برپا ہونے لگا۔ آخر مسٹر کلارک صاحب نے رئیسان ہنود و اہل اسلام کو طلب کر کے مچلکے در باب رفع تنازع کے لئے، پھر صاحب کلکٹر و صاحب جج اور صاحب کمشنر نے دستخط کر کے بحضور نواب گورنر جنرل بھیج دیئے۔ گورنمنٹ سے پروانجات خوشنودی مزاج ہندوؤں اور مسلمانوں کے

نام جاری ہوئے۔ خواص میں صلح ہوگئی بعض عوام کے دل سے بہ سبب جہالت کدورت نہ گئی۔ بہ سبب اسی نفاق کے چودھری بسنت رام رئیس ہنود بریلی (مہتمم رام نومی نکالنے کا تھا) کو چوتھی محرم (۱۲۵۸ھ) ۶۔ فروری ۱۸۴۲ء کے رحیم اللہ دری باف نے فریب سے ہلاک کیا۔

پھانسی رحیم اللہ دو مہینے کے اندر قتل کا یہ مقدمہ فیل ہوگیا۔

"دوسری ربیع الاول ۱۲۵۸ھ/۱۴ راپریل ۱۸۴۲ء کو رحیم اللہ مذکورہ کو پھانسی ہوئی۔[1] اس طرح ایک مخلص میرے ہاتھوں سے گنوایا اور ایک جذباتی کو پھانسی ہوئی اور ہمیشہ کے لئے ستیاناس کے بیج بو دیئے گئے۔

(۲۰) رحیم اللہ صاحبؒ کا مزار مبارک محلہ چھوٹا دروازہ بمقام جھنڈا بریلی میں ہے۔ حضرت موصوف کی شخصیت اور ان کا مزار مرجع خلایق ہے۔ جمعرات کو لوگ کثیر تعداد میں بغرض فاتحہ حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کا عرس بڑی پابندی کے ساتھ ہوتا ہے اس کے علاوہ محرم کی گیارہویں شریف میں بہت ہجوم ہوتا ہے۔

(۲۱) مولوی بشیر الدین۔

(۲۲) میاں بطن صاحب بریلی کے مشہور سید اور برگزیدہ ہستی۔ آپ کی توبہ کا واقعہ اس طرح ہے کہ ابتدا میں آپ کی زندگی لہو ولعب کی تھی جس کی وجہ سے پڑوس کی مسجد کے امام صاحب آپ کی مئے نوشی کی وجہ سے اکثر آپ کو لعن طعن کرتے رہتے تھے۔ یہی لعن طعن حضرت موصوف کی توبہ کا باعث بنی جس نے اچانک حضرت کے قلب کی ماہیئت بدل دی۔

ایک رات میاں بطن صاحب نے اپنے دروازہ پر دھڑ دھڑاہٹ کی آواز سنی۔ غور سے کان لگا کر اندازہ لگایا تو سمجھ گئے کہ پڑوس کے امام صاحب اتنی رات گئے برا بھلا کہنے کے لئے آ گئے۔ مگر دھڑ دھڑانے کی وجہ سے مجبوراً دروازہ کھولنا پڑا۔ دیکھا کہ امام صاحب کے ہوش بجا نہیں تھے دیکھتے ہی قدموں پر گر کر لوٹنے لگے بس ایک ہی رٹ تھی کہ خدا اور رسولؐ کے واسطے مجھے معاف کر دیجئے۔ امام صاحب کو انہوں نے اٹھا کر بٹھایا اور کہا میں نے معاف کر دیا۔ آپ پہلے وجہ بھی تو بتایئے۔ آپ نے میرا کیا کیا ہے؟ آپ تو مجھے ایک برے کام سے بچنے کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ مولوی صاحب نے

[1] نازو نیاز جلد اول صفحہ اول

بتایا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے خواب میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ آپ قلعہ کی ندی کے کنارے کپڑے دھو رہے تھے میں نے حضور میں سلام پیش کیا اور عرض کیا کہ حضور کیا کر رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہارے پڑوس میں میری اولاد میں میر بطن رہتے ہیں یہ ان کے شراب آلودہ کپڑے ہیں جنہیں میں دھو رہا ہوں یہ سننا تھا کہ موصوف پر بھی گریہ طاری ہو گیا فوراً تائب ہو گئے کہ میری وجہ سے میرے جدِ کریم کو میرے نجس کپڑے دھونے پڑتے ہیں۔ اس واقعہ کا اتنا شدید اثر ہوا کہ آپ نے تقویٰ اور طہارت کی زندگی اختیار کر لی۔ پھر آپ کا شمار بریلی کے اکابر اولیاء میں ہونے لگا۔ حضرت نیاز بے نیاز کی تقریبات کے بلاوں میں سرِفہرست سید صاحب کا نام آنے لگا۔ حضرت میر بطن صاحب مزار مبارک محلہ چھوٹا دروازہ بمقام جھنڈا، بریلی میں ہے حضرت موصوف کی شخصیت اور ان کا مزار مرجع خلائق ہے۔ جمعرات کو کثیر تعداد میں لوگ بغرض فاتحہ حاضر ہوتے ہیں۔ آپ کا عرس بڑی پابندی کے ساتھ ہوتا ہے اس کے علاوہ محرم و گیارہویں شریف میں بہت ہجوم ہوتا ہے۔

(۲۳) بغدادی صاحب۔

(۲۴) بندگی بخش۔

(۲۵) میر بہادر علی: ولد سید نذر علی نقوی امروہوی۔ بارہویں پشت میں حضرت سید شرف الدین، شاہ ولایت امروہہ کی اولاد ہیں۔ سید نذر علی صاحب امروہہ سے ترک سکونت کر کے بریلی آ گئے تھے۔ آپ کے دس فرزند تھے اور ان دس صاحبان میں سے قدرت نے ہر ایک کو دس، دس فرزندوں سے نوازا تھا۔ اس فہرست میں ان کے بیٹے اور پوتے بھی مدعو ہیں۔ میر بہادر علی کے میر محبوب علی بڑے بھائی اور میر مہربان علی فرحان کے والد ماجد ہیں۔[1]

(۲۶) پسران چودھری خیر محمد۔

(۲۷) پسران گھنگھر و شاہ۔

(۲۸) تاج محمود۔

(۲۹) تصدق علی۔

(۳۰) تمام محلہ خواجہ قطب: یہ محلہ شہر کی وسطی سڑک اسٹیشن جنکشن کتب خانہ اور نینی تال روڈ کے مغرب میں واقع ہے۔ کتب خانہ کے بعد گلی آریہ سماج کے مغرب سے محلہ خواجہ قطب شرقی

اور خواجہ قطب غربی۔ خواجہ قطب شرقی میں خانقاہ نیازیہ ہے اس کے مغرب جنوب میں سڑک ہے جو محلہ کو دو حصوں میں بانٹتی ہوئی آگے چلی گئی ہے۔ گلی آریہ سماج کے جنوب میں محلہ کہرواں خواجہ قطب ہے۔ محلہ کے مغرب جنوب میں محلہ بمن پوری اور محلہ سوداگران ہے، یہ محلہ پہلے اعظم نگر کہلاتا تھا۔ شمال میں مداری دروازہ ہے۔ اور اس سے ملا ہوا درزی چوک ہے۔

(۳۱) ثابت شاہ۔

(۳۲) جان محمد۔

(۳۳) جلال الدین: ولد نواب ذوالفقار علی خاں نبیرۂ حافظ الملک۔

(۳۴) سید جمال شاہ۔

(۳۵) حکیم میر جمال الدین: ساکن محلہ گڑھیا۔ یہ محلہ خواجہ قطب سے زیادہ دور نہیں ہے۔ شمال مغرب میں محلہ بمن پوری سے گزر کر سیدے ہاتھ پر ہے۔ آپ فن طب میں یکتائے زمانہ استاد تھے حضور قبلہ کے شاگرد خاص تھے اور بعد میں حضرت کے معالج بھی تھے۔ عشرہ محرم میں حضرت ان کی دل داری کے لئے ان کے مکان پر تشریف لے جا کر مجلس میں بھی شریک ہوتے انکے یہاں ایک مجلس کا تفصیلی ذکر اپنے محل پر ہے اس خاندان سے گھریلو تعلقات تھے اس لئے حکیم صاحب مع والدہ مدعو ہیں۔

(۳۶) مولوی حسن علی۔

(۳۷) حسن علی خان: حافظ الملک کے نبیرہ و نواب ارادت خاں صاحب کے دسویں صاحبزادے ہیں۔

(۳۸) حکیم میر حسن علی وغیرہ: حکیم صاحب بھی حضور قبلہ کے شاگرد فن طب میں یکتائے زمانہ تھے۔ ساکن محلہ گڑھیا حکیم جمال الدین اور حکیم میر حسن علی بھی آپ کے معالج تھے دونوں صاحبان مزاج کی کیفیت دریافت کرنے کے لئے روزانہ حاضر خدمت ہوتے۔

(۳۹) شاہ حفیظ اللہ۔

(۴۰) خان بہادر خاں معروف: ولد نواب ذوالفقار خاں، آپ حافظ الملک کے پوتے اور والدین کے چھوٹے بیٹے ہیں۔ صدر الصدور سے پنشن پائی۔

۳۱-مئی ۱۸۵۷ء کو جنگ آزادی کے ہیرو کی حیثیت سے بریلی کا چارج لیا۔

''اس عرصہ میں خان بہادر خاں نے بادشاہ دہلی کو قبل از قیام سلطنت نذر مع عرضی کے روانہ کی۔ حضور بادشاہ سے ایک شقہ مع خطاب انتظام الدولہ محافظ الملک خان بہادر خاں ہزبر جنگ کے باضافہ ایک خلعت چند پارچہ کے آیا''۔[1]

بضرب سکہ شاہ عالم بادشاہ سابق دہلی اپنی عملداری میں رائج کیا اور اپنی مہر پر کندہ کرایا۔

الملک لله والحکم لله[2]

''علی الصباح روز چہار شنبہ تاریخ بیسویں ماہ رمضان ۱۲۷۴ھ مطابق پانچویں ماہ مئی ۱۸۵۸ء کے لڑائی ہوئی۔ بعد دوپہر یہ فوج بہادری سے لڑی مگر اسی اثناء میں یہ افواہ اُڑی کہ فوج انگریزی پچھم کی طرف سے آ پہنچی۔ اس خبر سے ساکنان شہر بریلی نے راہ فرار اختیار کی۔ فیروز شاہ وغیرہ کل باغی سمت محمدی علاقہ اودھ کے بھاگ گئے۔

فوج غربی نے تاریخ ۲۱ - رمضان ۱۲۷۴ھ/ مطابق ۶- مئی ۱۸۵۸ء کے داخل ہو کر حکم غارت گری اور جرنیلی مارشل لا کا نافذ کیا۔ مسٹر الگزینڈر صاحب کمشنر صاحب نے کوک صاحب کو روانہ پیلی بھیت کیا''۔

خان بہادر خاں گرفتار ہو کر علاقہ نیپال سے آیا اور بعد تحقیقات اور ثبوت جرم انگریزوں کے تاریخ پہلی رمضان ۱۲۷۶ھ (اتوار ۲۵- مارچ ۱۸۵۹ء) کو روبرو کوتوالی کے جہاں انگریز قتل کیے گئے تھے پھانسی ہوئی۔[3]

گویا تاریخ خروج سے پھانسی کے دن تک ایک سال نو ماہ چھبیس روز ہوئے۔

(۴۱) خاندان سید علی۔

(۴۲) خدایار خاں: نواب اللہ یار خان صاحب کے منجھلے بیٹے اور حافظ الملک کے پوتے ہیں۔

(۴۳) خواجہ حسین وغیرہ: ایک سید صاحب سید خواجہ حسین نامی برفاقت نواب محبت خاں روہیلکھنڈ میں قیام رکھتے تھے، کسی بات پر سید صاحب نے جلال میں آ کر نواب حرمت خاں کی

---

[1] تاریخ روہیلکھنڈ قدیم صفحہ ۶۳
[2] ایضاً صفحہ ۶۴
[3] تاریخ روہیلکھنڈ قدیم صفحہ ۶۷

گردن پر تھپر امار دیا۔ یہ خبر حافظ الملک تک پہنچی تو گھبرا کر پوچھا کہ:

"حرمت خاں زندہ ہے یا مر گیا؟"

عرض کیا گیا کہ زندہ ہے اس پر وہ سجدۂ شکر بجالائے اور فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہ!! کہ حرمت خاں بچ گیا ورنہ میں ایک غلام زادے کا قصاص شاہزادے (آلِ رسول ﷺ) سے نہ لیتا"۔[1]

(۴۴) دائم علی۔ ناظر

(۴۵) رتن سنگھ (زخمی): راجہ موصوف کا تذکرہ نہایت تفصیل کے ساتھ حضرت کے مشاہیر تلامذہ کے ذیل میں آچکا ہے۔

(۴۶) رحیم جان۔

(۴۷) رضی الدین۔

(۴۸) رعایت اللہ خاں: ولد نواب ارادت خاں، آپ نواب صاحب موصوف کے تیسرے بیٹے ہیں۔

(۴۹) سراج الدین وغیرہ۔

(۵۰) سعد اللہ خاں: ولد نواب محمد عمر خاں کے (پانچویں) بیٹے۔ نواب حافظ الملک کے پوتے۔

(۵۱) سعادت اللہ۔

(۵۲) سعادت اللہ خاں۔ آپ نواب ارادت اللہ خاں کے منجھلے بیٹے ہیں۔

(۵۳) سعادت یار خاں: ولد حافظ محمد یار خاں مؤلف تاریخ "گل رحمت" جس کو راقم کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر مصطفےٰ حسین نظامی نے تاریخ روہیلکھنڈ کے نام سے اردو قالب میں پیش کیا ہے۔

(۵۴) قاضی سعید الدین خاں (لکھنی)۔ (آپ کا ذکر مرض الوفات کے ذیل میں آچکا ہے)

(۵۵) مفتی سلیم اللہ وغیرہ۔

(۵۶) میر ثناء اللہ۔

(۵۷) حافظ سید احمد شاہ آبادی۔

---

[1] حیات حافظ رحمت خاں صفحہ ۲۸۰

(۵۸) میر سید علی۔

(۵۹) مولوی سید محمود۔

(۶۰) میر شجاعت علی۔

(۶۱) میر شہامت علی۔

(۶۲) ظہورِ علی بیگ وغیرہ۔

(۶۳) عبداللہ خاں: نواب محمد عمر خاں کے منجھلے بیٹے۔

(۶۴) عبدالحمید خاں: نواب ارادت خاں کے چودھویں بیٹے۔

(۶۵) عبدالرحمٰن خاں: نواب محمد عمر خاں کے تیسرے بیٹے۔

(۶۶) خواجہ عبدالرحیم خاں: مع فرزندان۔

(۶۷) حافظ عبدالغفور آخوند۔

(۶۸) شیخ عبدالقادر۔

(۶۹) مفتی عبداللہ۔

(۷۰) میر عبداللہ صاحب: مع فرزندان در مسجد دلیر خاں۔

(۷۱) مولوی عبداللہ وکیل۔

(۷۲) شیخ عبدالملک ممتاز۔

(۷۳) عثمان خاں: معاصر صاحب ارشاد بزرگ جو کہ حسین علی خاں صوبہ دار بریلی کے یہاں سماع کی محفل میں موجود تھے۔

(۷۴) عزیز محمد خاں: نواب ارادت کے (تیرہویں) بیٹے۔

(۷۵) شیخ عظمت علی۔

(۷۶) علی یار خاں: نواب ارادت خاں کے ساتویں بیٹے۔

(۷۷) مولوی علیم اللہ۔

(۷۸) عمر خاں (محمد عمر خاں): حافظ الملک کے بارہویں بیٹے اور ماہقی فہرستِ پسران میں دسویں۔ حافظ الملک کی شہادت کے وقت چودہ سال چند ماہ کے تھے۔ دوشنبہ ۲۵- جمادی الثانی

۱۲۴۰ھ/۱۴-فروری ۱۸۲۵ء بہ عمر سرسٹھ (67) سال وفات پائی۔ طریقۂ قادریہ میں سید اکبر علی مودودی سے بیعت تھے۔ پانچ بیٹے یادگار چھوڑے وہ سب صاحبان فہرست ہٰذا میں موجود ہیں۔

(۷۹) عنایت علی بیگ۔

(۸۰) حکیم سید غلام حسین کشمیری: سید غلام حسین بعد وفات نصر اللہ خاں بزمانہ نواب احمد علی خاں رامپور میں نائب ریاست مقرر ہوئے (۲۵-جمادی الاولیٰ ۱۲۵۶ء/ ۲۶-جولائی ۱۸۴۰ء)۔ حکیم صاحب کی اہلیہ محترمہ کا نام بی بی ملاحت النساء صاحبہ (م: یکشنبہ ۲۸-دسمبر ۱۸۸۴ء/۱۰-ربیع الاول ۱۳۰۲ھ)[1]۔ ان کی صاحبزادی سیدہ بی بی رحمت النساء صاحبہ عرف چچی بی صاحبہ (م: چہارشنبہ ۲۱-ذیقعدہ ۱۲۹۵/ ۱۵-نومبر ۱۸۷۹ء) اہلیہ محترمہ حضرت غلام محی الدین راز احمد صاحب اور والدہ ماجدہ حضرت غلام فخر الدین حسین صاحبؒ اور دادی صاحبہ میاں معین الدین حسین صاحبؒ۔

(۸۱) غلام حسین سہرندی۔

(۸۲) غلام حضرت (مولوی غلام حضرت عشقی) مع فرزند

(۸۳) میاں غلام حیدر صاحب۔

(۸۴) میر غلام علی عشرت ابن میر معظم علی مشہدی، ساکن محلّہ گڑھیا، مرزا علی لطف کے شاگرد ہیں۔ قصہ پدماوت نظم کیا۔ نواب نصر اللہ خاں کے زمانۂ نیابت (۱۲۰۹ھ تا ۱۲۲۵ھ) میں ریاست (رامپور) کے ملازم ہوئے مثنوی پدماوت جو ضیاء الدین عبرت سے ناتمام رہ گئی تھی آپ نے مکمل کی جو کہ چند بار شائع ہو چکی ہے۔

اس کے دیباچہ میں رام پور پہنچنے کا سنہ ۱۲۱۱ھ (۱۷۹۶ء) اور صاحبزادہ محمد عثمان خاں واحمد خاں (خواہرزادہ وداماد نواب فیض اللہ خاں) کی ملازمت کا تذکرہ کیا ہے۔ ۱۲۲۶ھ/ ۱۸۱۱ء بعہد نواب احمد علی خاں انتقال کیا۔

ہائے میر عشرت! مادۂ تاریخ ہے۔

(۸۵) حافظ غلام علی صاحب　　(۸۶) حافظ غلام محمد

---

[1] تذکرہ کاملان رامپور صفحہ ۳۰۲-۳۰۱

(۸۷) مولوی غلام محمد قاضی شہر (۸۸) غلام نبی وکیل۔

(۸۹) غوث محمد۔ (۹۰) مولوی فخر الدین احمد۔

(۹۱) فرزندان حکیم اسد علی۔ (۹۲) فرزندان غوث محمد مرحوم۔

(۹۳) فرزندان نواب ارادت خاں: نواب ارادت خاں صاحب (م دوشنبہ ۱۰۔ رمضان ۱۲۲۴ھ/ ۱۹۔ اکتوبر ۱۸۰۹ء) مرحوم نے بہ عمر ساٹھ سال اور چند ماہ وفات پائی شاہجہانپور میں دفن ہوئے۔

منجملہ چودہ ۱۴۔ فرزندوں کے تیرہ ۱۳ اس فہرست میں موجود ہیں۔ صرف ہدایت خاں کا نام درج نہیں ہے۔ وہ اپنے والد کے سامنے حیات پوری کر گئے تھے۔

<u>اس طرح ہم فہرست ہذا کا املا اور ترتیب ۱۸۰۹ء کے بعد اور ۱۸۱۱ء (یعنی وفات میر غلام علی عشرت) سے قبل کا تسلیم کرسکتے ہیں۔</u>

(۹۴) قاضی فرید الدین۔ (۹۵) فرید شاہ۔

(۹۶) مرزا فضائل بیگ۔ (۹۷) میر فضل حسین۔

(۹۸) فیض اللہ۔ (۹۹) شیخ فیض اللہ۔

(۱۰۰) حافظ قادر بخش۔ (۱۰۱) حافظ قاسم۔

(۱۰۲) قدرت علی۔ (۱۰۳) شیخ قطب الدین۔

(۱۰۴) قمر علی وغیرہ۔ (۱۰۵) کاظم علی خاں۔

(۱۰۶) کامگار خاں، نواب اللہ یار خاں کے پہلوٹھے بیٹے اپنے والد کے سامنے فوت ہو گئے تھے۔

(۱۰۷) مولوی کفایت اللہ۔ (۱۰۸) میاں کفایت اللہ وغیرہ۔

(۱۰۹) کرامت اللہ خاں، نواب ارادت خاں کے پہلوٹھے بیٹے اور حسب دستور رئیس خانہ

(۱۱۰) حافظ کریم اللہ شاہ۔ (۱۱۱) میر کریم بخش۔

(۱۱۲) کلو جان۔ (۱۱۳) حافظ لطف اللہ۔

(۱۱۴) میر محبوب علی۔ میر نذر علی کے صاحبزادے، میر بہادر علی کے چھوٹے بھائی میر ولایت علی کے والد اور میر قاسم علی خواہاں کے دادا تھے۔

(۱۱۵) محمد احسان خاں: نواب حافظ محمد یار خاں کے چھٹے بیٹے۔

(۱۱۶) محمد امان خاں: نواب حافظ محمد یار خاں کے پانچویں بیٹے۔

(۱۱۷) محمد بخش عرف بھورے خاں صوبیدار توپخانہ پلٹن نمبر ۱۸۔ ۶۸ پیادگانَ بریلی اور انقلاب عظیم ۱۸۵۷ء کے عظیم ہیرو جنہوں نے اپنی فراست اور بہادری سے بریلی کا نام بلند کر دیا۔

(۱۱۸) محمد تقی خاں: نواب ارادت خاں کے (گیارہویں) بیٹے۔

(۱۱۹) نواب محمد خاں: نواب عمر خاں کے چوتھے بیٹے۔

(۱۲۰) محمد حسن۔

(۱۲۱) محمد حسین خاں: نواب محمد عمر خاں کے سب سے (بڑے) بیٹے۔

(۱۲۲) محمد سعادت یار خاں: نواب حافظ محمد یار خاں کے (منجھلے) بیٹے۔

(۱۲۳) محمد علی۔ (۱۲۴) محمد علی خاں۔

(۱۲۵) حافظ محمد غوث پسر چوکان جان۔

(۱۲۶) نواب حافظ محمد یار خاں: (بھائیوں کی فہرست میں) حافظ الملک کے (پانچویں) صاحبزادے والد کی شہادت کے وقت چوبیس سال کے تھے۔ موصوف کے صاحبزادے مؤلف تاریخ گل رحمت کا بیان ہے۔ اب تک یعنی ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء تک بقید حیات ہیں اور عمر تراسی سال سے متجاوز ہے۔

نواب زادہ موصوف کو پیش گاہ شاہ عالم بادشاہ سے خطاب معظم الدولہ حشمت جنگ منصب پانچ ہزاری اور دو ہزار سوار۔ خلعت گراں بہا۔ پالکی جھالردار اور ایک فیل پا ٹھا عطا ہوا تھا۔ طریقہ نقشبندیہ میں مہدی میاں صاحب سے بیعت تھے۔

(۱۲۷) محمود خاں۔ نواب اللہ یار خاں کے تیسرے بیٹے والد کی حیات میں وفات پا گئے تھے۔

(۱۲۸) محمود علی۔ (۱۲۹) شاہ محی الدین مجذوب۔

(۱۳۰) منشی محمد نبی۔ (۱۳۱) مسعود خاں۔ نواب اللہ یار خاں کے چوتھے بیٹے۔

(۱۳۲) منصور علی خاں۔ (۱۳۳) میر منیر الدین۔

(۱۳۴) شیخ منیر۔ (۱۳۵) مرزا مومن جان کوتوال۔

(۱۳۶) میر حسن شاہ۔ (۱۳۷) میر صاحب نائب کوتوال۔

(۱۳۸) ناظر حسین خاں۔ (۱۳۹) نبی یار خاں: نواب ارادت خاں کے (پانچویں) بیٹے

(۱۴۰) میر نثار علی۔ (بخاری، مصنف انشاء دلکشا) (۱۴۱) مولوی نجابت حسین۔

(۱۴۲) نعیم خاں نواب اللہ یار خاں (پانچویں بیٹے) (۱۴۳) حافظ نور۔

(۱۴۴) مولوی نور اللہ۔ (۱۴۵) حکیم مولوی نور علی۔

(۱۴۶) حکیم نور علی۔ (۱۴۷) میر نیاز علی۔

(۱۴۸) میر ولایت علی: (میر قاسم علی خواہاں کے والد)۔

(۱۴۹) یار محمد خاں: نواب حافظ محمد یار خاں کے تیسرے بیٹے۔

اس دعوت نامہ میں شہید حریت حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں بہادر والی کٹھیر (روہیل کھنڈ کے تین صاحبزادگان، ایک داماد (جو کہ چچیرے بھائی بھی ہیں) اور سینتیس ۳۷ پوتے اس خاندان کے کل افراد اکتالیس مدعو ہیں۔

(۱) نواب حافظ محمد یار خاں۔ حافظ الملک کے (پانچویں) صاحبزادے ہیں۔ والد کی شہادت کے (مئی ۱۷۷۴ء میں) وہ چوبیس سال کے تھے نواب صاحب موصوف کے منجھلے صاحبزادے تاریخ ''گل رحمت'' کے مولف نواب سعادت یار خاں کی روایت کے مطابق ۱۸۳۳ء تک زندہ تھے اور عمر اسی سال سے تجاوز بتائی ہے۔ نواب صاحب خود مع جملہ نو صاحبزادگان کے مدعو ہیں۔

(۲) نواب اللہ یار خاں: حافظ الملک کے آٹھویں فرزند۔ والد کی شہادت کے وقت اکیس سال کے تھے۔ ۱۸۳۲ء میں بعمر اکیاسی ۸۱ سال انتقال کیا۔ مع جملہ چھ صاحبزادگان موجود ہیں۔

(۳) نواب محمد عمر خاں: حافظ الملک کے بارہویں صاحبزادے۔ والد کی شہادت کے وقت صرف چودہ ۱۴ سال کے تھے۔ دوشنبہ ۲۵ جمادی الثانی ۱۲۴۰ھ/۱۴-فروری ۱۸۲۵ء بعمر ۶۷ سال وفات پائی۔ مع جملہ پانچ صاحبزادگان درج فہرست ہذا ہیں۔

علاوہ ازیں نواب زادگان میں فرزندان ارادت خاں منجملہ چودہ ۱۴ کے تیرہ ۱۳ صاحبزادگان مدعو ہیں (اور صاحبزادہ ہدایت اللہ خاں والد کی حیات میں ہی سہ شنبہ ۱۲-رمضان ۱۲۲۳ھ/ ۳۱-اکتوبر ۱۸۰۸ء میں انتقال کر گئے تھے)۔

(۴) محبت خاں کے منجملہ اٹھارہ ۱۸ صاحبزادگان کے سترہ ۱۷-صاحبزادے لکھنؤ میں مقیم تھے صرف صاحبزادہ امام بخش بریلی میں تھے اور وہ مدعو ہیں۔

(۵) محمد دیدار خاں خلف حافظ الملک کے دو صاحبزادے تھے اور وہ دونوں لکھنؤ میں تھے۔

(۶) ذوالفقار خاں کی دس اولادوں میں صرف تین بیٹے، احمد یار خاں، جلال الدین خاں و

خان بہادر خاں مدعو ہیں۔

(۷) صاحبزادہ احمد یار خاں مع چار فرزندان مدعو ہیں۔

(۸) عظمت خاں کی اولاد اگرچہ بریلی میں مقیم تھی لیکن ان کا نام مذکور نہیں ہے۔

(۹) حرمت خاں کی اولاد رام پور و مراد آباد میں مقیم تھی۔

(۱۰) غلام مصطفیٰ خاں نے ۱۷۸۸ء میں لاولد انتقال کیا۔

(۱۱) نواب مستجاب خان کی اولاد سے خصوصی تعلقات تھے اور وہی منتظم خصوصی ہوتے تھے اسی لئے بند بلاوہ میں لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی تھی۔

(۱۲) محمد اکبر خاں کی اولاد بھی رام پور میں مقیم تھی اسی لئے مذکور فہرست نہیں ہے۔

کل تعداد صاحبزادگان ونبیرگان وافراد خاندان حافظ الملک:

مدعو صاحبزادگان	حافظ الملک	۳	نفر
داماد	حافظ الملک	۰۱	نفر
نبیرگان	حافظ الملک	۳۷	نفر
		۴۱	

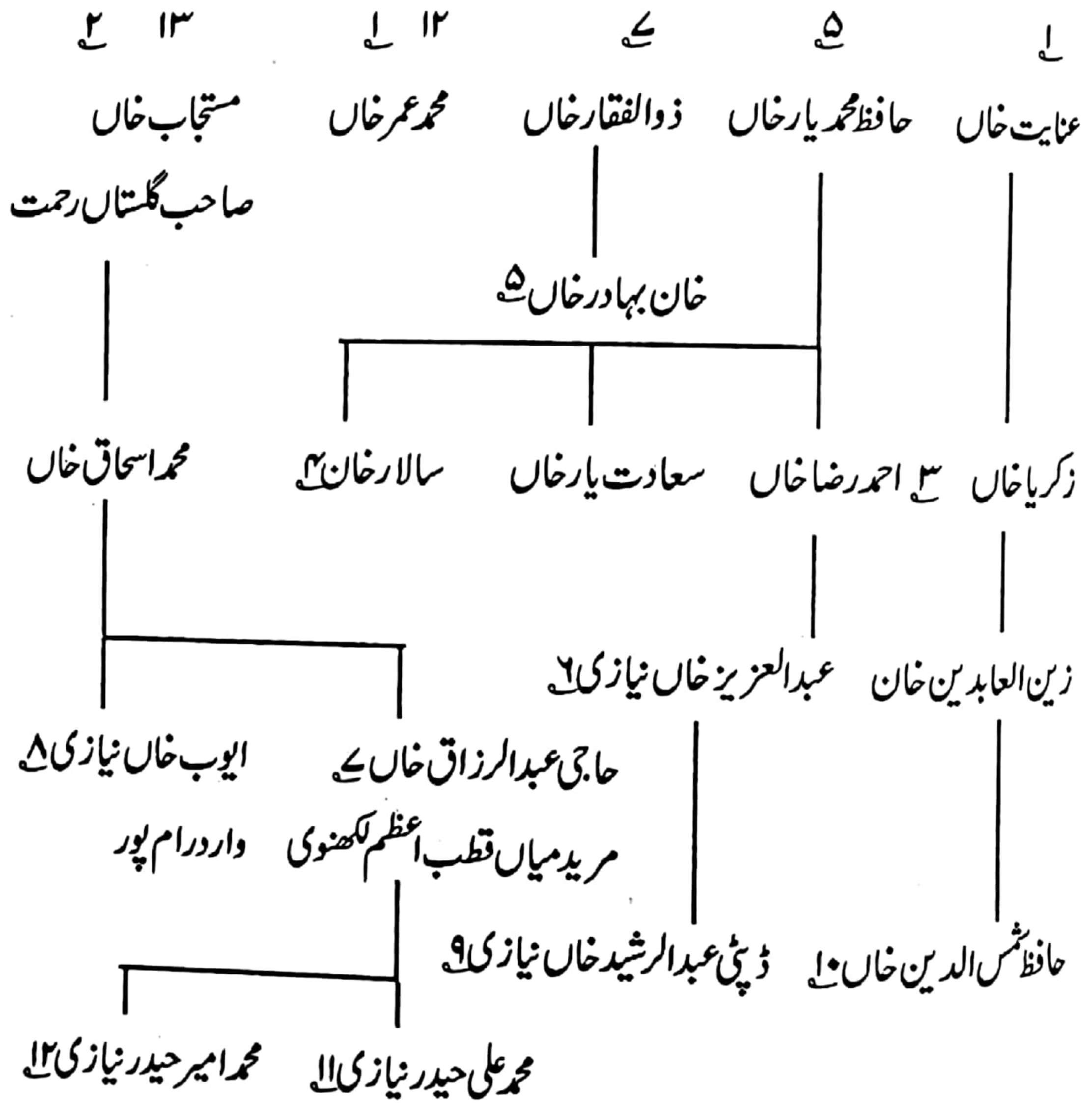
تفصیل نبیرگان حافظ الملک:

(۱)	فرزندان نواب حافظ محمد یار خاں	۰۹
(۲)	فرزندان نواب اللہ یار خاں	۰۶
(۳)	فرزندان نواب محمد عمر خاں	۰۵
(۴)	فرزندان نواب ارادت خاں	۱۳
(۵)	فرزنداں نواب محبت خاں	۰۱
(۶)	فرزندان نواب ذوالفقار خاں	۰۳
(۷)	فرزندان نواب احمد یار خاں	۰۴
	کل تعداد	۴۱

افراد خاندان حافظ الملک

منقولہ از

کرامات نظامیہ و ناز و نیاز



فہرست

میر وسید، مولوی، حافظ، مفتی ووکیل

میر وسید:

(۱) میر احسان علی احسنؔ
(۲) حافظ سید احمد شاہ آبادی
(۳) میر بشیر الدین
(۴) میاں لطن صاحب
(۵) میر بہادر علی (خلف اکبر میر نذر علی)
(۶) سید جمال شاہ
(۷) حکیم حسین علی
(۸) خاندان سید عمر علی
(۹) میر ثناء اللہ
(۱۰) میر سعید علی (خلف اوسط میر نذر علی و برادر میر بہادر علی
(۱۱) میر شجاعت علی
(۱۲) میر شہامت علی
(۱۳) غلام علی عشرت
(۱۴) میر فضل حسین
(۱۵) میر کریم بخش
(۱۶) میر محبوب علی (خلف ثالث میر نذر علی)
(۱۷) میر صاحب نائب کوتوال
(۱۸) میر حسن شاہ (شاہ حسین حقیقت کے برادر بزرگ)
(۱۹) میر نثار علی (بخاری)
(۲۰) میر نیاز علی (پسر محبوب علی)
(۲۱) میر ولایت علی (پسر محبوب علی)

حضرات علماء کرام:

(۱) مولوی بشیر الدین
(۲) مولوی حسن علی (ایک متبع شرع صوفی بزرگ انہی کی تحریک پر کتاب ہدیہ اسنیٰ شائع ہوئی)
(۳) مولوی سید احمد
(۴) مولوی عبداللہ وکیل
(۵) مولوی علیم اللہ
(۶) مولوی فخر الدین احمد

(۷) مولوی کفایت اللہ (۸) مولوی گوپاموی

(۹) مولوی ملوک

(۱۰) مولوی محمد حسن: مولوی مفتی حسن عثمانی صدر الصدور بریلی عمایدِ بریلی شہر میں سے تھے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا بھی شغل رکھتے تھے مولوی صاحب موصوف کی دو کتابیں رسالہ اصل الاصول اور غایۃ الکلام فی حقیقۃ التصدیق عند الحکماء والکلام۔ (مطبع صدیقی میں طبع ہوئی)

(۱۱) مولوی منیر الدین۔

(۱۲) مولوی نجابت حسین۔

(۱۳) مولوی نور اللہ۔

حضرات حفاظ:

(۱) حافظ ابو سعید (۲) حافظ سید احمد شاہ آبادی (۳) حافظ عبد الغفور صاحب اخوند

(۴) حافظ غلام علی (۵) حافظ غلام محمد صاحب (۶) حافظ محمد غوث پسر چوکا جان

(۷) حافظ قادر بخش (۸) حافظ قاسم (۹) حافظ کریم اللہ

(۱۰) حافظ لطف اللہ (۱۱) حافظ نواب محمد یار خاں (۱۲) حافظ نور

حضرات مفتیاں:

(۱) مفتی ابو الحسن (۲) مفتی امیر اللہ (۳) مفتی ثناء اللہ

(۴) مفتی عبد اللہ (۵) مفتی کفایت اللہ (۶) مولوی مفتی محمد حسن عثمانی

حضرات قاضیاں:

(۱) مولوی قاضی غلام محمد (۲) قاضی سعید الدین خاں (۳) قاضی عبد اللہ

(۴) قاضی فرید الدین خاں

حضرات وکلاء:

(۱) مولوی عبد اللہ وکیل (۲) غلام نبی وکیل

حضرات اطباء:

(۱) حکیم اسد علی (۲) حکیم جمال الدین (۳) حکیم حسین علی
(۴) حکیم غلام حسین (۵) حکیم نور علی

معاصرین باکمال، مشاہیر رجال

تیرہویں صدی کا ابتدائی زمانہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا قابل ذکر عہد ہے اور علمی و روحانی حیثیت سے ایسا مردم خیز اور شاداب زمانہ ہے جو اس ملک کی علمی اور روحانی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں بعض ایسی ممتاز ہستیاں موجود تھیں جن کی نظیر گذشتہ دور میں آسانی سے اور اگلے دور میں مشکل سے بھی نہیں ملے گی۔

دین و علمی کمالات کی جامعیت کے لحاظ سے دیکھئے تو (الشیخ البارع المحدث الحافظ ابو المجتہدین حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ) (م ربیع الاول ۱۱۷۶ھ ستمبر ۱۷۶۲) سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز (م ۱۲۳۹ھ) اور بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۲۵ھ) جیسے اکابر اس عہد کی زینت و رونق تھے۔ جن کی علمی فضیلت اور روحانی فیض کا سکہ عرب و عجم میں رواں تھا۔ شاہ صاحب کے فتاویٰ اور تفسیر فتح العزیز اور قاضی صاحب کی تفسیر مظہری اور مالا بداسی دور کی مقبول ترین تصانیف ہیں۔

علوم دینیہ اور کتاب وسنت کے وسیع علم اور صحیح ذوق کے لحاظ سے ترجمان القرآن:

(۱) حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی موضح القرآن (م ۱۲۳۰ھ)
(۲) شارح مؤطا مولانا سلام اللہ محدث صاحب محلی (م ۱۲۲۹ھ)
(۳) صاحب فتاویٰ شیخ الاسلام مولانا عبدالحیٰ بڑہانوی (م ۱۲۴۳ھ)
(۴) اور مسند ہند شاہ اسحاق دہلوی (م ۱۲۶۲ھ)

جیسے علماء راسخین موجود تھے جن کا فہم قرآن، علم حدیث، فقہی نظر اور خدمت دین تاریخی مسلمات میں سے ہے۔

دوسرے طرف سلم و مسلم کے شہرۂ آفاق شارح ملک العلماء مولانا عبدالعلی بحر العلوم

(م ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء) جیسے سرآمد روزگار ابطال البراہین الحکمیہ اور تشحیذ الاذہان اور دوسری مجتہدانہ فنی کتابوں کے مصنف شاہ رفیع الدین دہلوی (۱۲۳۳ھ) صاحب تلخیص الشفاء وصاحب حواشی میرزاہد وملا جلال مولانا فضل حق خیرآبادی (م ۱۲۴۳ھ) اور فنون عقلیہ کے باکمال معلم حیدر علی رام پوری جیسے فاضل یگانہ اسی زمانہ میں تھے جن کو علوم عقلیہ میں درجۂ اجتہاد حاصل تھا۔

ذکاوت واستعداد وملکۂ علمی میں عبقات اور منصب امامت کے مصنف محمد اسمٰعیل (م ۱۲۴۲ھ) اور ہدیہ سعیدیہ اور حواشی تعلیقہ کے مؤلف اور عربی کے قادر الکلام ناظم وناثر مولانا فضل حق خیرآبادی جیسے طباع حاضر دماغ اور صاحب فنون عالم تھے۔

علوم ریاضیہ میں دیکھئے تو شروح مخروطات اور رسائل جبر ومقابلہ کے مصنف نواب تفضل حسین خاں علامہ (م ۱۲۱۵ھ)

الستۃ الجبریہ کے مصنف قاضی القضات نجم الدین کاکوری (م ۱۲۲۹ھ)

فوائد الافکار اور تحفۂ نعمانیہ کے مؤلف خواجہ فرید الدین (م ۱۲۴۴ھ)

شمس الہندسہ اور ستہ شمسیہ کے مؤلف شمس الامراء نواب فخر الدین حیدر آبادی (م ۱۲۷۹ھ) جیسے مجتہدین فن وموجد اسی دور کی یادگار ہیں۔ جن کی تالیفات میں ریاضی وہیئت کا قیمتی ذخیرہ ہے۔

مفتی اسمٰعیل لندنی، مولانا اوحد الدین بلگرامی صاحب نفائس اللغات ومفتاح اللسان مولانا عبدالرحیم صاحب منتہی الادب (م ۱۲۲۷ھ نے اسی دور میں اپنی لغوی تحقیقات اور علمی خدمات کی یادگاریں چھوڑی ہیں۔

درس وتدریس کے لحاظ سے دیکھئے تو مُلا مبین فرنگی محلی (م ۱۲۴۵ھ) مولانا نور الحق لکھنوی (م ۱۲۳۸ھ) مولانا حیدر علی سندیلوی (م ۱۲۴۵ھ) مولانا عبدالباسط قنوجی (م ۱۲۳۵ھ) مولانا غلام جیلانی رام پوری (م ۱۲۳۴ھ) مولانا ولی اللہ لکھنوی (م ۱۲۷۰ھ) جیسے جہان استاد جنہوں نے برسوں درس وتدریس کا بازار گرم رکھا اور سیکڑوں طلباء کو مرجع تلامذہ بنا دیا۔

تصنیف وتالیف میں تبحر علمی کے لحاظ سے دیکھئے تو

مولانا باقر مدراسی (م ۱۲۳۰ھ) مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (م ۱۲۴۵ھ)

مولانا رشید الدین خاں (م ۱۲۴۳ھ) جیسے مصنف و مؤلف اور وسیع النظر عالم و متکلم موجود تھے جن کی ہر علم و فن میں تصنیفات ہیں۔

شعر و شاعری کے لحاظ سے یہ دور اردو شاعری کا عہد شباب اور موسم بہار ہے جن میں وہ اساتذہ پیدا ہوئے جو اردو شاعری کا سرمایہ فخر ہیں اگر اس سے کسی قوم و نسل کی دماغی صلاحیت و زرخیزی کا اندازہ ہوسکتا ہے تو: متقدمین میں......

(☆) ولی محمد ولی دکنی: (۱۰۷۹ھ/۱۶۶۸ء تا ۱۱۱۹ھ/۱۷۴۴ء)

(☆) سراج الدین سراج حسینی اورنگ آبادی: (۱۱۲۷ھ/۱۷۱۱ء تا ۱۱۷۷ھ/۱۷۶۳ء)

(☆) سراج الدین خاں آرزو: (م صفر ۱۱۶۹ھ/نومبر ۱۷۵۵ء)

(☆) میر تقی خیال: (م محرم ۱۱۷۰ھ/ستمبر ۱۷۵۶ء)

(☆) واقف لاہوری: (جمادی الاول ۱۱۹۰ھ/فروری ۱۷۷۶ء)

(☆) مرزا مظہر جان جاناں: (۱۰ محرم ۱۱۹۵ھ/۶-جنوری ۱۷۸۱ء)

(☆) مرزا محمد رفیع سودا: (۱۱۹۵ھ)

(☆) حضرت خواجہ میر درد: (۱۱۹۹ھ/دسمبر ۱۷۸۴ء)

(☆) غلام علی آزاد بلگرامی: (ذیقعدہ ۱۲۰۰ھ/اگست ۱۷۸۵ء)

(☆) شاہ رکن الدین عشق: (۱۲۰۳ھ/۱۷۸۸ء)

(☆) میر حسن دہلوی: (م ۱۲۰۱ھ)

(☆) شاہ محمدی بیدار: (۱۲۰۹ھ/۱۷۹۴ء)

(☆) میر تقی میر: (۱۲۲۵ھ/فروری ۱۸۱۰ء)

(☆) جراءت دہلوی (شوال ۱۲۲۵ھ/نومبر ۱۸۱۰ء)

(☆) سید امجد علی شاہ اصغر (م ۱۲۳۰/۱۸۱۴ء)

(☆) سید انشاء اللہ خاں انشاء: (م صفر ۱۲۳۳ھ/دسمبر ۱۸۱۷ء)

(☆) استاد مصحفی: (م ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ) ۱۸۲۴ء

اس دور کے نوجوان شعراء:

- (☆) امام بخش ناسخ: (م ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء)
- (☆) منشی کرامت علی شہیدی (م جمادی ۱۲۵۶ھ/ جولائی ۱۸۴۰ء)
- (☆) خواجہ آتش: (م ذیقعد ۱۲۶۳ھ/اکتوبر ۱۸۴۶ء)
- (☆) مومن خاں مومن: (۱۲۶۸ھ/۱۸۰۲ء)
- (☆) قرۃ العین (مقتول محرم ۱۲۶۶ھ/نومبر ۱۸۴۹ء)
- (☆) ذوق: (م صفر ۱۲۷۱ھ/نومبر ۱۸۵۴ء)
- (☆) شاہ تراب قلندر (۱۲۷۵/۱۸۵۸ء)
- (☆) امانت لکھنوی (۱۲۷۵ھ/۱۸۷۸ء)
- (☆) غالب (م ۱۲۸۵ھ/فروری ۱۸۶۹ء)

جو اس دور کے نوجوان شاعر تھے۔ اس عہد کی دماغی شادابی، لطافت ذوق اور ذہانت وطباعی کا بہترین ثبوت ہیں۔

مشائخ طریقت

تصوف وطریقت کو دیکھئے تو ہر سلسلہ کے ایسے اکابر شیوخ موجود ہیں جنہوں نے اپنے طریق کو زندگی تازہ بخشی اور لاکھوں بندگان خدا ان کے انفاس قدسیہ سے بہرہ یاب تھے

نقشبندیہ ومجددیہ سلسلہ میں حضرت غلام علی شاہ کے علاوہ......

سلسلہ چشتیہ میں دیکھئے تو:

(۱) مولانا فخر الدین دہلوی کے خلیفہ وچشم وچراغ مولانا قطب الدین: (م۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء)

(۲) شاہ نور محمد مہاروی (۱۲۰۵ھ/۱۷۹۱ء)

(۳) شیخ صابر بخش: (م۱۲۳۷ھ) دہلی میں

(۴) شاہ میر محمدی: (م۱۲۴۲ھ) دہلی میں

(۵) شاہ عبدالہادی امروہوی: (م۱۲۲۶ھ) روہیلکھنڈ میں

(۶) شاہ سلیمان تونسوی: (م۱۲۶۷ھ) پنجاب میں

(۷) شاہ علی اکبر فیض آبادی: (م ۱۲۱۰ھ) اودھ میں

(۸) صوفی عبدالرحمٰن لکھنوی: (م ۱۲۴۵ھ) اودھ میں

(۹) شاہ کریم عطا سلونی: (م ۱۲۴۸ھ) اودھ میں

(۱۰) شاہ پناہ عطا سلونی: (م ۱۲۷۵ھ) اودھ میں

(۱۱) شاہ نعمت اللہ پھلواری: (م۱۲۴۷ھ) بہار میں سلسلہ نظامیہ صابریہ کی برکات کے امین تھے۔

سلسلہ قادریہ میں دیکھئے تو:

(۱۲) مولانا انوار الحق فرنگی محلی: (م۱۲۲۶ھ) لکھنؤ میں

(۱۳) سید امجد علی شاہ اصغر: (م۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء) آگرہ میں

(۱۴) شاہ آل احمد: (م۱۲۵۳ھ) مارہرہ

(۱۵) شاہ اجمل: (م۱۲۳۶ھ) الہ آباد میں

(۱۶) سید صبغۃ اللہ بن محمد راشد سندھ میں طالبین خدا کی تربیت وارشاد میں مشغول نظر آئیں گے۔

(۱۷) شاہ نعیم اللہ بہرائچی: (۱۲۱۸ھ)

(۱۸) شاہ مراد اللہ تھانیسری: (م ۱۲۴۸ھ) لکھنؤ میں

(۱۹) شاہ محمد آفاق: (م ۱۲۵۱ھ) دہلی میں

(۲۰) شاہ حسین علی مکانوی: (پنجاب میں)

(۲۱) شاہ درگاہی نقش بندی: (م ۱۲۲۶ھ) رام پور میں

(۲۲) شاہ رؤف احمد مجددی: (م ۱۲۴۹ھ) بھوپال میں

(۲۳) مولانا احمد کرسوی

(۲۴) مولانا شاہ امین الدین کاکوروی: (۱۲۵۳ھ)

(۲۵) حضرت سید محمد عدل عرف شاہ لعل صاحب رائے بریلوی کے خلیفہ قاضی عبدالکریم جوراسی

(۲۶) ان کے خلیفہ قاضی عبدالکریم نگرامی (م ۱۲۴۹ھ) اودھ میں نسبت مجددیہ کے حامل اور مرکز ہدایت وارشاد تھے۔

مذہبی زندگی کے آثار:

اس دور میں ابھی دین کی اتنی طلب اور قدر باقی تھی کہ مدرسے طلباء علوم دینیہ سے اور خانقاہیں مردان خدا سے معمور تھیں۔ اوپر جن اکابر درس اور اہل طریق کا ذکر ہوا ہے ان میں ہر ایک، ایک مستقل اور آباد مدرسہ اور خانقاہ تھا اور کہیں کہیں یہ دونوں مرکز جمع تھے۔ دہلی، لکھنؤ، روہیلکھنڈ میں بریلی، رام پور، پیلی بھیت، شاہ جہاں پور اور اودھ کے قصبات میں گوپامئو، بلگرام، سندیلہ، خیرآباد۔ اس کے علاوہ قنوج، جونپور، الہ آباد، عظیم آباد، بوہار، (بردوان) کلکتہ، مدراس اس زمانے کے مشہور تعلیمی مرکز تھے جن میں سیکڑوں طلباء استفادہ وتحصیل علوم مین مشغول تھے۔[1]

[1] باکمال مشاہیر رجال کی یہ پوری عبارت سیرت سید احمد شہید حصہ اول صفحات ۲۹۔۳۵ سے لی گئی ہے۔

عرس حضور قبلہ

(یکم تا دہم جمادی الثانی)

جناب خلیفہ نصیر الزماں خاں صاحب حضرت قبلہ کے چھوٹے صاحبزادہ حضرت شاہ نصیر الدین حسین کا بیان نقل کرتے ہیں: ''ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت (شاہ نصیر الدین حسین صاحب) نے مجھ سے فرمایا تھا کہ:

تعین ایام عرس بعد وصال جناب قبلہ وکعبہ میری اور بڑے حضرت (شاہ نظام الدین حسین تاج الاولیاء) کی یہی رائے تھی کہ حضرت (قبلہ) کے عرس کا صرف ایک دن (چھ جمادی الثانی) قرار دیا جائے مگر اس وقت حضرت کے دیکھنے والے بہت تھے اور اہل ذوق وشوق (ارادت مند) بکثرت موجود تھے انہوں نے عرض کیا کہ ہماری تسکین ایک دن میں نہیں ہوسکتی کم سے کم چھ یوم عرس کے قرار دیئے جائیں۔ بڑے بھائی صاحب نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن ہماری طرف سے ایک دن کا عرس ہوگا۔ باقی اعراس کے مصارف تم لوگ کرنا''۔[1]

چنانچہ بقیہ ایام فوراً مریدین اہل مراد آباد (قصبہ بچھرایوں) بریلی (نواب زادہ غلام نیاز احمد خان صاحب) وغیرہ نے اپنے ذمہ لے لئے اور اس وقت تک اسی طرح انتظامات عرس بریلی شریف میں ہوتے ہیں۔ بریلی شریف کے قیام (۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء تک) کے دوران میں خانقاہ شریف کی آرائش وسجاوٹ خود حضرت چھوٹے میاں صاحب کے اہتمام میں تھی۔ خانقاہ کا محفل خانہ، مزار شریف اور دروازۂ خانقاہ شریف شیشہ آلات جھاڑ فانوس کی روشنی میں بقعہ نور ہوتے۔ مزار شریف کے برابر شمال رویہ پھاٹک اپنی سجاوٹ اور چراغاں کی وجہ سے جگ مگ کرتا۔

خلیفہ صاحب مزید اضافہ کرتے ہیں کہ ''اعلیٰ حضرت نے پھر فرمایا کہ جب ہم نے بدایوں شریف میں جناب قبلہ وکعبہ کا عرس قائم کیا تو یہاں ہم نے ایک دن کا تعین کیا تھا لیکن مولوی واجد علی (منصف بچھرایونی) وغیرہ ودیگر مریدین مصر ہوئے تو یہاں بھی عرس چھ یوم کا مقرر کر دیا۔[2]

---

[1] جلوہ طور حصہ سوم صفحہ ۶۹ [2] جلوہ طور حصہ سوم صفحہ ۷۰



مزار: حضرت نصیرالدین حسینؒ چھوٹے میاں بدایوں

بدایوں کے عرس کے بارے میں مولوی نظام الدین صاحب تذکرہ الواصلین میں لکھتے ہیں کہ:

اپنی حیات میں عرس حضرت شاہ نیاز احمد صاحب قدس سرہ العزیز کا جمادی الثانی میں نہایت عمدہ طور سے خود میاں صاحب کیا کرتے تھے۔اور قوال دور دراز، حیدرآباد دکن و دیگر دیار و امصار کے حاضر ہوتے آپ کے یہاں سے لنگر وغیرہ فقراء کو ملتا تھا۔[1]

اس کے بعد خانقاہ بریلی شریف کا آنکھوں دیکھا جناب صاحبزادہ صادق علی اجمیری خادم درگاہ معلی اجمیر شریف کی زبانی سنئے۔وہ لکھتے ہیں:

عرس جناب قبلہ وکعبہ چھ (تاریخ) تک ہوتا ہے بعد ازاں (بتاریخ ہفتم ۷) یک شب حضور تاج الاولیاء، (ہشتم ۸) یک شب حضرات محبوبین (حضرت محبوب سبحانی، حضرت محبوب الٰہی) (بہ نہم ۹) یکشب حضرات شیخین (یعنی حضرت سیدنا عبداللہ بغدادی رحمتہ اللہ علیہ وحضرت سیدنا مولانا فخر پاک رحمتہ اللہ علیہ) (بہ دہم ۱۰) یکشب عرس حضرت خواجہ مولوی عبیداللہ صاحب خلیفۂ قبلہ و کعبہ یہ جملہ تقریبات (مع دستر خوان حضرت علی کرم اللہ وجہہ) گیارہویں تاریخ تک رہتی ہیں۔

حضرت مولوی عبیداللہ صاحب کا عرس گویا حضرت قبلہ کے اعراس کی علامتِ فاتحہ (اختتام) ہے۔مخلوق کثرت سے اس عرس مقدس میں حاضر ہوتی ہے۔انواع و اقسام کے کھانے لنگر خانہ میں حاضرین کو کھلائے جاتے ہیں۔

عرس کی مجالس سماع میں عجب کیفیت ہوتی ہے کہ دیکھنے سے تعلق ہے۔

اصلاً مجال نہیں کہ بیان میں آئے۔[2]

حضرت سراج السالکین رحمتہ اللہ علیہ کے وصال (۲۶-ربیع الاول ۱۳۴۳ھ/ ۲۶-اکتوبر ۱۹۲۴ء) کے بعد اگلے عرس سے عم محترم امام السالکین حضرت شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں صاحب نے ۵ جمادی الثانی (بروز غسل مزارات) حضرت سراج السالکین کے عرس کی تاریخ مقرر کی۔

---

[1] تذکرہ الواصلین۔مولوی نظام الدین۔مالک نظامی پریس۔بدایوں صفحہ ۲۶۵-۲۶۴

[2] تذکرہ الواصلین فصل دوم

بڑے عرس میں بی بی شاہ غریب نواز کی فاتحہ کا اضافہ

حضرت سراج السالکین کے وصال کے چھ سال بعد ۱۰- جمادی الثانی ۱۳۴۹ھ/۲- نومبر ۱۹۳۰ء سے دوپہر میں حضرت بی بی شاہ غریب نواز کی فاتحہ شروع کی گئی۔

صبح بعد نماز فجر قرآن خوانی اور دوپہر کے کھانے پر حضرت بی بی صاحبہ کی فاتحہ اور شب میں حسب معمول حضرت مولوی عبیداللہ شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا عرس اسی تزک واحتشام کے ساتھ قائم رہا۔

عم محترم کے تایا بزرگوار اور راقم کے بڑے دادا مولوی محمد صدیق صاحب بچھرایونی مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

"آج دوپہر سے فاتحہ، قرآن خوانی وطعام حضرت (بی بی شاہ) غریب نواز علیہ الرحمہ شروع کیے گئے"۔

(بروز اتوار ۲ نومبر ۱۹۳۰ء/ ۱۰- جمادی الثانی ۱۳۴۹ھ از ڈائری)

باب دہم

سید نثار علی شاہ کی کابل تشریف آوری

محرم علی چشتی لاہوری حضرت مستان شاہ صاحب کابلی کے دیوان آتشکدۂ وحدت کے دیباچہ میں رقم طراز ہیں کہ:

حضرت فرد الافراد سید نثار علی شاہ صاحب قدس سرہٗ العزیز جو ایک بزرگ کامل گزرے ہیں۔ حضرت خواجہ قبلہ (مستان شاہ صاحب) کے تولد سے کئی سال پہلے (۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء) کابل تشریف لے گئے جب کہ حضرت کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال کی تھی۔

فرزند کی بشارت:

اس وقت حضرت سید نثار علی شاہ صاحبؒ نے حضرت خواجہ صاحب کے والد ماجد جناب غفراں مآب عبدالغفور صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کر کے فرمایا کہ خداوند کریم آپ کو ایک فرزند عطا کرے گا جو مقبول الٰہی اور ولی مادر زاد ہوگا اور تائید ایزدی سے اس کا سلسلۂ فقر و نسبت ربع مسکون میں تا یوم قیامت جاری رہے گا اور چراغ خاندان چشت ہوگا اور جناب سید العاشقین و سند المعشوقین حضرت مولانا فخر صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جو امانت فقر یعنی نسبت خاندان چشت و حرز یمانی اور دیگر عطیات کی امانت اس کے لئے حوالہ فرمائی ہے دوبارہ ہندوستان سے آ کر اس کے سپرد کروں گا۔

دوبارہ تشریف آوری:

چنانچہ اس واقعے کے تیس سال بعد (۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں) حضرت سید نثار علی شاہ جب کہ

ان کی عمر ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال کی تھی کابل تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت خواجہ صاحب عین عالم ذوق ومستی میں تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے خواجہ صاحب قبلہ کی خاطر کچھ عرصے کابل میں قیام فرمایا اور ایام قیام میں خلافت خاندان چشت کے علاوہ وہ کل امانتیں جن کو گنجہائے اسرار کہنا چاہیے عطا فرمائیں اور فرمایا کہ اب ہم اپنا کام ختم کر چکے۔ اس کے چھ (۶) ماہ بعد جا کر نجف اشرف میں انتقال فرمایا (گویا عمر شریف ڈیڑھ سو (۱۵۰) سال سے متجاوز تھی)

ذیقعدہ ۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء کے بعد اچانک وہ اپنے گھر بریلی شریف سے غایب اور مفقود الخبر ہو گئے تلاش بسیار کے باوجود ان کا پتہ نہیں لگا۔[1]

دیوان ذوق میں تذکرہ:

بعض لوگوں نے اس واقعہ کے بہت بعد تک کبھی دہلی، اجمیر شریف اور دکن میں ملنے کا زبانی تذکرہ کیا ہے۔ آتشکدۂ وحدت کے دیباچہ سے باقاعدہ تحریری ثبوت ملتا ہے اور اسی کی رہنمائی سے دیوان ذوقؔ دہلوی کی اطلاعات کا پتہ چلا ہے۔

ٹیپو سلطان شہید کی جنگ مئی ۱۷۹۹ء میں ہوئی اور حضرت موصوف اس سے قبل سیاحی اور مشائخ سلسلہ کی زیارتوں کے لئے بریلی سے باہر تھے۔

دیباچہ نگار تحریر کرتے ہیں کہ:

''حضرت شاہ صاحب مرحوم اپنے زمانے کے فرد الافراد تھے اور چند بار دہلی بھی تشریف لائے۔ ملک الشعراء خاقانی ہند ذوقؔ دہلوی کو آپ کی خدمت میں کمال عقیدت تھی۔ چنانچہ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزادؔ نے جو تذکرہ ذوقؔ لکھا ہے۔ اس میں جا بجا حضرت شاہ صاحب ممدوح کی مجلسوں اور صحبتوں کی کیفیت لکھی ہے اور جس طرح حضرت ممدوح خود تعلیم تلقین کر کے اپنے صوفیانہ ڈھنگ کی غزلیں حضرت ذوقؔ سے کہلواتے تھے ان کی کیفیت اور بعض غزلوں کی تفصیل بھی لکھی ہے۔ حضرت ذوقؔ بعض بعض غزلوں میں وفور عقیدت سے حضرت شاہ صاحب مرحوم کا تذکرہ بھی فرماتے تھے چنانچہ ایک موقع پر لکھا ہے۔

[1] آتش کدہ وحدت: محرم علی چشتی لاہوری صفحہ ۳۵۔۳۴

بجز نثار علیؒ شاہ کون جانے ذوقؔ؟ تری زباں کا مزہ تری شعر خوانی میں

پروفیسر آزاد نے بھی تذکرہ ذوقؔ میں حضرت سید نثار علی شاہ صاحب کے دفعتہ تشریف لانے اور یکبارگی غائب ہو جانے اور سالہا سال بعد پھر تشریف لے آنے کے واقعات لکھے ہیں۔ غرض کہ مرحوم کے خوارق واوصاف حیطۂ بیان سے باہر ہیں اور حضرت خواجہ صاحب قبلہ کو جو فیض باطنی ان حضور پر نور سے حاصل ہوا اس کی کیفیت یہ دونوں بزرگ ہی جانتے ہیں۔

میانِ عاشق و معشوق رمزے ست

کراماً کاتبیں راہم خبر نیست

دیباچہ نگار موصوف کو کتاب کے نام میں تسامح ہوا ہے تذکرہ ذوقؔ کے بجائے مولانا محمد حسین آزاد کے مرتبہ دیوان ذوقؔ میں یہ تذکرہ پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ ملاحظہ ہو۔

لال قلعہ میں تشریف آوری:

"۱۲۴۵ھ/ (۱۸۲۹ء) میں ایک بزرگ کہن سال حافظ علی شاہ نام اورنگ آباد ملک دکن سے وارد دہلی ہوئے اور قلعہ میں آبدار خانہ شاہی کے داروغہ کے پاس اترے۔

استاد ذوقؔ سے روابط:

وہاں استاد: (ذوقؔ) سے ملاقات ہوگئی۔ وہ صاحب دل، صاحب معرفت شخص تھے۔ طرز معاشرت سے معلوم ہوا کہ خاندانی رئیس تھے۔ امیری چھوڑ کر فقیری اختیار کی تھی۔ زبان سے نہ کہتے تھے مگر ٹیپو سلطان اور خوانین مدراس کے معرکے اس طرح بیان کرتے تھے گویا آپ شامل تھے۔ باوجود اس کے علوم رسمی سے آگاہ تھے۔ شعر و سخن کا مذاق بہت خوب تھا۔

مولوی محمد باقر مجتہد (والد محمد حسین آزاد) سے ملاقات:

استاد سے تھوڑے عرصہ میں رابطہ بڑھ گیا۔ استاد نے والد (مولوی محمد باقر خلف مولوی محمد اکبر مجتہد[1]) مرحوم کو بھی ملایا۔ شاہ صاحب استاد سے غزلیں لکھواتے تھے اور فرمائش کر کے لکھواتے تھے۔

---

[1] مولوی محمد باقر۔ مولوی محمد اکبر اپنے دور کے نامی گرامی مجتہد کے اکلوتے بیٹے تھے۔

بے نیازی خداداد سلطنت:

طبیعت کی آزادی اور بے نیازی ان کی خداداد سلطنت معلوم ہوتی تھی کئی مہینے کے بعد دفعتہً غائب ہو گئے۔ بستر بچھا ہوا اور جزدان سرہانے رکھا رہ گیا اس وقت اکبر شاہ (ثانی) بادشاہ تھے[1]۔

پندرہ سال بعد دوبارہ آمد:

۱۲۶۰ھ/ (۱۸۴۵ء) میں دفعتاً پھر آئے کہا ہمیں نثار علی شاہ[2] خطاب عطا ہوا ہے[3] یہ زمانہ تھا کہ دلی کے ٹوٹے پھوٹے تخت پر بہادر شاہ (ظفر) بیٹھے ہوئے تھے استاد کی شاعری اوج پر اختیارات موج پر تھے خلیفہ اسمٰعیل (خلف استاد) کو سرکار شاہی سے کئی خدمات حاصل تھیں۔ انہی میں یتول شاہی (املاک باغات) بھی سپرد تھے شاہ صاحب ہمارے یہاں (اندرون کشمیری دروازہ) اترے مگر فرمایا کہ فقیر کو شہر میں رہنا مناسب نہیں کوئی جگہ باہر ہونی چاہیے کہ اوقات میں خلل نہ ہو۔

بادشاہی باغ میں قیام:

شہر کے اندر کابلی دروازہ کے پاس استاد مرحوم رہتے تھے۔ باہر ایک باغ بادشاہی تیس ہزاری باغ مشہور تھا۔ عمارات قدیم تعمیر تھیں۔ زیب النساء بیگم خواہر عالمگیر کی قبر بھی تھی۔ اس میں ایک بالا خانہ مرمت کر کے درست کرا دیا۔ شاہ صاحب وہیں جا رہے تھے شام کو استاد اور والد مرحوم وہاں جاتے تھے۔ شیخ ناسخ کا دیوان انہی دنوں ہمارے ہاں آیا تھا اس کی غزلوں میں سے کوئی مصرعہ لیتے اسی پر استاد غزل کہتے تھے۔ والد مرحوم (شہید ۱۸۵۸ء) لکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے عجب گلزار صحبت تھی۔

---

[1] بادشاہ اکبر شاہ ثانی کا آخری دور تھا۔ پنجشنبہ ۲۸ر ستمبر ۱۸۳۷ء/ ۲۷ر جمادی الثانی ۱۲۵۳ھ کو بعارضہ اسہال ورم جگر انتقال کیا۔

[2] استاد ذوق نے ولی عہد کی غزلوں پر اصلاح دینا اس وقت شروع کی جب میر کاظم حسین خاں الفسٹن کے ساتھ عہد ناموں کی تکمیل کے لیے سرحدی علاقوں کی طرف روانہ ہو چکے تھے ۱۸۰۸ء/ ۱۲۲۴ھ بہادر شاہ ظفر صفحہ ۱۳۱

[3] خلیفہ اسمٰعیل خلف استاد ذوق کو بادشاہ سلامت نے خلعت شش پارچہ و سہ رقوم جواہر عنایت کیے (۵ر جون ۱۸۴۲ء) صفر ۱۲۷۱ھ/ اکتوبر، نومبر ۱۸۵۴ء میں بادشاہ کے استاد شیخ محمد ابراہیم ذوق نے باغ جناں کی راہ لی اور ان کے صاحبزادے شیخ محمد اسمٰعیل کو خلعت تعزیت بخشی۔ بہادر شاہ ظفر صفحہ ۹۳

دوبارہ کابل تشریف لے جانے کا حال:

خلیفہ غلام علی شاہ جبل السراجی نے ۱۹۷۰ء میں بریلی شریف کی حاضری پر راقم کو بتایا تھا کہ جب حضرت نثار علی شاہ صاحب کابل تشریف لائے ہیں تب نہایت بوڑھے بے سروسامان خالی ہاتھ اور پابرہنہ تھے اس وقت کابل میں حضور قبلہ کے کئی اکابر خلفاء وفدائین مرید حیات تھے حضرت موصوف کو جب اس حالت میں دیکھا تو ششدر رہ گئے قدموں پر سر رکھ دیا۔ وہ حضرات یہ سمجھے کہ راستے میں رہزنوں نے حضرت کو لوٹ لیا ہے۔ عرض کیا آقا یہ کیا حالت ہے؟ ہر شئے اور ہر قسم کی سواری حاضر ہے صرف حکم کی دیر ہے۔ فرمایا کہ مزار سخی کی زیارت کے ارادے سے حاضر ہوا ہوں۔ اگر قوی کام کرتے تو سر کے بل حاضر ہوتا مگر اس حالت میں بھی پابرہنہ تو ضرور حاضر ہوں گا۔

نجف اشرف میں وصال:

مزار سخیؓ کی زیارت کے بعد وہ نجف اشرف حاضر ہوئے چھ ماہ بعد وہیں آپ نے وصال فرمایا قبر مبارک نجف اشرف میں ہے۔

انا للہِ وانا الیہ راجعون. عاش حمیداً ومات محموداً .

زیارت وسیاحی:

چونکہ حضرت نثار علی شاہ صاحب تجرد وتوکل پیشہ آزاد منش بزرگ تھے حضرات والدین اور بھائیوں کی وجہ سے معاشرتی زندگی گزار رہے تھے لیکن اس زندگی میں وہ الجھن محسوس کرتے تھے بالخصوص درس وتدریس اور دارالعلوم کے ضبط ونظم کی قیود وبند سے۔ آہستہ آہستہ وہ پابندیاں ختم ہونا شروع ہوئیں۔ ۱۲۱۷ھ میں حضرت والدہ ماجدہ راہی جنت ہوئیں اور پھر سب سے چھوٹے بھائی غلام محی الدین عرف راز احمد صاحب کا انتقال ہوگیا گھریلو ذمہ داریاں بہت بڑھ گئیں۔ ساری جائیدادوں دارالعلوم اور خانقاہ نیازیہ کی انتظامیہ کی ذمہ داریاں وہی سنبھالتے تھے اور پھر ان کا بھرا پُرا خاندان تھا۔ ان ذمہ داریوں کے آجانے کی وجہ سے پہلے تو دلی سکون کے نام سے زیارت وسیاحی کے لئے گھر سے نکلے اور آزادی کی زندگی ایسی بھائی کہ مدتوں شمالی ہندوستان کا رخ نہیں کیا احمد آباد میں پیران پٹن

(میں پانچ پیروں کے مزارات) میں اور اورنگ آباد میں (حضرت شاہ شاہاں نظام الدین اورنگ آبادی کے آستانے پر) رہے۔ اور نام بدل کر آزادانہ سیاحی میں مشغول رہے۔ اسی لئے لوگوں کو حافظ علی شاہ نام بتاتے۔ ۱۲۵۰ھ میں آخری مرحلہ حضرت نیاز بے نیازؒ کی رحلت پر ختم ہوگیا اسی لئے وہ شمالی ہندوستان میں اصلی نام کے ساتھ نظر آنے لگے۔ پھر بھی اخفا سے کام لیتے۔ اپنی شخصیت کا تعارف کراتے اور نہ اپنی خاندانی وجاہت کا تذکرہ کرتے۔ شہر میں رہنا مناسب نہ سمجھتے۔ ممکن تھا کہ برادرزادوں کو خبر ہو جاتی اور وہ الحاح وزاری کے بعد دوبارہ انہیں واپس لے جاتے اور پھر اسی قید وبند میں گرفتار ہو جاتے۔ دہلی چھوڑنے سے قبل (۱۱۷۴ھ میں) یہیں قریب میں محلہ کھاری باولی متصل لاہوری دروازہ میں نو (۹) دس (۱۰) سال کی عمر سے تقریباً پچیس (۲۵) سال کی عمر تک دن گزارے تھے۔ کشمیری دروازہ میں مدرسۂ خورد حضور مولانا صاحب کا تھا جہاں سے دین ودنیا کا سب کچھ ملا تھا علوم کی تکمیل کی تھی۔ حضور مولانا صاحب کی چوکھٹ کا صدقہ تھا۔ اسی لئے خیال رہتا تھا کہ قرب وجوار میں پہچانے جانے کا امکان ہے۔ ان کی استغناء، بے نیازی اور بے نوائی ہمیشہ غالب رہی۔

حضرت شاہ نظام الدین حسین قدس سرہٗ

حضرت قبلہ کے فرزند اکبر حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین قدس سرہٗ کی ولادت باسعادت بروز چہار شنبہ یکم صفر ۱۲۳۶ھ/ ۸-نومبر ۱۸۲۰ء کو ہوئی۔[1]

بعد ولادت حضرت نیاز بے نیاز نے اذان وتکبیر کے ساتھ چند اور الفاظ خاندانی کہہ کر والدہ کی گود میں دے دیا۔

اس وقت خانقاہ شریف میں شاغلین، خلفاء اور اہل ولایت میں سے تقریباً پینسٹھ (۶۵) افراد موجود تھے جب آپ باہر لائے جانے کی لائق ہو گئے تھے تو انہیں حضرات کی گودوں میں پرورش پائی۔

بولنا آیا تو پہلے فارسی بولے۔ پانچ سال کی عمر سے جناب قبلہ نے معمول بنالیا تھا کہ ہر شب ان کو اپنے سامنے بٹھا کر ماتھے سے ماتھا ملا دیتے اور وہ حضرت کی توجہ سے سو جاتے۔

ایک روز راستہ میں بیٹھے ہوئے ریت سے کھیل رہے تھے حضرت سلامت اللہ خاںؒ صاحب

[1] از زائچہ ولادت حضرت تاج الاولیا۔ عملہ صفدری صفحہ ۱۲



مزار: حضرت نظام الدین حسینؒ تاج الاولیا

نے کہا میاں آپ ریت میں کھیلتے ہیں یہ سن کر کچھ تھم کر فرمایا ابھی تو ہماری عمر یہی چاہتی ہے۔

وہ عالی مرتبت صاحبزادے جنہیں عین نیاز بے نیاز ہونا ہے وہ دھول مٹی میں کھیل رہے ہیں اور ابا جان کی دلی خواہش یہ ہے کہ جلدی سے بڑے ہو کر وہ ان کا علم و عرفان سب کچھ اپنے اندر سمیٹ لیں۔ الحمد للہ گھر کے اندر سے باہر تک تعلیم و تربیت کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ خود حضرت فخر الدین حسین صاحب موجود ہیں جو کہ عین نیاز بے نیاز ہیں اور پوری محنت و جانفشانی سے حضور قبلہ کی نیابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں اور اس منصب عالی پر کارہائے نمایاں انجام دیتے ہوئے ایک مدت بیت گئی ہے۔ تیس و بتیس سال تو ہو ہی گئے۔ لیکن اپنے اندر کی ماممتا اور اپنی عمر کا خیال (جو کہ اسّی سال سے زیادہ ہو چکی ہے) بے چین کئے دیتے ہیں سوا آٹھ سال کے بچے سے ایسی اُمیدیں وابستہ ہیں جیسی کہ بڑوں سے بھی نہیں کی جاتیں۔ اسی ذہنی پریشانی کا تذکرہ اپنے مقربین سے کرتے ہیں اور وہ بھی پورے وثوق کے ساتھ اطمینان دلا رہے ہیں اور قریب ترین حضرات نے انتہائی روشن مستقبل کی بشارت دی ہے لیکن خود ان کو ایک باپ ہونے کے ناتے چین نہیں پڑ رہا ہے۔ منجملہ دیگر مخلصین کے مولوی نعیم اللہ صاحب بچھرایونی بھی ہیں موصوف حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب کے برادر خورد ہیں انہوں نے بھی حضرت صاحبزادے صاحب کے انتہائی تابناک مستقبل کی بشارت دی ہے۔ لیکن ابھی تک اس کے آثار نظر نہ آنے کی وجہ سے انہیں کو تحریر فرمارہے ہیں اور اس کے باوجود اپنی ایک معاملاتی بشارت کا حال نقل فرمارہے ہیں۔

"آنکہ از حال برخوردار نظام الدین حسین بشارت دادہ اند...... این فقیر را ہیچ معلوم نیست مگر ہمیں قدر کہ:

یک روزہ دیدہ ام کہ برخوردار مذکور در ولایت ترکستان یعنی ضلع بخارا نشستہ است و در پس پشت او (امام السالکین) میر محمد سمیع و نبی بخش (خادم) مگس رانی می نمایند و روبروے سلاطین و امراء آں ملک کہ در آنہا مولوی نعمت اللہ (بخاری) ہم ہست۔ دست بستہ ایستادہ اند و ایں بچہ کہ نشستہ است در چشمان او نشاء کیف توحید ظاہر و ماہر است۔ پس ہمیں قدر دیدہ بودم۔ و فی الحال نہ ذاکر است و نہ شاغل و نہ صاحب قال و نہ صاحب حال۔ در لہو و لعب مشغول است۔ آشنائے فقر اصلا نیست۔ آئندہ ہر چہ مقدر است، خواہد شد۔

(یہ کہ آپ نے برخوردار نظام الدین حسین کے حالات کے بارے میں بشارت دی۔)

ایک روز (معاملہ میں) میں نے دیکھا کہ برخوردار مذکور ملک ترکستان کے ضلع بخارا میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کے پس پشت (امام السالکین) میر محمد سمیع (بدخشانی) اور نبی بخش (خادم) چوہر جھل رہے ہیں اور سامنے اس ملک کے بادشاہان اور امراء اور انہیں کے درمیان میں (شاہ ولایت بخارا) مولوی نعمت اللہ بخاری بھی ہاتھ باندھے ادب کے ساتھ کھڑے ہوئے ہیں اور اس بیٹھے ہوئے بچہ کی آنکھوں سے کیف توحید کا نشہ ظاہر و آشکارا ہو رہا ہے۔ بس اتنا ہی دیکھا تھا۔

لیکن اس وقت (اس کی ساڑھے آٹھ سال کی عمر میں یہ حالت ہے کہ) ذاکر ہے اور نہ شاغل۔ صاحب قال ہے اور نہ صاحب حال۔ کھیل کود ہیں لگا ہوا ہے۔ فقر سے بالکل آشنا نہیں ہے۔ آگے جو مقدر میں ہے ہو رہے گا۔[1]

صاحب کرامات نظامیہ ناقل ہیں کہ جب آپ نو برس (۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء) کے ہوئے تو حضور قبلہ نے ایک دن بطور مشغلہ کے فرمایا کہ میاں ہم تم کو ایک چیز بتلائیں بھلا اس کو کر تو لاؤ اور آپ کو شغل درود تعلیم فرمایا، شام کو قوالی تھی اس لئے کہ پنجشنبہ کو قوالی ہوا کرتی تھی۔ آپ کو شغل میں جمیعت ہو کر رقت شروع ہوئی۔ مولوی عبداللطیف صاحب یارقندی..........خوان علوم (جو خلیفہ جناب قبلہ کے تھے) انہوں نے قصد کیا کہ میں ان کو گود میں لے لوں، مبادا کہیں چوٹ نہ لگے آپ کے اثر سے مولوی صاحب کو بھی وجد شروع ہو گیا اور آپ کو گود میں لینے پر قادر نہ رہے۔ مخدوم عبدالشہید صاحب جو اجل خلفاء میں سے تھے اور بہت بڑے عارف اور زبردست تھے دوڑ کر انہوں نے گود میں لے لیا ان کی بھی یہی حالت ہو گئی خیر یہ جلسہ ختم ہوا۔

پھر یہ آپ کا معمول رہا کہ آکر شاغلین کے حلقہ میں بیٹھا کرتے۔

چلہ کشی کا آغاز:

جب عمر گیارہ برس کی ہوئی تو حضور قبلہ نے چلہ کشی کا حکم دیا۔ حافظ الملک کے مقبرہ میں (جو بریلی شریف میں لب دریا واقع ہے اور وہ بہت وحشت ناک جگہ ہے) چلہ کو آپ بیٹھے، آپ

---

[1] والا نامہ مورخہ بروز یکشنبہ ۲۴ رشعبان ۱۲۴۴ھ ریکم مارچ ۱۸۲۷ء/۱۱ بدی پھاگن ۱۸۸۵

فرماتے ہیں کہ ایک روز مکان تاریک میں بوریے پر لیٹا تھا اور اپنا شغل کر رہا تھا مجھ کو اس وقت خبر ہوئی کہ ایک کالے سانپ کا سر میرے سینہ تک پہنچ چکا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ اگر جنبش کرتا ہوں تو یہ مجھ کو کاٹ لے گا، پس سکوت کیا جب وہ گزر گیا تو بانس کا ٹکڑا (ایک جانب سے چوپارہ جو اسی غرض سے رکھا جاتا تھا) اس سے کھٹ کھٹایا کہ وہ سانپ بھاگ گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس شب خوف سے تمام رات مجھ کو نیند نہیں آئی۔ دوسری شب بعد بارہ بجے رات کے پاخانہ کو تشریف لے گئے، چاندنی کھلی ہوئی تھی۔ آپ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سانپ کھڑا ہے اور آخیر شب کی ہوا کھا رہا ہے۔ کنچہ اس کا تقریباً بارہ گرہ کا ہوگا حضرت وہاں سے اپنے حجرہ میں چلے آئے۔

انتقال روح کی مشق:

چلہ میں دو روز باقی تھے کہ پچھلی رات کو لیٹے ہوئے ہیں اور مشغول بہ شغل ہیں، فرماتے ہیں کہ میرے سینہ سے ایک شعاع مثل شعلۂ آتش، بہت تابش کے ساتھ برآمد ہوئی جس کا حجم قریب بارہ گرہ کے ہوگا اور اس نے آسمان کی جانب صعود کیا اور برابر سینہ سے برآمد ہوتی رہی۔ اس اثناء میں میں نے دیکھا کہ میں اپنے جسم سے علیحدہ ہوا۔

مجھ پر بہت خوف غالب ہوگیا اور بہت ضعف ہوگیا کہ صبح کو کھچڑی اپنے واسطے نہ پکا سکا۔ اور نہ غسل کے واسطے دریا سے پانی لا سکا۔ اس دن روزے پر روزہ ہوا۔ دوسرے دن شب کو بھی یہی حالت گزری کہ روزہ پر روزہ ہوا۔

تیسرے دن وقت عصر حضور قبلہ پالکی میں بیٹھ کر تشریف لائے۔ خدام سے فرمایا کہ میاں کو لاؤ.......... مولوی عبداللطیف صاحب اور مولوی عبیداللہ صاحب بغلوں میں ہاتھ دے کر بہ دقت تمام حضور کے سامنے لائے، حضور نے فرمایا کہ پالکی میں سوار کر دو۔ حضرت نے عرض کیا کہ حضور چلہ کا ابھی ایک دن باقی ہے۔ فرمایا کہ چلہ کامل ہوگیا۔ کچھ باقی نہیں اور خود بھی پالکی میں سوار ہو کر مکان پر تشریف لائے۔ پھر تو یہ حالت ہوگئی کہ ذرا قوت آئی اور چلہ کا حکم ہوا۔ برابر چلہ کشی ہوتی رہی۔ اب حضرت کو عادت بھی ہوگئی اور سن بھی تمیز کو پہنچا اور فرماتے ہیں کہ پھر مجھ کو ایسی تکلیف نہیں ہوئی جیسی پہلے چلہ میں ہوئی تھی۔

خاندانی وظائف کی زکوٰۃ:

اس چلہ کشی کے بعد خاندانی وظائف کی زکوٰۃ کا حکم ہوا پہلے حزب البحر کی زکوٰۃ دی حرز یمانی کی زکوٰۃ کے وقت حضور قبلہ نے فرمایا میں اپنی زکوٰۃ تم کو بخشتا ہوں چنانچہ آپ نے اس کے بجائے چلہ اشغال کیا۔

بیعت:

جب آپ کی عمر تیرہ سال (۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء) کی ہوئی تو حسب الارشاد آپ نے بیعت کی۔ اس کے بعد یہ حکم دیا کہ طالبین کو لے کر بیٹھا کرو اور توجہ دیا کرو اور شام کو آپ کا اس توجہ کا اثر ملاحظہ فرماتے۔ پندرہویں سال میں نگاہ میں اتنا زور آ گیا تھا کہ کیسا ہی آدمی ہو آپ کی توجہ کی تاب نہیں لا سکتا تھا۔

تحصیل علم ظاہری:

حضور قبلہ کو بچوں کی تعلیم و تربیت کی فکر دامن گیر ہے۔ پچھلے اوراق میں حضرت تاج الاولیاء کی تعلیم کا ذکر آ چکا ہے۔ آپ کو سوا آٹھ سال کے بچے سے کتنی امیدیں وابستہ ہیں۔ جس یکسوئی، لگن اور محنت کی توقع ہے وہ پوری نہیں ہو رہی ہے۔ چھوٹے میاں تو ابھی سوا تین سال کے ہی ہوئے ہیں لیکن جی یہ چاہتا ہے کہ دونوں صاحبزادوں کو تمام علوم وفنون گھول کر پلا دیں۔ بلکہ اپنا سا بنا دیں۔ ایک دن اپنے بھتیجے اور جانشین میاں فخر الدین حسین اور ان کے بیٹے میاں معین الدین حسین سے فرمانے لگے کہ جہاں تک ہمارا بس تھا تمہیں پڑھا لکھا کر تیار کر دیا۔ اب ان لوگوں کی تعلیم و تربیت تمہارے حوالے ہے۔ مجھ سے اتنی جاں فشانی نہیں ہو سکتی۔ حضرت فخر الدین حسین صاحب نے ان دونوں چھوٹے بھائیوں کی تعلیم و تربیت اس طرح کی جیسے کہ چڑیا اپنے ننھے منّے بچوں کو اپنی چونچ سے چوگا بھراتی ہے۔ اسی طرح میاں معین الدین حسین صاحب لگے ہوئے ہیں۔ میاں فخر الدین حسین صاحب نے ہاتھ پکڑ کر تختی پر لکھنا سکھایا ہے۔

اعلان سجادگی:

چنانچہ حضور قبلہ نے ایک تاریخ متعین کر کے اپنے خلفاء اور معزز مریدین کو جمع کر کے بزورد

زبردستی اپنی مسند پر بٹھایا اور دستار اپنے سر مبارک سے اتار کر حضرت کے سر پر رکھی اور سامنے کھڑے ہو کر اپنے دونوں ہاتھوں پر رکھ کر دو روپے نذر کئے۔ اور فرمایا کہ یہ دو روپیہ یومیہ وہ ہیں جو مولانا فخر رحمتہ اللہ علیہ نے دستار خلافت اور مسند عطا فرمانے کے وقت دیئے تھے۔

اس کے بعد تمام خلفاء اور مریدین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جو ہمارا مرید اور خلیفہ ہے آج سے وہ اپنے آپ کو ان کا مرید اور خلیفہ سمجھے اور جو تعلق مجھ سے ہے میں نے ان کے متعلق کر دیا۔ آئندہ کسی کو ان سے دعویٰ پیر بھائی بننے کا نہیں پہنچتا۔ یہ سن کر جتنے خلفاء اور مریدین اس وقت حاضر تھے حسب منشاء حضور کے سب نے حضرت تاج الاولیاء کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی۔

حضور قبلہ نے تعلیم اور تلقین جملہ مریدین آپ کے سپرد کی۔ اس تاریخ سے حضور قبلہ نے کسی کو مرید نہیں کیا۔ جو بھی مرید ہونے آتا آپ اسے حضرت تاج الاولیاء سے مرید کرا دیتے اور اس وقت سے آپ حضرت کو مسند پر بٹھاتے اور خود مسند کے پاس بیٹھتے۔[1]

خلافت و مسند نشینی کا واقعہ بروز یکشنبہ ۱۲/ ذیقعدہ ۱۲۴۹ھ/ ۲۳ مارچ ۱۸۳۳ء بروز عرس حضرت شاہ شاہان نظام الدین اورنگ آبادی کا معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اس واقعہ کے دو ماہ اور دو روز کے بعد آپ نے حضرت تاج الاولیاء سے حضرت سیدنا عبداللہ بغدادی کے عرس میں مجمع عام کو مرید کرایا ہے۔ اس کا واقعہ کا تذکرہ اپنے محل پر نقل ہو چکا ہے۔

حضرت قبلہ کے وصال کے سات برس بعد تک آپ نے شدید ریاضتیں کیں جس کی وجہ سے آپ کا نظام ہضم اس بُری طرح متاثر ہو گیا تھا کہ اطباء کی کوششوں اور خود اپنی جسمانی ورزشوں کے باوجود تمام عمر معدہ میں ویسی قوت ہاضمہ کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ تمام عمر غذا بہت کم استعمال ہوئی۔

ان ہر دو حضرات کے علاوہ حضرت مولوی عبیداللہ شاہ بدخشانی اور حضرت عبدالشہید یار قوقندی بدخشانی سے آپ نے تعلیم حاصل کی۔ حضرت مولوی عبیداللہ شاہ صاحب (۲۴ شعبان ۱۲۴۴ھ/ یکشنبہ یکم مارچ ۱۸۲۷ء/ ۱۱ بدی پھاگن ۱۸۸۵ کو) دو سال کے طویل سفر کے بعد ممالک ولایت سے واپس لوٹے اور ان دونوں صاحبزادگان کی تعلیم و تربیت میں ایسے منہمک ہوئے کہ دنیا و مافیہا کی انہیں خبر نہیں رہی۔ وہ ان دونوں صاحبزادگان کے استاد و اتالیق تھے۔ ان دونوں کو اولاد سے زیادہ

---

[1] کرامات صفحہ ۷۵۔۷۴

چاہتے تھے اور یہ مخدوم زادے بھی مولوی صاحب کا ادب واحترام بالکل نیاز بے نیاز کی طرح کرتے ان کے حکم کی تعمیل میں ذرا بھی تاخیر گوارہ نہ کرتے ان کو حضور قبلہ کا حکم بھی ایسا ہی تھا۔

علم ظاہری پر قدرت کاملہ کا یہ عالم تھا کہ علماء اہل سنت والجماعت کے علاوہ وہابی علماء بھی ان کے علم کا لوہا مانتے ان کے فیصلوں کو تسلیم کرتے جیسا کہ مسئلہ شش امثال اور امکان نظیر کے مناظرے میں (جو کہ فاضل بریلوی جناب مولوی نقی علی خاں صاحب اور جناب مولوی امیر احمد صاحب سہسوانی کے درمیان رمضان ۱۲۹۰ھ/ اکتوبر، نومبر ۱۸۷۳ء میں) ہوا تھا اور اس کے متفقہ جج آپ ہی تھے۔[1]

تصوف کی تعلیم آپ نے حضرت والد ماجد سے بھی حاصل کی تھی۔ پندرہویں سال میں حضرت فخر الدین حسین صاحب نے انہیں عین نیاز بے نیاز کر حضور قبلہ کی خدمت میں پیش کر دیا کہ حضور ملاحظہ فرمالیں اگر کوئی کمی رہ گئی ہو تو اسے مکمل فرمادیں۔ آپ نے بغور متوجہ ہو کر ملاحظہ فرمانے کے بعد آپ کی بہت تعریف کی۔ اس کے بعد حضرت فخر الدین حسین صاحب نے حضور قبلہ کا عطا فرمودہ سجادگی نامہ بھی پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ بھی انہیں عطا فرمادیں۔ حق بہ حقدار رسد۔[2]

جناب خلیفہ اکبر علی خاں مسکینی صاحب ایجاد اکبری کا بیان ہے کہ حضرت میاں نظام الدین حسین ایسے مقبول بارگاہ پیران عظام ہیں کہ جناب حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزیؒ نے جناب موصوف کو دعوت عطا فرمائی اور مجاورین کبیر السن سے معلوم ہوا کہ جناب بادشاہ ہند نے یا تو مولانا محمد فخر الدینؒ کو دعوت عطا فرمائی یا جناب موصوف کو عطا فرمائی۔

قطب عالم کا مرتبہ از بارگاہ رسالت:

ماسوا اس کے حضرت رسول مقبول ﷺ کی حضرت کے حال پر اس قدر عنایت ہے کہ مولانا امیر الدین خلیفہ مصنف کتاب (ایجاد اکبری) کے ہیں ان سے حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

---

[1] تنبیہ الجہال مطبوعہ صفحہ ۳۴۔ کرامات صفحہ ۴۰

[2] مذکورہ سجادگی نامہ حضرت قبلہ کی مہروں سے مزین ہے یہ روشن قلم سے تحریر ہے اسے پیش کرتے وقت جناب موصوف نے باریک قلم سے اپنا نام کاٹ کر نظام الدین حسین تحریر کر دیا ہے۔

کہ ہم نے قطب عالم کا مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ اسی رتبہ کے باعث بہت سے لوگ حضرت سے فیض یاب ہو کر اپنے مقصود کو پہنچتے ہیں۔ اور بہت خلفاء حضرت کے اہل رسا اور واصل خدا ہیں۔ ایک ایک خلیفہ کے لاکھوں مرید ہیں چنانچہ ایک خلیفہ حضرت کے میاں محمدی شاہ (م جمعہ ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۱۲ھ/۱۳ دسمبر ۱۸۹۴ء) کہ بالفعل مقیم شہر الہ آباد ہیں۔

مولوی محمد فائق صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت تاج الاولیاء کے لکھوکھا فیض یافتہ دن رات آپ کے نام کی تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ سینکڑوں عارف صاحب اجازت ہو کر ملکوں ملکوں اپنے فیضان کے انوار عالم میں پھیلا رہے ہیں اور وہ خلفاء جن کا نام ونشان کاتب کو معلوم نہیں جو بقید حیات ہیں ہزاروں کو فیض پہنچا رہے ہیں اور جو اس عالم سے سفر کر گئے ان کے قائم مقام اس خدمت کو ادا کر رہے ہیں۔[1]

جن حضرات کے اسماء دریافت ہیں آپ کے فضل وکمال کے انوار (۴۴) خلفاء کے ذریعے رام پور، سہارنپور، لکھنؤ، کانپور، فتح پور، غازی پور، پٹنہ، جاورہ، گوالیار، بھوپال، ملک مالوہ، کشمیر، پیشاور، کابل، بدخشاں، بخارا، ایران، اور خجند وغیرہ وغیرہ میں عقیدت مندوں اور طالبوں کے قلوب کو منور کر رہے ہیں۔[2]

ان حضرات کے علاوہ دیگر سلاسل کے کتنے ہی مشائخ کی تکمیل کر کے انہیں کے سلاسل میں اجازت مرحمت فرمادی۔ صاحب ایجاد اکبری وکرامات نظامیہ نے ایسے کئی واقعات نقل کئے ہیں۔ منجملہ ان کے مداریوں کے سرگروہ نے دوران سفر دھول پور میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مرشد کے وصال کے بعد کل فقراء نے انہیں سجادہ نشین کر دیا ہے جب کہ وہ سلسلہ کے شغل اشغال اور تعلیمات میں کورے ہیں۔ آپ نے انہیں بیعت کر کے انہیں کے طریقہ مداریہ کے کچھ شغل اشغال تعلیم فرمائے اور آئندہ کے لئے ان کے واسطے نصاب مقرر فرما کر تحریری اجازت عطا فرمادی۔[3]

بیان میر نصیر الحسن صاحب نقوی:

حلیہ مبارکہ

سر پر زرین ومرصع بجواہر قیمتی چوگوشیہ ٹوپی، یا زرین تاج۔ لباس فاخرہ زیب تن۔ گیسو دراز تا بہ

[1] حملہ صفدری صفحہ ۲۳ [2] حملہ صفدری صفحہ ۱۰۲ [3] حملہ صفدری صفحہ ۸۵

سینہ، گاھے مرتب، گاھے کشادہ، کشادہ پیشانی، ابرو خمیدہ، آنکھیں بڑی بڑی شربتی اور نشیلی سی۔ ناک اونچی اور متوازن، مونچھیں چھوٹی اور ترشی ہوئی۔ باریک ہونٹ، دانت چمکدار متوسط اور جڑے ہوئے۔ ٹھوڑی کشادہ، ریش مبارک نہ دراز اور نہ خشخسی بلکہ درمیانہ اور چڑھی ہوئی رخساروں پر کم بال، رنگ گندمی ملاحت آمیز، کان درمیانہ گردن دراز اور پُر گوشت۔ شانے کشادہ، بازو قوی اور گول کلائی گاؤدم، ہڈی چوڑی بھرے بھرے لانبے ہاتھ، ہتھیلیاں چوڑی اور صحت مند۔ انگلیاں خوش نما اور گاؤدم۔ سینہ زیادہ چوڑا اور پہلوانوں کی طرح ابھرا ہوا۔ سینہ پر کم بال اور ہمیشہ ڈھکا ہوا، پیٹ ہموار خفیف سا اٹھا ہوا۔ کسرتی بدن، لباس، صورت و شکل سے ظاہری وجاہت ہویدا ہیبت و رعب چہرے سے برستا ہوا جلالت شان اور ہیبت حق سے بڑے بڑے معزز و باوقار لوگوں کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔[1]

آداب مجلس ایسے کہ ہر چھوٹے بڑے امیر وغریب کے منھ پر مہر سکوت۔ کسی فرد کو ایک دوسرے سے بات کرنے کی جرات نہ ہوتی۔ نشست و برخاست میں ہر امیر وغریب برابر۔ مرتبہ میں کوئی کسی پر ممتاز نہیں۔ سب کو ایک نظر سے دیکھنا۔ مساوی اخلاق سے پیش آنا۔ پستہ قد ہونے کے باوجود محفل میں سب سے اونچے نظر آتے۔ جس مجلس میں آپ تشریف فرما ہوتے، ہر شخص نظارہ کا شیدا ہوتا۔

سادات کرام کی تعظیم:۔

سادات کرام اور پیران عظام کے آستانوں کے صاحب زادوں اور خادموں کی وہ تعظیم وتکریم کرتے کہ دوسروں سے ممکن نہیں۔ اہل بیت رسالت کی محبت میں وہ مرتبہ حاصل ہوا کہ آپ مقبول خاص ہوگئے۔

علوم وفنون وصنعات:

آپ کو تمام علوم وفنون مروجہ اور صنعتوں میں مہارت تام تھی فقہ کے جزئیات میں تبحر حاصل تھا۔ تفسیر وحدیث میں مہارت کلی تھی فارسی زبان میں آپ بعینہ اہل زبان تھے۔

---

[1] مذکورہ بالا عبارت کا بیشتر حصہ تذکرہ کرامات نظامی سے ماخوذ ہے۔

فنون سپہ گری میں مہارت

بانک بنوٹ، تیر اندازی، شمشیر زنی کی وہ کاٹ کہ دوسروں کو نصیب نہیں۔ بندوق چلانے میں وہ ملکہ کہ اڑتا ہوا پرند نیچے دکھائی دیتا۔ تیراکی میں کمال تھا۔ شہسوار لاثانی تھے۔ شجاعت و دلیری میں یکتائے عصر تھے۔ گھوڑوں کے عیب وصواب اور ان کی نسل ونژاد، دیکھ کر معلوم کر لیتے تھے شکاریات کے ماہر تھے۔ شکاریات کی جتنی قسمیں تھیں اسمیں مہارت تھی مثلاً بندوق، تیر و غلیل اور اس کے علاوہ جال و پھندوں سے شکار، کتوں اور شکروں سے شکار۔ کتوں۔ شکروں، مرغوں، کبوتروں اور بٹیروں کے میل اور غیر میل بتا دیتے تھے۔ شکار ماہی کا ذوق آخر آخر تک رہا ہے۔

فنون لطیفہ:

فن خوش نویسی اور خطاطی ان کے گھر کی چیز تھی بایں ہمہ خط نستعلیق جناب منشی منگولال صاحب منظمی اور خط شکست اور فن انشاء اپنے برادر بزرگ حضرت فخر الدین حسین صاحبؒ سے حاصل کیا۔ خود کئی کتابوں کے مصنف تھے از ان جملہ۔ مراءت الحقیقت نظری تصوف پر فارسی میں ہے۔ اس کی زبان عالمانہ اور اسلوب فلسفیانہ ہونے کے باوجود مرصع اور شگفتہ ہے۔

لب لباب:

عملی تصوف یعنی ذکر و شغل واشغال کی تعلیمات پر مشتمل ہے زبان اس کی بھی فارسی ہے یہ گویا شمس العین کے نظری حصہ کی تلخیص ہے:

رسالہ اصول الایمان:

ردو ہابیہ نجدیہ میں ہے اس کی زبان اردو ہے یہ چونتیس صفحات پر مشتمل ہے پہلی بار ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء میں مطبع نادری واقع بریلی سے شائع ہوا۔ وکٹوریہ اسکول غازی پور سے دوبارہ اور جب سے آج تک کئی بار چھپ چکا ہے آخری بار ۱۹۶۰ء/۱۳۸۰ھ میں ناظم الیکٹرک پریس رام پور سے شائع ہوا ہے۔

اسٹیمبل

ایلو پیتھی......اور اس فن کے مجرب نسخوں پر مشتمل ہے۔

مکتوبات:

یہ مکتوبات مریدین کو اور علمی مسائل کے مستفسرین کو لکھے گئے ہیں ان میں سے اکثر مکتوب فضیلت مآب حضرت محمد فضل عالم بچھرایونی کو املاء کرائے ہیں ان کی زبان فارسی ہے ان کی کافی تعداد راقم کے پاس محفوظ ہے

راقم کے پاس کچھ ایسے بھی مکتوبات محفوظ ہیں جو کہ خود حضرت موصوف کی تحریر میں ہیں اور ان پر اصلاح و تصحیح حضرت فخر الدین حسین صاحب'' کے قلم کی ہے یہ ابتدائی مکتوب ہیں۔ شعر فہمی اور سخن رانی پر ملکہ تھا۔

فن موسیقی:

فن موسیقی کے اصول وضوابط میں مہارت کامل حتی کہ بڑے بڑے گویئے اور موسیقار قدم لیتے تھے۔

جواہرات شناسی:

جواہرات شناسی میں ایسی قدرت تھی کہ چشم ظاہر جانے کے باوجود نگینوں کو مس کر کے ان کے نقائص وعیوب بتا دیتے اور جوہری ششدر رہ جاتے۔

عطر شناسی:

عصر کی پسند آپ کی خاندانی اور موروثی ہے جس کو آپ کے والد ماجد نے اور آگے بڑھایا جیسا کہ پچھلے اوراق میں گزر چکا ہے۔ عطر شناسی میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا یہ آپ کا حصہ تھا اور آپ اس کے ماہر و مبصر تھے[1]

فن طب:

آپ موروثی طبیب بھی تھے۔ تشخص تجویز اور شفا خداداد تھی۔ لاعلاج اور مزمن امراض پر ایسی قدرت تھی کہ اکثر مفرد ادویہ سے ایسا علاج کرتے کہ مشہور معروف اور موروثی حاذق اطبا دنگ رہ جاتے[2]

---

[1] کرامات صفحہ ۱۰۴

[2] اخبار الصنادید صفحہ ۹۳

نیرنجات وعملیات پرقدرت:

نیرنجات پرقادر، عملیات کے حاکم تھے مگر کئے کبھی نہیں۔

غذاولنگرخانہ:

آپ کا کھانا پرتکلف ہوتا۔ ایک وقت کا کھانا خانقاہ شریف میں دسترخوان پر باہر کھاتے جس میں سبھی شریک طعام ہوتے اور انواع واقسام کے کھانے چنے جاتے۔

سو پچاس حاضر باش خانقاہی اور آمد ورفت والوں کے لئے لنگر خانہ جاری رہتا۔ اور توکل ایسا کہ دو دو وقت صرف ابلے ہوئے چنوں پر بسر ہوگئی۔ کچھ آیا تو سب سامان شاہانہ کا اہتمام ہے اور نہ آیا تو دو دو تین روز سب عورتیں، مرد، جوان، بچہ، نوکر چاکر، خانقاہی، گھوڑا، بیل، مرغی، بٹیر اور شکروں کو فاقے پر فاقہ ہوتا۔

سخاوت ومروت:

سخاوت ومروت کا حال یہ کہ ضرورت پر لوگوں نے ہزار، ہزار روپیہ قرض حسنہ لئے پھر کبھی دینے کا نام نہ لیا۔ اور باوجود روزانہ ملنے ملانے کے کبھی آپ اس کو زبان پر نہ لاتے۔ اگر کسی نے کہا تو یہی فرمایا کہ فقیر کے گھر سے کوئی محروم نہیں جاتا۔ دنیا والے دنیا لے جاتے ہیں اور دین والے دین لے جاتے ہیں۔ صاحبِ غرض اپنی غرض کو پہنچتے تھے۔ سخاوت ایثار، مروت اور تحمل آپ کے اصل جوہر تھے۔ جس کی وجہ سے ہر وقت چاہنے والوں کا ہجوم لگا رہتا۔ کہیں چلتے تو بہت سے لوگ ساتھ ساتھ ہوتے۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ دنیا جہاں سے لوگ کھنچے چلے آرہے تھے جن میں کسی طبقے کی قید نہیں تھی۔

منعم بہ دشت وکوہ وبیاباں غریب نیست   بہ ہر جا کہ رفت خیمہ زد وبارگاہ ساخت

بے نیازی وبے اعتنائی:

لوگ مرید ہونے آتے تو آپ طرح طرح کے عذر فرماتے کبھی فرماتے کہ جو تزک اور شان امیرانہ رکھتا ہو تم کو کیا ہوگیا ہے کوئی ایسے سے مرید ہوتا ہے! کبھی یہ فرماتے میاں دنیا میں بہت فقیر ہیں محمد شیر صاحبؒ ہیں، فضل رحمٰن صاحبؒ ہیں اور ہیں اور ہیں وہاں جاؤ۔ میں اس قابل کب ہوں؟[1] اس کے باوجود ہزاروں علماء فضلا، وکلاء، بیرسٹر، حکما، ڈاکٹر، راجہ، بابو، نواب

---

[1] کرامات صفحہ ۲۸۵

، رئیس ، تعلقہ دار ، تحصیلدار ، نائب تحصل دار ، انسپکٹر ، ڈپٹی انسپکٹر ، صوبیدار اور بڑے بڑے معززین اور ہر قسم کے عوام اور خواص نے حضرت تاج الاولیاء کے ہاتھ پر ہاتھ دے کر تمغۂ غلامی حاصل کیا ، اور جب سے بیعت کی آپ ہی کے نام کا وظیفہ پڑھ رہے ہیں ۔ اور بلا ایماء و اشارہ اور بغیر طلب سیکڑوں ہزاروں روپیہ کی نظر قبول ہو جانا اپنی سعادت سمجھتے ہیں ۔ آخر کیا بات ہے کہ ہزاروں ، لاکھوں امیر اور غریب غلامی کا پٹہ گلے میں ڈالے پھرتے ہیں اور کبھی کسی کے عقیدہ میں بل نہیں آتا ...... بلکہ اس شان شوکت کے پردے میں کوئی اور امر مقناطیسی ہے جو خود بخود دلوں کھینچ رہا ہے ۔ حضرت کا یہ جذب اور کشش کسی عمل کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ من کان للمولی فله الکل (جو مولیٰ کا ہو گیا ہے ۔ اس کے لئے سب کچھ ہے) شاغلین ، حاضر باش فائدہ باطنی سے خالی نہ رہتے ، خدام غائبین ، پر ہر وقت نظر تحفظ ، طالبین کو اثر پہنچانے کا ملکہ اگر چہ وہ کسی شہر میں ہو ۔ باوجود ان تمام تعلقات و مشغلات کے یاد حق میں ایسے مشغول کہ ہر وقت نظارۂ ذات میں مستغرق رہتے ۔

سراپا رحیم و کریم

آپ کے ایک صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھی ۔ ان کی اولادوں سے پانچ مکان آباد تھے ۔ بیٹیاں ، داماد ، نواسے اور ان کی اولادیں ، نواسیوں کے شوہر اور پرنواسی نواسے ، اکلوتی پوتی ، حضرت بی بی مستقیما النساء صاحبہ اور پت داماد حضرت محمد مہدی نظامی صاحب اور ان کی اولادیں ان سب کے کفیل میاں خود ہوتے ، ہر ایک کی ناز برداری فرماتے ، پوتی صاحبہ کو اپنے سینہ سے لگا کر رکھا تھا یہی حضور قبلہ کی آخری اولاد تھیں اور آگے چل انہیں کی اولاد کو حضور قبلہ کا وارث ہونا تھا ان کے دو بیٹے آپ کے سامنے پیدا ہو چکے تھے ۔ آپ ایک بھرے پرے خاندان کے مورث تھے ۔ اس کثیر العیالی کی وجہ سے بھی مزاج میں شفقت و رافت بے پناہ تھی ۔ آپ میں بے مثل قوت برداشت تھی آپ سراپا رحیم و کریم تھے ۔ کتنی ہی تلخ اور خلاف مزاج بات ہوتی آپ اسے اس طرح برداشت فرما لیتے جیسے کہ کوئی واقعہ ہی نہیں ہوا ہے ۔ حضرت چھوٹے میاں صاحب قبلہ کی شکر رنجی کا واقعہ ان کی زندگی کا سب سے زیادہ کربناک واقعہ ہے ۔ جس کو وہ تمام زندگی بھلا نہیں سکے ۔ حضرت چھوٹے میاں صاحب کے لاڈولڑیت ، عبادت و ریاضت کی کثرت اور بیماریوں کے ہجوم نے مزاج

مبارک میں حدت وجلال پیدا کر دیا تھا۔ میاں دار نہ ہونے کی وجہ سے وہ برداشت وتحمل نہیں تھا جو کہ صاحب اولاد کے مزاج میں ہوتا ہے۔ آپ سریع الحس اور شمشیر برہنہ تھے۔ اسی لئے جلد کسی بات کا فیصلہ لیتے۔ خوش ہوتے تو ایسے اور ناراض ہوتے تو بھی اسی شان سے۔ خودغرض اور دراندازوں نے آپ کے مزاج سے فائدہ اٹھایا۔ بڑے حضرت آخر آخر تک ان کی جدائی کے لئے تیار نہیں تھے۔ چنانچہ آپ نے مخلصین، رازداروں اور اکابر خلفاء کو بیچ میں ڈالا خود ان حضرات کے استاد و مربی حضرت مولوی عبیداللہ شاہ صاحب سر سے پا تک گئے خوشامدیں کیں لیکن شاگرد و مخدوم زادے کو منانے میں ساری کوششیں بے سود رہیں۔ آخرش شہر کے لوگوں نے خوشامدیں کیں لیکن دراندازوں کے آگے ایک نہ چلی اور جواب میں خود چھوٹے میاں صاحبؒ نے فرمادیا کہ مصلحت الٰہی یہی ہے۔ اس کے بعد کیا چارہ تھا وہ بدایوں کے لئے روانہ ہو گئے۔ حضرت مولوی صاحب نے وہاں کے بھی چکر لگائے لیکن وہاں ایک نہ اور ہزار نہ تھی اس واقعہ سے متاثر ہو کر حضرت چھوٹے میاں صاحب کے قدیم مریدین نے بڑے حضرت سے رجوع کیا تو آپ نے یہی فرمایا کہ بیت صحیح ہے۔ اگر چہ حضرت چھوٹے میاں صاحب نظروں سے اوجھل ہو کر بدایوں میں مقیم ہو گئے تھے لیکن آپ کے دل کا گوشہ ادھر ہی تھا یہاں سے باقاعدہ بلاناغہ نذر و نیاز اور عرس کا تبرک اور تحفہ جات بدایوں جاتے۔ ان کی قائم کردہ چیزیں بڑے بھائی کے سامنے آتیں تو وہ جذبات سے بے قابو ہو کر فرماتے کہ مجھے چھوٹے میاں کی یاد تڑپا دیتی ہے۔ یہی شفقت کا معاملہ حضرت چھوٹے میاں صاحب کے وصال کے بعد بھی ان کے مریدین کے ساتھ قائم رہا۔

مرضِ وفات:

حضرت کے خادم میر فراست علی کا بیان ہے کہ حضرت مچھلی کے شکار کے واسطے موضع سرسا تشریف لے گئے تھے وہاں جا کر ایک مچھلی کا شکار کیا، فرمایا کہ چھڑیں اٹھالو اب ہم کھیل چکے۔ آپ کے باورچی فیض اللہ خاں حاضر تھے عرض کیا میاں ابھی تو دن بہت باقی ہے۔ فرمایا کہ اب ہم نے اپنا شکار ختم کر دیا۔ وہیں سے جاڑے کی کیفیت محسوس ہونے لگی۔ وہاں سے بریلی آکر جاڑا آنے لگا۔ ضعف کی وجہ سے اختلاج قلب بھی بڑھ گیا۔[1]

---

[1] کرامات صفحہ ۳۴

تین روز قبل خلافتیں:

وصال فرمانے سے تین روز قبل ڈیوڑھی میں تشریف لاکر حضرت شاہ غلام شرف صاحب ساکن کھیری ضلع سہارنپور۔ حضرت شاہ محمد سدید الدین مبارک صاحب عرف منجھلے میاں ساکن مہکارہ ضلع پٹنہ اور حضرت شاہ محمد ابوالحسن صاحب ساکن جیٹھولی ضلع پٹنہ اور حضرت مولوی محمد اسمعیل صاحب پنجابی ان چاروں حضرات کو خلافت دے کر کہا خلافت نامے ننھے میاں سے لے لینا اس کے بعد وطن جانے کے لئے رخصت فرمادیا۔

یہ حضرات اس حالت میں خانقاہ سے جانا نہیں چاہتے تھے حکم حاکم لیکن حضرت ننھے میاں صاحب نے ان حضرات کو مشورہ دیا کہ آپ صاحبان کو حضرت نے رخصت فرمادیا ہے تعمیل ارشاد میں اسٹیشن پر مقیم ہوجایئے اور روزانہ کی کیفیت مزاج معلوم کرتے رہئے۔ چنانچہ تیسرے دن وہ اطلاع ملی جس کا کھٹکا لگا ہوا تھا۔

وصال سے ایک روز قبل

حضرت نے وصال کے ایک روز پہلے بولنا ترک کردیا تھا۔ گھر میں عورتوں نے کہا کہ زبان بند ہوگئی حضرت ننھے میاں کو یہ بات ناگوار ہوئی آپ نے بالحاح مزاج پوچھا فرمایا کہ شکر ہے عرض کیا کہ آپ بولتے کیوں نہیں فرمایا کہ اب توجہ دوسری طرف ہے بولنے کی ضرورت نہیں۔ اس روز ضعف ونقاہت زیادہ تھی۔ صاحبزادے صاحب نے یہ اہتمام کیا کہ رمضان چاندرات کو سلام کرنے کوئی حاضر نہ ہو، اور سحری میں بھی اتنی ہی احتیاط برتی گئی تاکہ حضرت کو رمضان کی آمد کی اطلاع نہ ہو پائے۔ دوسرے دن جب حضرت ننھے میاں صاحب نے سلام پیش کرنے کے بعد کیفیت مزاج پوچھی اور دوا نوش فرمانے کے لئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرا روزہ ہے جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کہ امام عالی مقام اس طرح جائیں اور رمضان کے باوجود میں روزہ نہ رکھوں۔

اس کے بعد اپنی تمام اولادوں کو بلاکر ہر ایک کے سر پر ہاتھ پھیرا و دعاؤں سے نوازا۔ ویسے حضرت صاحب سجادہ کا بیان ہے کہ ایک روز پہلے سے یہ حالت رہی کہ کبھی دونوں ہاتھ مصافحہ کے لئے اٹھاتے اور ہاتھ سے نشست کا اشارہ فرماتے۔ میں نے عرض کیا کی حضرت یہ کون صاحب ہیں جن سے آپ مصافحہ کرتے ہیں اور بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہیں۔ فرمایا کہ اپنے سلسلہ کے پیران

عقام تشریف لاتے ہیں مصافحہ کر کے انہیں بیٹھاتا ہوں۔

بروز پنجشنبہ پہلی رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ/۱۰ نومبر ۱۹۰۴ء کو دن میں دو بج کر دس منٹ پر وصال فرمایا حضرت صاحب سجادہ کا بیان ہے کہ میں پس پشت بیٹھا حضرت کو گود میں لئے ہوا تھا کہ آپ نے زبان مبارک سے کلمہ طیبہ پڑھا اور اسم ذات کے ھوٗ کے مد کو اس قدر طوالت دی کہ روح اپنے مرکز پر پہنچ کر وہیں رہ گئی اور نفس منقطع ہو گیا۔

انا لله وانا اليه راجعون

آپ نے بحساب قمری ستاسی سال سات ماہ اور بہ حساب شمسی تیراسی سال اور دو روز عمر پائی۔

اس سلسلے کے بزرگوں کی تاریخ وصال۔ الاان اولیاء اللّٰہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون سے برآمد ہوتی ہے۔ حضرت مولانا فخر پاکؒ سے آپ تک سلسلہ نیازیہ چار حضرات کی تاریخ وصال قدرے حذف یا اضافے سے یہی آئیہ مبارک نکلی ہے۔ چنانچہ آپ کی تاریخ وصال جناب مولوی احمد حسن صاحب بچھرایونی نے لفظ الا کے حذف اور اللہ کے اضافے سے۔

واللہ ان اولیاء اللّٰہ لاخوف ولا ھم یحزنون نکالی ہے۔

پسر نور و پدر نوریست مشہور   چہ گویم چوں بود نور علیٰ نور

حضرت شاہ نصیر الدین حسینؒ

حضور قبلہ کا ذکر ان کے دونوں شہزادوں کے تذکرے کے بغیر ادھورہ رہ جاتا ہے۔ عام طور پر ایسا ہوا ہے کہ حضرت قبلہ کے ساتھ ان کے خلف اکبر و جانشین حضرت تاج الاولیاء کا ذکر تو ہوا ہے لیکن دوسرے نور العین حضرت شاہ نصیر الدین حسین عرف چھوٹے میاں صاحب کا ذکر محض خانہ پری کے لئے ضمناً آ گیا ہے۔ اس میں دراصل دو صورتیں ہوئیں یا لکھنے والے کے علم واطلاع میں حضرت موصوف کے حالات نہیں تھے یا پھر بعض مصلحتوں کے تحت آپ کو نظر انداز کر دیا گیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ گھر کے اندر کے حالات سے تقریباً سبھی تذکرہ نگار ناواقف ہیں۔

ع   چوں دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

میں نے طے کر لیا کہ حضور قبلہ کے تذکرے میں دونوں حضرات کے مختصراً حالات ضرور قلم بند کروں گا۔ شاید میرے بعد دوسرے افراد خاندان حضرت چھوٹے میاں صاحب کے حالات اس طرح نہ لکھ سکیں کیونکہ مجھے ابا میاں (حضرت شاہ نصیر الدین حسین) کہنے والے کئی حضرات کو دیکھنے

کا شرف حاصل ہے ابا میاں کے حالات بیان کرتے وقت ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگتے دیکھی تھی اس وقت جب کہ میں ان کے حالات قلم بند کررہا ہوں خود میری بھی وہی کیفیت ہے خود پر قابو پانا مشکل ہورہا ہے۔

میری دادی حضرت بی بی مستقیما النساء صاحبہ عرف بی صاحب اور خود ابا میاں کی زبان میں ''مستقیما'' اور ''اری مستقیما'' تھیں۔ دونوں بھائیوں کی اکلوتی پوتی اور نیاز بے نیاز کے گھر کا آخری چشم و چراغ تھیں اور دونوں بھائیوں کی آنکھوں کا نور۔ اللہ آمین ساتھ سلامی۔ ان کے علاوہ ایک نواسہ اور ایک نواسی بھی دیکھی تھی۔ لیکن میرا سابقہ دادی صاحبہؒ سے زیادہ تھا ہم لوگ انہیں کے ساتھ رہتے اور کھاتے پیتے تھے ان کے منہ سے جہاں اور باتیں سنتے وہیں باپ، دادا پردادا اور پیران عظام کے حالات و واقعات بھی سنتے۔

گھر میں اور باہر لوگ بڑے حضرت کو میاں اور چھوٹے حضرت کو چھوٹے میاں کہتے تھے اور بھتیجیاں بھتیجے اپنے والد محترم کو میاں ہی کہتے اور چچا صاحب کو ابا میاں کہتے۔ اسی طرح نواسیاں نواسے پوتی بھی بڑے حضرت کو میاں اور چھوٹے میاں صاحب کو ابا میاں اور اپنے والد کو صرف ابا کہتیں۔ ابا میاں کا ذکر بڑے والہانہ انداز میں کرتیں۔ حقیقت میں ابا میاں تھے ہی ایسے مزے کے۔ دادی صاحبہ رحمتہ اللہ علیہا کے بعد اپنے ابا، منجھلے ابا، بڑے ابا اور چچا کو یہی کہتے سنا۔ ابا میاں کے حالات سناتے ہوئے دیکھا ہے اسی تعلق اور نسبت کی وجہ سے گھر کے اندر کے حالات لکھنے کی جرأت کررہا ہوں۔

ولادت حضرت شاہ نصیر الدین حسینؒ

حضرت قبلہ کے دوسرے اور آخری صاحبزادے حضرت مولانا و مرشدنا شاہ نصیر الدین حسین۔ عرف چھوٹے میاں صاحب خلق خدا کی زبان پر اعلیٰ حضرت، حضور والا، شہنشاہ عالم پناہ۔

بروز جمعہ ۱۲ جمادی الاول ۱۲۴۱ھ/۲۳ دسمبر ۱۸۲۵ء کو حضرت کی ولادت ہوئی جبکہ حضرت والد ماجد کی عمر شریف چھیاسیؔ (۸۶) سال سے نکل چکی تھی۔ وہ اپنے ایک والا نامہ (مورخہ یوم سہ شنبہ مورخہ ۲۷ رجب ۱۲۴۱ھ/۷ مارچ ۱۸۲۶ء) میں اپنے خلیفہ حضرت حکیم رحیم اللہ (مورخہ یوم سہ شنبہ مورخہ ۲۷ رجب ۱۲۴۱ھ/۷ مارچ ۱۸۲۶ء) میں اپنے خلیفہ حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب کو اپنے افراد خانہ کا سلام اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

''از نظام الدین (حسین) و فخر الدین حسین و نصیر الدین حسین کہ دو نیم (۲½) ماہا شدہ بخدمت صاحبان سلام قبول باد۔'' اپنے بڑے بھائی شاہ نظام الدین حسین صاحبؒ سے پانچ (۵) سال تین (۳) ماہ اور گیارہ (۱۱) روز چھوٹے۔ ''بقول حضرت مولوی فایق صاحبؒ '' دونوں حقیقی بھائی[1] ایک چشمہ کے دونوں آب رواں۔ دریائے بطن کے سیپ کے موتی، ایک کان کے دو لعل، والدین کے جگر کے دو ٹکڑے دونوں کی آنکھوں کے نور۔ دونوں ہمارے سرتاج اور پیشوا[2]۔ بہ نظر عظمت ہم دونوں بزرگوں کو ایک سا دیکھتے ہیں۔''

گھر بھر کے لاڈلے اور دلارے۔ چچیرے بڑے بھائی صاحب حضرت شاہ فخر الدین کے صاحبزادے اور بھتیجے شاہ معین الدین حسین صاحب سے پندرہ (۱۵) سال چھوٹے تھے۔ گھر میں گودوں گود دوں۔ باہر خلفاء و مریدین جی جان سے خدمت کو حاضر۔ ماں باپ، چچی بی صاحبہ پرورش میں لگے ہوئے۔ والد ماجد اپنی عمر دیکھتے اور بچے کی ننھی منی باتیں سنتے اور اندر ہی کڑھتے۔ تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے!!

تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے!!

اپنا کام کرتے رہتے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرف سے سخت بے چینی ہے۔ بڑے صاحبزادے کی ولادت سے بھی پہلے سے مرض تپ و بخار میں مبتلا ہیں اسی کے ساتھ دست بھی آرہے ہیں۔ بیماری کا یہ سلسلہ تین ماہ سے زیادہ کھینچ گیا دستوں کے بعد بخار ہے کہ حرارت کی صورت میں اب بھی موجود ہے۔ بیماریوں کی وجہ سے نقاہت و کسلمندی اس قدر ہو گئی ہے کہ خطوط املا کرانے میں ضعف محسوس ہو رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت فخر الدین حسین اور میاں معین الدین حسین صاحب نے ایسے تعلیم و تربیت کی کہ باید و شاید۔ دونوں صاحبزادوں کو عین نیاز بے نیاز بنا دیا۔

---

[1] حملہ صفدری صفحہ ۳۶ [2] حملہ صفدری صفحہ ۲۸ و صمصام حیدر صفحہ ۲

زوجہ ثانیہ سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔ صاحبزادی نے زمانہ شیر خوارگی میں انتقال کیا۔ یہی حضرات دونوں چشمہ فیض ہوئے جس سے ہزارہا مخلوق سیراب ہوئی۔

شاغلین کو توجہ دینے کا حکم

آپ بذاتِ خود توجہ دیتے شاغلین حلقہ کو توجہ دینے کا حکم دیتے نوعمر صاحبزادے کی ذہنی تربیت کے لئے شاغلین جلسہ کی توجہ میں خود بھی نہایت باادب بیٹھتے تا کہ صاحبزادے کے دماغ میں پیرزادگی کی بدبو نہ بیٹھ جائے اور تربیت و پرورش کرنے والے خلفاء کی جاں نثاری کو مبادا اپنی غلامی سمجھ لیں۔ آخرش چھ (۶) سال کی عمر میں آپ کو خود بیعت فرمالیا۔ ضعف و کبیر السنی کے باوجود اکثر پالکی پر سوار ہو کر شہر کے باہر دریائے رام گنگا کے کنارے تشریف لے جاتے تو شاہ نصیر الدین کو اپنے پاس پالکی میں بیٹھا لیتے اور تعلیم فرماتے رہتے۔[۱]

آپ اپنے خلفاء کو القا فرمانے کا حکم دیتے اور خود بھی ان کی محفلوں میں دست بستہ اور نہایت مؤدب نشست فرماتے جیسے کہ دیگر شاغلین۔ حضرت قبلہ کا یہ انداز تربیت صاحبزادے کے سامنے ان حضرات خلفاء کے علو مرتبت کے ظاہر کرنے کے لئے ہوتا۔[۲] جس طرح ماں باپ اپنے منے بچوں کے سامنے بہن کو آپا صاحب، آپا جان، بڑے بھائی کو بھائی صاحب، بھائی جان اور بھائی میاں کہتے ہیں۔ یہ بچوں کی نفسیات ہے کہ جیسے وہ اپنے بڑوں کو کہتے اور دیکھتے ہیں ویسے ہی دوہرانے لگتے ہیں۔ یہاں بھی ایسا کرنے کی غرض وغایت یہی تھی۔ خدا پیر کند، پیرزادہ نکند۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی
دریں راہ، فلاں ابن فلاں چیزے نیست

حضرت مولوی عبیداللہ شاہ صاحب (۲۴۔ شعبان ۱۲۴۴ھ/یکشنبہ یکم مارچ ۱۸۲۷ء/۱۱۔ بدی پھاگن ۱۸۵۵ کو) دو سال کے طویل سفر کے بعد ممالک ولایت سے واپس لوٹے۔ ان دونوں حضرات کی تعلیم و تربیت میں ایسے منہمک ہوئے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہی۔ وہ ان دونوں حضرات کے اتالیق بھی تھے اور استاد بھی۔ مولوی صاحب اِن دونوں صاحبزادوں کو اولاد سے زیادہ چاہتے تھے اور یہ مخدوم زادے بھی مولوی صاحب کا ادب واحترام بالکل نیاز بے نیاز کی طرح کرتے تعمیل حکم میں ذرا بھی تاخیر گوارا نہ کرتے۔ حضرت شاہ نصیر الدین حسینؒ کا بیان ہے۔

"جناب قبلہ نے ہم کو نصیحت کی تھی کہ استاد کے حکم کی تعمیل میں تساہل نہ کرنا۔ اس کے تھوڑے

---

[۱] حضرت تاج الاولیا کے مکتوبات حضرت شاہ غلام فخر الدین حسین کی اصلاح فرمائی ہوئی تحریریں اور خطوط راقم کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

[۲] ناز و نیاز جلد دوم صفحہ ۸

دنوں بعد ایسا ہوا کہ ہم چھت پر تھے مولوی صاحب نے آواز دی کہ جلدی آؤ ہم فوراً چھت پر سے کود پڑے تمام جسم مجروح ہوگیا۔لوگوں نے پوچھا کہ آپ زینے سے کیوں نہ اُترے ،ہم نے سوچا زینے سے اترنے میں دیر ہوجاتی[1]

صاحبزادگان کی نیازمندی:

یہ ہدایت انہیں کے ساتھ مخصوص نہیں تھی دونوں صاحبزادگان حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں نیازمندانہ پیش آتے اگر مولوی صاحب کا مزاج مبارک ناساز ہوتا تو خدمت کے لئے اگر بڑے بھائی صاحب سرہانے ہوتے تو چھوٹے میاں صاحب پائتی۔

ایک بار حضرت مولوی صاحب کے ایک مرید شیخ امام الدین ساکن فتح پور ہسوہ بہ سلسلہ ملازمت (۱۸۶۲ء/۱۲۷۸ھ) بریلی آئے تو پہلی بار خانقاہ نیازیہ میں اپنے شیخ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئے وہ کہتے ہیں:

''اول روز جب میں خانقاہ شریف میں حاضر ہوا تو جناب مولانا عبید اللہ شاہ صاحب کی طبیعت علیل تھی۔حضرت تاج الاولیاء سرہانے اور حضرت شاہ نصیرالدین حسین صاحب قبلہ پائنتی تشریف رکھتے تھے۔اس وقت تک میں ان حضرات سے واقف نہ تھا۔میں جا کر پلنگ کے پاس کھڑا ہوگیا۔جس وقت مولوی صاحب نے آنکھیں کھولیں تو فرمایا''امام الدین تم آگیا؟میں قدم بوسی کو چلا تو جناب مولوی صاحب قبلہ نے فرمایا کہ دیکھو یہ بڑے صاحبزادے ہیں اول ان سے قدم بوس ہو۔میں نے بڑے حضور کی قدم بوسی کی بعد میں فرمایا یہ چھوٹے صاحبزادے ہیں ان سے قدم بوس ہو۔جس وقت میں قدم بوس ہو چکا تو بڑے حضرت سے مخاطب ہوکر فرمایا:حضور اس کا نام امام الدین ہے۔بہت چھوٹا تھا،جب فتح پور میں مجھ سے بیعت ہوا تھا شجرے اسی سے نقل کرا کرلوگوں کو تقسیم کرتا تھا۔یہ بڑا انشی ہے[2]

حضرت قبلہ نے اپنی اولاد میں پیرزادگی کا مہلک مرض بالکل پنپنے نہیں دیا۔چھوٹے میاں کی نو (۹) سال کی عمر تھی کہ سایۂ پدری سے محروم ہوگئے واقعی یہ بہت بڑا حادثہ تھا۔لیکن نہ محبت

---

[1] نازونیاز جلد دوم صفحہ ۵۵

[2] کرامات صفحہ ۲۰۷

وپرورش کرنے والوں کی کمی تھی اور نہ تربیت کرنے والوں کی حضور قبلہ اپنے جیسے کتنے ہی نیاز بے نیاز بنا کر گئے تھے۔

ع　　　که هر فرد، فرد است عالم پناه

تعلیم وتربیت:

یہ سلسلہ سات (۷) سال (یعنی ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۱) تک چلتا رہا۔ دونوں صاحبزادگان کی امکانی طور پر اعلیٰ تعلیم وتربیت ہوتی رہی۔ جب حضرت تاج الاولیاء کی عمر مبارک بائیس سال اور حضرت چھوٹے میاں کی ۱۷سال ہوگئی تب یہ حضرات آہستہ آہستہ اپنے وطنوں کو واپس تشریف لے گئے۔ سبحان اللہ کیا جذبہ خدمت اور جاں نثاری تھا کہ اتنے برس ان حضرات نے مخدوم زادوں کی وجہ سے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ ان حضرات میں بھی کئی یہیں کے ہو رہے۔ چنانچہ حضرت مولوی عبید اللہ شاہ بدخشانی حضرت بخش اللہ خاں صاحب شاہ آبادی۔ حضرت مرزا اسد اللہ بیگ صاحب، فیضیلت مآب حضرت مولوی محمد فضل عالم بچھرایوانی، ان حضرات نے خانقاہ اور مخدوم زادوں کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردیں تھیں باقاعدہ تعلیم کی تکمیل اور دیگر علوم وفنون میں قدرت تامہ اپنے سب سے بڑے (چچیرے) بھائی حضرت شاہ فخر الدین حسین صاحب اور حقیقی بڑے بھائی حضرت شاہ نظام الدین حسین صاحب سے اور حضرت مولوی عبید اللہ شاہ بدخشانی سے حاصل کی جوکہ عارف کامل، درویش، ثقہ، متشرع، اہل دیانت اور امانت، آداب طریقت سے آگاہ ماہر علم عربی، فارسی، پشتو میں کامل دستگار رکھتے تھے [۱] اگرچہ دونوں بھائیوں کی مادری زبان اردو تھی لیکن پشتو اور فارسی اہل زبان کی طرح بامحاورہ بولتے تھے وجہ یہ تھی کہ خانقاہ شریف، کابل، ہرات، بدخشاں، بخارا اور ان کے گردوپیش کے باشندوں سے بھری رہتی تھی انہیں کے آغوش میں پرورش پائی تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ پشتو ایک ایسی زبان ہے جو افغانستان میں ہر پہاڑی پر جداگانہ اصطلاحات اور جداگانہ لب ولہجہ میں بولی جاتی ہے ایک پشتو دوسری پشتو سے نہیں ملتی اور دیگر علم وفنون کی تعلیم اپنے سب سے بڑے (چچیرے) بھائی حضرت شاہ فخر الدین صاحب اور بڑے

[۱] کرامات صفحہ ۸۱

بھائی حضرت شاہ نظام حسین صاحب سے حاصل کی انہوں نے روحانی تربیت فرمائی۔تصوف کی تعلیم دی دونوں حضرات عین نیاز بے نیاز تھے اور یہی مربی بھی۔

شہسواری اور سپہ گری میں بانک، بنوٹ، شمشیر زنی، قدر اندازی، بندوق کا نشانہ لگانا جملہ علوم وفنون بھی بھائی صاحب سے سیکھے تھے۔بقول خلیفہ نصیر الزمان خان صاحب کے "چنانچہ آپ اعلیٰ درجہ کے شہسوار تھے بانک، بنوٹ، پٹہ، شمشیر زنی، نشانہ بازی میں اعلیٰ درجہ کی دستگاہ رکھتے [1] کسی فن کا ماہر آوے وہ آپ کو اس فن کا کامل پاتا تھا اور بغیر سر جھکائے نہیں جاتا تھا۔علم حکمت میں بھی اعلیٰ دستگاہ تھے۔ [1]

فن خطاطی:

خط نستعلیق اور خط شکست کی مشق حضرت فخر الدین حسین صاحب اور بڑے بھائی صاحب سے حاصل کی اور نستعلیق کی تکمیل استاد زمانہ منشی منگولال منظمی سے کی تھی۔ [2] یہ فن شریف ان کا خاندانی اور موروثی تھا۔اس لئے بھی نسخ و نستعلیق میں استادانہ مہارت حاصل تھی۔

حلیہ مبارک:

سر پر گوٹے کی زریں ترچھی ٹوپی یا زریں تاج اس کے نیچے دراز کاکلین بصورت چوٹی اس میں زریں موباف پڑا ہوا، کشادہ پیشانی، آنکھیں ببر شیر کی طرح تیز اور روشن، ستواں ناک، ہونٹوں پر پان کی سرخی، گندمی رنگ، کبھی دانہ انار کی مثل سرخ چمکتا ہوا۔کنپٹیوں اور رخساروں پر کم بال سامنے تھوڑی پر داڑھی جلال و جمال کا حسین امتزاج نحیف الجثہ ہونے کے باوجود سانچہ میں ڈھلا ہوا سڈول پھرتیلا بدن۔درمیانہ قد۔قیمتی لباس زیب تن۔پاؤں میں سچے کام کی جوتی۔ باعتبار دوسرے مولانا فخر الدین محمد دہلوی۔ [3]

تجرد پسندی:

جب چھوٹے میاں صاحب نے نوجوانی میں قدم رکھا تو گھر کے لوگوں کو شادی کی فکر ہوئی۔

---

[1] صمصام حیدر صفحہ ۱۳ [2] ناز و نیاز جلد دوم صفحہ ۵ منشی منگولال منظمی حافظ سید ابراہیم خلف نور اللہ لکھنوی کے شاگرد تھے۔تاریخ روہیل کھنڈ۔عبد العزیز خاں عاصی بریلوی صفحہ ۲۸۳ بحوالہ خم خانہ جاوید

[3] ناز و نیاز جلد دوم صفحہ ۵۴

جناب والدہ صاحبہ، چچی بی صاحبہ اور بھاوجیں رشتے تلاش کر رہی تھیں نوکر، چاکر، خادم، مرید، لو لگائے بیٹھے ہوئے تھے کہ خدا کب وہ مبارک گھڑی دکھاتا ہے۔ اللہ اللہ کر کے وہ موقع بھی آ گیا کہ رشتہ کی بات شروع ہوئی خود حضرت چھوٹے میاں صاحب کی زبانی سنئے:

''جب ہم جوان ہوئے تو غلام مولیٰ خاں صاحبؒ (خلیفہ نیاز بے نیاز) بھوپال سے وارد خانقاہ شریف ہوئے اور کہا کہ نواب شاہ جہاں بیگم کا باپ (جو اُن کا مرید ہے) چاہتا ہے کہ اپنی لڑکی کی شادی ہمارے ساتھ کر دے۔ اس خبر سے خانقاہ میں بے حد مسرت ہوئی۔ لیکن جب ہمارے استاد مولوی عبید اللہ صاحبؒ بدخشانی نے ہم سے استمزاج کیا تو ہم نے کہا ہمارا ارادہ قطعی نکاح کرنے کا نہیں ہے۔ ہم تجرد پسند کرتے ہیں، اس پر مولوی صاحب اور تمام حاضرین خانقاہ سمجھاتے رہے جب ہم نے کسی طرح نہیں مانا تو مولوی عبید اللہ صاحب نے کہا میاں! جوانی بڑا سخت زمانہ امتحان کا ہوتا ہے۔'' یہ فرمانا مولوی صاحب کا ہم کو ناگوار گذرا اور ہم ان کا ہاتھ پکڑ کر جناب قبلہ و کعبہ کے مزار پر لے گئے اور ہم نے کہا کہ زناء فعلی تو درکنار اگر نظر اور خیال بھی بگڑے تو ہم اپنی جان ہلاک کر لیں گے۔ اس وقت سے ہم ہر وقت پیش قبض کمر میں رکھتے تھے جس کو حال میں میاں غلام نظام الدین صاحب (فرزند میاں کالے صاحب) دہلوی نے حالت بیماری میں مجھ سے الگ کر لیا۔[1]

روحانی تعلیم و تربیت:

چھوٹے بھائی کی روحانی تعلیم و تربیت بڑے بھائی صاحب نے کی تھی سخت ریاضتیں اور مجاہدے کرائے تھے۔

دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

سلوک کی تمام منازل ایک ایک کر کے مجاہدات شاقہ کے ذریعہ کرائی تھیں اور کسی مقام پر پیرزادگی پر تکیہ نہ فرمانے دیا تھا۔ اس زمانے میں آپ ہر قسم کے تعلقات ترک کر کے ہمہ تن یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے تھے ترک جمالی وجلالی فرما دیا تھا۔ حضرت قطب العالم مدار اعظم کے روضۂ مبارک کے پہلو میں ایک مکان تھا جس میں آپ خانہ نشین ہو گئے تھے۔ اس کے چھپر کے بانس

[1] ناز و نیاز جلد دوم صفحہ ۶۲

میں ایک رسی باندھ لی تھی اس میں اپنے سر کے بال باندھ لیتے تھے تاکہ نیند کا جھونکا آئے تو بیدار ہو جائیں۔ یہ کیفیت اس وقت تک رہی جب تک آپ بے خوابی کے عادی نہ ہو گئے[1]

خیر گذری کہ یہیں پہلو میں ریاضات شاقہ کی مشق کراتے رہے ورنہ خود ان کو تو حضور قبلہ نے گیارہ برس کی عمر میں نواب حافظ رحمت خاں کے مقبرے میں چلّے کرائے تھے۔ یہ مقام دریائے رام گنگا کے کنارے بہت وحشت ناک تھا یہیں دوران چلہ کسی کالے ناگ اور پھر ایک ایسے اژدھے سے سابقہ ہوا جس کا پھن تقریباً بارہ گرہ چوڑا تھا۔ یہی انتقال روح کی مشق کا زمانہ تھا۔ جس میں خوف اور ضعف بہت بڑھ گیا تھا۔ آخر چار دنوں میں خوف کے مارے نہ دریا پر جا سکے اور نہ کھانے کے لئے کھچڑی پکا سکے۔ روزے پر روزہ رہا۔ پھر تو یہ حالت ہوئی کہ جہاں ذرا قوت آئی اور چلہ کا حکم ہوا فرماتے تھے پھر مجھ کو ایسی تکلیف نہیں ہوئی جیسی پہلے چلّے میں ہوئی تھی۔

انتقال روح کی پہلی مشق:

انتقال روح کہ ہندی یوگ میں کپسالی یا کھپسال کریا کہتے ہیں کپال کریا (انتقال روحی) دو قسم کی ہوتی ہے چیتن تاڑی اور جڑ تاڑی۔ چیتن تاڑی میں روح سارے جسم سے سمٹ کر اُم الدماغ میں آجاتی ہے۔ لیکن ہوش وحواس درست رہتے ہیں۔ جڑ تاڑی میں بھی روح تمام جسم سے سمٹ کر اُم الدماغ میں آجاتی ہے۔ لیکن ہوش وحواس بالکل نہیں رہتے۔ اور اس کے بعد روح جسم سے نکل کر جہاں چاہتی ہے اور جب تک چاہتی ہے طیر وسیر میں مصروف رہتی ہے اور جب چاہتی ہے جسم میں لوٹ آتی ہے۔ شروع شروع میں اس شغل سے جسم میں بہت کمزوری ہو جاتی ہے۔ چند ماہ میں اصلی طاقت آپاتی ہے۔ مشق کے بعد پھر کچھ محسوس نہیں ہوتا۔

ایک مرتبہ حسب معمول اپنے حجرے میں بحالت محویت لیٹے ہوئے تھے ایک خادم پاؤں دبا رہا تھا۔ اس حالت میں اس نے محسوس کیا کہ روح پاؤں سے کھینچ کر سینے میں آگئی اور پھر اس روح نے جسم کو چھوڑ دیا۔ وہ بے چارہ کب اس راز سے واقف تھا جب یہ کیفیت دیکھی تو گھبرا گیا اور چیخیں مار مار کر لوگوں کو پکارنے لگا کہ حضرت کا انتقال ہو گیا۔

تمام لوگ جمع ہو گئے حکیم ڈاکٹروں نے معائنہ کے بعد ان کی موت کا اعلان کر دیا۔ ناواقف

[1] ناز و نیاز جلد دوم صفحہ ۱۱

لوگ تجہیز و تکفین کا انتظام کرنے لگے۔ لیکن جو حضرات ان مراحل سے گزر چکے تھے وہ خاموش تھے۔ حضرت تاج الاولیاؒ نے اصل بات تو بتائی نہیں البتہ تجہیز و تکفین میں عجلت کو منع فرماتے رہے۔ آخر ایک رات ایک دن کے بعد آپ نے آنکھ کھول دی۔ جذباتی تعلق رکھنے والوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی خوشی کے شادیانے بجنے لگے، لیکن چونکہ (یہ پہلی مشق تھی) جسم خاکی سے ایک شبانہ روز روح کی جدائی رہی تھی جس سے اس قدر ضعف ہو گیا تھا کہ چند مہینے بعد اصلی طاقت واپس آئی۔

آپ فرماتے تھے کہ جب لوگ روتے پیٹتے تھے میں ان کی یہ حالت دیکھتا تھا۔ ایک شبانہ روز کے بعد میری روح نے چاہا کہ پھر اس جسم میں در آئے۔ اس خواہش کے ساتھ فوراً دماغ میں آ گئی اور پھر تمام جسم میں پھیل گئی[1]

حضرت کا دورۂ بچھرایوں

۱۸۵۷ء میں یہ حضرات حسب معمول دہلی میں اپنے مخدوم زادوں کے حضور میں حاضر ہیں جہاں حضرت شاہ نصیر الدین عرف میاں کالے صاحب (م پنج شنبہ ۱۵ر صفر ۱۲۲۶ھ ۱۲ر فروری ۱۸۴۶ء) کے صاجزادگان، غلام نظام الدین صاحب (جنھیں حضرت تاج الاولیاء سے خلافت تھی[2])۔ جو اپنے عظیم موروثوں کے جانشین تھے۔ ان کے بھائی و جانشین میاں معین الدین صاحب میاں کمال الدین صاحب اور دوسرے بھائی مقیم تھے اور انہیں مزارات اشیاخ سلسلہ کی زیارتیں کرنا تھیں۔

اسی قیام کے زمانہ میں دہلی میں انقلاب آزادی کا غدر قتل و غارت اس کے ساتھ ہی بریلی میں بھی وہی مناظر بلکہ اس سے دو چند۔ انہیں حالات میں دہلی میں طاعون کی وباء کا پھیلنا اور اس میں اپنے گھر کے چوتیس افراد کا طاعون کی نذر ہو جانا۔ پھر وہاں سے قصبہ شاہ آباد (ریاست رامپور) میں تا قیام امن پناہ گزین ہونا۔ انگریزی تسلط کے ساتھ ہندوستانیوں کی دارو گیر، قتل عام، پھانسیاں، پھر جائدادوں کی بربادی۔

کیسے کیسے، ایسے ویسے، ہو گئے
ایسے ویسے، کیسے کیسے، ہو گئے

---

[1] نازو نیاز جلد دوم صفحہ ۱۹
[2] کرامات نظامیہ


مزار: حضرت محمد مہدیؓ

ان روح فرسا حالات نے عام ذہنوں کو معطل ومختل کر کے رکھ دیا تھا بعد خرابی بسیار ملکہ وکٹوریہ نے بذریعہ تار برقی عام معافی کا حکم نامہ جاری کیا جس کی وجہ سے خوف وہراس اور جمود کی کیفیت ختم ہوئی۔

تاریخ روہیل کھنڈ کا مولف لکھتا ہے کہ:

یکشنبہ یکم نومبر ۱۸۵۸ء/۲۳ ربیع الاول ۱۲۷۵ھ کو اشتہار ملکہ معظمہ دام اقبالہا کا متضمن عدم قصور بغاوت کے مسٹر الگزینڈر صاحب کمشنر نے پریڈ پر تمام رعائے بریلی کو مجتمع کر کے سنایا... ۱۸۵۸ء کو تار برقی روہیل کھنڈ میں جاری ہوا۔[1]

اس سرکاری علانیہ کے بعد کچھ کچھ حالات سکون پر آئے اور ایک شہر سے دوسرے شہر میں آمدورفت شروع ہوئی۔ چنانچہ حضرت تاج الاولیاء نے حضرت چھوٹے میاں صاحبؒ کا ماحول بدلنے اور تبدیلی آب وہوا کے لئے بچھرایوں جانے کا مشورہ اور اجازت دیدی۔

حضرت چھوٹے میاں صاحبؒ دبلے پتلے اور دایم المریض تھے وہ اس ماحول سے اُت گئے تھے۔ یہ مقام جان نثاروں اور خدمت گاروں کی بستی تھی حضور قبلہ اس کو اپنا گھر فرماتے تھے ان لوگوں کے بیچ میں رہنے سے قلبی مسرت محسوس فرماتے۔ دہلی تشریف لے جاتے وقت بچھرایوں ہوتے ہوئے جاتے تھے۔

اس علاقے کے شاہ ولایت حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب نے (شنبہ ۲۳ رشعبان ۱۲۷۰ھ/۲۵ مئی ۱۸۵۴ء) کو وصال فرمایا تھا لیکن اس زمانے میں حضرت مولوی محمد محمود عالم صاحب ہائی کورٹ آگرہ سے اپنی مدت ملازمت پوری کر کے رٹائرمنٹ لے کر اپنے گھر بچھرایوں آچکے تھے اور اب وہ پوری طرح حکیم صاحب کی جگہ متعین تھے اور اس علاقہ کے صاحب ولایت تھے۔

چنانچہ پہلے حضرت مولوی محمود عالم کو حضرت چھوٹے میاں صاحب کی تشریف آوری کی اطلاع دے دی گئی حضرت موصوف کا یہ سفر غالباً ماہ ربیع الثانی اور جمادی الاول (شروع دسمبر تا آخر دسمبر) کے درمیانی ایام میں واقع ہوا کیونکہ آپ کو حضور قبلہ کے عرس یکم جمادی الثانی (۳۰ رجنوری) سے ہفتہ عشرہ پہلے پہنچ کر عرس کا انتظام وانصرام کرنا تھا۔

---

[1] تاریخ روہیل کھنڈ (قدیم) ص ۷۵۔ نیاز احمد خاں ہوش

آپ براہ رامپور، مراد آباد و گجرولہ بچھرایوں پہنچے۔ بہت سے جاں نثار استقبال و پیشوائی کے لئے مراد آباد میں ہی حاضر ہو گئے تھے۔ گجرولہ میں با قاعدہ استقبال کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وابستگان نے پورے تزک واحتشام کے ساتھ اپنے مخدوم زادے کا پرتپاک خیر مقدم کیا وہاں کے امراء ورؤساء، عمائد کے علاوہ جناب قاضی مقیم الدین صاحب کا خاندان، حکیم رحیم اللہ صاحب کا گھرانہ، مولوی عبداللہ صاحب کا گھرانہ، قاضی غلام حیدر منشی غلام صفدر صاحب وغیرہ کے فرط انبساط کا کیا کہنا۔

نو بہار است جنوں، چاک گریباں مدد دے!!

اس کے روح رواں حضرت محمود عالم صاحب ہی تھے۔ کتنے رتھ، ربے، تانگے بہلیاں، شکر میں اور اونٹ گاڑیاں بجی سجائی اپنے مخدوم زادے کی پذیرائی کے لئے حاضر تھیں۔ وابستگان فرش راہ ہو رہے تھے۔ محبین و جاں نثاروں کا یہ سیلاب اس شان سے بچھرایوں کو چلا

ع سلطان خوباں می رود گردش ہجوم عاشقاں

بچھرایوں میں تشریف آوری کا جشن تھا، یہ پہلا موقع تھا کہ حضور قبلہ کے بعد حضور چھوٹے میاں صاحب نے قدم رنجہ فرمایا تھا۔ اس غیر متوقع تشریف آوری سے پورے قصبہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کتنے لوگ داخل سلسلہ ہو کر اپنی بخت بیدار پر نازاں تھے۔ خود حضرت محمود عالم صاب کے خاندان کے بہت سے افراد حضور چھوٹے میاں صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے بالخصوص ان کی اہلیہ محترمہ، صاحبزادیاں، بھتیجیاں اور بہویں مرید ہوئیں

۱۔ محترمہ نجیبن بو بو صاحبہ اہلیہ مولوی محمود عالم صاحبؒ

۲۔ لطف انساء صاحبہ بنت مولوی محمود عالم صاحب زوجہ مولوی قطب عالم صاحب (مرید دیار مخلص حضرت) خلف مولوی مقصود عالم صاحب

۳۔ مستیہ انساء بنت مولوی محمود عالم صاحب (زوجہ مولوی مسعود عالم صاحب خلف مولوی مقصود عالم صاحب۔)

۴۔ شمس النساء بنت مولوی محمود عالم صاحب (زوجہ مولوی محمد علی صاحب خلف مولوی عبد اللہ صاحب وکیل)

۵۔ سکینہ بو بو بنت مولوی مقصود عالم (زوجہ مولوی محمد علیم صاحب خلف مولوی محمود عالم صاحب۔)

اس روحانی رشتہ کے علاوہ یہی بیبیاں آگے چل کر حضور والا کی اکلوتی پوتی کی پھپیا ساسیں اور

چچیا ساسیں خود حضور والا کی سمدھنیں بن گئیں۔ مولوی محمد قطب عالم صاحب (جو کہ مولوی مقصود عالم صاحب کے صاحبزادہ دونوں حضرات کے مقرب ترین تھے) نے بریلی حاضر ہوکر بڑے حضرت سے بیعت کی درخواست کی آپ نے حکم دیا کہ تم چھوٹے میاں سے بیعت کرو چنانچہ آپ حکماً حضور والا سے بیعت ہوئے اور بریلی سے تشریف لے جانے کے بعد بھی حضور والا سے اس تعلق میں کبھی کمی نہیں آئی۔ مولوی قطب عالم صاحب فکرمند ہیں کہ حضور والا کی خیریت نہیں معلوم ہوئی ہے۔ ۱۸؍اکتوبر کو خیر طلبی کا پہلا خط بچھرایوں سے لکھا دوسرا انہوں نے ۲۰؍اکتوبر کو سنبھل سے لکھا چھوٹے چچا حضرت مولوی محمد فضل عالم صاحب بریلی میں مقیم ہیں حضرت تاج الاولیاء کی خدمت میں حاضر ہیں۔ وہ جواباً لکھتے ہیں کہ آج کل ان چند دنوں میں کوئی معتبر آدمی بدایوں شریف سے نہیں آیا ہے جس سے حضور چھوٹے میاں صاحب قبلہ کی مفصل کیفیت مزاج دریافت ہوتی۔ اس لئے خط نہیں لکھ سکا جیسے ہی خیریت معلوم ہوگی لکھوں گا۔

حضرت بڑی بھابی صاحبہ (اہلیہ حضرت محمود عالم صاحب) کا مطلوبہ تعویذ بدایوں سے ابھی نہیں آیا ہے کئی مرتبہ تاکید کے ساتھ لکھ چکا ہوں حضرت ممدوحہ سے عرض کردیا جائے وآداب وتسلیم بندہ نیز (مکتوب بنام محمد قطب عالم چہار شنبہ مورخہ ۲۰؍اکتوبر ۱۸۶۹ء؍۱۴؍رجب ۱۲۸۶ھ) یہ خط حضور والا سے شرف بیعت کے گیارہ سال بعد اور حضور والا سے بدایوں شریف پہنچنے کے چار سال بعد تحریر کیا گیا ہے۔ ان صاحبان بچھرایوں کے حسن ارادت میں شمہ برابر فرق نہیں ہوا ہے۔ حضرت شیخ سے بے واسطے رابطہ ہے۔ کیفیت مزاج معلوم ہونے میں ذرا تاخیر ہوتی ہے تو بے چینی بڑھ جاتی ہے۔

باہم شکر رنجی

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر　　　گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

اس سے قبل کہ اس نازک مرحلہ پر لب کشائی کی جائے ان حضرات طیبات کی غلط فہمیوں کا تذکرہ کردیا جائے جن کی للہیت کے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ سب جو نہیں ہونا چاہیئے تھا ہوکر رہا۔

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھیے　　　ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

جنگ جمل میں دونوں جانب کے سربراہ جائزالعصمۃ تھے۔ مہاجر، عشرۂ مبشرہ بدریین واحدین ان حضرات کے لئے کیسی کیسی بشارتیں ہیں جن کو سن کر یقین ہی نہیں آتا کہ فتنہ پرداز ایسے حضرات پر بھی اثر انداز ہو سکیں گے اور ان حضرات سے ایسی بھی لغزشیں سرزد ہو سکتی ہیں لیکن ایسا ہی ہوا مفسدین اور فتنہ پردازوں نے کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی۔ اس موقع پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے تنبیہ فرمائی تھی:

"لوگو! جب فتنہ آتا ہے تو پہچانا نہیں جاتا۔ جب گزر جاتا ہے تب اس کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔"

جنگ جمل کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں کہ یہ صرف ایک جنگی چال تھی جس کے ذریعہ ایک بہت بڑی جنگ کی طرف سے عام لوگوں کی توجہ کا رخ پھیر دینا اور سرکاری ملٹری کی توانائیوں کو ایک مرکز سے متفرق اور منتشر کر دینا تھا چنانچہ مفسدین کی سازش کامیاب ہوئی۔ مخلص جذباتی اور بااثر حضرات کا استحصال کر کے اور انہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے الگ کر کے آپس میں لڑا دیا گیا جبکہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیر دونوں حضرات حضور پاک ﷺ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جاں نثاروں میں سے تھے۔ اس سازش کے مؤید و مددگار وہ لوگ تھے جو کہ اسلام کے آبائی وموروثی دشمن تھے جنھوں نے موقع کی نزاکت کو دیکھ کر نہ صرف دین کی نقابوں سے اپنے چہروں کو ڈھانپا تھا۔ ان حالات کے بعد ایسا ہو سکتا ہے جہاں ہمیں لب کشائی کا موقعہ نہیں ہے اس کے بعد تو ہر بات ممکن ہے انسانی شکل میں ابلیس سب کچھ کر سکتا ہے۔

ع　　　چوں بسے ابلیس روے آدم ہست

بدایوں شریف کو روانگی:

جب چھوٹے حضرت نے لوگوں کی الحاح وزاری منت سماجت کے باوجود بریلی سے بدایوں جانے کا قصد کیا لوگوں نے کہا کہ آپ بریلی کو خیر برکت سے کیوں خالی کیئے جاتے ہیں؟

آپ نے جواب دیا "مصلحت الٰہی اسی میں ہے۔"[1]

---

[1] نازو نیاز جلد دوم صفحہ ۲۰

بقول حضرت مولوی محمد فائق صاحب

''دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند'' اگر دونوں صاحب ایک جگہ رہتے تو فیض محدود رہتا۔ وہاں جانے سے یہاں (بریلی میں) بڑے حضرت سے ہزاروں لاکھوں کو فیض ہوا اور وہاں چھوٹے حضرت سے ہزاروں لاکھوں کو فیض ہوا۔ یہ مصلحت الٰہی جانے کی تھی [1]

حضور والا نے جب طے فرما لیا کہ بدایوں میں قیام فرمائیں تو حضرت والدہ صاحبہ، چچی بی صاحبہ، جناب بھابی صاحبہ، بھتیجیوں اور بھتیجے پر قیامت ٹوٹ رہی تھی۔ سب کے پیارے ابا میاں جا رہے تھے۔ حضرت والدہ صاحب اور چچی صاحبہ نے یہ دیکھا تو خود بھی اس خیال سے جانا طے فرما لیا کہ ان کے ساتھ کوئی عورت ہے نہیں یہ گھر گرہستی کی ضرورتوں کو کیسے دیکھ پائیں گے۔ مگر ان دونوں حضرات نے باہم یہ طے کر لیا تھا کہ جن دنوں بڑی بی بی صاحبہ بریلی میں قیام فرمائیں گی حضرت چچی بی صاحبہ بدایوں میں رہیں گی اور جب بڑی بی بی صاحبہ بدایوں میں مقیم ہوں گی تو چچی بی صاحبہ بریلی میں۔ اس طرح ادل بدل ہوتا رہے گا۔

اس کے علاوہ بھی تشریف لاتی رہتیں۔ تقریبات کے موقعوں پر دونوں حضرات ایک ساتھ تشریف لاتیں اپنے بچوں کی تقریبات کے ہر جشن کے اہتمام بطور خاص خود فرماتیں۔ یہی حضرات زینت جشن و محفل ہوتیں۔ اسی طرح بیماری و غمی میں بھی دکھ درد کی شریک ہوتیں اور سرپرستی فرماتیں۔ اور جب کبھی تشریف لانے میں تاخیر ہو جاتی آدمی سامان لے کر حاضر خدمت ہوتا [2]

اس طرح حضرت والا اپنے والد ماجد کے مزار مبارک پر حاضر ہوتے۔ بھتیجیوں اور بھتیجوں سے جس شفقت کا برتاؤ تھا اس کا کہنا ہی کیا۔ یہی لوگ ان کی اولاد تھے انہیں کی ممتا کی تڑپ میں بریلی شریف آتے رہتے۔ ان میں سے ہر ایک کی پسند اور فرمائش کا خاص خیال رکھتے ان کے لئے تحفے اور سامان لاتے انہیں دیتے اور ان کے تحفے لے کر خوش ہونا دیکھتے اور خود بھی لطف اندوز ہوتے۔ بھتیجے ننھے میاں کو بیٹا بنایا تھا۔ بریلی تشریف لاتے تو سارا سارا دن انہیں اپنے ساتھ رکھتے اپنے ساتھ بگھی پر بیٹھا کر نیک پور کے باغ لے جاتے۔ وہاں کی تفریح کراتے۔ ان کی طفلانہ حرکتوں کو دیکھ کر خوش ہوتے۔ بھتیجے اپنے والد صاحب کو اپنا پیر و مرشد سمجھتے اور انہیں ابا میاں۔ انہیں

---

[1] حملہ صفدری صفحہ ۲۵ [2] حملہ صفدری صفحہ ۳۹

سے فرمائشیں کی جائیں اور ضدیں بھی اور وہ خوش ہو کر انہیں پورا کرتے۔ ایسے ہی ایک بار حضرت بدایوں سے تشریف لائے اور جناب ننھے میاں صاحب کو بلوایا کسی کام کی وجہ سے ان کی والدہ ماجدہ نے جانے نہیں دیا۔ بڑے حضرت کو اس کی خبر ہوئی گھر میں جا کر ان پر بہت غصہ ہوئے کہ تم نے ان (ننھے میاں) کو ان کے پاس کیوں نہیں جانے دیا۔ پھر کوئی عذر قبول نہیں فرمایا۔

صرف حجاب مانع تھا اس لئے ایسے وقت تشریف لاتے کہ (بڑے) بھائی صاحب باہر ہوتے[1]

چنانچہ جناب ننھے میاں صاحب کی شادی میں جب دادیاں اس ساز و سامان کے ساتھ تشریف لائیں کہ حضرت غیر موجود ہونے کے باوجود موجود معلوم ہوتے تھے۔

الف خاں کے محل میں قیام:

اوائل ۱۲۸۲ھ/ جون تا اگست ۱۸۶۵ء بریلی سے تشریف لا کر آپ نے الف خاں کے محل میں قیام کیا۔ یہ علاقہ اندرون شہر واقع تھا۔ حضرت کی شان استغناء و بے نیازی کے ساتھ مریدین و وابستگان کی پرورش، علاوہ ازیں روحانیت کا ایسا غلغلہ بلند ہوا کہ مقامی پیروں کا روزگار چوپٹ ہو گیا۔ یہ صاحبان طرح طرح کی سازشیں اور ہتھکنڈے استعمال کرتے کرتے تھک گئے

چلی شوخی نہ کچھ باد صبا کی
بگڑنے میں بھی زلف اس کی بنا کی

جب کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تو حویلی کے مالک غلام قنبر کو آمادہ کیا کہ وہ کسی طرح سے حضرت سے حویلی خالی کرالیں وہ بے چارے شش و پنج میں تھے کہ کس طرح حضرت سے کہا جائے۔ ان کا رعب و جلال ایسا کہ بات کرنے کی جرأت نہ ہو۔ دوسری بات یہ کہ ایسے کرایہ دار کہ جن کی تشریف آوری سے بہار آگئی۔ اس علاقہ میں چار چاند لگ گئے۔ جو غیروں پر جود و عطا کی بارش کر رہے تھے ان کا کرایہ داری میں نادہندہ ہونے کا تو کوئی سوال نہیں اٹھتا بہر حال دباؤ کی وجہ سے عرض کرایا گیا کہ حضور تو اپنی خانقاہ میں تشریف لے ہی جائیں گے غلام قنبر کا مکان خالی کر دیں۔ وہ موقعہ ایسا تھا کہ سنتے ہی جلال آگیا۔ فرمایا کیا کہا مجھے تو عرش اعظم سے لے کر تحت الثریٰ تک کہیں اس کا مکان نظر نہیں آتا۔ جہاں تک اس مکان کا سوال ہے اسے میں فوراً خالی کر کے زیر تعمیر خانقاہ میں چلا جاؤں گا۔

---

[1] حملہ صفدری صفحہ ۳۹

خانقاہ عالم پناہ:

جلدی ہی آپ محلّہ بیدوں ٹولہ میں میران جی کے آستانہ عالیہ سے متصل مغرب جانب زیر تعمیر خانقاہ میں تشریف لے آئے کچھ عرصے کے بعد خانقاہ تیار ہوگئی۔[1] آپ کے ارد گرد پہلے سے زیادہ ہجوم رہنے لگا۔ جوق در جوق خلق خدا پروانہ وار آپ پر ٹوٹنے لگی۔

ٹونک، اجمیر، بھرت پور، الور، آگرہ، متھرا، علی گڑھ، مرادآباد، بچھراؤں، رام پور، پیلی بھیت، بریلی، شاہجہان پور، ہردوئی، شاہ آباد، لکھنؤ، فرخ آباد، مئو، شمس آباد اور نہ معلوم کہاں کہاں سے لوگ آنا شروع ہوئے۔ خانقاہ عالم پناہ ہر وقت طالبان خدا سے بھری رہتی تھی۔[2] پھر صاحب حویلی کا یہ حال ہوا کہ وہ دفعتاً اپنی جائیداد واملاک سے محروم ہونا شروع ہوئے۔ آخرش ان کا یہ حال تھا کہ کاغذات کا بستہ بغل میں ہوتا اور وہ پیدل کچہری جاتے ہوتے تھے۔

ساٹھ کے دہے میں جناب پروفیسر ضیاء احمد صاحب بدایونی کراچی تشریف لے گئے واپسی پر راقم کو بتایا کہ وہاں شناسا اور غلام قنبر کی اولاد میں سے ایک ریلوے آفیسر سے ملنے گئے وہ کراچی جیسے شہر میں ایک لق دق عمارت میں تھے۔ مولانا ضیاء صاحب نے موصوف سے کہا ماشاءاللہ بڑی عمدہ کوٹھی ہے انہوں نے کہا کہ سرکاری ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ پھر کہیں اور کوٹھی بنوالی ہے؟ کہنے لگے کہاں؟ ریٹائر ہونے کے بعد رہنے کے لیئے کہیں کرایہ پر لے لیں گے وہ تو چٹیا والے میاں کا قول ہے۔ جب سے آج تک ہمارے پورے خاندان میں کسی کا ذاتی مکان نہیں ہے۔

حضرت کا واقعہ وصال:

حضرت خلیفہ نصیر الزمان خاں صاحب ناقل ہیں کہ

۱۳۰۵ھ/ (۱۸۸۸ء) شعبان کے مہینے کی ۲۰ یا ۲۱ تاریخ (۳/۴ مئی) تھی حضرت کا کرامت نامہ اس غلام کے نام بمقام رائے پور ضلع فرخ آباد پہنچا بدیں مضمون کہ

''ہم شاہ آباد سے واپس آئے۔ غسل کیا چند چھینکیں آئیں دماغ میں سردی محسوس ہوتی ہے تم اس خط کو دیکھتے ہی چلے آؤ۔ دیدہ باید کیا ہو۔

---

[1] ناز و نیاز جلد دوم صفحہ ۲۲ [2] ایضاً صفحہ ۲۳

بروایت شیخ ہزبر حسین:

''حضرت پر اثر فالج کا نمودار ہوا ہے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں بیکار ہو گیا ہے زبان پر بھی اثر ہوا ہے۔ تین روز سے کلام نہیں کیا ہے۔[1]

تیسرے چوتھے روز جس شب کو حضرت کا وصال ہو گا عصر کے وقت حضرت والا خانقاہ میں استراحت فرماتے لوگ حاضر خدمت تھے۔

رات کے نو دس بجے ہوں گے کہ حضرت کی حالت میں تغیر پیدا ہوا لیکن کوئی محسوس نہ کر پایا۔

لکھنؤ کے مرثیہ خوانوں نے سوز خوانی کی اجازت طلب کی آپ نے اجازت دیدی۔

پلنگ سے اتارنے کا ارشاد کیا۔ حضرت کو پلنگ سے اتار کر ایک مسند پر بیٹھا دیا اور ایک بڑا تکیہ پس پشت لگا دیا۔ لیکن نشست کی حالت میں آپکی گردن مبارک ایک حالت پر نہ ٹھہرتی تھی لوگوں نے سوز خوانوں کو خاموش کر دیا اور حضرت کو پھر پلنگ پر لٹا دیا۔

اتنے میں ایک بنگالی بابو آیا حضرت نے اپنے دست مبارک سے بٹوے میں سے الائچیاں نکال کر اس کو دیں۔ وہ بابو تھوڑی دیر تک حضرت کی حالت کو دیکھتا رہا اور پھر علیحدہ ہو کر حاضرین سے کہنے لگا اس وقت میری عقل کام نہیں دیتی۔ حضرت کی مجھ کو حالت آخیر معلوم ہوتی ہے۔

''لیکن ہوش وحواس میں ذرا فرق نہیں''

بالآخر کسی شخص نے اجازت طلب کی کہ حکم ہو تو قرآن پڑھا جائے۔ آپ نے اشارہ سے اجازت دیدی۔ مولوی محمد اسحاق احمد خاں نے سورہ یٰسن شروع کی لیکن بوجہ رقت نہ پڑھ سکے۔ فوراً سیف اللہ شاہجہان پوری نے بقیہ یٰسن شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد سنا گیا کہ حضرت کی روح مبارک نے قفس عنصری کو چھوڑ دیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

شعبان کی ۲۴ رتاریخ پیر کا دن ختم ہو چکا تھا ۲۵ رشعبان کی شب ۹/۱۰ کے مابین ۱۳۰۵ھ/ ۷رمئی ۱۸۸۸ء کو حضرت کا وصال ہوا۔[2]

دفن کے وقت کسی قسم کی سختی یا سردی جسم میں نہیں پائی گئی ایسی حالت تھی جیسے سوئے ہوئے کی

---

[1] نازونیاز جلد دوم صفحہ ۷۰ [2] نازونیاز جلد دوم صفحہ ۷۱

ہوتی ہے وقت غسل کے انگشتری نکالنے کے واسطے خود باخود ہاتھ کی مٹھی کھول دی تھی۔[1]

صبح نو دس بجے، بمقام بیدوں ٹولہ اپنی خانقاہ میں حضرت دفن ہوئے۔[2]

آپ کی عمر شریف چونسٹھ ۶۴ سال تین ماہ اور بارہ روز بحساب قمری اور بہ حساب شمسی باسٹھ ۶۲ سال اور ۲ دو ماہ ہوئی۔ آپ کا مزار مبارک مع گنبد نہایت شان وشوکت سے بنا ہے اور بے چین دلوں کے لئے سکون قلب کا مرکز ہے۔

چشم دید راوی کا بیان ہے کہ:

''مرض الموت میں چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی کو خطوط لکھوائے۔ تار بھیجنے کا حکم دیا مگر بالا بالا کاروائی ہوتی رہی۔ بڑے بھائی حضرت تاج الاولیاء بریلی میں تھے۔ لیکن اندر ہی اندر ان کے دل کی حالت کچھ سے کچھ ہو رہی تھی۔ تین چار روز ایسے گزرے ہیں کہ خلاف معمول خانقاہ شریف کے دروازے کے سامنے پال گھر میں مکان کا دروازہ بند کر لیتے اور روتے رہتے۔

ایک روز (۲۴ رشعبان بروز دوشنبہ) صبح سے حضرت تاج الاولیاء (کچھ زیادہ ہی) ملول اور افسردہ خاطر نظر آتے تھے بہ پاس ادب کسی کو جرأت دریافت کرنے کی نہ تھی مسند شریف پر آپ رونق افروز تھے کہ (انتہائی تحمل ومتانت) کے باوجود یکایک حسرت کے ساتھ زبان مبارکہ سے یہ کلمہ نکلا کہ

''افسوس آج ہمارا بازو ٹوٹ گیا''

یہ کلمہ اس وقت نکلا تھا جس وقت بدایوں شریف میں آپ کے چھوٹے بھائی شاہ نصیر الدین حسینؒ کی روح نے قالب عنصری چھوڑ کر عالم بالا کو پرواز کی تھی۔ حضرت اپنے ایک ہمراز خلیفہ حضرت شاہ علی احمد (متعین خانقاہ حضرت مولوی سید محمد ظریف صاحب بدخشانی۔ موتی جھیل گوالیار) کو اس قلبی اضطراب و بے چینی کی اطلاع ان الفاظ میں دیتے ہیں۔

چھوٹے میاں نے بدایوں میں انتقال فرمایا۔ بریلی میں خبر انتقال آئی۔ جو کچھ دل پر گذرا سو گذرا غم کے جذبات کی فراوانی کی وجہ سے الفاظ ساتھ نہیں دے رہے ہیں انا للّٰہ وانا الیہ

---

[1] نازو نیاز جلد دوم صفحہ ۱۷
[2] آج تک ان کا عرس ۲۶ رشعبان کو خانقاہ نیازیہ میں ہوتا ہے۔

راجعون بس اتنا ہی لکھ پائے کہ جو کچھ دل پہ گذرا سو گذرا۔

خانقاہ شریف میں یہ جانکاہ اطلاع بروز چہار شنبہ ۲۶ شعبان کو پہنچی تو صف ماتم بچھ گئی۔ جیسے جیسے اطلاع ہوتی جاتی تھی یگانہ و بیگانہ مریدین وعشاق دیوانہ وار تعزیت کی غرض سے دوڑے چلے آرہے تھے۔ تمام فاتحائیں بڑے اہتمام سے ہوئیں۔

بریلی شریف میں حضرت کی فاتحہ بروز آمد خبر رحلت (حضرت شاہ نصیر الدین حسین صاحب منجملہ دیگر عمائد و معززین شہر بہ تقریب تعزیت مولوی عبدالقیوم صاحب مغفور (صدر الصدور عدالت، بریلی) خانقاہ شریف میں تشریف لائے کلمات تعزیت فرمائے۔ حضرت تاج الاولیاء کو ان کی وفات کا اور نیز اس بات کا کہ ان کو علم ظاہری طور پر ان کے مریدین میں سے کسی نے نہیں کیا تھا، اظہار فرماتے تھے سلسلہ گفتگو میں حضرت تاج الاولیاء نے ارشاد فرمایا کہ میں نے نصیر الدین حسین کو ایسا تعلیم کیا تھا کہ بداؤں کے مقام پر انہوں نے پورے طور پر مشایخی کر لی [1]۔

''بعد سجادہ نشینی جناب ملا عنایت حسین قدس سرہ کے منصف مولوی واجد علی صاحب بڑے حضرت (یعنی حضرت شاہ نظام الدین حسین قدس سرہ بریلوی) کی خدمت میں گئے اور جاکر عرض کیا کہ شاہ نصیر الدین حسین قدس سرہ کا وصال ہو گیا۔ ان کے بعد آپ کا حق ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس جگہ ننھے میاں صاحب کو سجادہ نشین کریں۔ لیکن بڑے حضرت نے فرمایا کہ اگر تم وہاں کی سجادہ نشینی چاہتے ہو تو ہم کوشش کریں۔ لیکن ننھے میاں کو وہاں اس لئے نہیں بھیجا جاسکتا کہ اگر چہ یہ شاہ نصیر الدین حسین کے بھتیجے ہیں لیکن ایسی خدمت وہاں انجام نہیں دے سکتے ہیں جیسی کہ ان کے مریدین خدمت انجام دیں گے [2]۔

بڑے حضرت کے تحمل ان کی متانت اور شفقت میں سرمو فرق واقع نہیں ہوا بالکل اسی طرح ان کی اولاد کے بھی مزاج میں تغیر واقع نہیں ہوا۔ وہ حضور والا کے مریدوں اور خادموں سے بھی انتہائی شفقت و رافت کا برتاؤ کرتے۔ خود حضور والا سے جو قلبی تعلق تھا اس کی ادائیگی کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ حضور والا کی پسندیدہ چیزوں اور کاموں کو دیکھ کر تڑپ جاتے تھے اور بے قابو ہو جاتے تھے۔ بھائی کی جدائی کا غم تازہ ہو جاتا تھا۔ اس کیفیت کو دیکھ کر اپنوں نے احتیاط برتنا

[1] کرامات صفحہ ۱۷۲

[2] جلوہ نور حصہ چہارم صفحہ ۱۱-۱۰

شروع کر دی تھی۔ یہاں صرف دو ایک واقعوں پر اکتفا کروں گا حضرت خلیفہ نصیر الزماں خاں صاحب اپنے ذاتی تجربے بیان کرتے ہیں:

ارشاد فرمایا کہ عرصہ ہوا کہ ہم بغرض شرکت شادی قربان حسین (خلف ملاں جی عنایت حسین خاں صاحب) بریلی گئے تھے۔ وہاں پر ارادہ ہوا کہ جناب نیاز بے نیازؒ کے مزار پر انوار کی بھی زیارت کریں۔ جب ہم مزار پر حاضر ہوئے تو کچھ شیرینی فاتحہ کی غرض سے لے گئے جب فاتحہ پڑھ کر چلنے لگے تو حضرت شاہ نظام الدین حسین قدس سرہ زنانہ مکان کی طرف سے تشریف لا رہے تھے جب حضرت موصوف کو ہمارا حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ تم ابھی ٹھہرو ہم ابھی تھوڑی دیر میں زنان خانہ سے آتے ہیں۔

حضرت موصوف نے زنانہ مکان سے تشریف لاتے ہی فرمایا کہ ''نصیر الزماں خاں کہاں ہیں؟'' میں نے کہا حاضر ہوں۔ حضرت نے قریب بلا کر بٹھلایا اور شغل میں مشغول ہو گئے۔ توجہ فرمانے لگے۔

اس عرصے میں ایک شخص نے ازراہ شرارت کہا کہ ملا عنایت حسین صاحب نے اپنی کتاب میں فلاں بات لکھی ہے۔ حضرت موصوف نے فرمایا ''ہوں'' اور وہی نظر کرم و توجہ رہی۔ پھر دوبارہ اس شریر نے اس بات کا اعادہ کیا۔ حضرت موصوف نے فرمایا ہوں اور حضرت موصوف کرم و توجہ فرماتے رہے۔ اس شخص نے سہ بارہ ذرا زور کے ساتھ اسی بات کا اعادہ کیا۔ اب کی مرتبہ حضرت موصوف نے (ذرا ناراضگی سے) فرمایا ''ہوگا''۔ جب ہم اجازت لے کر رخصت ہونے لگے تو حضرت موصوف نے ہمارے سر پر دست مبارک رکھ کر فرمایا:

''نیاز بے نیاز کا سایہ رہے۔''[1]

حضرت ننھے میاں صاحب کی خدمت میں حاضری:

نومبر ۱۹۲۳ء میں خانقاہ نیاز بے نیاز میں خلیفہ صاحب کی دونوں مزارات پر حاضری کے بعد غلام (مؤلف تذکرہ) نے عرض کیا کہ ننھے میاں صاحب سماع خانہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ جناب میاں صاحب اس وقت درگاہ شریف کے سامنے دالان کے بیچ کے در میں مسند سے علیحدہ تشریف

[1] ذکر حضور صفحہ ۲۴ جلد دوم ملفوظات شاہ محمد نصیر الزماں خاں صاحب

رکھتے تھے اور کچھ سامان شکار ماہی کے مطابق ہنوار ہے تھے ایک انگیٹھی سلگ رہی تھی حضرت اقدس سماع خانہ میں تشریف لے گئے........ جناب ننھے میاں صاحب نے فرمایا کہ میں نے پہچانا نہیں اسم شریف اپنا بیان فرمایا اور ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا اور ساتھ ہی مزاج پرسی کی جناب میاں صاحب نے فرمایا کہ اس سال بیماری کا تین مرتبہ سخت دورہ ہوا زندگی تھی جیتا رہا حضرت اقدس نے فرمایا خداوند تعالیٰ حضور کو تا بدیر سلامت رکھے اس قدر فرمانے کے بعد حضور کو وجد ورقت شروع ہوئی جس کا اثر حاضرین پر ہوا۔ اور میاں صاحب ممدوح بھی شغل خاص میں مشغول ہوئے۔ یہ حالت قریباً چھ سات منٹ رہی ہوگی۔ جناب میاں صاحب نے پان بنوا کر تھالی حضور کی طرف بڑھائی حضرت اقدس پان نوش فرما کر با اجازت رخصت درگاہ سے باہر تشریف لائے۔ یہ روایہ رہا ہے حضرات خانقاہ نیازیہ کا۔

اب کچھ گھر کے اندر کے واقعات ملاحظہ ہوں۔ بڑی بھاوج صاحبہ کا کیا رویہ تھا۔ اس کو تو وہی بیان کر سکتے ہیں جو چشم دید گواہ ہیں۔ وصال کے بعد بھی ان کے رویہ میں فرق نہیں آیا تھا۔ جس کے عینی شاہد خود حضرت خلیفہ نصیر الزماں خاں صاحب بھی ہیں:

والدہ صاحبہ معظمہ (حضرت سراج السالکین) ہمیشہ سڑک سے پا برہنہ حضرت (اپنے دیور) کی زیارت کو آتی تھیں اور کبھی خانقاہ اعلیٰ حضرت میں جوتہ نہ پہنتی تھیں۔[1]

حضرت دادی صاحبہ اوائل رجب ۱۳۳۴ھ / اوائل مئی ۱۹۱۶ء میں اپنے والد ماجد حضرت سراج السالکین کے ہمراہ حضرت خواجہ غریب نواز کے عرس مبارک میں شرکت کی غرض سے اجمیر شریف حاضر ہوئیں تو حویلی دیوان صاحب کی پیرزادیاں (حضرت خواجہ کی اولاد) بھی معظمہ کی خدمت میں دست بوسی کے لئے حاضر ہوئیں۔

حضرت خواجہ غریب نواز کی اولاد کا ایک زمانہ سے سلسلہ عالیہ نیازیہ سے نیازمندی کا تعلق چلا آرہا ہے۔ یہ حضرات پہلے حضرت قبلہ سے بیعت تھے۔ حضرت قبلہ نے ان حضرات کی تربیت کے لئے اپنے خلیفہ شہزادہ کنٹھر سید شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ کو اجمیر شریف میں متعین فرمایا تھا۔ اجمیر شریف میں حضرت شہزادہ صاحب سے سلسلہ نیازیہ کی بہت اشاعت ہوئی پیرزادگان بھی حضرت

---

[1] ص ۲۴ ذکر حضور ج دوم، ملفوظات شاہ محمد نصیر الزماں خاں صاحب مرتبہ جناب منشی حمایت اللہ خاں صاحب مرحوم۔



مزار: حضرت محی الدین حسینؒ سراج السالکین

موصوف سے بیعت تھے انہیں پیرزادگان میں حضرت میر اسد علی صاحب، حضرت میر کرامت علی صاحب اور حافظ حامد حسین صاحب رحمتہ اللہ علیہم اجمعین بھی شامل تھے۔

غرض کہ ان پیرزادیوں نے حضرت دادی صاحبہ کی دست بوسی کے بعد نذریں پیش کیں تو دادی صاحبہ نے پہلے ان حضرات کا تعلق دریافت فرمایا۔ ان حضرات نے عرض کیا کہ آپ کے دادا صاحب کی کنیزیں ہیں۔ دادی صاحبہ نے مزید پوچھا کون سے دادا صاحب کی؟ تب عرض کیا آپ کے چھوٹے دادا حضور والا کی اور ان کا فوٹو پیش کرتے ہوئے عرض کیا ان کی۔ وہ اپنے پیارے ابا میاں کا فوٹو دیکھ کر بے قابو ہو گئیں آنکھ سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ جب ہوش وحواس درست ہوئے تو ان مخدوم زادیوں کی نذریں قبول کیں۔ حال چال دریافت فرمایا ان کی تواضع کی اسی دوران ان کے ابا کھانا کھانے کے لئے زنان خانہ میں تشریف لے آئے۔ دسترخوان لگایا گیا۔ اس پر کھانا چنا گیا۔ بیٹی نے اپنے ابا سے ان بیگمات کی آداب وقدم بوسی عرض کی پھر وہ مخصوص تحفہ دیکھایا ابا میاں کا فوٹو دیکھتے ہی حضرت پر گریہ طاری ہو گیا پھر دونوں کی چیخیں نکلنے لگیں روتے روتے یہ حال ہو گیا کہ کھانا یونہی رکھا رہ گیا آخرش دسترخوان بڑھا دیا گیا۔ حضرت والا کی یہ شبیہ اب خانقاہ کے تبرکات میں محفوظ ہے۔

قول فیصل:

ایک بار حضرت سید ملا محمدی شاہ صاحب الہ آبادی۔ صاحب ولایت ملک اودھ (م ۱۸۹۸ء) (خلیفہ حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین قدس سرہ) سے حضرات علماء فرنگی محل میں سے کسی نے دریافت کیا کہ حضرت شاہ نظام الدین حسین اور حضرت شاہ نصیر الدین حسین صاحب دونوں بھائیوں میں کیا فرق ہے؟ حضرت ملا صاحب نے فرمایا کہ ہمیں دونوں حضرات میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ دونوں حضرات یکساں ہمارے آقا و مولا ہیں اور حضور قبلہ نیاز بے نیاز کے نور العین ہیں۔ ان عالم میں مزید جاننا چاہا کہ ان دونوں حضرات کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟ فرمایا اگر مزید وضاحت ضروری ہے یوں سمجھ لیجئے کہ بڑے بھائی حضور قبلہ کی ذات ہیں تو چھوٹے بھائی ان کی صفات ہیں۔

(حسب روایت جناب سید احمد علی شاہ صاحب جعفری مرحوم رٹائرڈ کلکٹر راجستھان ومقیم نیاز منزل علی گڑھ)

حضرت سید ملا محمدی شاہ صاحب جوانی میں پیرومرشد کی تلاش میں خراسان سے پھرتے پھراتے حضور قبلہ کے وصال (۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء) کے بعد خانقاہ نیازیہ بریلی شریف میں حاضر ہوئے۔حضرت تاج الاولیاء سے شرف بیعت حاصل ہوا۔بارہ برس شیخ کی خدمت میں رہ کر سخت ترین مجاہدات اور ریاضتوں کے بعد شیخ نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔ملک اودھ کے صاحب ولایت مقرر ہوئے الہ آباد میں حضرت غلام علی شاہ صاحب کے دائرے میں قیام فرمایا تجرد وتوکل کی زندگی تھی چھ بارحج کی سعادت نصیب ہوئی تقریباً پچاس سال ہندوستان میں رہے اور ایک عالم کو فیض یاب فرما کر۔بروز جمعہ ۱۴/ جمادی الثانی ۱۳۱۲ھ/۱۳/ دسمبر ۱۸۹۸ء کو وصال فرمایا اسی دائرے میں دفن ہوئے

تاریخ وصال باللہ الوھاب اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون.

مجازی اولاد

تلك آثار تدل علينا
فانظرو ابعد نا الهی آلاثار

کچھ تصانیف کے بارے میں:

یہ آپ کی چھبیس تصانیف کا مختصر تعارف ہے اس سے قبل ۱۹۶۷ء میں رسالہ معارف اعظم گڑھ میں راقم آپ کی (سترہ) ۱۷ تصانیف کا تعارف شائع کرا چکا ہے اب نو ۹ دیگر تصانیف کے اضافہ کے ساتھ چھبیس ۲۶ تصانیف کا تعارف حاضر ہے۔

دیوان نیاز:

یہ چار زبانوں کا مختصر مجموعہ کلام ہے۔ پہلا حصہ فارسی کلام پر مشتمل ہے۔ دوسرے حصہ میں اردو اور تیسرے حصہ میں ہندی کلام ہے۔

دیوان کا پہلا ایڈیشن:

۱۸۴۸ء/۱۲۶۵ھ میں چھپا تھا۔ اس وقت پانچ سو کی تعداد میں چھپا تھا۔ اور قیمت ایک روپیہ تھی۔ اس کی طباعت کے بارے میں سعید الاخبار آگرہ کی عبارت ملاحظہ ہو۔

دیوانِ نیاز فارسی و اردو:

۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ھ میں سید جعفر علی بیتاب اکبر آبادی کی طرف سے اطلاع شائع ہوئی کہ نیاز کا وہ دیوان مطبع قطب الاخبار میں بہ خط شیخ احمد حسین ناز (خوشنویس کامل و شاعر شیریں زبان) باہتمام منشی محمد امیر خاں چھپنا شروع ہو گیا۔ ربیع الاول کے آخر تک قیمت ایک روپیہ۔ ربیع الآخر تک سوا روپیہ۔ اور اس کے بعد ڈیڑھ روپیہ مقرر کی گئی۔[1]

---

[1] سعید الاخبار آگرہ۔ معاصر اکتوبر ۱۹۴۲ء قاضی عبدالودود صفحہ ۵ مارچ / اپریل ۱۸۴۹ء
ماہنامہ معارف ۱۹۶۷ء مضمون راقم۔ تصانیف شاہ نیاز بے نیاز بریلویؒ

۹۵ میں اس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ ضخامت قریب سات جز کے ہے اور نصف کے قریب چھپ چکا ہے۔

۱۰۲ (جمادی الآخر ۱۲۶۵ھ) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت چھپ چکا تھا۔ لیکن قیمت صرف ایک روپیہ تھی۔[1]

مطبع قادری آگرہ: مطبع نے اسی سال کے اوائل سے کام شروع کیا ہے اب تک مندرجہ ذیل کتابیں چھپی ہیں۔ ۱۔ حمائل، ۲۔ دیوان شاہ نیاز فارسی واردو۔ تعداد ۵۰۰ قیمت۔ ۱/ [2]

دیوان نیاز کی ہیئت: سائز 5.5+8.5 کاغذ نہایت معمولی نیوز پیپر کتابت بھی معمولی ہے۔ دیوان کے شروع میں پہلے فارسی حصہ ہے یہ 83 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد اردو کلام ہے اردو کلام 34 صفحات پر ہے اور تیسرے حصہ میں ہندی کلام کل 4 صفحات میں ہے۔

دیوان فارسی:

اس حصہ میں ایک سو ایک غزلیں ہیں۔ غزل ۸۴ ذولسانین میں ہے۔ (یعنی مصرعۂ اولی فارسی اور مصرعۂ ثانی عربی کا ہے)

یہ چھ شعری غزل ہے۔ اگلی غزل نمبر ۸۵ عربی میں ہے مقطع میں "امّی" تخلص ہے۔

بلاءُ العشق یاأُمّی بلاء   وآلاف المصائب فیه مشحون

اس حصہ میں غزلیات کے اشعار کی مجموعی تعداد نو سو چودہ ہے۔ دو مثنویاں پچیس پچیس اشعار پر مشتمل ہیں۔ تین مستزاد ہیں۔ جن میں کل پچیس اشعار ہیں۔ تیسرے مستزاد کے شعر نمبر ۴ مصرعہ ثانی درج ہونے سے رہ گیا۔

گہ بر صفت ظالم خونخوار بر آمد قتال زمان شد

آخر میں بانوے اشعار کی پر اثر مناجات ہے خال خال عربی مصرعوں کی آمیزش سے مناجات گنگا جمنی ہوگئی ہے۔ مناجات میں عربی کے سولہ اشعار اور چودہ متفرق مصرعہ عربی کے ہیں۔

دیوان اردو:

اس حصہ میں اردو کلام ہے۔ یہ ساٹھ غزلوں اور ایک بسنت کا مجموعہ ہے۔ اس حصے میں اشعار کی

---

[1] کیم تا دہم جمادی الآخر تاریخ ہائے حضرت شاہ صاحب۔

[2] صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات مولفہ محمد عتیق صدیقی انجمن ترقی اردو علی گڑھ۔ ۵۳۔ ۱۸۴۸ء

تعداد 439 چار سو انتالیس ہے۔

اس کلام کو پڑھ کر کبھی ہندی کے خداوند سخن حضرت ملک محمد جائسی کی بارہ ماسہ کی یاد تازہ ہوتی ہے تو کبھی میراں کے گیتوں کی گنجار کسک، تڑپ اور وارفتگی قلب و روح میں سماتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس حصہ میں ایک بسنت، چار کبت، پانچ ہولیاں اور ایک پھاگ ہے۔

سید جعفر علی بیتاب کے بلند دعوے کے باوجود کتابت معمولی اور انداز کتابت بہت قدیم ہے آج کے دور میں اس کا پڑھنا چیستاں سے کم نہیں ہے۔ جس میں ہاء معروف ہائے مجہول یکساں اور ہائے مخلوط (ھ) ندارد ہے۔ نقطوں کو عام طور پر یکجا لکھا گیا ہے گاف فارسی (گ) کے دو مرکزوں کے بجائے صرف ایک مرکز ہے۔ الفاظ دو اور دو سے زیادہ بھی ملا کر لکھے گئے ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں درج ہیں۔

پیااے ساقی زیاد ہرکن جام صہبارا

بیااے ساقی زیباادہرکن جام صہبارا

دنیا کی ہی اندن میں ابھی تو پھنسا ہوا

دنیا کے ہے اندھن میں ابھی تو پھنسا ہوا

یہ پطرح کا چور ہے گہر میں دھنسا ہوا

یہ بے طرح کا چور ہے گھر میں دھنسا ہوا

معیار عشق پرزرہمت لکا کی دیکہ

معیار عشق پرزرہمت لگا کے دیکھ

جوایک جہسکیمیں جزسی کل ہواورایک فطرہ سی ہوئے دریا۔

جوایک جھپکی میں جز سے کل ہو۔ اور ایک قطرہ سے ہوئے دریا

چمنیں	چمن میں
کوئیدن	کوئی دن
اوسکیلی	اس کے لئے

اس غزل کا ایک اور شعر

ذرا جہپ نگاہ رقیب سی پڑی اوس کلمیں تہی مریخاک　　　تونی جہوکیمیں لیصبااوسی بی اوڑایادیا

ذرا چھپ نگاہ رقیب سی پڑی اس گلی میں تھی مری خاک　　　تو نے ایک جھوکے میں اے صبا اُسے بھی اڑا دیا

یہ اس ایڈیشن کی کتابت کی روش ہے۔ جس کے شیخ احمد حسین ناز خوشنویس کامل ہیں[1]

دوسرا ایڈیشن: مذکورہ بالا ایڈیشن کی طباعت سے قبل حضرت شاہ صاحب کے خلف اکبر و جانشین حضرت شاہ نظام الدین حسین رحمۃ اللہ علیہ نے باقاعدہ دیوان کی ترتیب دے لی تھی۔ لیکن یہ ایڈیشن ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۲ھ میں وابستگان سلسلہ نیازیہ شیخ عبداللہ صاحب مرحوم رئیس پھول پور (الہ آباد) نے شائع کرایا۔ یہ دستیاب ایڈیشنوں میں دوسرے نمبر پر ہے۔ جو کہ پہلے ایڈیشن کے بارہ سال بعد شائع ہوا[2]

تیسرا ایڈیشن: مطبع احمدی لاہور سے ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء میں شائع ہوا[3]

چوتھا ایڈیشن: اسی سال سہ شنبہ ۲۸ جمادی الاول ۱۲۸۰ھ/۱۰ نومبر ۱۸۶۳ء میں تاجر کتب حافظ محمد عظیم الدین احمد نے مطبع ہاشمی واقع میرٹھ محلہ مشایخان سے شائع کیا[4]

حافظ صاحب مرحوم نے اپنے اشتہار اشاعت دیوان میں جو دعوے اور داعیے کیے ہیں ان کے پڑھنے سے ایسا گمان ہوتا ہے کہ موجودہ دیوان نیاز کی ترتیب و تدوین کا سہرا حافظ صاحب موصوف کے سر ہے۔

"چوں ایں ہر دو دیوان را بہ کمال عرق ریزی و جانفشانی جمع نمودہ، طبع کنانیدہ ام رجا کہ کسے تاجر صاحب و اہل مطبع، بے اطلاع راقم قصد طبع نفرمایند، العبد۔ عظیم الدین احمد۔

کمال عرق ریزی و جان نشانی کے ساتھ کر کے طبع کرانے کی بات جہاں تک ہے اکبر آبادی ایڈیشن ۱۲۶۵ھ کے فارسی حصے میں مکھی پر مکھی بیٹھائی ہے۔ اور آخری غزل نمبر ۱۰۲ بارہ شعری جس کا مطلع درج ذیل ہے۔

ندانم کیستم مارا چہ نامے
بہ حیرت اندرم ہستم کدامے

پوری غزل اپنے ایڈیشن سے حذف کر دی یعنی فارسی غزلیں ایک سو دو کے بجائے ایک سو ایک ہی رہ گئیں۔ اس کے بعد بالکل بے محل پندرہ اشعار مناجات سے کاٹ کر شامل کر دیئے ہیں۔ جب کہ یہی اشعار دوبارہ مناجات میں بھی شامل کیے ہیں۔ اس کے باوجود اکبر آبادی ایڈیشن سے بیس (۲۰) اشعار کم رہ گئے ہیں اور اشعار کی تعداد ۱۰۸۱ کے بجائے ۱۰۶۱ رہ گئی ہے۔

---

[1] مخزونہ کتب خانہ راقم　　[2] ایضاً　　[3] ایضاً

[4] مخزونہ کتب خانہ راقم عطیہ مولوی محمد شفیع الرحمٰن نیازی مرحوم۔ مقیم حیدر آباد کانگریس گلی۔ پاکستان

اردو حصہ دیوان میں البتہ اکسٹھ کے بجائے چونسٹھ غزلیں ہیں گویا اس ایڈیشن میں تین غزلوں کا اضافہ ہے۔ اور یہ اضافہ بھی حافظ جی کی کمال عرق ریزی و جان فشانی کے بجائے سابقہ دوسرے ایڈیشنوں کا رہینِ منت ہے۔ ہندی کلام میں بالکل وہی متن ہے۔

چیزے از احوال مصنف قدس اللہ سرہ: کے عنوان کے تحت تذکرہ خزینۃ الاصفیا۔ مفتی غلام سرور مرحوم کی مزعومہ عبارت کا خلاصہ شامل کر دیا ہے۔ جس سے دیوان کا یہ ایڈیشن حضرت سے متعلق سوانحی و تاریخی تمام غلط فہمیوں کے پھیلانے میں بہت مددگار ثابت ہوا۔ کچھ ملاحظہ ہوں:

۱۔ بہ عمر ہفتدہ سال دستارِ فضیلت علم ظاہری	جبکہ پندرہ سال کی عمر میں شعبان ۱۱۷۰ھ/مئی ۱۷۵۷ء میں دستار فضیلت حاصل ہوئی۔
۲۔ در نوزہ دہ سالہ بیعت.	متفقہ طور پر بیعت بعمر پانچویں سال ۹/رجب ۱۱۵۹ھ جولائی ۱۷۴۶ء
۳۔ بہ مقام رامپور بردست سید عبداللہ بغدادی قادری	سترہویں سال میں خلافت واجازت اور ماموری روہیلکھنڈ انیسویں سال بیعت قادریہ حسب الحکم حضرت فخر جہاں چہارشنبہ ۱۱/ربیع الثانی ۱۱۸۵ھ/۲۴/جولائی ۱۷۷۱ء
۴۔ وصال الشان بہ عمر ہفتاد ہفت سال [۱]	آپ کا وصال بہ عمر پچانوے سال دو ماہ گیارہ روز میں ہوا۔

حافظ جی کے منقولہ عبارات دیوان کی اشاعت کے ساتھ ساتھ افواہ کی طرح، ایسی پھیلیں کہ علامہ عبدالحی صاحب نزہۃ الخواطر جیسے محقق نے بھی وہی تاریخ پیدائش کر دی۔ [۲]

اب منقولہ عبارت کی تصحیح و تردید کرتے پھریئے۔ زائچہ و کنڈلی دکھایئے اور پھر یہ بھی بتایئے کہ یہ زائچہ سرہند کے فلاں معروف منجم و جیوتشی نے حضرت والد صاحب کی انتہائی دوادوش کی بدولت چھٹی کے دن عقیقہ کے اندر مرتب کر کے دیدیا تھا۔ علاوہ ازیں چنگی کے دفتر پیدا و فوتی کے رجسٹر سنہ مذکورہ کے خانہ

---

[۱] دیوان نیاز مطبع ہاشمی ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء صفحہ ۱۴۱ کتب خانہ راقم

[۲] نزہۃ الخواطر جلد ۷ صفحہ ۵۲۰

اندارج سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

پانچواں ایڈیشن: ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء میں مطبع گلزار احمدی۔ چوک الہ آباد سے منشی الٰہی بخش نیازی (مرید حضرت سید ملا محمدی شاہ نیازی) کے اہتمام سے شائع ہوا۔ پھر تو دیوان کی مقبولیت کے پیش نظر طباعت اور اشاعت کا ایک سیلاب آ گیا۔ بلا مبالغہ ایک ایک مطبع نے دس دس اور بارہ بارہ ایڈیشن نکالے لیکن اکثر نے مانگ کی کثرت پر صرف جلب منفعت کی خاطر تاجرانہ انداز میں مانگ پوری کرنے کے لئے متن دیوان کی تصحیح کے بغیر شائع کرتے رہے۔ چنانچہ اکثر ایڈیشنوں میں طباعت واشاعت کی غیر معمولی غلطیاں راہ پاتی چلی گئیں۔ اب خوانش دیوان قارئین کی صواب دید پر رہ گئی۔

پہلا خانقاہی ایڈیشن: ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء میں مطبع انوار احمدی الہ آباد، نے بہ ترتیب جدید اضافہ خلف الصدق (حضرت شاہ نظام الدین حسینؒ) صاحب سجادہ حضرت قطب عالم مدار اعظم (خانقاہ نیازیہ، بریلی شریف) شائع کیا۔ یہ پہلا خانقاہی ایڈیشن ہے۔ واقعی اہتمام کیساتھ طبع ہوا ہے۔

کتاب اُجلی، طباعت ستھری، سفید کاغذ، سائز 6x8.5 ہے۔ اس ایڈیشن میں اب تک کے تمام ایڈیشنوں سے زیادہ اشعار ہیں اس میں ایک دس شعری منقبت حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں سات شعری منقبت نمبر ۸۴ حضرت علی کی شان میں نو شعری نمبر ۹۲ حضرت امام حسین علیہ السلام کی منقبت میں سات شعری نمبر ۱۳ حضرت غوث اعظم کی شان میں نو شعری نمبر ۹۳ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی شان میں سات شعری نمبر ۱۳ حضرت نظام الدین اولیاء کی شان میں نو شعری نمبر ۹۴ اور حضرت مولانا فخر الدین کی شان میں بارہ شعری منقبت نمبر شامل ہے۔ اس ترتیب میں مناجات پہلے درج ہے۔ آخر میں پانچ مستزاد ہیں تیسرا مستزاد دس شعروں پر مشتمل ہے۔ اس طرح مستزادوں میں کل چالیس اشعار ہیں۔ فارسی اشعار کی تعداد ایک ہزار چورانوے ہے۔

دیوان اردو:

اس مجموعۂ کلام میں ۶۵ غزلیں اور ۴۶۹ اشعار ہیں۔ ہندی حصہ میں دو بسنت، چار کبت، اٹھارہ ہولیاں اور ایک پھاگ ہے کل تعداد پچیس ہے۔ دیوان کا یہ مجموعہ بہت پہلے سے مرتب تھا۔ اکبر آبادی ایڈیشن میں جہاں جہاں مصرعے اور اشعار تحریر ہونے سے رہ گئے تھے وابستگان سلسلہ نے اس نسخہ کی مدد سے حاشیوں پر لکھ لیے تھے۔ راقم کے کتب خانہ کے نسخہ (مملوکہ حضرت سید گلاب شاہ صاحبؒ) میں

چھوٹے ہوئے مصرعے اور اشعار حاشیوں پر تحریر ہیں۔

اکبر آبادی ایڈیشن میں حرف ردیف سے ماقبل حروف تہجی کی ترتیب کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ مثلاً

خار مغیلان نازاں نمبر ۳۰

لالہ زار آنکھوں میں نمبر ۳۱

میں کون ہوں؟ نمبر ۳۲

پہلے ردیف ''ں'' میں حرف ماقبل الف ہے۔ دوسری غزل میں ''ی'' ہے اور تیسری غزل میں حرف ردیف سے ماقبل حرف واؤ (و) ہے۔ جن ایڈیشنوں میں اس ایڈیشن سے نقل ہوئی ہے ان میں بھی ترتیب کا یہ سقم بھی موجود ہے۔ چنانچہ ہاشمی نسخے میں یہی ترتیب ہے[1]

خانقاہی ایڈیشن میں یہ سقم بھی دور کر دیا گیا ہے اس ایڈیشن میں حرف ردیف سے ماقبل بھی حروف تہجی کا اہتمام ہے۔ اس ایڈیشن میں اردو کی چار غزلوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ وہ اس طرح ہے

جس یار کی ہو، یاد میں گھر بار فراموش ہوتا ہے کوئی، دل سے، وہ دلدار فراموش (۷ شعری)

ہیں دیدۂ بینا میں، ہم سارے، کم و بسیار ایک کثرت نمایاں، اتنی ہو، جتنا کرے تکرار ایک (۵ شعری)

وہ یار ہے مرا اور دیکھنے ہارو! دیکھا نہ ہو گر تم نے، خدا دیکھ لو یارو (۹ شعری)

ہم جرم محبت کے گنہگار ہیں یارو! پکڑے ہیں کئے اپنے کو، لوگر دنیں مارو (۹ شعری)

دیوان اردو میں چار غزلوں کے اضافہ کی وجہ سے اب اکبر آبادی ایڈیشن کے اشعار کی مجموعی تعداد سے پینسٹھ اشعار اس دیوان میں زیادہ ہیں۔

آخر جمادی الاول ۱۳۴۸ھ / آخر اکتوبر ۱۹۲۹ء میں حضرت مولوی مزمل خاں صاحب'' سرحدی نیازی (ولد اسلم خاں عرف جھلّن خان) نے حضرت علامہ میکش اکبر آبادی کی وساطت سے دیوان کی طباعت کرائی تھی۔ اس کی کتابت بدرجہا بہتر، کاغذ سفید سائز 7x4.5 ہے۔ قیمت ایک روپے اور جب مزمل خاں کی رقم واپس آگئی تو انہوں نے اس کی قیمت صرف آٹھ آنے کر دی تھی۔ الہ آبادی ایڈیشن سے اس خانقاہی ایڈیشن میں چار اشعار کا اضافہ ہے۔ حضرت میکش'' صاحب نے راقم سے فرمایا تھا کہ سوٗ اتفاق تصحیح شدہ نسخہ عین موقع پر دستیاب نہیں ہوسکا اور غیر تصحیح

---

[1] دیوان نیاز۔ مطبوعہ ہاشمی پریس۔ ۱۲۸۰ھ

شدہ نسخے سے کتابت ہوگئی۔

اسی ایڈیشن کا کم درجہ ازان قیمت دوسرا ایڈیشن ستمبر۱۹۶۴ء میں صاحبزادہ خلیفہ فتح محمد اجمیری نیازی نے باہتمام انجمن نیازیہ سراجیہ حیدر آباد سے شائع فرمائی۔ اس کی کتاب میں من عن وہی غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔ جو حضرت ملا مزمل خاں صاحب کے مطبوعہ ایڈیشن میں تھیں۔

ان دنوں چونکہ وابستگان سلسلہ عالیہ نیازیہ کا دیوان کی طباعت میں ذوق بڑھ رہا تھا چنانچہ اپریل ۱۹۶۵ء میں راقم نے حضرت والد ماجد شاہ محمد صادق نظامی نیازی عرف سچے میاں صاحبؒ کے ہمدمت مطبوعہ دیوان کی جلد بھیجی جس میں تصحیح کتابت کے ساتھ حواشی بھی تھے، پورے پانچ سال کے بعد یہ ایڈیشن طبع ہوا۔ یہ دیدہ زیب ایڈیشن اب تک کے پنتالیس ۴۵ ایڈیشنوں میں مثالی ہے۔ اور توقع تھی کہ اس ایڈیشن کی طباعت میں بڑا اہتمام کیا گیا ہے۔ اہل علم اور طباعت کے فن سے بخوبی واقف حضرات شریک ہیں لہٰذا دیوان کا یہ ایڈیشن اپنے سابقہ تمام خامیوں سے پاک ہوگا۔ حقیقت میں تصحیح کتابت کی طرف خصوصی توجہ نہیں دی گئی جس کی وجہ سے طباعت کی زیبائش کے باوصف طبعیت بجھ کر رہ گئی جس طرح اس کی ظاہری دیدہ زیبی کا اہتمام کیا گیا تھا اتنی ہی خصوصی توجہ اس کی پروف ریڈنگ پر دی جاتی تو یہ ایڈیشن نور علی نور ہو جاتا۔

اب کچھ دیوان کے بارے میں

دیوان شاہ نیاز سائز "6,1/2x8 ۔ مرتبہ شفیق بریلوی۔ ناشر تنظیم خدام سلسلہ عالیہ نیازیہ کراچی۔

ٹائیٹل اور گیٹ اپ خوشنما کاغذ دبیز ہے۔ اندر دوسرے ورق پر آستانہ عالیہ نیازیہ کے مرمریں گنبدوں کی نظر نواز تصویر ہے ناشر سید حسین کاظمی نیازی (عرف پیارے میاں) خلف حکیم سید علی الکریم کاظمی عرف حکیم عبدالکریم مراد آبادی ٹی 2/48 پی۔ای۔سی۔ایچ۔ سوسائٹی کراچی۔ قیمت چھ روپے۔ مطبع ملت پرنٹنگ پریس کراچی یہ ایڈیشن رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ/نومبر ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ یہ دیدہ زیب ایڈیشن دستیاب ایڈیشنوں ہیں پینتالیسواں (۴۵) ایڈیشن ہے۔

کلام فارسی: ارص ۱۸ رتا ۲۴ مناجات۔ خلاف ترتیب سابقہ غزلوں سے پہلے ازص ۲۵ تا ۲۸ مثنوی کے عنوان کے تحت دونوں مثنویوں کے اشعار ملا کر بلا فصل درج ہیں (یہی شاید ترتیب وجدت ہے) ازص ۲۹ تا ۱۵۱ ایکسو دو ۱۰۲ فارسی غزلیں ہیں۔ ازص ۱۵۲ تا ۱۵۷ پانچ مستزاد ہیں۔

آخری مستزاد ۸ شعری کے ۱۱۱۵شعار خط فاصل کے ذریعہ علیحدہ کر کے تین اشعار علیحدہ لکھے ہیں۔
اس طرح ان اشعار کے علیحدہ لکھنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی

اردو کلام: ازص ۱۶۰ تا ۲۴۰ ۱۱۱ اردو کی ۶۵ غزلیں ہیں۔

ہندی کلام کی کتابت کی غلطیوں کا شکوہ ہی کرنا بے کار ہے جب کہ فارسی اور اردو حصہ میں خلاف توقع کتابت کی بے حد غلطیوں کی بھرمار ہے۔

یہ دیوان پاکستان کے پختہ کار ایڈیٹر جناب شفیق بریلوی مرحوم کے اہتمام سے شائع ہوا ہے۔ ٹائیٹل دیوان پر کسی غلطی کی وجہ سے مرتبہ شفیق بریلوی درج ہو گیا ہے پچھلے اوراق میں دیوان کی تاریخ طباعت پڑھ کر اندازہوا ہو گا کہ دیوان نیاز کی ترتیب تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانی ہے۔ البتہ سید حسن کاظمی کا دو صفحہ میں تشکر و تعارف ہے اور دس صفحات پر مشتمل شفیق بریلوی کے قلم سے نوائے دل پذیرے کے عنوان سے حضرت شاہ نیاز بے نیاز بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے سلسلے کا تذکرہ ہے۔ باقی سب وہی ہے اس کے باوجود اس کا ظاہری حسن قابل تعریف ہے اور جناب سید حسن کاظمی اور جناب شفیق بریلوی مرحومین کے لئے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے۔

حضرت مولوی محمد مہدی نظامیؒ نے حضرت دادا صاحب کے مملوکہ الربادی دیوان کے فارسی حصہ میں آخری مستزاد کے بعد قلم سے ایک فارسی غزل لکھ دی ہے۔ موصوف کے دادا فضیلت مآب حضرت مولوی محمد فضل عالم نیازی بچھرایونی کے کتب خانے میں کئی غیر مطبوعہ غزلیں ملی تھیں۔ مذکورہ غزلیں بڑے ابا امام السالکین حضرت شاہ محمد تقی عرف عزیز میاں صاحب نظامی نیازی راز رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے مجموعہ کلام ''راز نیاز'' مطبوعہ ۱۹۴۹ء میں بطور تبرک شامل کر لی تھی۔ باقی غیر مطبوعہ کلام کہاں گیا۔ پتہ نہیں

مذکورہ غزل: ایں چنیں راز و نیازے از حضوری یافتم دارم امید مکرمت با اعتبار سوختن

قبول عام: کلام کی مقبولیت کا اندازہ ایڈیشنوں کی کثرت سے ہی لگایا جا سکتا ہے۔ دیوان کے متعدد اشعار و مصرعے بطور ضرب المثل زبان زد خاص و عام ہیں۔ مثلاً

جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے سو وہ صاف دل سے بھلا دیا

آنکھیں موندی ہوئی ہوں تو دن بھی رات ہے

اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا

آپ نے معاصرین کی زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ سراج اورنگ آبادی کی مشہور غزل ہے۔

کیارا کھ آتش عشق نے دل بے نوائے سراج   نہ خطر رہا نہ خدر رہا جو رہی سو بے خبری رہی [1]

چلی باد گرم، فراق سے جلا سب وجود نیاز   مگر ایک شاخ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی [2]

اپنے دور میں قبول عام کا یہ عالم ہے کہ اساتذہ تک وہی اثر قبول کر رہے ہیں ان کے ذہنوں میں بھی اس کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ شاہ صاحب کی ہولی کا شعر ہے

سکھی جارے ہے ڈارے، برھا اگن سب گات

بید جو ناری دیکھن لاگو، پھالک پر گیو ہات [3]

اس مضمون کا شعر میاں نظیر اکبر آبادی کا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ اساتذہ کرام کے کلام میں کس طرح ان کے افکار والفاظ کی گونج ہے

برہ کی آگ، تن میں گلی، جرلا کے سب گات   ناری چھوت بید کے بڑے پھپھولا ہات [4]

بہادر شاہ ظفر مرحوم کے کلام میں بندش کی وہ چستی نہ سہی تاہم انہوں نے بھی اعادہ کی کوشش کی ہے۔

بیچ میں پردہ دوئی کا تھا جو حائل وہ اٹھ گیا   ایسا کچھ دیکھا کہ دنیا سے مرا دل اُٹھ گیا

دیا اپنی خودی کو ہم نے اٹھا، وہ جو پردہ بیچ میں تھا نہ رہا

رہے پردہ میں اب نہ وہ پردہ نشین کوئی دوسرا نہ رہا

بقول صاحب انوار العارفین ''کلام توحید بہت کہا کہ آج تک کوئی نہیں کہہ سکا۔'' [5]

قبول عام کی بدولت بیسویں صدی کے مصفین حضرات میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی سے لے کر عظیم بیگ چغتائی اور شوکت تھانوی تک ہر مذاق کے لوگوں نے آپ کے اشعار، اپنی تقریروں میں نقل کیے ہیں۔

---

[1] عیار الشعراء قلمی۔ خوب چند ذکا   [2] دیوان نیاز

[3] دیوان نیاز

[4] ترکیب بند فارسی و ہندی کلیات نظیر اکبر آبادی۔ مطبع احمدی کانپور۔ محلہ پٹکاپور، ماہ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ

[5] انوار العارفین صفحہ ۵۱۲

شمس العین: یہ معرکۃ الآرا تخلیق تصوف کی بے نظیر تصنیف ہے۔ حقیقت میں یہ تصنیف علم معرفت کا دریائے بے کراں ہے۔ جس کی ابتداء ہے اور نہ انتہا ہے۔ بظاہر صفحات کے جامہ میں مقید ہے۔ شمس العین کے دوران مطالعہ ابن العربیؒ کی یاد آتی ہے تو کبھی ابومدینؒ کی تو پھر کبھی سیدنا غوث الاعظم کی جن کا یہ قول مبارکہ ہے کہ "اگر منصور ہمارے دور میں ہوتے تو ہم انہیں اس مقام سے نکال دیتے۔"

حضرت مصنف عملی تصوف کی گراں قدر تصنیف مرتب کر رہے ہیں اور فلکیات وریاضیات کی اصطلاحات زبان قلم سے ٹپکی پڑتی ہیں۔

یہ تصنیف ۱۲۰۴ھ/۹۰،۱۷۸۹ء سے قبل مکمل ہو کر قبول عام کی سند حاصل کر چکی تھی۔ یہ پچانوے بندوں پر مشتمل خمسہ ہے۔ اس کے ابتدائی بند عربی کے اور باقی خمسے عام طور پر ذولسانین میں ہیں۔ یعنی چار مصرعے فارسی کے اور پانچواں مصرعہ عربی کا ہے۔ اس خمسے کی قابل ذکر خوبی یہ ہے کہ خود حضرت موصوف نے اس کی کئی شرحیں قلمبند کی ہیں۔

شمس العین کی شرحیں: تین شرحیں راقم کے علم میں ہیں۔ شرح مفصل جسے عرف عام میں شمس العین ہی کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس کی دو شرحیں اور ہیں ایک کشف العین اور دوسری نور العین۔

یہ خمسہ بالکل ابتدائی دور کا کلام ہے محض موزونی طبع کے تحت نظم کر دیا ہے۔ بقول خود:

"اے عزیز در ایامے کہ اتفاق تصنیف ایں رسالہ افتادہ است ایں فقیر را بطرف علم عروض گذرے نہ شدہ بود۔"[1]

ذہن انسانی چونکہ منظوم کلام کو بہ نسبت نثری عبارت کے بآسانی حفظ کر لیتا ہے اس لئے نظم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ اہل اسلام بلا امتیاز خاص و عام بہرہ ور ہو سکیں ان کا نفسیاتی تجربہ کامیاب رہا۔ یہ خمسہ ملکی حدود پار کرتا ہوا اطراف و اکناف عالم میں پھیل گیا۔ وہاں پہنچ کر نہ صرف اس کی نشر و اشاعت ہوئی بلکہ بہت سے صاحبان حال حضرات کی نظر سے گزر کر اس نے قبولیت کی سند حاصل کی اس کی اشاعت، جس سرعت کے ساتھ ہوئی اس کا اندازہ حضرت کے اس جملے سے لگایا جا سکتا ہے کہ "تحریف و اصلاح، صلاح کار ندیدہ ہر حال خود داشت۔"

---

[1] از بس کہ ایں رسالہ در اکثر اکناف و اطراف (عالم) منتشر گشتہ واز نظر بسیاری بزرگان صاحب حال گذشتہ وقبولیت یافتہ وتحریف واصلاح، صلاح کار ندیدہ بر حال خود داشت بند نمبر ۴۔ شمس العین (قلمی) کتب خانہ راقم

فن عروض پر مہارت تامہ کے بعد چاہا کہ اس میں ترمیم واصلاح کے بعد اس کی اشاعت کی جائے لیکن یہ خیال مانع رہا کہ تحریف کا گمان نہ ہو اس لئے اسے علی حالہ چھوڑ دیا۔

مقصد از مقصد است وکار از کار — گرچہ بنود درستی اشعار

نظم حفظ مسائل و یادداشت مطالب کے لئے سہل ہوتی ہے لیکن رعایت نظم کی وجہ سے گویائی کا میدان بہت تنگ ہو جاتا ہے چنانچہ خود اس اجمال کی تفصیل کی ہے۔ لیکن شرح لکھتے وقت تمام وکمال شرح مرتب کرنے کا خیال نہ تھا اور تفصیلی شرح فرصت کے اوقات میں تحریر کرنے کا ارادہ تھا۔

شرح مفصل:

اس شرح کی ابتدائی بندوں میں عقائد پر گفتگو کی ہے۔ باقی بندوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ نظری تصوف اور عملی تصوف۔ بند ۴۰ سے بند ۸۹ تک (پچاس بندوں میں) اذکار و اشغال و مراقبات بیان کئے گئے ہیں۔

یہ اذکار، اشغال و مراقبات وہ ہیں جو خاندان نیازیہ کے معمولات کا لب لباب ہیں۔ اس میں اکثر اشغال قادریہ سلسلہ کے ہیں اور بعض چشتیہ اور نقشبندیہ کے بھی ہیں حضرت نے خود اسے قادری اشغال کا رسالہ لکھا ہے۔ والاکثر حکم الکل

بند ۸۹ میں فارسی اور ہندی اشغال ہیں اسی پر اشغال واذکار کا خاتمہ کیا ہے۔
بند ۹۲ میں عجز و نیاز، التجاء وافتقار کے ساتھ نیاز کے لفظی معنی بیان کئے ہیں۔
بند ۹۴ میں خمسہ کی تکمیل کی تاریخ ہے اور بندوں کی تعداد ہے۔

شد تمامی نظم خوش آئیں — ہند ایں خمسہ، خمسہ وتسعین
در ہزار و دو صد چہار سنین — از دم ہجرت رسول امین
صلوٰتی علیہ فی الدارین

آخری بند نمبر ۹۵ میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھ گئے ہیں یہی مقطع کا بند ہے۔

قاریا! درختم دعائے کن — بہر درد دلم دوائے کن
ہاں بدرگاہ حق ندائے کن — بر نیاز اے خدا عطائے کن

وترحم عليه فی التبیین

اس دعائیہ بند کی شرح نہیں لکھی ہے۔علاوہ ازیں نمبر ۷ اونمبر ۸۸ کی شرح نہیں لکھی ہے اس طرح منجملہ پچانوے بند کے صرف بانوے بندوں کی شرح ہے۔

پیش نظر مخطوطہ دوسو چونتیس (۲۳۴) صفحات پر مشتمل ہے۔اس کی مسطر ۱۷ سطری ہے ہر سطر میں تیرہ الفاظ ہیں۔کتابت معمولی ہے۔اور املا کی غلطیاں بھی واقع ہوئی ہیں۔

اسلوب نگارش :

زبان و بیان پر قدرت کا اندازہ اس کے خطبہ کی عربی عبارت سے لگایا جاسکتا ہے کتاب کے نام ''شمس العین'' کی مناسبت کی وجہ سے ایک ایک لفظ عین مسلک نور میں پرویا ہوا محسوس ہوتا ہے۔خطبہ کی عبارت درج ذیل ہے۔

الحمد اللہ الذی نور قلب المومنین بنور التوحید والایمان واریھم نفنسه بتجلیه علیھم فی مراتب العیان و حقایق الاعیان:

والصلوة والسلام علی رسوله محمد الذی منه بدایة الخلق والیه النھایة الکون و ھوفی عین الانسان کانسان العین العینن فی عین الانسان۔

وعلی آله عترته الذین ھم اصحاب الکشف " والشھود ، والعرفان ، وبواسطیھم ، فیض الھدایة والا رشاد۔لاھل الذوق والوجدان۔

وعلی من تابعھم و سلك طریقتھم لتحقیق الحقیقه المعروفة والا تخاذ الایقان۔

(تمام تر تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مومنین کے قلوب کو توحید و ایمان کے نور سے منور فرمایا۔اور جس نے اپنی ذات کی روایت اپنی تجلی کے ذریعہ مراتب عیان وحقاق اعیان میں کرائی اور اس کے رسول محمد صلعم پر صلوۃ وسلام ہو جن کی ذات والا کی بدولت ہی خلق کی ابتداء اور اکوان کی انتہا ہے۔چشم انسانی میں آپ کی ذات مردمک چشم کی طرح ہے جس کی بدولت چشم انسانی میں بینائی موجود ہے۔

آپ کی آل وعترت پر صلوۃ وسلام ہو جو حضرات اصحاب کشف وشہود وعرفان ہیں اور ان کے واسطے

سے اہل ذوق ووجدان کے لئے فیض ہدایت وارشاد ہے۔اوران حضرت پر بھی جوان حضرات کی پیروی کر کے طریقت سے منسلک حقیقت ومعرفت کے متلاشی اوریقین کامل کے حامل ہیں)۔

خطبہ کی فصاحت وبلاغت،شوکت الفاظ جملوں کی چستی وبرجستگی آپ کے سامنے ہے۔اس کی صحیح قدروقیمت سے اداشناسان معرفت ہی واقف ہیں۔اس سلسلے میں جوکچھ عرض کیا گیا ہے وہ تومحض تحسین ناشناس ہے۔

شمس العین کے مطالعہ کے دوران بہت سے نسخے راقم کی نظر سے گذرے اورایسے بھی سامنے آئے جن میں معریٰ خمسہ تھا۔ازاں جملہ پرکاشانند راجہ کندن لال اشکی الٰہی کا مکتوبہ مخطوطہ ہے۔جس میں شرح خمسہ شامل نہیں ہے۔البتہ بطور یادداشت حاشیہ پراشارے قلمبند ہیں۔مذکورہ مخطوطہ میں راجہ صاحب موصوف نے اپنی جانب سے ایک اور بند کا اضافہ کیا ہے۔جس میں مدت کتابت صحیفہ کے ساتھ بڑے لطیف اشارے ہیں۔

عاشق خستہ بندۂ مسکین　　　طالب بے نیاز مجد الدین
بلبل بوستاں خلد بریں　　　ہست معروف اشکی بے دین
ختم کرد ایں صحیفہ در یومین

(راجہ صاحب حضرت موصوف کے موروثی اورعزیز شاگرد ہیں۔اولاً حضرت مسکین شاہ صاحب نقشبندی نیازی کے مرید ہیں۔ثانیاً دوسرے سلاسل میں حضرت شاہ نیاز بے نیاز سے طالب ہوئے ہیں اوراس کے باوجود غیر مسلم(ہندو)مشہور ہیں۔اپنے قلم سے مذکورہ صحیفہ مقدسہ دوروز میں تحریر کیا ہے)۔

اردوتراجم:اسی کے ساتھ ساتھ شمس العین کے اردوتراجم سامنے آئے۔ان میں سب سے اعلیٰ اور تفسیری ترجمہ خود مصنف کے نبیرہ وجانشین دوم حضرت شاہ محی الدین احمد کا ہے۔شرح نگاری کا ان سے زیادہ کون اہل ہوسکتا ہے۔حضرت موصوف کے تمام تر مآخذ میں حضرت مصنف تک روایت میں صرف ایک واسطہ ہے یعنی حضرت مصنف کے خلف اکبر حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین)۔

اس کے املا کی کتابت راقم کے بڑے دادا مولوی محمد صدیق صاحب بچھرایونی مرحوم نے کی ہے۔مولوی صاحب کا قلم منشیانہ ہے۔اس مخطوطہ کا سائز 13x7.5 ہے۔اس کا کاغذ والٹر خاں Walter Khan رامپوری مقیم بریلی نے پیش کیا تھا۔

تلخیص اذکار واشغال شمس العین

ذکر نفی واثبات	ذکر اثبات	ذکر اسم ذات	ذکر سہ ہا	پاس انفاس	ذکر جاروب
۱۵ طریقے	ایک طریقہ سے	ایک طریقہ	ایک طریقہ	چند طریقوں	ایک طریقہ
ذکر ارہ	ذکر حدادی	ذکر منشاری	محو الجہات	ذکر کلیت	ذکر قربیت
ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ
ذکر روح	ذکر محیط	سلطان الاذکار	ذکر جہر	ذکر آورد وبرد	ذکر صنوبری
ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ
ذکر صفات	ذکر اقرب محیط	ذکر ہو	شغل آفتابی	ذکر صرہ	ذکر ضمائر
ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ
ذکر سرمدی	شغل غوثیہ	شغل عینیت	شغل کشف القبور والقرآن	شغل انا انت	شغل غوطہ
ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ
شغل فوارہ	شغل طاقچہ	شغل نقطہ مدوری	شغل سرگوشی	شغل مبدا ومعاد	شغل کاسہ سر
ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ
شغل سفر ووطن	شغل ادراک	شغل بحر	شغل جامع	شغل بارش	شغل عکس
ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ
شغل آئینہ	شغل نصیرا	شغل محمودا	شغل مطلق	شغل ہستی	شغل دید
ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ
شغل دریا	شغل نہر	شغل سہ پایہ	ذکر احاطہ	شغل خفی	شغل حاضر
ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	چند طریقوں	دو طریقوں
شغل واصل	شغل مطہری	شغل حقیقت مطالقہ	شغل اسراری	شغل مدہوشی	
ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	ایک طریقہ	

خاندان چشتیہ میں

نفی اثبات	مراقبات
چند طریقوں سے	۶۷ طریقہ سے

اشغال قادریہ کو اذکار کہتے ہیں اس لئے کہ ان میں کسی قدر جسمانی ریاضت کو بھی دخل ہے اور اشغال چشتیہ کو مراقبات کہتے ہیں ان میں خیال سے زیادہ کام لیا جاتا ہے۔

اشغال یوگ بطور مختصر

انہد	شغل ہوم شوم	شغل ہندسا	ذکر کرم	شغل سوہن سواہم
الک دنڈ	انگال پنگلا	شغل سکھمنا	چوراسی آسن	۳ طریقوں سے
ادم بہوا	شغل اوہی ہی	ذکر گلیتری	ذکر اکاوی	ذکر چار برم
ذکر بشمب	ذکر برم	چھایادرش	شغل ترکٹی	

اسرار الصوفیہ: دوسرا جزوی ترجمہ خلیفہ غلام نیاز احمد خاں صاحب نیازی رامپوری مرحوم کا ہے۔ یہ ترجمہ خمسے کے اکتالیسویں بند سے شروع کیا گیا ہے۔ اسی بند سے اذکار واشغال شروع ہیں اور بند ۸۹ پر ترجمہ ختم ہے۔

اس ترجمہ کا نام: اسرار الصوفیہ ہے۔ یہ ترجمہ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ / ۱۵ جولائی ۱۹۲۴ء کو مکمل ہوا۔ گویا مترجم مرحوم کی یہ آخری کاوش ہے۔ ترجمہ تحت اللفظ اور گنجلک ہے۔

اختتامیہ کی عبارت:

یکے از سگان درگاہ وحلقہ بگوشان حضرت مولانا ومرشدنا تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین خلف اکبر حضرت مولانا شاہ نیاز احمد صاحب علوی قادری وچشتی ، سنامی وسرہندی۔

۳۔ کشف العین : یہ خمسہ شمس العین کی عربی شرح ہے قدر اختصار کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اس میں شرح مفصل کا ہی خطبہ نقل ہوا ہے۔ اس شرح کا سنہ تصنیف دریافت نہیں ہوسکا۔ تحریر روشن ورواں

ہے۔ پیش نظر مخطوطہ کی کتابت کی تاریخ سنہ بست و ششم ماہ صفر ۱۲۹۲ھ/۵ اپریل ۱۸۷۵ء درج ہے۔ یہ مخطوطہ سو بڑے صفحات پر مشتمل ہے۔

کاتب مخطوطہ عبدالہادی مرحوم۔ حضرت شاہ نظام الدین حسین بریلوی کے مرید ہیں۔ لہٰذا اپنی معلومات کے تحت مخطوطہ پر حاشیہ بھی لکھتے گئے ہیں۔ اختتامیہ کی عبارت ہے۔

''حیران وادی بیدادی، وسرگردان تیہ نامرادی ہادی، سرمایہ ناشادی، عمر بہ باد دادہ و مقصود نیافتہ۔ در خرابۂ حسرت چوں گوئے سرگردان

ہمہ شب بہ زاریم شد کہ صبا نداد بوئے ندمید صبح بختم چہ گنہ نہم صبارا

خلیفہ نیاز احمد خاں صاحب ولد محمد خاں، ریاست مصطفیٰ آباد عرف رام پور کے قدیم باشندے ہیں۔ زیارت حضرت بغدادی صاحب سے متصل محلہ گڑھیا میں رہتے تھے۔ اس کے قریبی محلہ چاہ خزاں خاں میں ان کی سسرال تھی۔ ریاست جے پور میں فوج میں بھرتی ہوئے وہیں سے ریٹائیر ہوئے[1]۔ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء میں حضرت شاہ نظام الدین حسین سے بیعت ہوئے[2]۔ ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں حضرت شاہ محی الدین احمد صاحب سے خلافت پائی۔[3] مدھیہ پردیش میں سلسلہ نیازیہ کی تبلیغ واشاعت کی آخر ۱۹۲۴ء میں مدھیہ پردیش میں ہی انتقال فرمایا۔ حضرت موصوف نے صلبی اولاد کے بجائے روحانی اولاد پس ماندگان میں چھوڑی۔

تابہائے ضیائے شمس العین

بہر دونان چہ می کشی خواری

محبت و عشق چیز یست کہ ماسوائے محبوب را در دل نمی گذارد کہ

العشق نار اذاروح فی القلب یحرق ماسوی المحبوب

بس محبت کونین یا محبت حق یک جانشود و محل محبت کہ دل است متعدد متکثر نیست

ماجعل الله لر جل من قلبين فی جوفه

اگر در انسان دو دل بودے عشق و محبت دو دل متحمل بودے لیس فلیس۔ پس محبت و آشنائی خدا

۱۔ درخواست نیاز احمد خاں صاحب ۲۔ شجرہ طریقت موصوف

۳۔ مکتوب خلیفہ فتح محمد صاحب اجمیری بنام راقم

اختیار کن و یا محبت و یاری ماسوی۔ پیداست کہ از محبت مزخرافات فانیہ کائنات جز جہالت دست ندید۔ واز محبت حق اُمید غالب است کہ عرفان میسر آمد:

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نکرد اے خواجہ! درد نیست وگرنہ طبیب ہست

محبت وعشق ایسی چیز ہے جو محبوب کے علاوہ کسی شئی کو باقی نہیں چھوڑتی۔ عشق تو ایسی آگ ہے جو لگنے کے بعد محبوب کے علاوہ ہر شئے کو جلا کر فنا کر دیتی ہے۔ لہٰذا حق کی محبت یا کونین کی محبت یکجا جمع نہیں ہو سکتی۔ محبت کا مقام دل ہے اور وہ چند در چند نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلوئے انسانی کے لئے دو دل نہیں بنائے ہیں۔ اگر انسان کے اندر دو دل ہوتے تو دو کی محبت کی سمائی ممکن تھی۔ نہیں ہر گز نہیں! لہٰذا خدا کی محبت وآشنائی اختیار کر و یا ماسویٰ اللہ کی محبت و دوستی۔ ظاہر ہے کہ کائنات کی فانی مزخرافات کی محبت سے سوائے جہالت کے کچھ میسر آتا نہیں ہے اور محبت حق سے قوی امید ہے کہ اس کا عرفان میسر آئے گا۔

عاشق کون ہوا جس پر اس نے نظر نہ کی؟ اے خواجہ مرض ہی نہیں ہے ورنہ طبیب تو موجود ہے۔

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا''

اور گمان قوی ہے کہ اس کا دروازہ کھلے گا۔ جس نے دروازہ دھڑ دھڑایا وہ گھس ہی گیا اور جس نے کھٹکھٹایا ممکن ہے دروازہ کھل ہی جائے۔ یہ اہل کرم کی سرکار کا معمول ہے۔ چنانچہ واما السائل فلا تنھر کے حکم کے مطابق وہ خود سے محروم نہیں فرماتے کہاذات حق سبحانہ وتعالیٰ جو کہ کریموں میں سب سے کریم اور سخیوں میں سب سے بڑے سخی۔

اے عزیز! اگر دنیا میں مال و دولت اور آخرت میں جنت حاصل ہوگئی اور عرفان میسر نہ آیا تو اس زندگی پر صد افسوس اور صد حسرت ہے اور اگر دونوں کے بغیر عرفان حاصل ہو گیا تو زہے شوق اور زہے ذوق!!

اشیاء متعددہ کی حرص ومحبت کو ہر گز خیال و خاطر میں نہ لانا۔ ممکن نہیں ہے کہ محبت صادق منتشر ہو۔ خام محبت میں ہی کثرت کا امکان ہے۔ لیکن یہ محبت لاحاصل اور بے فائدہ ہے۔ اس محبت سے کچھ بھی ملنا نہیں ہے اور محبت صادق کی بدولت یقیناً شاہد مقصود جلوہ گر ہوگا۔ اور یہی مقصود کافی ہے اور بس باقی ہوس ہے۔

حسبی اللہ نعم الوکیل نعم المولی ونعم النصیر
(اللہ کافی ہے اور وہی انتہائی قابل اعتماد ہے وہی اچھا آقا اور وہی اچھا مددگار ہے)

علماء رسمی و علم حکمت دھر

علمائے رسمی علم علی ماہی علیہ کی شد بد کو حکمت کہا کرتے ہیں اور خود کو اپنے زعم میں اس کا حکیم سمجھ بیٹھے ہیں۔ اگرچہ علم صادق کی خوشبو بھی ان کی ناک تک نہیں پہنچی۔ اسی لئے یہ صاحبان ارباب نظر ہیں۔ واقعتاً علم صادق بلا کشف وشہود میسر ہی نہیں آیا کرتا۔ یہ دستور عقل و برہان کے طور طریقوں سے بالکل الگ چیز ہے اس کی معرفت بنا کشف وشہود نہیں حاصل ہوتی۔ جس نے کشف وشہود کے مراتب طے کر لیے اس کو حقایق اشیاء کی معرفت حاصل ہوگئی۔ اب ذرا بغور دیکھئے ان کی حیثیت ہی کیا ہے اور ان کے احوال کیا ہیں۔ علم ظاہری کی تکمیل کے بعد مولانا جلال الدینؒ کے کیا تاثرات ہیں۔

علم رسمی سر بہ سر قیل است وقال ‌‌ ‌ ‌ ‌ نے از و کیفتے حاصل نہ حال

علم رسمی (منطق) سراپا قیل قال ہی ہے۔ جس (کے حاصل ہو جانے) سے نہ قلبی کیفیت ہی حاصل ہوتی ہے اور نہ روحانی وجدان۔ مزید فرمایا:

علم دین فقہ است وتفسیر وحدیث ‌ ‌ ‌ ‌ ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

(تفسیر، حدیث اور فقہ ہی علم دین ہیں۔ ان علوم کے علاوہ جو کچھ پڑھے گا خبیث ہو جائے گا۔)

علامہ فخر الدین رازی کا قول:

ولم نستفذمن بحثنا طول عمرنا ‌ ‌ ‌ ‌ سوی ان جمعنا فیه قیلا و قالوا

(مدت العمر میں ہمیں منطقی مباحث سے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سوائے اس کے کہ (زور استدال میں) یہ کہا گیا اور اس کے رد میں دوسروں نے یہ کہا)

اب علامہ ابن حاجب کا ذاتی احساس ندامت ملاحظہ ہو

صرفت العمر فی صرف العلوم ‌ ‌ ‌ ‌ فمار بحث بل ان دوت هومی

(میں نے علوم کی تحصیل میں زندگی لگا دی فائدہ تو حاصل ہوا نہیں۔ البتہ قلبی و روحانی اضطراب اور بڑھ گیا)۔

مولوی بہاءالدین کا قول فصیل ہے

علم نبود غیر علم عاشقی ماںقی تلبیس ابلیس شقی

(علم عاشقی کے علاوہ دوسرا کوئی علم ہی (علم کہلانے کے لائق) نہیں ہے اس کے علاوہ دیگر علوم ابلیس شقی کی تلبیس اور بہکاوا ہی ہیں۔)

حکایت: میں نے سنا کہ امام الحرمین (عبدالملک، ضیاالدین۔ استاد امام غزالی، صدر مدرس مدرسہ بیہقیہ متوفی ربیع الاول ۴۸۸ھ/مارچ ۱۰۹۵ء مدفون نیشاپور) معتبر علماء کی مجلس میں تھے۔ آپ نے شیخ بوعلی سینا (متوفی رمضان ۴۲۸ھ/جون ۱۰۳۷ء) سے سوال کیا العلماء ورثة الانبیاء (علماء حق انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں) کس بارے میں ہے۔؟

بوعلی سینا نے کہا کہ ایسا عالم میں اور نہ آپ۔ ایسے عالم محمد اسلم طوسیؒ ہیں (جو کہ اس دور کے عارف یگانہ تھے) اے عزیز! اسی واقعہ سے سمجھ لو کہ علماء امتی کا انبیاء نبی اسرائیل کا ارشاد کن (علماء) کے حق میں ہے۔

گر بہ منطق کسے ولی بدے شیخ سینا ابوعلی بدے

(بالفرض اگر علم منطق کسی کے ولی ہونے کا معیار ہوتا بوعلی سینا اپنے تبحر منطق کی بدولت ولی کامل ہوتے۔)

اگر قطرہ باشی، نہر شوی

قطرہ سے بڑھ کر نہر ہونا ہے اور نہر کے بعد سمندر ہو جانا ہے۔

اے عزیز! یہ دولت عظمیٰ ریاضت کی اجرت نہیں ہے بلکہ محض فضل الٰہی پر منحصر ہے اس لئے کہ ہماری (حقیر) ریاضت کو اس عظیم دولت سے کیا نسبت؟ جو اس کے بدلے میں حاصل کی جا سکے۔ لیکن اس کے باوجود ریاضت ومجاہدہ (عرفان کی) شرط ہے اور وہ بھی فضل الٰہی کے بغیر میسر نہیں ہوتی۔ اکثر بزرگان دین مجاہدات کی کثرت کے بعد ہی اس دولت عرفان پر فائز ہوئے ہیں۔ اور اپنے معاملات باطنی سے مطلع فرماتے رہے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض حضرات نے تو ساٹھ سال کی (شدید محنت کے بعد) مراتب علیا پر پہنچ کر (ہمیں مطلع) فرمایا ہے۔

اوحدی شصت سال سختی دید تا شبے روے نیک بختی دید

(حضرت اوحدیؒ نے ساٹھ سال کی سخت ترین ریاضتوں کے بعد صرف ایک رات نیک بختی کی (زیارت کی۔)

بعض (حضرات) پچاس سالہ مدت میں کہیں اس حال کو پہنچے ہیں۔

اسرارِ حقیقت نشو حل بسوال نے سر بدر باختن و حشمت و مال

(اسرارِ حقیقت سوال و جواب کی تشفی سے حل نہیں ہوا کرتے اور نہ حشمت و مال (حتیٰ کہ) سر فدا کر دینے سے۔)

تا دیدۂ و دل خوں نکنی پنجاہ سال ہرگز ند ہند راحت از قال بہ حال

(جب تک پچاس سال اپنے قلب و نظر کو زخمی نہیں کرے گا تجھے قال سے حال کی جانب راستہ نہیں دیں گے) اس کے برعکس بعض حضرات نے ادنیٰ مجاہدے کی برکت سے مشاہدہ کی دولت پائی ہے اور اس سے بھی کچھ حضرات نے صرف فیض و عطا کی بدولت مراتب احسان و عرفان پر پہنچ کر فرمایا ہے۔

ریاضت نیست پیش ما ہمہ لطف است و بخشایش ہمہ عیش است و آسانی ہمہ امن است و آشایش

(ہمارے نزدیک سخت محنت و مجاہدے کے بجائے لطف و بخشش کی اہمیت ہے۔ جس میں سر تا سر عیش و آسانی اور امن و آسائش ہے)۔

اے عزیز! بہر حال یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے وہ عطا فرما دے۔ اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم کا مالک ہے۔

نور العین : یہ رسالہ بھی شمس العین کی مختصر شرح کے بجائے ضروری حواشی کا تتمہ ہے۔ یہ چھ سات صفحات کا مخطوطہ ہے۔ نواب محمد جان خاں صاحب عرف مولوی میاں صاحب (مرحوم) علی گڑھی نے راقم سے فرمایا تھا کہ اس کا ایک نسخہ ان کے پاکستانی کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

مجموعہ قصاید عربیہ: پیش نظر مخطوطہ حضرت کے خلیفہ فضیلت مآب حضرت محمد فضل عالم بچھرایونی علیہ الرحمۃ والغفر ان کے قلم کا ہے۔ اس مجموعہ میں تین خمسے ہیں۔ ''خمسہ اول در منقبت حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہٗ یہ خمسہ بتیس بند پر مشتمل ہے۔ بندوں کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے ہے۔ عرض مدعا کے وقت انہوں نے اپنی نسبتوں کا واسطہ دے کر خود کو محتاج کرم کی حیثیت

سے پیش کر کے التفات کی درخواست کی ہے۔ مقطع کا بند ہے:

ان امی احمدی اولا　　　قادری ثانیاً! یامرتضی

ثم مسکین فقیر ثالثا　　　یا علی لله عونا یا علی

بالتفات منك همی ینجلی

آپ خود اس خمسے کی وجہ نظم اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

"پوشیدہ نہ ماند کہ چوں ایں خمسہ انشاء کرم از مرض شدید اسہال کہ از مدتے لاحق بود بہ سبب آن سخت توزع حال عارض داشتم۔ بہ عنایت حیدری علیہ التحیۃ والسلام۔ فی الحال شفا یافتم۔ وچند روز ورد ایں خمسہ نگاہ داشتم، از فیوضات باطنی وفتوحات ظاہری آنچہ یافتم یافتم ۱۲۰۴ھ/۸۰-۱۷۷۹ء۔

عمر کا انچاسواں سال شروع ہوتے ہی مرض اسہال کا شدید ترین حملہ ہوا۔ مرض کی شدت کی وجہ سے مایوسی ہو جاتی زندگی سے دور اور موت سے قریب حالت ہوتی۔ کچھ مصرع

☆مت بالحرمان والغم الجسیم (مولا میں زبردست غم وحسرت میں مرا جاتا ہوں)

☆هو مریض هالك انت الطبیب (مریض قریب المرگ ہے اور آپ طبیب ہیں)

☆یا علی ارجوك فی وقت الایاس (اے مولا! ناامیدیوں میں میں آپ سے لو لگائے ہوئے ہوں)

☆صار قلبی من همرمات علیل　　　داونی باللطف و الفضل الجلیل

ان تکلیفوں کی بدولت میرا دل تک بیمار ہو گیا ہے۔ اپنے لطف وفضل عظیم کے صدقے میں مولا! میرا علاج فرمائیے۔

سرعة إنظر بطرفی یا سریع! اے سریع جلد میری طرف توجہ فرمائیے۔

عرض مدعا کے بعد نہ صرف فوری شفا حاصل ہوگئی بلکہ ان کے اندر برق رفتاری آگئی انہوں نے اس مدت میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے سب سے پہلے انہوں نے اپنے نامکمل مسودوں کی طرف توجہ کی اور شمس العین جیسی تصنیف پر نظر ثانی کر کے مرتب ومکمل کر دی۔

اسی زمانے میں کئی اکابر خلفاء کی تربیت کر کے انہیں خلافت سے سرفراز فرمایا اس سنہ میں انہوں نے حضرت فخر الدین حسین صاحب کو اپنا سجادہ نشین اور منتظم خانقاہ مقرر فرمایا۔

طباعت خمسہ :پہلی بار خمسہ کی طباعت حضرت مولانا عبدالشکور نیازی۔سجادہ نشین دائرہ حضرت ملا محمدی شاہ صاحب الہ آبادی کی ایماء سے ہو چکی ہے۔[1]

اس کا بین السطور اردو ترجمہ حضرت شاہ محی الدین احمد صاحب بریلوی کا ہے

''خمسہ ثانی در منقبت حضرات پنجتن پاک" علیهم التحیة و السلام" یہ اکیس بند کا نونیہ خمسہ ہے۔خمسہ ہذا حضرت سیدنا مرشدنا سید عبداللہ بغدادی قادری (م ۱۲۰۷ھ/۱۷۹۲ء) کی خدمت میں پیش کرنے کا واقعہ فضیلت مآب حضرت محمد مولانا فضل عالم بچھرایونی اس طرح قلم بند فرماتے ہیں۔

خمسہ نونیہ:''چوں جناب مرشدنا و مولینا (حضرت نیاز بے نیاز) دامت فیوضہ،ایں خمسہ منظوم کردہ بخدمت فیض درجت،پیر بیعت،مرشد طریقت،شیخ العرب والعجم،عمدۃ اولاد غوث الاعظم سید عبداللہ القادری البغدادی قدس سرہ گذارنیدند آں حضرت بعد تحسین بسیار فرمودند در جناب حضرات خمس مقبول معلوم می شود۔''[2]

اس خمسے کا پہلا اور آخری بند ہدیۂ ناظرین ہے:

خمسة فضلهم على الكونين	فضل راس علا على القدمين
منهم العزللورى والذين	نورهم شمع محفل الدارين

احمد وفاطمة على حسنين

(حضرات پنجتن کی فضیلت دونوں عالم پر ایسی ہے جیسی کہ سر کو قدموں پر ہوتی ہے۔ان حضرات کی بدولت مخلوق کو عزت و زینت حاصل ہے۔ان کا نور دونوں عالم کے لئے شمع محفل ہے۔)اور یہ حضرات احمد و فاطمہ علی اور ہر دو صاحبزادگان حسنؓ و حسین علیہم السلام ہیں۔

جاء امى الى جنا بكمو	ليس ملجاه غير بابكمو
ان تعد وامن كلا بكمو	او تشيروه من خطا بكمو

لا يخف من مخافة الدارين

مولا!امی آپ کے حضور میں حاضر ہے۔آپ کے در کے علاوہ اس کی کوئی جائے پناہ بھی نہیں

[1] ماہ اپریل ۱۹۲۹ء باہتمام سعید احمد در مطبع رزاقی کانپور [2] مجموعہ اوراد صفحہ ٦

ہے۔ اگر آپ اس کو اپنے کتون میں شمار کرلیں یا اپنے کلام کے دوران اس کی جانب صرف اشارہ ہی فرمادیں تو وہ دونوں عالم کے خوف سے بے نیاز ہو جائیگا۔

یہ خمسہ ''تضمین خمسہ جناب پیر و مرشد نیاز بے نیاز احمد دامت فیوضیہ علینا بر غزل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ گیارہ بند پر مشتمل ہے۔

ان توب الله مفتاح لابواب الفتوح   انت یا امی تب الیه کا لنصوح

کل من هوجاء فی الدنیا الیٰ العقبی یروح   این موسی این عیسی این یحیٰ این نوح

انت یا صدیق عاصی تب الی المولی الجلیل

(بلا شبہ اللہ کے حضور میں توبہ (واپس آنا) فتوحات کے دروازوں کی کنجی ہے۔ اے امی غریب! تو بھی اس کے حضور میں توبہ کرلے۔ جو بھی دنیا میں آیا ہے اس کو عقبیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔ (جلیل القدر انبیاء حضرات) موسیٰ عیسیٰ یحییٰ اور نوح کہاں چلے گئے؟ اے صدیق عاصی تو بھی اپنے مولائے جلیل کے حضور میں تائب ہو جا۔)

پیش نظر مخطوطہ کے تینوں خمسوں کا ترجمہ خود حضرت کا کیا ہوا ہے۔ دوسرا مخطوطہ سید فرزند علی کاتب۔ ساکن محلہ چھیپی ٹولہ بریلی کا مکتوبہ ہے قلم باریک، تحریر روشن اور نہایت نفیس ہے اور سنہ کتابت ۱۹۳۵ء ہے۔

چوتھا خمسہ: راقم نے ایک اور خمسہ دریافت کیا ہے یہ خمسہ ذولسانین میں ہے اس میں نو بند ہیں۔ اس کا پہلا بند ہے۔

اے کہ در ذات خویش منفردی   باصفات کمال متحدی

بس فرو رفتہ ام بچاہ بدی   یا حبیب الالہ خذ بیدی

مالعجزی سواک مستندی

مجموعۂ قصائد عربیہ: کے نام سے راقم ان خمسون کو علیحدہ مرتب کر کے مع مختصر سوانح شائع کر رہا ہے۔ اس مجموعہ کے آخر میں آپ کے مطبوعہ دیوان میں سے دو غزلیں شامل کی گئی ہیں پہلی غزل عربی میں ہے یہ غزل چھ شعری ہے۔ مقطع میں امی تخلص ہے۔ دوسری غزل مصرعہ اولیٰ فارسی کا اور مصرعہ ثانی عربی کا ہے۔ یہ غزل بھی چھ شعری ہے۔ اس میں مقطع کا مصرعہ اولیٰ فارسی کا ہے لہٰذا

تخلص بھی نیاز آیا ہے۔

اول الذکر تینوں خمسے بے حد مقبول رہے ہیں۔ راقم نے ان خمسوں کے درجنوں ایسے مخطوطے دیکھے ہیں جو اپنے حسن وزیبائی میں جواب نہیں رکھتے۔ یہ خمسے مطلع ومزور ہیں۔ ان کی خوشنما جدولین اور طلا کار پیشانیاں مغل دور کی صناعی کی یاد دلاتی ہیں۔ ان میں مختلف مدرسہ ہائے نقاشی کے نمونے موجود ہیں۔ چنانچہ ایرانی، کشمیری اور ہراتی اپنے اپنے فن وصناعی کے نفیس واعلیٰ نمونے ہیں۔

معاصر خوشنویس غلام حسین ومنگولال منتظمی سے لے کر آخر دور تک سیکڑوں خوشنویسوں کے نمونے ہیں۔ آخر دور میں محمد علی کشمیری اور مولوی محمد نصیر عالم صاحب بچھرایونی کے قلم وموقلم کے دیدہ زیب نمونے خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

شرح قصاید عربی: اس شرح میں حضرت قبلہ نے اپنے تینوں خمسوں کی تشریح فرمائی۔ اس کا طرز بیان بھی شمس العین جیسا ہی ہے۔

رسالہ راز نیاز: یہ رسالہ اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا فخر الدین محمد دہلوی کی رحلت (۱۱۹۹ھ/۱۷۸۵ء) کے بعد اور شمس العین کی ترتیب ثانی سے قبل تحریر کیا ہے۔

رسالہ کا موضوع تصوف ہے۔ اس میں اولا نظر بعدأ عملی تصوف ہے۔ یہ رسالہ بارہ صفحات پر مشتمل ہے۔ رسالہ کی زبان عربی آمیز فارسی ہے۔ پہلے جزو میں مراتب کلیہ کی وضاحت ہے۔

وجود حضرت حق راہفت مرتبہ است .... وہفتم حضرت انسان۔ ہر چند جزویست از ششم لیکن بشر انةالانسان وجامعیة عد مر تبته علی حده (انسان کی شرافت وجامعیت کی وجہ سے اس کا مرتبہ علیحدہ سے شمار کیا گیا ہے)

اس مرتبہ میں انسان کی اعلیٰ وارفع صفات کا تذکرہ ہے جن کی بدولت وہ خلیفۃ اللہ اور کتاب اللہ کے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے

واکمل واتم ظہورات حق تعالیٰ بظہور ہ فی ہذہ المرتبة بذاته وجمیع صفاته علی وجه التمام والکمال۔ (حق تعالیٰ کا انتہائی واکمل واتم ظہور اپنی ذات وصفات کے ساتھ اس مرتبہ میں ہے۔)

مگر اس طرح کا ظہور انسان کامل مثلاً انبیاء اور اولیائے کاملین میں پایا جاتا ہے اور دوسرے انسانوں میں بھی اس کی استعداد ہے۔ اگرچہ ان کی استعداد ناقص ہے اور انبیاء و اولیاء کے برابر تو کبھی نہیں ہوسکتی۔

جب یہ حقیقت دریافت ہوگئی کہ ہر انسان کمال کی صلاحیت رکھتا ہے، لہذا ہر انسان کو لازم ہے کہ اخلاق الہیہ سے متصف ہو کر اپنی اصل حقیقی کی فکر کرے۔ عملی تصوف کے ذیل میں تحریر ہے۔

''چند شغل کہ معمول خاندان پیر دستگیر مولانا مرشدنا حضرت جناب فخر الدین محمد دہلوی قدس سرہ العزیز است برائے سالکان خاندان شان نوشتہ می آید''

اس کے بعد دس اشغال جو کہ سلسلہ فخریہ کے معمولات میں سے ہیں نقل کئے گئے ہیں۔ ان اشغال کے ضمن میں قرب کی چار قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

ا۔ قرب نوافل:

(انتفاء صفات بشریہ و اتصاف بفضل الہی) لا یزال العبد الی بالنوافل حتی کنت سمه ،وبصره ولسانه ورجله بی یسمع وبی یبصروبی یبطش وبی یمشی .

اس قرب میں عبد فاعل و حق آلہ فعل ہو جاتا ہے۔

۲۔ قرب فرائض:

اس مرتبہ قرب میں سالک کی حیثیت و خلقیت کا حق تعالیٰ میں استہلاک۔ اس مرحلہ میں حق فاعل و عبد آلۂ فعل ہے۔

من حمد نفسه بلسان عبده   وان الحق ینطق علی لسان عمر

(جس نے اپنی ذات کی حمد اپنے بندہ کی زبان سے کی۔ اور بلاشبہ حق عمر کی زبان پر بولتا ہے۔)

۳۔ جامع بین ھذین القربین:

قولہ تعالیٰ: یبایعونك انما یبایعون الله ید الله فوق ایدیهم وما رمیت اذرمیت ولکن الله رمی

(اے حبیب جو صحابہ) تم سے بیعت کر رہے ہیں۔ بلاشبہ وہ اللہ ہی سے بیعت کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ وہ کنکریاں تم نے نہیں پھینکیں حالانکہ تم ہی نے پھینکیں تھیں۔ بلکہ اللہ نے پھینکیں تھی۔

قرب جامع بینھا:

یہ قرب کا انتہائی اعلیٰ وارفع مقام ہے اس قرب کو مندرجہ ذیل طریقہ پر بھی تقسیم کیا گیا ہے۔

۱۔ قرب مباین بہ مباین

۲۔ قرب حال بہ محل

۳۔ قرب جزبہ کل

۴۔ قرب عینیت

قرب کے ان مراحل کے بعد دسواں اور آخری شغل ''انہد'' بیان کیا ہے۔ اسی مضمون پر مشتمل اپنی پچیس شعری فارسی مثنوی نقل کی ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

امر ربی است وسر فدا است   ذکر بے کام زبان اور است

مذکورہ شعر کے مصرعہ اولیٰ میں مثنوی کا عنوان ہے اور مصرعہ ثانی میں صنعت براعت استہلال ہے اور پوری مثنوی اسی محور پر گردش کرتی نظر آتی ہے۔

رسالہ راز و نیاز کے تین مخطوطے:

اس وقت راقم کے پیش نظر اس رسالہ کے تین مخطوطے ہیں۔

ا۔ یہ مخطوطہ سید محمد باقر علی ساکن سنڈیلہ (ضلع ہردوئی) کے قلم کا ہے موصوف حضرت مولوی سید محمد ظریف صاحب نیازی متعین موتی جھیل۔ ریاست گوالیار کے مریدین) ترقیمہ کی عبارت ہے:

''بخط بے ربطہ محمد باقر علی عفی عنہ۔ بتاریخ نہم ربیع الاول ۱۲۷۶ھ/ پنجشنبہ ۵/ اکتوبر ۱۸۵۹ء درسنڈیلہ باتمام رسید۔''

اس مخطوطے کی تحریر پاک صاف اور نہایت دیدہ زیب ہے سترہ سطر کی مسطر ہے اور ہر سطر میں

دس الفاظ ہیں۔

۲۔ یہ رسالہ کشف العین کی جلد میں شامل ہے۔اس کے کاتب بھی عبدالہادی سعد آبادی ہیں تاریخ کتابت ......بتاریخ پانزدہم جمادی الاول ہجری مقدس رجمعہ ۱۱ جولائی ۱۸۷۵ء ہے۔ تحریر منشیانہ خط شکستہ میں ہے

نوشتہ بماند سیاہ در سفید　　نویسندہ نیست فردا امید

ہر کہ خواند دعا طمع دارم　　زاں کہ من بندہ گنہ گارم

۳۔ یہ مخطوطہ رواں تحریر میں ہے کاتب کے کم سواد ہونے کی وجہ سے کتابت کی بہت سی غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔راقم نے اس کی تصحیح کی ہے۔کاتب کا نام درج ہے اور نہ سنہ کتابت۔

رسالہ نازونیاز منجملہ دیگر کتب تصوف ایک زمانے تک خانقاہ نیازیہ کے درس میں شامل رہا ہے۔رسالہ ہذا کے مخطوطے برصغیر ہند و پاک کے کتب خانوں میں عام طور سے بہ کثرت دستیاب ہیں۔

رسالہ سوز و گداز:

(تشریحی ترجمہ رسالہ رازونیاز ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء) یہ رسالہ حضرت نیاز بے نیاز کے محبوب مرید حضرت سلامت اللہ خاں شاہجہانپوری کی کاوش ہے۔حضرت موصوف کو حضرت شیخ نے خدایار خاں نام عطا فرمایا تھا چنانچہ وہ اپنے دستخط میں بھی خدایار خاں عرف سلامت اللہ خاں تحریر فرماتے ہیں۔ اشعار میں بھی اس نام کی رعایت رکھتے تھے۔

تم نہ ہوتے جو مددگار، خدایار نہ ہوتا [1]

مصرعہ میں خدایار کے نیچے وضاحتاً اسم مصنف لکھ دیا گیا ہے۔

رسالہ کی زبان قدیم اور مقفیٰ ہونے کی وجہ سے انداز بیان میں غرابت پیدا ہوگئی ہے تفہیم میں قدرے دشواری ہوتی ہے۔اردو اشعار میں بھی چستی و برجستگی نہیں ہے۔

اس رسالے کے اکثر زبانی تذکرے سنے تھے لیکن اس ایک نسخے کے علاوہ دوسرا کوئی نسخہ نظر سے نہیں گزرا۔

---

[1] سوز و گداز۔ قلمی صفحہ ۲

جناب مولوی صبیح الدین میاں خلیل صاحب تاریخ صبیح (تاریخ شاہجہانپور)[1] نے اس رسالے کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ کی تصنیف سے تصوف میں ایک رسالہ ہے شاہ صاحب کے مریدین نے اس کو اپنا دستورالعمل بنالیا ہے اور سلوک میں ایک بے بہا تصنیف مانی جاتی ہے سائز مخطوطہ ۳×۸.۵ بارہ سطری مسطر ہے۔ ہر سطر میں بارہ الفاظ ہیں۔ کل صفحات ترپن ہیں مخطوطہ کی تحریر پاکیزہ اور عمدہ ہے۔ طرز کتابت قدیم ہے۔

ساتوں مراتب کا بیان نو اشعار میں نظم کیا ہے اس کے بعد ابیات ملتمسہ کے عنوان کے تحت پانچ اشعار ہیں۔ تین شعروں میں اپنے شیخ کی اور دو شعروں میں دونوں مخدوم زادوں حضرت شاہ نظام الدین حسین اور حضرت شاہ نصیرالدین حسینؒ کی مدح کی ہے ایک ایک شعر ان حضرات کی مدح سے نقل ہے۔

ہوں میں پڑا یا شاہ نیاز! اب در دولت پہ پڑا   تم نہ ہوتے، جو مددگار، خدایا رنہ ہوتا

جو نہ ہوتا بہ خدا اب کرم شاہ نظام   یہ خودی خانہ باطل کبھی مسمار نہ ہوتا

اور سلامت رہے وہ ذات کہ ہے دیں نصیر   کبھی ہم راہ نہ پاتے جو وہ ابرار نہ ہوتا

تیسرے شعر کے مصرعہ اولیٰ میں سلامت کے نیچے باریک قلم سے عرف مصنف درج ہے۔

اب کچھ عبارت اول و آخر رسالہ سے پیش کی جارہی ہے تاکہ رسالہ کی زبان اس کے طرز تحریر اور نفس مضمون سے قاری واقفیت حاصل کرسکے۔

چنانچہ یہ بیان زاید از احاطۂ امکان نظمی میرا حسب ہدایت کلام فیض شمام کے ہے چنانچہ

طوطی دستان سرائے ذوق شوقم اے نیاز   نشنوی جز نالۂ جاں سوز از منقار من

عنوان رسالہ:

مراد نالۂ جاں سوز سے مضمون پُر از عشق ہے مندرجہ رسالہ راز و نیاز کا۔ سو اب یہ ترجمہ بھی اس کا کہ ساتھ اسم ''سوز و گداز'' کہنے میں آیا ہے۔ عنایت باطنی مولانا حضرت قطب العالم مدارالاعظم نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد علیہ الرحمتہ نے مجھ بے علم شاہجہان پوری سے ایسا لکھوایا ہے۔ پچاس صفحات پر تشریح مشتمل ہے۔

---

[1] تاریخ صبیح۔ مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ صفحہ ۱۰۰۔ ۱۹۳۲ء

اختتامیہ:

آج کہ یہ ترجمہ ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء) کو تمامی کو پہنچا۔ لیکن درحقیقت یہ ہرزہ گوئی اور بیان بتر ہے۔ کیونکہ فکر ہر ایک خصوصاً مجھ نافہم کی کب ایسی کہ مغز سخن اس صاحب سخن کو بال کے برابر ظاہر ہے کہ کسی طرح نظر کانچ گروں کی، آب وتاب موتی پہچان کر نہیں سکتی کہ خود تصدیق فرماتے ہیں مولانائے مطلق الٰہی۔

فکر ہر کس نہ رسد مغز سخن راا ے دل! نگہ شیشہ گران کو دکجا گوھر ما

پس بے اصلی اس ترجمہ کی ثابت ہے بایں صورت، الا وہی ہم راز الوہیئت، اگر ان اوراق کے تیئں منظور نظر فرمادیں از راہ شفقت، اور واسطے مطالعہ کرنے والوں کے کچھ تاثیر کریں عنایت تو بعید بھی نہیں ہے از کرم آں والامنزلت۔

اس نظر پر کہ کام فیاضوں کا ہے، گو فیض لینے والا نہ رکھتا ہو لیاقت، اور وہ ہیں ایسے فیاض عالی مقام کہ دعدۂ حیات کہ بعد ممات کے وفا کیا بہ خاص و عام۔ اور ظہور پکڑتی ہے اس شخص سے یہ ایسی کرامات کہ مستغرق ہے بحر محیط عرفان میں تا حیات اور محو ہووے بعد ممات کے بذات۔

چنانچہ حاصل ہو یہ بات بآں والا صفات کہ خبر دینی ہے اس کی یہ تاریخ وفات

تاریخ شبلی زماں نیاز احمد تاگرد بماسوی تولی محو، فی ذاتہ گفتم

تاریخ وفات آں ولی را

اور ہم پائے بند زنجیر بیعت ان کی کے، اگر چہ گناہوں اور نافرمانیوں سے ہیں سخت مخوف اور مجوب الابرکت دستگیری اور سنگت ان کی سے کیا عجب کہ بدرگاہ مفضل نہ ہوویں مغضوب، کیونکہ اعلانیہ فرماتے ہیں وہ اللہ کے محبوب: (منقولہ سات اشعار)

اے طالبان اے طالبان! من باشما ہر جاستم ہم جلوہ گر در دیدہا ہم مضمر دلہاستم

ان اشعار سے ثابت ہوا کہ نظر رکھتے ہیں ہر دم اور ہر ساعت وہ مقبول بہ حال غلاموں اپنے کے، مبذول دینے ایسی راہ بر سراپا اطہری۔

گوہر شکر واہب العطیات کا رشتہ زبان نہیں سکتا ہوں پرونا اس واسطے اب بہتر ہے چپ رہنا۔

فقط تمام شد

آرزوے گفتار عرفاء آمنا و صدقنا

العبد فقیر نظام الدین حسین نیازی غفرلہ

رسالہ نگار نے اس رسالہ میں مختلف مقامات پر استنباط کے لئے حضرت کے اناسی اشعار نقل کئے ہیں۔

۸۔تحفہ نیاز بہ حضرت بے نیاز :اس تصنیف کا موضوع تصوف ہے،زبان فارسی ہے۔یہ نثری رسالہ فقہی طلبائے طریقت کے واسطے تحریر کیا ہے۔

یہ رسالہ سولہ صفحات پر مشتمل ہے سائز''۵''×''۷،مسطر سولہ سطری اور ہر میں ۱۲اا الفاظ ہیں۔

۹۔رسالہ تسمیۃ المراتب :اس رسالہ کا بھی موضوع تصوف ہے مراتب کلیہ کی وضاحت ہے زبان فارسی ہے۔ستائیس اوراق پر مشتمل ہے۔سائز''۵''×''۲''، ہے تیرہ سطری مسطر ہے اور ہر سطر میں دس الفاظ ہیں۔

۱۰۔لیعبد ون الیعر فون: ہر دو رسالے بقامت کہتر وبقیمت بہتر کی جیتی جاگتی مثال ہیں ان میں نہایت اچھوتے انداز سے عبدیت ومعرفت کے اسرار وغوامض بیان فرما کر سالک کے دل میں تشویق وتحریص کی لہر پیدا کر دی ہے۔یہ رسالہ بھی تصوف کے منتہی سالکین کے لئے قلم بند فرمایا ہے۔

۱۲۔تعلیم وتعلم :اس رسالہ کا بھی موضوع تصوف اور زبان فارسی ہے یہ منتہی سالکین کے لئے ہے۔جس میں روحانی تعلیم وتربیت کے موضوع پر گفتگو ہے

۱۳۔رسالہ برائے مرزا مظہر اللہ بیگ :رسالہ کی زبان فارسی ،موضوع تصوف ہے حضرت مرزا مظہر اللہ بیگ علیہ الرحمتہ بھی آپ کے اجل مریدین میں سے تھے آپ کے عظیم المرتبت خلیفہ حضرت مرزا اسد اللہ بیگ صاحب علیہ الرحمتہ کے برادر خورد ہیں اور مرزا قدرت اللہ بیگ صاحب کے صاحبزادے ہیں اسی محلہ میں خانقاہ سے متصل مکان تھا یہ پورا خاندان اہل علم وباوقار تھا۔یہ رسالہ انہیں کے معیار کا ہے۔

۱۴۔ہیچ دانی کہ چیست ایں کونین :یہ رسالہ آپ نے شمس العین کے ساتویں بند کے مصرعہ

اولی کوعنوان قرار دے کر اسی روشنی میں تحریر کیا ہے۔جس میں کونین کی مادی خلقت وجبلیت کے بجائے اس کی روحانی نوعیت اور سبعہ مراتب پر گفتگو کی ہے۔قرآن واحادیث،مولا علی کرم اللہ وجہہ محی الدین ابن العربی کے اشعار اکابر مشائخ کے اقوال کی روشنی میں مدلل بحث کی ہے اور خاتمہ الکلام پر حضرت نظام الدین اولیاء کا شعر:

لاہوت بیخ است،اے پسر!جبروت شاخ آں نگر ملکوت گلہائے شجر ناسوت جملہ بر شمر

پیش کیا ہے جس میں مقامات اربعہ کی نوعیت پر روشنی پڑتی ہے۔تحریر حضرت مولوی نصیر عالم نیازی بچھرایونی کی ہے۔

۱۵۔رسالہ اثبات معاد:اس رسالہ کا پورا نام رسالہ لا ثبات المعاد فی البطال اھل العناد مسلۂ معاد میں مذاہب خمسہ کا بیان ہے یہ ایک مجلّہ میں ہے جس کا بیان عنقریب آنے والا ہے۔

۱۶۔حاشیہ شرح چغمنی :یہ حواشی آپ نے زمانہ تدریس میں اپنے طلباء کے لئے لکھے تھے۔طلباء اس سے استفادہ کرتے رہے لیکن اب یہ حاشیہ شرح مدتوں سے نایاب ہے اور صرف نام باقی رہ گیا ہے۔

۱۷۔حاشیہ ملا جلال:اس کی زبان عربی ہے حضرت مولوی محمد فائق،صاحب کرامات نظامیہ فرماتے ہیں۔"ملا جلال وغیرہ میں جو آپ کے حواشی ہیں وہ آپ کے فاضل ہونے کی دلیل ہے۔[1]

۱۸۔رسالہ ریاضی برائے شاہ آل رسول :یہ رسالہ حضرت نے شاہ آل رسول صاحب مارہروی کے زمانہ درس میں تحریر کیا تھا اور اس رسالہ کا زمانہ تصنیف وہی ہے جب کہ حضرت موصوف نے لکھنؤ سے بریلی آکر آپ سے منتہی کتب کی تکمیل کی تھی۔[2]

ہمارے یہاں کی روایت یہ ہے کہ آپ اپنے شیخ ارشادی اور تایا بزرگ حضرت سید شاہ شمس الدین آل احمد عرف اچھے میاں صاحب مارہرویؒ کی وصیت کے مطابق ان کے وصال (۱۷ ربیع الاول ۱۲۲۵ھ/۲۷ اپریل ۱۸۱۰ء) فرمانے کے بعد حاضر ہوئے تھے۔اس وقت حضرت شاہ آل رسول علیہ الرحمتہ کی عمر شریف ساڑے پندرہ،سولہ سال تھی اور استاد محترم اپنی مدت عمر کے ستر سال کا دور پورا کر چکے تھے۔

---

[1] کرامات صفحہ ۱۲ [2] تذکرہ ناز و نیاز جلد اول

صاحب نزہت الخواطر کا بیان ہے کہ:

''قد صنف له الشيخ نياز احمد المذكور رسالہ دقيقه "في فن الحساب"''[1]

تاج العلماء حضرت محمد میاں صاحب مارہروی نے تحریر کیا ہے کہ (یہ رسالہ) بعض مسائل ریاضی پر تقریر ہے۔ ہمارے حضرت (شاہ آل رسول صاحب) کی فرمائش پر شاہ نیاز احمد صاحب نے وہ (تقریر) مختصر رسالہ میں قلم بند کردی جو میرے پاس شاہ نیاز احمد صاحب کے دستخط خاص کی لکھی موجود ہے۔[2]

۱۹۔ مجموعہ رسائل بر علوم مختلفہ: یہ رسالہ دوسو صفحات پر مشتمل ہے زبان فارسی ہے۔ یہ رسالہ بھی حضرت شاہ آل رسول صاحب کے لئے تحریر فرمایا تھا مذکورہ رسالہ خانقاہ نیازیہ کی باقیات میں اب بھی موجود ہے۔[3]

۲۰۔ رسالہ عقاید علماء متکلمین: فضیلت مآب حضرت محمد فضل عالم بچھرایونی اپنے صاجزادہ مولوی محمد لطیف صاحب (م ۲۷ رجب ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء) کو تحریر کرتے ہیں۔

''تحریر حضرت قبلہ عالم (نیاز بے نیاز) قدس اسرارہم کہ شروع آں عقیدہ اکثر علماء متکلمین است تحریر زیادہ نیست...... از بریلی شریف ۔ ۱۳ ربیع الاول ۱۲۹۶ھ/جمعہ ۷ مارچ ۱۸۷۹ء۔[4]

صورت یہ تھی کہ حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسینؒ اس زمانے میں تصوف کا ایک رسالہ تصنیف کررہے تھے۔

حوالجات کے لئے یہ رسالہ درکار تھا اور خانقاہ نیازیہ کے کتب خانہ میں کہیں ادھر سے اُدھر ہوگیا تھا اور انتہائی تلاش کے باوجود نہ ملنے پر حضرت مولوی صاحب نے اپنے صاجزادہ مولوی محمد لطیف صاحب کو خط لکھ کر اپنے کتب خانہ سے نقل فی الفور بھیجنے کی ہدایت فرمائی تھی۔ رسالہ ہذا باریک قلم

---

[1] نزہتہ الخواطر۔ تذکرہ عام صفحہ ۵۲۰۔ ۱۹۸۸ء رضا لائبریری۔ رام پور

[2] خاندان برکات صفحہ ۲۶۔ مولفہ جناب محمد میاں صاحب مطبوعہ حسینی پریس۔ سوداگران۔ بریلی

[3] راقم کے چار بزرگوار حضرت محمد مہدی میاں صاحب نظامی اور حضرت مہدی میاں صاحب تلمری، سجادہ نشین مارہرہ شریف سے بہت زیادہ مراسم تھے اور باہم آمدورفت بھی تھی اسی دوران ۳۵۔۱۹۳۴ء میں یہ مجلہ موصوف نے پیش کیا تھا۔

[4] مکتوبات فضلی قلمی

کے آٹھ۔دس صفحات پر مشتمل ہے

۲۱۔کلامی ہذا کاذب: رسالہ فی جذر الاثم (فن منطق)

پیش نظر مجلہ میں چھوٹی بڑی نو تصانیف ہیں۔

۱۔شرح سلم۔مولوی بحرالعلوم مرحوم مع بعض اجزاء منہیات	ص ۱۸۶
۲۔رسالہ مولوی احمد علی در جعل بسیط	ص ۱۸۷ تا ۲۲۷
۳۔تقریر مولوی نیاز احمد صاحب در کلامی ہذا کاذب	ص ۲۲۷ تا ۲۳۵
۴۔تقریر مولوی صدرالدین شیرازی معاصر جلال الدین دوانی	ص ۲۳۵ تا ۲۴۱
۵۔رسالہ محقق دوانی در رد آں	ص ۲۴۱ تا ۲۴۲
۶۔جواب صدرالدین شیرازی	ص ۲۴۲ تا ۲۴۴
۷۔شرح رسالہ محقق طوسی در نفس الامر	ص ۲۴۴ تا ۲۴۶
۸۔اثبات معاد فی البطال اہل عناد	ص ۲۴۶ تا ۲۵۷
۹۔اوراق معارج العلوم، مولوی ملا محمد حسن	ص ۲۵۷ تا ۲۷۶

یہ مخطوطہ راقم کے ذاتی کتب خانہ کا ہے اس کی تقطیع بڑے سائز کی ہے "۷×"۵۔۱۰۔یہ نول کشوری سائز ہے۔ہر صفحے میں ۲۴ سطریں اور ہر سطر میں ۱۷ الفاظ ہیں۔کلامی ہذا کاذب پر صدرالدین شیرازی کی تقریر ہے۔علامہ جلال دوامی کا رد اور پھر صدرالدین شیرازی کا جواب الجواب ہے لیکن صرف ایک ایک صفحے کا۔جب کہ حضرت نے سات صفحات میں تحریر کیا ہے یہ رسالہ حضرت نے اپنے مخصوص دوست واحباب کے فرمائش پر تحریر کیا ہے ابتدائیہ اس طرح ہے۔

"ھذہ رسالہ حررتھا لذبدتہ الاحباء وعمدۃ الاخلا .جعلہ اللہ متجلیا علی کرسی الارض کالبدر المنیر علی العرش السماء[1]

[1] جناب حکیم محمد ابراہیم خاں صاحب مرحوم (م پنجشنبہ ۲۵ شعبان ۱۳۲۵ھ/۳/ا اکتوبر ۱۹۰۷ء) جناب حکیم محمد یوسف خاں صاحب کے فرزند ارجمند ہیں اور وہ جناب خیر محمد خاں صاحب کنٹھری کے۔خوانین کا یہ قبیلہ ہمارے ننہیالی مورث اعلی حضرت سید احمد شاہ عرف شاہ جی بابا کنٹھری نبیرہ حضرت پیر بابا (سید علی غواص ترمذی) کے ہمراہ کے شروع روہیلہ دور میں (بزمانہ نواب علی محمد خاں مرحوم) قصبہ کنٹھر ملک باجوڑ افغانستان سے آنولہ آیا تھا پھر بریلی میں محلہ فراشی ٹولہ میں قیام کیا۔ان صاحبان میں اکثر صاحب ثروت اور صاحب تصانیف بزرگ تھے۔

اس خشک اور بے مزہ مضمون کی تکمیل کے بعد اسے قریحۂ وقاد اور طبیعت نقاد کے اعتماد پر چھوڑ دیا ہے"ولقد تر کته اعتماد أعلى فريحة الوقادة والبطيعته النقاد."

وآخر دعونا ان الحمد الله رب العالمين .والصلوة والسلام علی رسوله محمد و آله واصحابه اجمعين آمين ثم آمين ۵۵۔

یہ مخطوطہ راقم کے ایک بزرگ حکیم ابراہیم خاں صاحب مرحوم کا تحریر کردہ ہے۔

حکیم صاحب بریلی کے نہ صرف نامور وحاذق طبیب تھے بلکہ علماء وعمائد شہر میں بھی سر برآوردہ تھے۔رسالہ کی تحریر صاف ستھری اور روشن ہے سنہ کتابت ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء ہے۔رسالہ کا سنہ تصنیف دریافت نہیں ہے۔البتہ حاشیہ میں جہاں ملا محمد حسن لکھنوی کا تذکرہ کیا ہے۔وہ ان الفاظ میں ہے۔

ماذکرناه فی العلاقنه ذکره .غواص بحار العلوم الفاضل محمد حسن لکھنوی فی معارج العلوم منه رحمه الله تعالیٰ۔

(ملا محمد حسن لکھنوی المعروف بہ ملا حسن ابن قاضی غلام مصطفیٰ ۱۷۷۴ء/۱۱۸۹ھ میں شاہجہانپور سے بہ حیثیت صدر مدرس، مدرسہ عالیہ رامپور تشریف لائے۔۱۷۸۴ء/۱۱۹۹ھ میں انتقال کیا۔مدرسہ کہنہ رامپور میں تدفین عمل میں آئی۔

جناب پروفیسر ولی الحق صاحب انصاری فرنگی محلی نے متوفی ۳ صفر ۱۲۰۹ھ/۳۰ اگست ۱۸۹۴ء لکھا ہے۔یہاں موصوف کو تسامح ہوا ہے ۱۸۹۴ء کے بجائے ۱۷۸۴ء ہونی چاہیے۔)[1]

گویا مذکورہ رسالہ ۱۷۸۴ء کے بعد کا تحریر کردہ۔اس رسالہ کے نسخے نایاب نہیں ہیں اس کا ایک نسخہ رامپور، رضا لائبریری میں بھی موجود ہے۔

۲۲۔تقریرات شبہ لزوم اللزوم :(فن منطق)زبان عربی اس رسالہ میں آٹھ مسائل زیر بحث آئے ہیں۔بائیس صفحات پر یہ رسالہ مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ عم نوالہ نے مدد فرمائی جناب مسیح اللہ بھائی (نبیرہ حکیم ابراہیم خاں صاحب مرحوم) سے مذکورہ مجلّہ حاصل ہو گیا جس میں منجملہ نو کتب کے حضرت کی دو تصانیف (رسالہ کلامی

---

[1] ص ۱۱۹ اودھ آئینہ ایام میں مطبوعہ نیا دور لکھنؤ اتر پردیش۔

ہذا کاذب اور دوسرا اثبات معاد) موجود تھیں الحمد للّٰہ علی احسانہ

۲۳۔ رسالہ نبض: طبیب روحانی اور نباض فطرت ہونے کے باوصف آپ موروثی طبیب اور طبیب حاذق بھی تھے۔ یہ رسالہ آپ نے فن نبض کے دقائق ومضائق پر تحریر فرمایا ہے۔ زبان فارسی ہے۔

۲۴۔ بیاض: اس کی زبان فارسی ہے۔اس بیاض میں واقعات کو تاریخ وار اور کبھی کبھی وقت کے اندراج کے ساتھ لکھا ہے مولف کرامات نظامیہ نے اس بیاض سے تین حوالے نقل کئے ہیں۔تیسری اور آخری عبارت بعد کا نوٹ ہے۔

(۱) الف۔حضرت شاہ شاہان نظام الدین اورنگ آبادی خلیفہ اور جانشین شیخ المشائخ حضرت کلیم اللہ دہلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ کا سنہ وفات ۱۱۴۲ھ (دوشنبہ ۳۰ مئی ۱۷۳۰ء)

(ب) حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں کی عمر شریف

(ج) ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۸ء میں حضرت مولانا صاحب کا سفر اجمیر شریف، دہلی میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی، حضرت نصیر الدین چراغ دہلی، نظام الدین اولیاء کی زیارتوں کے بعد داخل شاہجہاں آباد ہوکر حضرت شیخ کلیم اللہ دہلوی کی زیارت پھر کڑہ پھلیل میں کچھ مدت قیام کے بعد مدرسہ خورد نواب غازی الدین میں مستقل قیام تازندگی درس وتدریس تفسیر وحدیث وفقہ۔۱۱۹۹ھ (/۱۷۸۵ء).میں رحلت حضور قطب صاحب (مہرولی) میں تدفین ہے[1]

(۲) مندرجہ ذیل عبارت بقید تاریخ ووقت درج ہے۔

چہارشنبہ ۲ ذیقعدہ ۱۲۳۹ھ/ ۳۰ جون ۱۸۲۴ء) دوپہر کچھ عطا فرمایا جانے کا انتظار۔دوسرے روز پنجشنبہ ۳ ذیقعدہ کو قطب عالم مدار اعظم ہونے کی بشارت۔وجہ تاخیر رحلت قطب عالم حضرت عبد اللطیف" ۹۹ حضرات کی قطبیت، مقامات کا تعین وبشارت ہزار سالہ دورۂ قطبیت۔

(۳) آخری عبارت بطور نوٹ حضرت کے وصال کے بعد اضافہ کی گئی ہے جس میں خود حضرت موصوف کی مدت قطبیت کا حساب ہے۔

"پس ایں خدمت از ابتداء تا وقت وفات رائی ممدوح دہ سال ہفت ماہ چہار روز ماند، فقط۔"

---

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۳۲

۲۵۔ ملفوظات نیاز بے نیاز: مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں مطبوعہ دیوان کی فہرست مرتب کررہا تھا اس دوران حبیب گنج کلکشن میں دیوان نیاز کا ایک مطبوعہ نسخہ ملا اس کے ابتدائی اوراق غائب تھے ان کے بجائے مالک دیوان نے دوسرے اوراق لگا کران پر اپنے ہاتھ سے غزلیں لکھ کراسے پورا کردیا تھا۔ صفحہ اول پر اسی قلم سے یہ عبارت منقول ہے۔

''تاریخ وفات ایں بزرگان از ملفوظات شاہ نیاز احمد قدس سرہ''

مذکورہ عبارت سے بظاہر یہ دریافت ہوتا ہے کہ متوسلین سلسلہ میں سے کسی شخص نے حضرت موصوف کے ملفوظات جمع کیے ہیں مذکورہ عنوان کے تحت گیارہ تاریخ ہائے وفات درج ہے آخری تاریخ کے الفاظ یہ ہیں۔

''حضرت حکیم الہی، حاجی محمد رحمت اللہ کہ پدر بزرگوار ایں فقیر بودہ ۵ جمادی الاول (۱۲۰۶ھ)''

اس عبارت سے یہ یقین ہوجاتا ہے کہ خود حضرت قبلہ نے کسی بزرگ کے ملفوظات قلم بند فرمائے ہیں اس عبارت کے بعد ناقل عبارت نے ایک طرف حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمتہ کے مکتوبات میں سے ایک عبارت نقل کی اور آخر میں ترقیمہ کی عبارت یہ درج ہے۔

''کتبہ الراجی الی رحمة الالہ المدعو بامیر شاہ صاند عما شانہ''[1]

۲۶۔ مکتوبات نیاز: حضرت نیاز بے نیاز کے مکتوبات اور تحریریں ان کی حیات میں ہی محفوظ کی جاتی تھیں وہ عام طور پر خطوط اور تحریر املا کرادیتے۔ لوگ انہیں اور ان کی نقول کو اپنی بیاضوں اور

---

[1] امیر شاہ کے بارے میں ہر چند غور کیا لیکن سوائے حضرت امیر شاہ بدخشانی ثم جبل السراجی کے اور کوئی صاحب یاد نہیں آئے۔ موصوف اس علاقہ کے صاحب ارشاد بزرگ تھے۔ آپ کو شرف بیعت وخدمت حضرت سید فخر الدین مجنون شاہ صاحب نیازی (م سہ شنبہ ۸ ربیع الاول ۱۳۰۵ھ/۲۴ نومبر ۱۸۸۷ء) چاردہی موسیٰ کابل سے تھا اور حضرت شاہ محی الدین احمد صاحب (یکشنبہ ۲۶ ربیع الاول ۱۳۴۳ھ/۲۶ اکتوبر ۱۹۲۴ء) سے شرف خلافت تھا۔ حضرت موصوف کے ذریعہ سلسلہ نیازیہ کی زبردست اشاعت ہوئی۔ افغانستان کی جنگ سے پہلے تک ان کے منجھلے صاحبزادے آغا غلام علی شاہ صاحب جبل السراجی بڑی ثابت قدمی کے ساتھ سلسلہ عالیہ نیازیہ کی اشاعت میں مشغول تھے۔ موصوف چند چند سال کے وقفے سے بریلی آکر راقم سے ملاقات کرتے رہتے تھے۔ اب تو وہاں کی خبر ہی نہیں آتی سوائے ان چند افغانی مہاجرین کے جو دہلی میں مقیم ہیں اور وقتاً فوقتاً آتے رہتے ہیں اور وہ بھی وہاں کے برادران سلسلہ سے اتنے ہی بے خبر ہیں جتنا کہ راقم۔

یادداشتوں میں محفوظ کر لیتے تھے۔ راقم نے ایسے خطوط بھی دیکھے ہیں جن کی پشت پر نوٹ ہوتا کہ
"بدست خاص نوشتہ لہذا تبرک است"

کئی حضرات نے تو یہ کیا کہ مکتوبات ہی اپنی قبروں میں لے گئے۔ حضرات شاہجہانپور بھی اس کی ایک مثال ہیں۔ یہ بات عام طور پر معلوم تھی ہجوم کار کی وجہ سے حضرت خطوط املا کر دیتے ہیں آخر میں دستخط خود فرماتے ہیں لہذا ازفور محبت میں مکتوبات میں سے دستخط اور مہر کاٹ کر رکھ لیتے اور وصیت کے مطابق اپنی قبروں میں رکھوا لیتے تھے۔

راقم کے جد بزرگوار مولوی محمد مہدی نظامی (م پنجشنبہ ۱۳ رمضان ۱۳۵۶ھ/۱۸ رنومبر ۱۹۳۷ء) علیہ الرحمتہ نے نہایت کدوکاوش سے باقاعدہ حضرت کے مکتوبات مرتب فرمائے تھے اور نہ صرف حضرت کے بلکہ اگلے دو جانشینوں یعنی خلف اکبر حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین دنبیرۂ و جانشین حضرت شاہ محی الدین احمدؒ کے بھی۔ یہ مجموعہ راقم کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

حقیقت میں یہ ان کے لئے چنداں دشوار بھی نہ تھا۔ چوں کہ ان والا ناموں کی ترتیب وار نقول بھی محفوظ کی جاتی تھی اور وہ خود بھی یہ اہتمام کرتے تھے کہ ان ہر دو حضرات کے معمولی رقعے اور پرزوں تک کو محفوظ فرما لیتے تھے اور ان کی نقول بھی محفوظ فرماتے جو کہ مجربات طبی نسخوں کھانوں اور اچار کے نسخوں پر مشتمل ہیں۔

ان کے وصال فرمانے کے بعد ان کا ذخیرہ کتب اس طرح کے نوادرات، تبرکات اور بیش بہا مخطوطات پر مشتمل تھا جو کئی پشتوں کا اندوختہ سرمایہ تھا وہ بظاہر الماریوں میں بند رہا اور شجرہ ممنوعہ کی طرح چھوا نہیں گیا۔ مگر اندر اندر یہ بیش بہا اور نایاب نوادر کا ذخیرہ غایب ہوتا رہا۔ جن میں مشائخ سلسلہ کے مخطوطات، مصنفات، اساتذہ اور ان حضرات کی خطاطی کے شاہکار جو مطلا مذہب اور مزور تھے۔

ہمارے یہاں کباڑ میں چیڑ کی لکڑی کا وہ بکس ابھی تک موجود ہے جس میں بہت احتیاط کے ساتھ منتخب مخطوطات وتصنیفات کی جلدیں فوری حوالوں کے لئے علیحدہ رکھی گئی تھیں۔ جنہیں کسی قدر دان نے تالہ توڑنے کے بجائے اس کا کنڈا کاٹ کر تمام کتابیں غائب کر لیں۔ نتیجے میں ہم بالکل خالی ہاتھ رہ گئے لیکن راقم کو اس کمی کا شدت کے ساتھ احساس تھا۔ اسی کوشش وکاوش میں تیس سال

و حال تقریر مفصل بتشریح و حیطهٔ انسی برادر عزیز واضح خواهد شد که چه ! چند ماه است که [illegible]

در [illegible] مبتلا مانده ام ـ و مولوی نعمت الله [illegible] الحال کابل رسیده باشند و ملا جان محمد

کشمیر اند اغلب که صبح و شام بسمت آن ملک روانه شوند ـ

و مولوی عبد الرحمن مرحوم روانهٔ دار البقا شدند و چند حاشیه گذاشته اند که فیض رسان

عالم اند و غلام مولی صاحب در اکبرآباد فیض تمام رسانیده و سه چهار حاشیه نموده

روانه حیدرآباد شده اند و محمد محب عالم رونق افزای لکهنو اند و [illegible] فیض رسانیده اند

الحال صبح و شام در [illegible] مشغول اند بفضل الهی سلسله [illegible] محیط عالم شده است

الحمد لله علی ذالک و حال ولایت ! از ملا [illegible] محمد [illegible] در [illegible] باشند که چه قسم

[illegible] ، از ذات بابرکات خلیفه ام میر محمد سمیع و مولوی عبد اللطیف سمرقندی رسیده اند.

خط دیگر بنام جناب حکیم رحیم الدین صاحب [illegible]

از خط حضرت [illegible] ۱۳۰۱

بسم الله الرحمن الرحیم حامداً و مصلیاً علی نبی الله محمد و آله و اصحابه اجمعین

فقیر [illegible] لقای [illegible] آشنای حقیقت اخی اعزی مریدی و حبیبی

[illegible] حکیم غلام [illegible] و برادر گرامی قدر محمد فضل عالم سلمهما الله [illegible] سلام مسنون

[illegible] مضمون [illegible] مده تحریر مطلب میکند که خط [illegible] محمد کریم الله رسید

[illegible] ۱۱۹۲
نیاز احمد

خطوط حضرت شاه نیاز بے نیازؒ
بنام حکیم رحیم اللہؒ بچھرایونی و دیگر

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد لله العلی العظیم والصلوة علی محمد النبی الکریم وعلی آله واصحابه الهادی الی الصراط المستقیم

و بعد پس نیاز بی نیاز فقیر محقر تصویر نیاز احمد قادری نظامی عفی عنه بار اطراف اشتیاق حقیقت

میر برج مهر و وفا گوهر درج صدق و صفا اخی اعزی مولوی معنوی حکیم الهی حکیم نظام محمد نظام صانه الله

الملک المنان سلام مسنون و دعای عاقبت مضمون بیش کرده بگزارش مطلب می پردازد

که بعد مدتهای مدیده نامه محبت شمامه در معدمه رسیدن و روانه شدن ملاموس محمد و اکاش

بدخشانی و گذاشته آمدن او چهار تهان ادرسه و دیگر رومال شالی بخدمت آن برادر برای

رسانیدن بریلی رسیده مسرور و مبتهج ساخت حقیقت مرض خفقان بتقاضی صاحب والد بزرگوار

آن آن که از تا حج کمال طغیان میکرد دریافته تردد و تفکر لاحق آمد حق تعالی ملت او

شفای کامله نصیبشان کند و او شان را بر سر ایشان قایم و دایم دارد که آبادی سرکار

آن برادر در این معنی منصور است - میر محمد سمیع صاحب در غم و غصه خود گرفتار بودند که تحمل تمام

اسباب را حواله ظالمان واگذارده راهی بریلی شده بودند مترس و خواهش آمدن سمت

بچهرایون کجا داشتند معافت دارند اشتیاق دیدن آن برادر بسیار دارند اگر در بریلی الطف

بیارند هر آینه موجب سرور میر صاحب مذکور و باعث شادی موفور این حقیر شود و آمدن

برادر عزیز القدر محمد فضل عالم میر علی مداد القاسی صاحب که برد و مهمان با هم شده دالعیر بیارند

دردر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں اس مدت میں ناکامی اور کامیابی سے ہم کنار ہوتا رہا۔

بسے رنج بردم بدیں سال سی

مئی ۱۹۶۷ء تک جتنی تصنیفات دریافت یا دستیاب ہو سکی تھیں ان کا اجمالی تعارف، چھاپ دیا تھا۔ صورت حال یہ تھی کہ خود خانقاہ نیاز یہ میں بھی اُن کے مخطوطے محفوظ نہیں رہے تھے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے تاریخ مشائخ چشت طبع اول ۱۹۵۲ء میں تحریر کیا ہے۔

''حضرت عزیز میاں صاحب خاکسار کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔''

حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد صاحبؒ کی بہت سی کتابیں جن میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ شمس العین شریف

۲۔ رسالہ راز و نیاز

۳۔ تحفۂ نیاز حضرت بے نیاز

۴۔ رسالہ تسمیہ المراتب

۵۔ مجموعہ قصاید عربیہ

۶۔ شرح قصاید عربیہ

۷۔ حاشیہ شرح چغمنی

یہ کل سات کتابیں تھیں جن میں سے کئی کے صرف نام ہی محفوظ تھے۔

علی گڑھ کے قیام میں اکثر جناب خلیق احمد نظامی کی خدمت میں شام کو حاضری ہوتی تو کوئی نہ کوئی ہوسٹل کے ساتھی ہمراہ ہوتے ویسے اکثر مولانا ناالف ہمراہ ہوتے۔ مارچ ۱۹۶۷ء کی بات ہے کہ بقرعید کی چھٹیوں کے بعد جب یونیورسٹی پہنچا تو حسب معمول شام کے وقت جناب نظامی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو تنہا تھا اور حسن اتفاق کہ نظامی صاحب بھی بالکل تنہا اور فرصت کے موڈ میں تھے۔ فرمانے لگے ایک بات بتاؤ راقم نے عرض کیا فرمائیے وہ بولے میں نے شاہ نیاز احمد صاحب کی تصانیف سے متعلق اتنے خطوط عزیز میاں کو لکھے اور خود بھی خانقاہ نیاز یہ پہنچا لیکن مجھے آج تک ان ناموں کے علاوہ تصانیف کا کوئی سراپتہ نہیں لگا۔ کہیں یہ نام بھی محض زیب داستان کے لئے ہوں اگر چہ مجھے یہ جملے پسند نہیں آئے تھے اور سوچتا رہا کہ ایسے کثیر التصانیف مصنف کے بارے میں ایسے کلمات سننے کو مل رہے ہیں یہ محض ہماری نااہلی ہے۔ میں نے کہا کہ بعض کتب من الاسرار ہیں جو منتہی حضرات کے لئے قلم بند فرمائی ہیں وہ سب کے لئے نہیں ہیں خود شمس العین میں

جہاں یہ تحریر ہے کہ: ''وزنگاہداشت او ہر یکے از اہل اسلام چہ خاص و عام بہرہ ورو کامیاب شوند''

دوسری جگہ اسی تصنیف میں یہ بھی تحریر ہے کہ

''میرے دل میں یہ بات تھی کہ ان اذکار کو تحریر میں نہ لاؤں لیکن اس حکم کے تحت کہ امانتیں ان کے مستحقین کے حوالے کر دوں اس لئے اس کتاب میں نقل کر دیئے ہیں۔

نوشتہ بماند سیہ برسفید　　　نویسند ورانیست فردا امید

میں اسی طرح کی تاویلیں کر کے اپنے دل میں خفیف واپس آیا اور عہد کر لیا کہ جتنی کتب سردست دستیاب ہیں۔ان کا تعارف چھاپ دوں۔ ہفتہ عشرہ کی کوشش میں سترہ تصانیف پر ایک مضمون مرتب ہو گیا۔ وہ تصانیف حضرت شاہ نیاز کے نام سے ماہنامہ معارف اعظم گڑھ کو بھیج دیا جو کہ مدیر رسالہ کی کتر بیونت اور جناب اقبال احمد صاحب کی سہو کتابت کے اضافہ کے ساتھ خدا خدا کر کے مئی ۱۹۶۷ء میں شائع ہو ہی گیا۔اور پھر دوسرا مضمون ''شاہ نیاز احمد بریلوی اور عمدۂ منتخبہ'' ماہ جولائی ۱۹۶۷ء میں ماہنامہ نیا دور اتر پردیش لکھنؤ سے شائع ہوا۔

نواب اعظم الدولہ سرور مرحوم نے مذکورہ تذکرہ میں حضرت شاہ نیاز احمد نیاز اور میاں نثار احمد نامی دو علیحدہ شخصیتوں کے تحت حالات اور اشعار درج کیے ہیں، مذکورہ مضمون میں راقم نے ان کی غلط فہمیوں کی نشاندہی کی تھی۔ نیز بعض تصانیف کا مزید کچھ تعارف بھی کرایا تھا۔

ان دونوں رسالوں پر ''از نظامی بحضور نظامی'' لکھ کر نظامی صاحب کی خدمت میں گزارنا تھا۔ نظامی صاحب نے انہیں بہت پسند کیا اور بڑی ہمت افزائی فرمائی اور فرمایا کہ تاریخ مشائخ چشت کی آئندہ اشاعت میں تمہارے نام سے یہ باب شامل کر دوں گا۔ایک مجھ جیسے طالب علم کے لئے ان جیسے عظیم مورخ اور مفکر کے منہ سے ایسے جملے نہ صرف حوصلہ افزائی بلکہ اپنی اوقات سے کہیں زیادہ معلوم ہوئے۔ کچھ کچھ ایسا یاد آتا ہے کہ مذکورہ رسالوں پر حضرت سید محمد حاذق کابلی نیازی کا قطعہ بھی تحریر کیا تھا اور اسی قطعہ کو پھر دہرا رہا ہوں۔

لائق نہ بود، قطرہ بہ عمان بردن　　　خار و خس صحرا بہ گلستان بردن
اما چکنم عادت موراں اینست　　　ران ملخے نزد سلیمان بردن [1]

[1] رسالہ معارف نمبر ۵ جلد ۹۹

نظامی صاحب نے تاریخ مشائخ چشت کی تازہ اشاعت میں حسب وعدہ وہ متن شامل فرمالیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ راقم کا نام نہیں لکھا۔ الحمدللہ علی کل حالہ میں اسی بات پر نازاں ہوں کہ انہوں نے میری کاوش کو قابل اعتنا سمجھ کر اپنی وقیع تصنیف میں جگہ دی۔

غرض کہ اپنے کتب خانوں سے مایوس ہو کر دوسری طرف جد و جہد شروع کی شاہجہانپور، الہ آباد اور بچھرایوں (ضلع مراد آباد) کے چکر لگائے اور ہر طرف سوائے حسرت و مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوا پھر بھی ہمت نہیں ہاری اور برابر اپنے عزہ اور پرانے مریدین کے افراد خاندان سے رابطہ قائم رکھا۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ عم نوالہ نے میری نصرت فرمائی عم محترم مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب بچھرایونی مرحوم وارد مراد آباد نے تایا میاں مولوی محمود علی صاحب مرحوم کے ہمدست اپنے عنایت نامہ کے ساتھ مکتوبات کا ایک مختصر مجموعہ روانہ فرمایا۔ جس کا راقم تہ دل سے ممنون ہے اور ان دونوں حضرات کے لئے دست بدعا ہوں کہ مولائے کریم ہر دو حضرات کی مغفرت فرمائے آمین اس والا نامہ کی نقل درج ذیل ہے۔

عزیز گرامی قدر السلام علیکم

جن مکتوبات کے بھیجنے کا میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا وہ مجھے بڑی تلاش کے بعد بھی نہ ملے تھے میں نے بڑی ندامت اور افسوس کے ساتھ آپ کو اپنی ناکامی کی اطلاع کر دی تھی۔ بالکل اتفاق سے ایک ہفتہ ہوا کہ دیوان نیاز وغیرہ کے ساتھ ان مکتوبات کی نقول حاصل ہو گئیں۔

الحمدللہ مجھے بڑی خوشی اور سرخ روئی حاصل ہوئی۔ خدا کرے آپ کے مجموعہ میں یہ خطوط نئے ہوں۔

یہ بھی فال نیک ہے کہ یہ خطوط عرس شریف کے موقع پر آپ کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ میرے لئے بھی خاص طور پر دعا فرمایئے۔ محبوب میاں صاحب اور سچے میاں کی خدمات میں سلام شوق پہنچا دیجئے۔ ان خطوط کی رسید اور یہ کہ آپ کے مجموعہ میں یہ تازہ اضافہ ہے یا نہیں۔ ضرور لکھئے خاکسار، ضیاء الرحمٰن

حضرت نیاز بے نیاز کے عرس (یکم تا دہم جمادی الثانی) میں شرکت کی غرض سے بچھرایوں

سے حسب معمول ایک قافلہ آیا تھا اس کے سینئر ممبر اور امیر قافلہ تایا میاں مولوی محمود علی صاحب مرحوم تھے۔ علاوہ ازیں مولوی علی احمد صاحب مرحوم، عم محترم مولوی عظیم الحق صاحب جنیدی مرحوم اور خلیفہ منشی جمال الدین مرحوم اور بہت سے خورد وکلاں تھے۔ مولوی محمود علی صاحب مرحوم یہ مکتوبات لائے تھے۔ ان میں سے تقریباً سبھی صاحبان کا قیام راقم کے مردانہ مکان میں ہوتا تھا۔

مکتوب نگار جناب مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب مرحوم خلف جناب مولوی سلطان احمد صاحب سررشتہ دار حضرت مولوی نور اللہ فاروقی بچھرایونی (م ۲۔ رمضان ۱۲۶۷ھ/۱۲ر جولائی ۱۸۵۱ء) خلیفہ اعظم حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب موحد لکھنوی کی چوتھی پشت میں پوتے ہیں۔ علی گڑھ سے تعلیم مکمل کی۔ ہیوٹ انٹر کالج مراد آباد میں پڑھایا وہیں سے ریٹائر ہوئے محلّہ گل شہید میں قیام تھا۔ جامعہ نگر دلی میں انتقال ہوا۔ بچھرایوں میں دفن ہوئے ان کے صاحبزادہ برادرم افضال الرحمٰن سلمہ اور ان کے چچیرے بھائی مولوی محمد طیب صاحب جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ہیں اور دوسرے چچیرے بھائی کے بیٹے ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی دہلی یونیورسٹی میں تھے محبوب میاں صاحب حضرت شاہ محمد نقی نظامی (ولادت جمعہ ۵ محرم ۱۳۲۱ھ/۳ر اپریل ۱۹۰۳ء وفات جمعرات ۱۵ شوال ۱۴۰۵/۲ر جولائی ۱۹۸۵ء) حضرت سراج سالکین شاہ محی الدین احمد صاحب کے منجھلے نواسے۔ مولوی ضیاء الرحمٰن صاحب کی دادی لطیف النساء کی دوسری بہن رسول النساء کے پوتے یعنی ایک بہن کے پوتے ضیاء الرحمٰن صاحب اور دوسری بہن کے پوتے محبوب میاں صاحب ہیں۔ اور راقم کے منجھلے ابا۔

سچے میاں صاحب، محبوب میاں صاحب کے منجھلے بھائی (ولادت پنجشنبہ ۱۰ مارچ ۱۹۱۰ء /۲۷ صفر ۱۳۲۸ھ وفات ہفتہ ۱۴ مارچ ۱۹۹۸ء/۱۴ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ)

واقعہ یہ ہے کہ یہی مکتوبات عین المال میں تھے۔ اضافہ یا تازہ اضافہ کیا معنی۔ اس مجموعے کے بعد وہ رجسٹر مل گیا جس میں علی قدر مراتب القاب درج تھے مخصوص والا ناموں کی نقول تھیں۔ یہ رجسٹر حضرت مولوی فضل عالم صاحب نے اپنی سہولت کے پیش نظر مرتب فرمایا تھا تاکہ مکتوب الیہ کے لیے حضرت سے القاب وآداب دریافت نہ کرنے پڑیں۔ خطوط املا کراتے وقت صرف نفس مضمون ہی املا کرادیں اور حضرت کا قیمتی وقت بچ جائے۔

مکتوبات کی زبان اور انداز تحریر مکتوب الیہ کے معیار کے مطابق ہوتا۔ وہ اپنے مریدین کو بھی

مخاطب فرماتے تو مخلص عقیدت کیش ، زادہ محبتہ ، صادق العقیدت والمحبت ، سراسر عقیدت ، سراپا محبت اور جن حضرات سے بے حد تعلق تھا انہیں یوں بھی تحریر فرماتے ۔

برخوردار ، سعادت اطوار ، پسندیدہ خصال ، زادعزہ وقدرہ ، نونہال چمن اقبال وغیرہ ۔ حضرات خلفائے کرام کے القاب وآداب اور تھے اور ان حضرات میں بھی الگ الگ معیار ومراتب کے تھے مثلاً یارِ طریقت وآشنائے حقیقت یا یار طریقت ور ہرو منازل طریقت ۔ ان حضرات میں بھی مخصوص حضرات کو یکہ تاز میدان حقیقت ور ہرو منازل مؤدت ومحبت لکھتے اپنے صاحب ارشاد خلفاء کو تحریر فرماتے ۔

بگرامی خدمت آشنائے طریقت ، دانائے حقیقت ، نیر برج وفا ، گوھر درج صدق وصفا 'اخی' مولوی معنوی ، اخی اعزی ، مریدی وخلیفتی ۔ نظامی قادری سلمہ اللہ تعالیٰ

یہ القاب عام طور سے حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب بچھرایونی اور مولوی محمد عبدالرحمٰن صاحب (م ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء) کے لئے استعمال ہوتے خلافت کے بعد مولوی محمد فضل عالم صاحب کے لئے یہی القاب ہوتے ۔ خلافت سے قبل ان کو برادر عزیز القدر ، برادر گرامی قدر تحریر فرماتے ۔ ان صاحب ارشاد حضرات میں بھی درجے تھے سادات کرام علماء وفضلاء ومحققین ۔ شاہ باز طریقت ، آشنائے حقیقت ، غواص بحر توحید وشناور دریائے تجرید ، امام المسلمین ، شیخ الاسلام ، امام السالکین حضرت میر محمد سمیع بدخشانی ، سید السادات الکرام والعظام حضرت سید ہاشم شاہ صاحب دیوغابی ۔

راہ رو مسلک شریعت وطریقت ، واقف حقیقت ۔ جامع منقول ومعقول ، حاوی فروع واصول خوان علوم حضرت مولانا مولوی عبداللطیف صاحب توقندی ۔ ولایت مآب حضرت حافظ وزیر خواجہ صاحب ۔ سند العارفین حضرت مولانا سردار محمد عثمان خاں صاحب ۔ سراج السالکین مولانا مولوی جان محمد صاحب کابلی ۔ حضرت مخدوم عبدالشہید ، یارقندی ۔

دوسری طرف اہل دولت وثروت ، والیان ریاست وعمایدین سلطنت کے لئے قدر دان فقراء محبّ الفقراء قدر دانا ۔ حتیٰ کہ بادشاہ اکبر شاہ ثانی کے خط کے جواب میں جو والا نامہ تحریر فرمایا اس میں القاب وآداب ہی سرے سے ندارد ہیں ۔ تحریر فرماتے ہیں ۔

کہ باخلاص دلی وارادت قلبی بسلسلہ خاندان ایں اضعف الفقراء متمسک گردیدہ باہزار مسرت

بنیاد تلطف نامہ یادفرمائی ایں خاک رشدہ اند بااخلاص برخود متحتم شمارند وادعیہ سموِمعارج کونین مخلصان باختصاص برذمت ہمت خودواجب انگارند۔ انشاء اللہ تعالیٰ دست نیاز بدرگاہ قادر کارساز بہ جہت حصول مقاصد دینی ودینوی وصول تراصد صوری ومعنوی آں زیب سر برسلطنت وجہاں بانی خواہد فراشت۔ اکابر خلفاء کے نام مکتوب میں اتنے القاب ہوتے اور خود اپنے لئے تحریر فرماتے۔ نیاز بے نیاز، شہود بے وجود۔ نمود بے نمود نیاز احمد۔ نیاز بے نیاز فقیر عجز طراز، این بے کس وکس بے کس۔ جس انداز سے اپنے فدائی مریدین کو مخاطب فرمایا ہے اس سے یہ اندازہ لگانا دشوار ہوجاتا ہے کہ مکتوب نگار مخدوم پیر یا مکتوب الیہ۔

ان مکاتیب میں نہایت مفید معلومات درج ہیں۔ خانقاہی نظام وتحریک کی تفصیلات ہیں۔ تبلیغی جماعتوں کی نقل وحرکت، ہمراہیاں اور امرائے جماعت کے اسماء ہیں۔ خود اپنی کیفیات صحت وبیماری، افراد خاندان خانقاہی، مسجدی اور مدرسے والوں کے تذکرے ہیں۔ شاہ عالم ثانی، اکبر شاہ ثانی، نواب حافظ الملک حافظ رحمت بہادر والی کٹھیر، نواب شجاع الدولہ، نواب آصف الدولہ، نواب سعادت یار خاں، نوابین اودھ اور سرکار کمپنی اور سرکار کمپنی بہادر کے دور کا سماجی پس منظر وغیرہ ہے۔

سند واسماء الرجال

یا

شجرۂ طریقت

طوبی لمن رانی وآمن بی ،وطوبی لمن رای من رانی (حدیث)

(خوبی ہے اس شخص کے لئے جس نے مجھے دیکھا اور خوبی ہے اس شخص کے لیے جس نے میرے دیکھنے والے (صحابی) کو دیکھا)۔

نصر الله امرآسمع مقالتی فاد اها کما سمع (حدیث)

(اللہ اس شخص کو سرسبز وشاداب رکھے جو ہمارے قول کو اسی طرح بیان کردے جیسا کہ اس نے سنا)

شجرہ طریقت کی نوعیت بیان کرنے سے پہلے حدیث کی اصطلاحات کے بارے میں کچھ

عرض کر دیا جائے تا کہ بات کے سمجھنے میں آسانی رہے۔

سند :روایت بیان کرنے والوں کے سلسلے کو سند اور اسناد کہتے ہیں۔

متصل :وہ حدیث جس کی سند میں کوئی راوی ساقط نہ ہو۔

خبر متواتر: جس روایت کے راوی ہر دور میں اتنی کثرت سے پائے جاتے ہوں کہ ان کا جھوٹ بات پر متفق ہونا عادتاً ممکن نہ ہو۔

محکم :وہ مقبول حدیث جس کے مقابلہ میں کوئی دوسری حدیث مقبول نہ ہو۔

عنعنہ :سمعت ،عن فلاں ،عن فلاں کے لفظ سے حدیث روایت کرنے کو عنعنہ کہتے ہیں اور اس کو منعن کہتے ہیں۔اس میں سماع بالذات اور سمع بالواسطہ دونوں کا احتمال ہے۔علماء ظاہر کا ایک دلچسپ لطیفہ یہ ہے کہ حدیث منعن کا راوی اگر مدلس نہیں اور وہ اپنے استاد سے اس کی ایک بار بھی لقاء ثابت ہے تو وہ حدیث بالا اتفاق صحیح مانی جائے گی لیکن اگر لقا ممکن ہے مگر ثبوت نہیں تو جمہور محدثین کے نزدیک صحیح ہے۔

عدالت صحیح لذاتہ: عدالت راوی سے یہ مراد ہے کہ اس میں ذاتی مادہ ایسا ہو جو تقوی اور پرہیزگاری کے التزام پر مجبور کرے اور امور دیدیہ سے جو فی نفسہ درجہ اباحت میں داخل ہوں۔ تنفر دلاتا ہو۔مثلاً شارع عام پر پیشاب کرنا یا بازار میں کھانا۔تقوی سے مراد محض کبائر سے اجتناب ہے۔بعض حضرات صغائر سے بھی شرط کرتے ہیں۔لیکن محققین (علماء ظاہر) کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے۔

جس کی اصحیت کے متعلق آئمہ سے صراحت آچکی ہے وہ ضرور ان طرق سے اعلیٰ ہیں جن پر کسی نے آج تک اصحیت کی بالخصوص تصریح نہیں کی ہے۔سند حدیث جو معتبر ہوں وہ ایک نعمت ہے یہ نعمت بہ برکت نبی کریم ﷺ صرف امت محمدیہ کو حاصل ہے۔

الا سناد من الدين ولولا	اسناد، دین سے ہے ورنہ جس کا
الاسناد لقال من شاء ماشاء	جو دل چاہتا وہ کہتا

سند عالی: سند محض کافی نہیں ہے سند کے ساتھ سند عالی کی ضرورت ہے یعنی حضور پاک ﷺ تک کسی ایسے امام حدیث تک جو عدالت یا حفظ یا ثقاہت وغیرہ میں اہل علم کے نزدیک مسلم ہو

کم واسطوں سے اس کی انتہا ہو تو اس کو سند عالی کہتے ہیں۔ سند عالی کی نسبت حضرت امام احمد ابن جنبلؒ کا ارشاد ہے کہ یہ ہمارے اسلاف کی سنت ہے۔

طلب الاسناد العالی سنة عمن سلف سند عالی کا طلب کرنا اسلاف کا طریقہ کار ہے۔

یحییٰ بن معینؒ سے ان کے مرض الموت میں آخری خواہش دریافت کی گئی تو فرمایا۔

بیت خال. واسناد عال (خالی مکان اور سند عالی)

احمد بن اسلم کا قول ہے۔

قرب الاسناد قربته الی الله عزوجل اسناد کا قرب، اللہ تعالیٰ کا قرب ہے

اور اس کی مزید وضاحت ابن اصلاح نے بیان فرمائی ہے

لان قرب الاسناد الی رسول ﷺ قرب اسناد رسول ﷺ کی طرف یہ رسول

قرب الیه والقرب الیه قرب الی الله اللہؐ سے قرب ہے اور انسے قرب حقیقت

عزوجل میں اللہ عزوجل سے قرب ہے

بقول حاکم:

طلب الاسناد العالی سنة صحیحه سند عالی کی طلب سنت صحیحہ ہے

طریقت کے مبارک شجرے:

حضرات محدثین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے صحیح اور حسن احادیث کو شناخت کیا۔ حدیث کے راویوں اور اسماء الرجال کی وجہ سے یکتائے زمانہ ہو گئے۔ ان حضرات نے راویوں کے بارے میں جرح وتعدیل کے احکام نافذ کئے تاکہ صحیح اور ضعیف احادیث کا پتہ چل سکے کھوٹے کھرے کی تمیز ہو سکے۔ ان کے اس طریقہ کار سے روایت اور سند کا سلسلہ محفوظ ہو گیا۔ اس کے ذریعہ سے سنت کی حفاظت ہوئی، دین حنیف کی بنیادیں استوار ہو گئیں اور ہدایت مصطفوی کی جڑیں مضبوط ہو کر اس کی شاخیں خود پھیلیں [1]

---

[1] عوارف المعارف اردو ترجمہ صفحہ ۳۶-۳۵

بنوامیہ اور بنوعباس کے دور میں بد دیانتی اور تحریف کے کتنے ہی شعبہ برآمد ہو گئے تھے جن کی وجہ سے ہمارے علماء ربانیین (مشائخ سلسلہ) نے اپنے یہاں شجرے کا طریقہ جاری کیا الحمد اللہ یہ شجرے حدیث متصل ہیں نہ ان میں انقطاع ہے اور نہ تعلیق۔

طریقت کے مبارک شجرے دراصل سند رجال ہیں یعنی حدیث روایت کرنے والوں کے ان ذرائع سے سرکار نبی کریم ﷺ کا طریقہ اور ان کی سنت سنیہ ہم تک پہنچی ہے۔ یہ حضرات رواۃ الحمد للہ عدول ہیں۔ ثقات ہیں۔ ان کا تقویٰ ان کی پرہیز گاری متفق علیہ ہے ان کے تقوی و پرہیز گاری کو ہر وقت کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے۔ علماء ظاہر کے برعکس نہ محض کبائر سے اجتناب ہے بلکہ صغائر گناہ سے بھی انہیں ویسا ہی احتراز ہے۔

توائے گرد تو ہم شوکت دریا چہ می دانی؟ اسیر عذر لنگی وسعت صحرا چہ می دانی؟

(اے تو ہم کے غبار!! تجھے سمندر کی عظمت کی کیا خبر ہے؟ تو عذر لنگ کی قید میں ہے تجھے صحرا کی وسعت کا کیا اندازہ ؟)

سرکار پاک ﷺ کے سامنے کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب نے آقا مولیٰ کے حضور میں آکر جھوٹی اطلاع دی اس پر یہ آیت مبارک نازل ہوئی۔

(یاایها الذین آمنو ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا ان تصیبوا قو ماً بجهالة فتصبحوا علیٰ ما فعلتم ندا مین .(الحجرات۔٦)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق آکر کوئی خبر دے تو تحقیق کر لو کہیں ایسا نہ کہ تم کسی قوم کے خلاف ناواقفیت میں کوئی کارروائی کر بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔)

شجرۂ طریقت کے مشائخ یا روایات حضرات اس طریقہ کار ولائحہ عمل کے عینی شاہد ہیں۔ خدانخواستہ اگر کہیں روایت کا سلسلہ ٹوٹتا ہے یا غیر متقی کے ذریعہ پہنچتا ہے تو ضرور گفتگو اور انگشت کا موقع ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

یہ حضرات بخوبی واقف تھے کہ ان میں کون کون صاحب فاسق ہیں اور کون ایسے ہیں جن کے حلق سے قرآن نہیں اترے گا یا کون صاحب ابن ابتر ہیں۔

شجرہ: اللہ پاک کے فرمان وابتغوا الیہ الوسلة کی جامع دستاویز ہونے کے ساتھ ساتھ اسماء الرجال کی بھی ایسی جامع دستاویز ہے جس کے سامنے علماء رسمی کو بھی سر نیاز خم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

''تلبیس ابلیس'' کا لکھنے والا انتہائی منہ زور مولوی ابوالفرح ابن جوزی جو علماء متقشفین کا ملجاو ماوا ہے وہ بھی آخرش اپنی جبین نیاز ان آستانوں پر جھکا دیتا ہے اور ''صفة الصفوة'' لکھ کر دست بستہ و مبہوت حاضر خدمت ہے۔ جزاہ اللہ عزوجل خیر الجزا۔

اس کتاب میں ''نہ صرف اولیائے سالکین کا تذکرہ ہے بلکہ مجذوبوں کے ذکر سے بھی اس کتاب کو آراستہ کیا ہے۔ اکابر صوفیاء کے ایسے احوال واعمال کا ذکر کیا ہے جو شریعت مصطفوی کی محبت کو تازہ اور فعال بنانے والے ہیں۔''[1]

جواماں ملی تو کہاں ملی

یہ ہے سند عالی کی معجزانہ شان۔ یہی اللہ کی رسی ہے یہ انتہائی مضبوط سہارا (عروة الوثقی) ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ حضرات پیران عظام اس نورانی زنجیر کی اٹوٹ کڑیاں ہیں۔ ان اسماء الرجال نے روحانیت اور باطنی نسبت میں عینی شہادت اور مشاہدہ کی مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔ ان حضرات کا علم علماء ظاہر کی طرح عنعنہ نہیں ہے جس میں احتمال تدلیس یا لقاء واحد یا غیر ثبوتی ہو۔ بلکہ لقاء وصحبة ہے اور یہ صحبت بھی مسلسل اور متصل ہے۔ جہاں اس عرش بارگاہ میں حاضر رہ کر

---

[1] حضرت غوث الاعظم سوانح وتعلیمات مع تذکرہ فرزند غوث الاعظم۔ پیش لفظ حضرت عرشی رام پوری کتاب صفة الصفوة۔ حافظ ابوالنعیم کی حلیة الاولیاء کی بہترین تلخیص ہے۔ ۱۳۵۷ھ میں دائرہ المعارف حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہے۔ صفحہ ۸

انہوں نے شب و روز کی جلوہ سامانیاں ان آنکھوں سے دیکھی ہیں اور ان کے چشم و ابرو کے اشارے پر پسندیدہ خدمات انجام دیں ہیں۔

ان کی یہ مسلسل حاضریان اور مدت خدمتگاری ہی ان کی کمال معرفت ہے اور یہی سیر الی اللہ۔

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

اب حضرت ابن العربی علیہ الرحمتہ والغفران کا ارشاد عالی پیش کیا جارہا ہے

الخرقة عندنا انما هی عبادة من الصحبةوالا دب والتخلق (فتوحات المکیہ)

(ہمارے نزدیک خرقہ سے مراد صحبت ادب اور تخلیق (ہم رنگی) ہے)

ان حضرات کرام کے علم میں تھا کہ بعد میں فساق و فجار عدول وثقات بنا کر پیش کیے جائیں گے اور ان کی عدالت وثقاہت کی قسمیں کھائی جائیں گی۔ سورۂ حجرات کی آیۂ مبارکہ کے مشار الیہ اور موصوف جیسے کہاں سے کہاں پہنچا دیے جائیں گے۔ چنانچہ ان حضرات کے قرائن و اندازے سو فیصد حقائق پر مبنی نکلے۔ مروان بن حکم جیسے رواۃ انتہائی قابل اعتماد اور قابل اعتبار ٹھہریں گے۔ چنانچہ وہ اور اس کے ٹولے کے مخصوص راوی اصح الکتاب بعد القرآن بخاری شریف کی زینت ہیں اور ان میں بھی بعض بعض جراتمند تو سو سو بلکہ اس سے بھی زیادہ روایات کا راوی ہے۔

چہ دلاوراست دزدے کہ بکف چراغ دارد

(کیسا بہادر چور ہے کہ ہاتھوں میں چراغ لیے ہوئے ہے)

اسی مصلحت اور دور اندیشی کے بناء پر ان حضرات نے اپنے رواۃ کی شق علیحدہ کر کے شجرۂ طریقت کی مبارک بنیاد قائم کی ہے تا کہ اس اہتمام واحتیاط کی بدولت ان میں طمع کاروں کا داخلہ نہ ہو سکے۔

شجرۂ طریقت دراصل ایسی خبر متواتر ہے جس کے راوی ہر دور میں اتنی کثرت سے پائے جاتے ہیں جن کا جھوٹ بات پر متفق ہونا عادتاً ناممکن ہے۔

---

1 آیۃ الکرسی

کسی مسلک میں سند رجال کا وہ اہتمام نہیں ہو سکا جو کہ طریقت میں رائج ہے۔ بڑے سے بڑا عالم جو کہ اپنے داعیہ میں خود اسماء الرجال کا سب سے بڑا ماہر و محقق سمجھتا ہے وہ دین کے ارکان خمسہ تو بہت بڑی بات ہے کلمہ طیبہ کے اسمائے الرجال بھی نہیں سنا سکتا ہے۔ اس کے برعکس فضلا کو جانے دیجئے۔ طریقت سے متعلق چلتا پھرتا مزدور، قلی اور رکشا والا تک پورا شجرہ بغیر زحمت کے زبانی سنا دے گا۔

الحق یعلو و لا یعلی

(حق تو غالب ہونے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ مغلوب ہونے کے لئے)

دگر ہا شنیدستی ایں ہم شنو

یہ سب کچھ یونہی وجود میں نہیں آجاتا بلکہ اس کام کے لئے سخت جانفشانی کرنی پڑتی ہے تب کہیں جا کر شیخ اپنے مرید کو صراط مستقیم کی ہدایت کے ساتھ علم لدنی تعلیم فرماتا پھر وہ تلقین فرماتا۔ جو کچھ اسے اپنے مشائخ سے تلقین ہوا تھا چنانچہ اس ہدایت، تعلیم اور القا کی بدولت وہ تھوڑی سی مدت میں زکی، نقی، ذاکر، شاغل، مراقب و مشاہد کے ساتھ ساتھ اعمال حسنہ کا پابند اور خصائل ذمیمہ رویہ سے کنارہ کش ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ کے حضور میں مانوس اور ماسوای اللہ سے وحشت زدہ ہو جاتا ہے۔ اگلے مرحلے میں وہ معارف و اسرار کا عامل ہو کر نبی مختار ﷺ کی وراثت مستحقین لاحقین میں تقسیم کرنے کا اہل ہو جاتا ہے۔

دو گوہر نمودم بہ گوہر فروش

(جوہری کی خدمت میں دو موتی حاضر ہیں۔)

یہ فرق ہے اہل ظاہر و اہل باطن کی درمیان میں

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

روحانی سلاسل

سلسلہ عالیہ نیازیہ

حضرت قبلہ کی ابتدائی روحانی تربیت حضرات والدین کریمین یعنی حاجی الحرمین حکیم الٰہی شاہ محمد رحمت اللہ علوی سرہندی اور والدہ ماجدہ حضرت بی بی شاہ غریب نواز (علیہما الرحمہ) نے فرمائی اس مبارک تربیت میں غالب عنصر حضرت والدہ صاحبہ کا ہے جیسا کہ پہلے بھی تحریر کیا جا چکا ہے اگرچہ حضرت والد صاحب آخر تک تربیت فرماتے رہے۔

بعد ازاں (شوال ۱۱۶۲ھ تا ۱۱۷۵ھ) تیرہ سال حضرت فخر جہاں کی تربیت ہے یہی تربیت حاصل زندگی ہے۔

مرید پیر مغانم دگر نمی دانم　　　خراب بادۂ آنم دگر نمی دانم

کمال فقر شدہ از ظہور فخر الدینؒ　　　فدائے او دل و جانم دگر نمی دانم

سینتیس سال کی عمر (۱۱۹۲ھ) میں حضرت سیدنا عبداللہ بغدادی قادری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی خدمت میں بذریعہ شیخ ہی شرف باریابی حاصل ہوا۔

حضرت قبلہ پر چونکہ حضرات پنجتن پاک کا خصوصی کرم ہے چنانچہ فیض روحانی میں بھی پانچ کی گنتی موجود ہے حضرت والدین حضرت نانا صاحب اور حضرات شیخین۔ آپ کے پانچ مشائخ طریقت ہوئے جن میں سے دو حضرات معروف ہیں انہیں دونوں حضرات کے قادریہ و چشتیہ مطبوعہ شجرے مریدین کو دیئے جاتے ہیں۔ ان دونوں سلسلوں میں آپ کو شرف سجادگی حاصل ہے۔ قادریہ عبدالیہ، چشتیہ فخریہ۔

سلاسل قادریہ۔ سہروردیہ۔ چشتیہ نظامیہ۔ چشتیہ صابریہ۔ نقشبندیہ قدیمہ موروثی۔ نقشبندیہ مجددیہ کے علاوہ کبرویہ مجددیہ۔ مداریہ مجددیہ۔ قلندریہ مجددیہ میں بھی آپ صاحب خلافت و اجازت ہیں۔ مجموعی اعتبار سے آپ کو ان سلاسل مبارکہ میں اٹھارہ خاندانوں سے شرف فیض حاصل ہے۔

سلسلہ عالیہ قادریہ حضرت سیدنا غوث الاعظم کے تین نور العین اور چوتھے خلیفہ سہروردی ابوالنجیب سہروردی (بانی سلسلہ سہروردیہ) کے ذریعے سات طریقوں سے پہنچتا ہے۔

۱۔حضرت سید سیف الدین عبدالوہابؒ (فرزند اکبر و جانشین) ایک سلسلہ (پنجشنبہ ۲۵ شوال ۶۰۳ھ)

۲۔حضرت سید شمس الدین ابوبکرؒ۔فرزند سوم (دو سلسلے) ۵۸۹ھ

۳۔حضرت سید تاج الدین ابوبکر عبدالرزاق (فرزند پنجم) دو سلسلے (۶ شوال ۶۰۳ھ)

۴۔حضرت خلیفہ شیخ عبدالقاہر ابوالنجیبؒ سہروردی دو سلسلے

۱۔اول الذکر سلسلہ قادریہ بذریعہ حضرت سید کمال الدین سوندھا حق نما (لدھیانوی) ومحی الدین دیاسنامیؒ سبزواری (پٹیالوی) وحضرت بی بی شاہ غریب نواز صاحبہؒ ہے اس سلسلہ میں حضرت غوث پاک تک (۸) واسطے ہیں اور یہ سلسلہ تبرکاً ہے نہ کہ ارشادی۔

۲۔حضرت فرزند سوم شمس الدین ابوبکرؒ سے بذریعہ سیدنا عبداللہ بغدادی قادریؒ دو سلاسل پہنچے ہیں۔

(i) امامیہ قادریہ (جس میں خانوادۂ رسالت کے آٹھ امام ہیں) میں ۱۴ واسطے ہیں۔

(ii) حسن بصریہ قادریہ (جو بذریعہ حبیب عجمی) اس میں ۱۳ واسطے۔

۳۔حضرت فرزند پنجم سیدنا تاج الدین ابوبکر عبدالرزاقؒ سے ایک سلسلہ قادریہ سنامیہ بذریعہ سید محی الدین دیاسنامیؒ بواسطہ بی بی شاہ غریب نواز صاحبہ ہے۔اسی سلسلہ میں حضرت غوث پاکؒ تک ۱۷ واسطے ہیں۔دوسرا سلسلہ انہی حضرت سے بذریعہ سید قطب الدین صاحبؒ بواسطہ حضرت حکیم صاحب قادریہ مجددیہؒ ہے اس میں حضرت غوث پاک تک ۲۰ واسطے ہیں۔

۴۔حضرت خلیفہ شیخ ابوالنجیب سہروردی سے بذریعہ حضرت مولانا فخر پاک دو قادریہ سہروردیہ سلسلے ہیں۔پہلے قادریہ امامیہ میں حضرت غوث پاک تک ۱۸ واسطے ہیں۔

اس طرح آپ کو سلسلہ عالیہ قادریہ سات طریقوں سے پہنچا ہے۔سرکار مآب کے صدقے میں سرکار غوث پاکؒ سے منسوب ہر شئی عزیز ہے قادری غلاموں پر اللہ کے ان گنت انعامات منجملہ دیگر انعامات کے ان میں سے ایک خاص کرم یہ ہے کہ کوئی قادری غلام بحمد اللہ رافضی نہیں ہوسکتا۔

چشتیہ خاندانوں کے فیوض (۵ ذرائع سے)

۱۔ چشتیہ نظامیہ فخریہ:	تا حضور محبوب الٰہیؒ	۱۳ واسطے
۲۔ چشتیہ نظامیہ خانونیہ	بواسطہ حضرت نانا صاحب تا حضور محبوب الٰہیؒ	۱۷ واسطے
۳۔ چشتیہ نظامیہ مجددیہ	بواسطہ حضرت والد صاحب تا حضور محبوب الٰہیؒ	۱۶ واسطے
۴۔ چشتیہ صابریہ مجددیہ	بواسطہ حضرت والد صاحب تا حضرت مخدوم صابر کلیریؒ	۱۶ واسطے
۵۔ چشتیہ صابریہ ناصریہ	بواسطہ حضرت والد صاحب تا حضرت مخدوم صابر کلیریؒ	۱۶ واسطے

علاوہ ازیں نقشبندیہ قدیمہ موروثی (۱) نقشبندیہ مجددیہ (۱) مداریہ مجددیہ (۱) کبرویہ مجددیہ (۱) قلندریہ مجددیہ (۱) سلاسل ہیں

۱۔ نقشبندی قدیمہ:	بواسطہ حضرت والد ماجد (موروثی) تا بحضرت خواجہ بہاء الدینؒ الدین نقشبند ۱۴ واسطے
۲۔ نقشبندی مجددیہ	بواسطہ حضرت والد ماجدؒ تا حضرت خواجہ بہاء الدینؒ نقشبندی ۱۴ واسطے
۳۔ کبرویہ مجددیہ	بواسطہ حضرت والد ماجدؒ تا حضرت نجم الدین کبریٰؒ ۲۰ واسطے
۴۔ مداریہ مجددیہ	بواسطہ حضرت والد ماجدؒ تا حضرت سید نا بدیع الدینؒ مدار ۱۵ واسطے
۵۔ قلندریہ مجددیہ	بواسطہ حضرت والد ماجدؒ تا حضرت نجم الدین قلندرؒ (۱۴) و تا حضرت رسالت مآب صلعم ۱۷ واسطے

سلسلہ مداریہ:

''خاندانِ مداریہ کا سلوک ان کے طریقہ پر''۔ یہ عبارت کرامات نظامیہ کے صفحہ نمبر ۳۰ پر درج ہے اور محض یہی تذکرہ ہماری اطلاع کا ذریعہ ہے جس پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا اور اس میں آگے پیچھے کچھ بھی دریافت نہیں ہو سکا۔ لیکن تلاش و تجس باقی تھا انتہائی کوشش کے باوجود کسی ذریعہ سے یہ دریافت نہیں ہو پا رہا تھا کہ سلسلہ عالی مداریہ حضور قبلہ کو کون ذرائع سے پہنچا؟

حضرت قبلہ کے والد ماجد حاجی الحرمین حضرت شاہ محمد رحمت اللہ علوی بریلویؒ کے مرشد گرامی حضرت سید قطب الدین محمد اشرف حسین حیدر ابن حضرت سید عنایت اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ کی عالی

قدر تصنیف وہب الزبیر جولائی ۱۹۹۳ء سے راقم کے زیر مطالعہ ہے یہ عملی تصوف کی بہترین کتاب ہے جس میں اذکار، اشغال اور افکار جمع کیے گئے ہیں۔ دوسرے مخطوطوں کی مدد سے راقم نے اس مخطوطہ کو حتی المقدر تصحیح بھی کی تھی لیکن آخر دسمبر ۹۷ء میں اس کے اردو ترجمے کے دوران جب مذکورہ عبارت پر پہنچا۔

''فصل در بیان اذکار واشغال حضرات قادریہ، نقشبندیہ وکبردیہ، سہروردیہ مداریہ، شطاریہ وجمیع طرق بہ طریق اختصار دریں رسالہ مندرج است''

تو معاً یہ بات ذہن میں صاف ہوگئی کہ یہ جملہ طریقے حضرت قبلہ کو اپنے حضرت والد ماجد حکیم صاحب کے ذریعے سے پہنچے ہیں۔ اب دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ حضرت سید قطب صاحبؒ کو یہ فیضان کہاں سے پہنچا؟ تب یہ خیال آیا کہ حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی نے اپنے حضرت والد ماجد شاہ ابوالخیرؒ کے سوانح ''مقامات خیر'' میں ان کے شجرہ ہائے طریقت بھی درج فرمائے ہیں چنانچہ اپنے کتب خانے سے مقامات خیر نکال کر تلاش شروع کی صفحہ نمبر ۵۶ پر ہی اشارہ بہ طرق سبعہ مل گیا۔

حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نے (مکتوبات حضرت امام ربانیؒ) دفتر سوم کے دیباچہ میں کیا خوب کہا ہے۔

چراغ خاندان نقشبند ہفت محفل　　　نگاہش نقشبد غیر از دل

''کیوں کہ آپ (حضرت امام ربانی) کو نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ (نظامیہ وصابریہ ہردو) سہروردیہ، کبرویہ، مداریہ، قلندریہ میں اجازت تھی''

۱۔ سلسلہ صابریہ: بندگی حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ کو شرف بیعت وخلافت کئی بزرگوں سے حاصل ہے۔ چنانچہ سلسلہ صابریہ میں حضرت بندگی کو حضرت محمد عارف ردولویؒ سے شرف اجازت ہے ان کے اور حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ کے درمیان میں چار واسطے ہیں۔

۲۔ سلسلہ نظامیہ: اس سلسلے میں حضرت بندگیؒ کو حضرت سید درویش اودھیؒ سے شرف بیعت واجازت ہے حضرت موصوف اور سید جلال الدینؒ کے درمیان دو واسطے ہیں اور سید جلال الدینؒ خود حضرت مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلی کے خلیفہ ہیں۔

۳۔سلسلہ کبرویہ : حضرت بندگیؒ کو حضرت سید اودھیؒ سے ہی سلسلہ کبرویہ پہنچا ہے۔

۴۔سلسلہ مداریہ : حضرت بندگیؒ کو حضرت سید اودھیؒ سے دوسرے سلسلوں کی طرح سلسلہ مداریہ بھی پہنچا ہے اور حضرت سید نامدارؒ تک محض دو واسطے حضرت سید بڈھنؒ بہرائچی اور حضرت سید اجملؒ بہرائچی ہیں۔ حضرت سید اجملؒ کو شرف بیعت و اجازت حضرت سید نامدارؒ صاحب سے ہے۔

۵۔سلسلہ قلندریہ : حضرت عبدالسلام قلندریؒ سے آپ کو سلسلہ قلندریہ پہنچا ہے۔ باقی سلاسل کے شجرے حضرت بندگیؒ کے توسط سے تا بہ حکیم صاحب بذریعہ قطب الدین صاحب یکساں ہیں۔

حضرت والد حاجی الحرمین حکیم الٰہی شاہ محمد رحمت اللہ علوی معروف بہ حکیم صاحبؒ کے ذریعہ مندرجہ ذیل دس سلاسل سلسلہ عالیہ نیازیہ میں فیض رسانی کرر ہے ہیں۔

۱۔	قادریہ مجددیہ	۶۔	مداریہ مجددیہ
۲۔	چشتیہ صابریہ مجددیہ	۷۔	قلندریہ مجددیہ
۳۔	نظامیہ مجددیہ	۸۔	نقشبندیہ مجددیہ
۴۔	سہروردیہ مجددیہ	۹۔	نقشبندیہ قدیمہ (موروثی)
۵۔	کبرویہ مجددیہ	۱۰۔	صابریہ سنوریہ

تلك عشرة كامله

مذکورہ بالا دس سلاسل میں سے آٹھ سلاسل بذریعہ حضرت سید قطب الدین علیہ الرحمۃ والغفر ان مجددیہ سلسلے ہیں۔ نواں سلسلہ نقشبندیہ قدیمہ موروثی ہے۔ ایک سلسلہ صابریہ حضرت شیخ محمد ناصر سہرہندیؒ سے اور انہیں حضرت ابوالفتح سنوری سے تا بہفت واسطہ حضرت بندگی علیہ الرحمۃ تک پہنچا ہے۔

یہ طریقت کے وہ مبارک شجرے ہیں جو حضرت والد ماجدی شاہ محمد صادق نظامی نیازی عرف سچے میاں صاحبؒ کے نانا صاحب اور شیخ طریقت حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد نظامی نیازی روحی فداعلیہ الرحمہؒ پر منتہی ہوتے ہیں۔

قادریہ بغدادیہ ۳۴ واسطے

هذا شجرة اصلها اصیل و فر عها نبیل

الحمد لله رب العالمین و العاقبه للمقیتن الصلوة و السلام علی رسوله محمد و آله واصحا به اجمعین۔ الی الٰهی بحرمة رازونیاز

۱۔ حضرت سرور کائنات خلاصۂ موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ حضرت امام علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ وکرم اللہ وجہ

۳۔ حضرت سید الشہداء امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۔ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۶۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۔ حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۸۔ حضرت امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۔ حضرت اسد الدین معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۔ حضرت صفا الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۱۔ حضرت ابوالحسن سری سقطی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲۔ حضرت سید الطائفہ شیخ ابوالقاسم جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۳۔ حضرت ابوبکر عبداللہ شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۴۔ حضرت شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۵۔ حضرت شیخ ابوالفرح یوسف طرطوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۶۔ حضرت شیخ ابوالحسن علی ہنکاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۷۔ حضرت شیخ ابوسعید مبارک بن علی بن حسین مخزومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۸۔ حضرت سید محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۹۔ حضرت سید عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

۲۰۔ حضرت سید محمد ھتماک //

۲۱۔ حضرت سید شمس الدین //

۲۲۔ حضرت سید شرف الدین //

۲۳۔ حضرت سید زین الدین //

۲۴۔ حضرت سید ولی الدین //

۲۵۔ حضرت سید نور الدین //

۲۶۔ حضرت سید حسام الدین //

۲۷۔ حضرت سید نور الدین //

۲۸۔ حضرت سید درویش //

۲۹۔ حضرت سید محمود //

۳۰۔ حضرت سید عبدالجلیل //

۳۱۔ حضرت سیدنا عبداللہ بغدادی //

۳۲۔ حضرت قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز //

۳۳۔ حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین //

۳۴۔ حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد //

چشتیہ نظامیہ فخریہ

هذا الشجرة اصلها ثابت وفرعها في السماء

الٰہی بحرمة راز و نیاز

۱۔ حضرت سرور کائنات خلاصۂ موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام وکرم اللہ وجہہ

۳۔ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۴۔ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید ״

۵۔ حضرت خواجہ فضیل بن عیاض ״

۶۔ حضرت خواجہ سلطان ابراہیم بن ادھم ״

۷۔ حضرت خواجہ سدید الدین خدیفہ مرعشی ״

۸۔ حضرت خواجہ امین الدین ہبیرہ بصری ״

۹۔ حضرت خواجہ علو ممشاد دینوری ״

۱۰۔ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی ״

۱۱۔ حضرت خواجہ ابو احمد شامی ״

۱۲۔ حضرت خواجہ ابو محمد ابدال چشتی ״

۱۳۔ حضرت ناصر الدین ابو یوسف ״

۱۴۔ حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود ״

۱۵۔ حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی ״

۱۶۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی ״

۱۷۔ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری ״

۱۸۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ״

۱۹۔ حضرت شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر اجودھنی ״

۲۰۔ حضرت خواجہ نظام الدین محمد محبوب الٰہی ״

۲۱۔ حضرت مخدوم نصیر الدین محمود اودھی ״

۲۲۔ حضرت مولینا کمال الدین علامہ ״

۲۳۔ حضرت مولینا سراج الدین چشتی ״

۲۴۔ حضرت مولینا علم الدین ״

۲۵۔ حضرت مولینا شیخ محمود چشتی ״

۲۶۔ حضرت مولینا جمال الدین جمن چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۷۔ حضرت مولینا محمد حسن چشتی //

۲۸۔ حضرت مولینا شیخ محمد چشتی //

۲۹۔ حضرت مولینا محی الدین یوسف یحییٰ مدنی چشتی //

۳۰۔ حضرت مولینا شیخ کلیم اللہ شاہجہان آبادی //

۳۱۔ حضرت مولینا نظام الدین اورنگ آبادی //

۳۲۔ حضرت مولانا سید العاشقین سند المعشوقین مولینا فخر الدین محمد دہلوی چشتی //

۳۳۔ قطب عالم مدار اعظم حضرت مولانا نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد //

۳۴۔ حضرت مولانا تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسینؒ //

۳۵۔ حضرت مولینا سراج السالکین شاہ محی الدین احمد //

قادریہ۔ عجمیہ از حضرت عبداللہ بغدادی قادری

غیر مطبوعہ

۱۔ حضرت سرور کائنات خلاصۂ موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ

۲۔ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ حضرت خواجہ خواجگان شیخ حسن بصری //

۴۔ حضرت حبیب عجمی //

۵۔ حضرت شیخ داؤد طائی //

۶۔ حضرت شیخ اسد الدین معروف کرخی //

۷۔ حضرت شیخ صفاء الدین //

۸۔ حضرت شیخ ابوالحسین سری سقطی //

9 حضرت شیخ ابوالقاسم جنید بغدادی //

۱۰۔ حضرت شیخ ابوبکر عبداللہ شبلی //

۱۱۔ حضرت شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز یمنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۲۔ حضرت شیخ ابوالفرح یوسف طرطوسی //

۱۳۔ حضرت شیخ ابوالحسن علی ہنکاری //

۱۴۔ حضرت شیخ ابوسعید مخزومی //

۱۵۔ حضرت سید محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانی //

۱۶۔ حضرت سید عبدالعزیز //

۱۷۔ حضرت سید محمد ہتاک //

۱۸۔ حضرت سید شمس الدین //

۱۹۔ حضرت سید زین الدین //

۲۰۔ حضرت سید ولی الدین //

۲۱۔ حضرت سید نورالدین //

۲۲۔ حضرت سید حسام الدین //

۲۳۔ حضرت سید نورالدین //

۲۴۔ حضرت سید درویش //

۲۵۔ حضرت سید محمود //

۲۶۔ حضرت سید عبدالجلیل //

۲۷۔ حضرت سید عبداللہ بغدادی //

۲۸۔ حضرت قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد //

۲۹۔ حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین //

۳۰۔ حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد //

نقشبندیہ قدیمہ موروثی

حضرت والد ماجد حاجی الحرمین حکیم الٰہی شاہ محمد رحمت اللہ علوی کے ذریعہ دس سلاسل میں اجازت د

خلافت۔

۱۔ حضرت سرورِ کائنات خلاصۂ موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ حضرت سلمان فارسی 〃

۴۔ حضرت امام مولینا قاسم بن محمد بن ابی بکر 〃

۵۔ حضرت خواجہ مولینا امام جعفر صادق 〃

۶۔ حضرت خواجہ مولینا ابایزید بسطامی 〃

۷۔ حضرت خواجہ مولینا ابوالحسن خرقانی 〃

۸۔ حضرت خواجہ مولینا علی فارمدی طوسی 〃

۹۔ حضرت خواجہ مولینا یوسف ہمدانی 〃

۱۰۔ حضرت خواجہ مولینا عبدالخالق غجدانی 〃

۱۱۔ حضرت خواجہ مولینا عارف ریوگری 〃

۱۲۔ حضرت خواجہ مولینا سید محمود الخیری فغنوی 〃

۱۳۔ حضرت خواجہ مولینا علی عزیزاں رامیتنی 〃

۱۴۔ حضرت خواجہ مولینا محمد بابائے سماسی 〃

۱۵۔ حضرت خواجہ مولینا سید امیر کلال 〃

۱۶۔ حضرت مولینا بہاؤ الدین نقشبندی 〃

۱۷۔ حضرت خواجہ مولینا علاء الدین عطار 〃

۱۸۔ حضرت خواجہ مولینا یعقوب چرخی 〃

۱۹۔ حضرت خواجہ مولینا عبیداللہ احرار براتی 〃

۲۰۔ حضرت خواجہ مولینا محمد زاہد 〃

۲۱۔ حضرت خواجہ مولینا محمد درویش اکمنگی 〃

۲۲۔ حضرت خواجہ مولینا خواجگی اکمنگی 〃

۲۳۔ حضرت خواجہ مولینا رضی اللہ عبدالباقی المعروف بہ خواجہ باقی اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۴۔ حضرت خواجہ مولینا شاہ جمال اولیاء ساکن کوڑہ فتح پور //

۲۵۔ حضرت خواجہ مولینا سید محمد گیسودراز۔ کالپی //

۲۶۔ حضرت خواجہ مولینا سید احمد گیسودراز۔ کالپی //

۲۷۔ حضرت خواجہ مولینا کلمۃ اللہ علوی ملتانی //

۲۸۔ حضرت خواجہ مولینا ابراہیم علوی ملتانی //

۲۹۔ حضرت مولینا عظمت اللہ محقق سرہندی //

نقشبندیہ مجددیہ

۳۰۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۱۔ حضرت خواجہ محمد معصوم //

۳۲۔ حضرت خواجہ محمد نقشبند //

۳۳۔ حضرت خواجہ محمد زبیر //

۳۴۔ حضرت سید عنایت اللہ //

۳۵۔ حضرت سید قطب الدین محمد اشرف حسین حیدر //

۳۶۔ حضرت خواجہ مولینا حاجی الحرمین حکیم الٰہی شاہ محمد رحمت اللہ علوی //

۳۷۔ حضرت خواجہ مولینا نیاز شاہ نیاز احمد بریلوی //

۳۸۔ حضرت خواجہ مولینا تاج الاولیاء شا نظام الدین حسین //

۳۹۔ حضرت خواجہ مولینا سراج السالکین شاہ محی الدین احمد //

قادریہ سہروردیہ فخریہ　　　قادریہ۔ امامیہ فخریہ

۱۔ حضرت سرور کائنات خلاصہ موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ

۲۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ

۳۔ حضرت خواجہ جواجگان خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ　　۳۔ حضرت امام حسین علیہ السلام

۴۔حضرت شیخ حبیب عجمی	″	۴۔حضرت امام زین العابدین
۵۔حضرت شیخ داؤد طائی	″	۵۔حضرت امام محمد باقر
۶۔حضرت اسد الدین معروف کرخی	″	۶۔حضرت امام جعفر صادق
۷۔حضرت شیخ ابی الحسین سری سقطی	″	۷۔حضرت امام موسیٰ کاظم
۸۔حضرت سید الطائفہ حجت الدین		۸۔حضرت امام علی رضا
ابی القاسم ابن محمد جنید البغدادی	″	
۹۔حضرت شیخ ابوبکر عبداللہ شبلی		۹۔حضرت اسد الدین معروف کرخی رضی اللہ عنہ
۱۰۔حضرت شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز یمنی	رضی اللہ عنہ	
۱۱۔حضرت شیخ ابوالفرح یوسف طرطوسی	″	
۱۲۔حضرت شیخ ابوالحسن علی ہنکاری	″	
۱۳۔حضرت شیخ ابوسعید مبارک بن علی بن حسین مخزومی	″	
۱۴۔حضرت سید محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی	″	
۱۵۔حضرت شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی	″	
۱۶۔حضرت شیخ عمار یاسر اندلسی	″	
۱۷۔حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ	″	
۱۸۔حضرت شیخ مجد الدین	″	
۱۹۔حضرت شیخ رضی الدین عرف علی لالہ	″	
۲۰۔حضرت شیخ رضی الدین عرف علی لالہ	″	
۲۱۔حضرت شیخ احمد جورقانی	″	
۲۲۔حضرت شیخ نور الدین	″	
۲۳۔حضرت شیخ علاء الدین ولد سمنانی	″	
۲۴۔حضرت شیخ محمود	″	
۲۵۔حضرت سید علی ہمدانی	″	

۲۶۔ حضرت خواجہ اسحاق ختلانی رضی اللہ عنہ
۲۷۔ حضرت سید محمد نور بخش //
۲۸۔ حضرت شیخ محمد علی نور بخش //
۲۹۔ حضرت محمد غیاث نور بخش //
۳۰۔ حضرت شیخ محمد حسین //
۳۱۔ حضرت شیخ محمد //
۳۲۔ حضرت شیخ کلیم محی الدین یوسف یحیٰی مدنی //
۳۳۔ حضرت شیخ کلیم اللہ دہلوی //
۳۴۔ حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی //
۳۵۔ حضرت شیخ فخر الدین محمد دہلوی //
۳۶۔ حضرت قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد بریلوی //
۳۷۔ حضرت تاج الاولیاء وشاہ نظام الدین حسین //
۳۸۔ حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد //

چراغ خاندان نقشبند ہفت محفل ۔ نگاہش نقشبند غیر از دل

۲۔ امامیہ۔ قادریہ۔ مجددیہ

۱۔ حضرت سرور کائنات خلاصۂ موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
۲۔ حضرت امام علی کرم اللہ وجہہ
۳۔ حضرت امام حسین علیہ السلام
۴۔ حضرت امام زین العابدین //
۵۔ حضرت امام محمد باقر //
۶۔ حضرت امام جعفر صادق //
۷۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

۸۔ حضرت امام علی رضا //

۹۔ حضرت اسد الدین معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۰۔ حضرت ابوالحسین سری سقطی //

۱۱۔ حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی //

۱۲۔ حضرت عبداللہ ابوبکر شبلی //

۱۳۔ حضرت عبدالواحد بن عبدالعزیز یمنی //

۱۴۔ حضرت ابویوسف طرطوسی //

۱۵۔ حضرت ابوالحسن علی ہنکاری //

۱۶۔ حضرت ابوسعید مبارک مخزومی //

۱۷۔ حضرت سید محی الدین ابوعبدالقادر جیلانی //

۱۸۔ حضرت سید عبدالرزاق //

۱۹۔ حضرت سید شرف الدین قتال //

۲۰۔ حضرت سید عبدالوہاب //

۲۱۔ حضرت سید بہاء الدین //

۲۲۔ حضرت سید عقیل //

۲۳۔ حضرت سید شمس الدین صحرائی //

۲۴۔ حضرت سید گدارحمٰن اول //

۲۵۔ حضرت سید شمس الدین عارف //

۲۶۔ حضرت سید گدارحمٰن ثانی //

۲۷۔ حضرت سید شاہ فضیل //

۲۸۔ حضرت شاہ کمال کیتھلی //

۲۹۔ حضرت شاہ سکندر کیتھلی //

۳۰۔ حضرت شیخ احمد فاروقی سہرندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۱۔ حضرت شیخ خواجہ محمد معصوم سہرندی //

۳۲۔ حضرت خواجہ محمد نقشبند سہرندی //

۳۳۔ حضرت خواجہ سید محمد زبیر //

۳۴۔ حضرت سید محمد عنایت اللہ //

۳۵۔ حضرت سید قطب الدین محمد اشرف حسین حیدر //

۳۶۔ حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد بریلوی //

۳۷۔ حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین //

۳۸۔ حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد //

صابریہ مجددیہ

ازمخدوم صابر کلیریؒ

۱۔ حضرت مخدوم عالم علاء الدین علی احمد صابر کلیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت شمس الدین ترک پانی پتی //

۳۔ حضرت جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی //

۴۔ حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی //

۵۔ حضرت شیخ محمد عارف //

۶۔ حضرت بندگی شیخ عبدالقدوس گنگوہی //

۷۔ حضرت شیخ رکن الدین //

۸۔ حضرت خواجہ عبدالاحد فاروقی سہرندی //

۹۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی //

۱۰۔ حضرت خواجہ محمد معصوم //

۱۱۔ حضرت خواجہ محمد نقشبند //

۱۲۔ حضرت خواجہ محمد زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۳۔ حضرت سید محمد عنایت اللہ //

۱۴۔ حضرت سید قطب الدین محمد اشرف حسین حیدر //

۱۵۔ حضرت حکیم الٰہی شاہ محمد رحمت اللہ سرہندی بریلوی //

۱۶۔ حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد //

۱۷۔ حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین //

۱۸۔ حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد //

نظامیہ مجددیہ

از حضرت شیخ نظام الدین

۱۔ حضرت سلطان الشائخ نظام الدین محمد محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت مخدوم نصیر الدین محمود، چراغ دہلی //

۳۔ حضرت سید جلال الدین //

۴۔ حضرت سید اجمل بہرائچی //

۵۔ حضرت سید ابوالحسن بہرائچی //

۶۔ حضرت سید درویش اودھی //

۷۔ حضرت عبدالقدوس۔ گنگوہی //

۸۔ حضرت رکن الدین گنگوہی //

۹۔ حضرت شیخ عبدالاحد فاروقی سرہندی //

۱۰۔ حضرت شیخ احمد سرہندی //

۱۱۔ حضرت خواجہ معصوم //

۱۲۔ حضرت خواجہ محمد نقشبند //

۱۳۔ حضرت خواجہ محمد زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۔ منتخب تنقیح الاخبار مطبوعہ صفحہ ۱۳۹۔۱۳۸

۱۴۔ حضرت سید عنایت اللہ //

۱۵۔ حضرت سید قطب الدین محمد اشرف حسین حیدر //

۱۶۔ حضرت حکیم الٰہی حاجی شاہ محمد رحمت اللہ علوی //

۱۷۔ حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد //

۱۸۔ حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین //

۱۹۔ حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد //

سہروردیہ، مجددیہ

۱۔ حضرت امام علی کرم اللہ وجہٗ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ حسن بصری //

۳۔ حضرت حبیب عجمی //

۴۔ حضرت داؤد طائی //

۵۔ حضرت معروف کرخی //

۶۔ حضرت سری سقطی //

۷۔ حضرت جنید بغدادی //

۸۔ حضرت ممشاد دینوری //

۹۔ حضرت احمد اسود //

۱۰۔ حضرت محمدؒ //

۱۱۔ حضرت یار محمدؒ //

۱۲۔ حضرت عبداللہ عمویہ //

۱۳۔ حضرت عبدالقاہر ابوالنجیب سہروردی //

۱۴۔ حضرت شیخ شہاب الدین عمر //

۱۵۔ حضرت بہاء الدین زکریا، ملتانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۶۔ حضرت صدرالدین ملتانی //

۱۷۔ حضرت جلال الدین //

۱۸۔ حضرت سید اجمل بہرایچی //

۱۹۔ حضرت سید بڈھن بہرایچی //

۲۰۔ حضرت سید درویش اودھی //

۲۱۔ حضرت عبدالقدوس گنگوھی //

۲۲۔ حضرت رکن الدین //

۲۳۔ حضرت مخدوم عبدالاحد فاروقی سرہندی //

۲۴۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد //

۲۵۔ حضرت خواجہ محمد معصوم //

۲۶۔ حضرت خواجہ محمد نقشبند //

۲۷۔ حضرت خواجہ محمد زبیر //

۲۸۔ حضرت سید عنایت اللہ //

۲۹۔ حضرت سید قطب الدین محمد اشرف حسین حیدر //

۳۰۔ حضرت حکیم الٰہی شاہ محمد رحمت اللہ علوی //

۳۱۔ حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد //

۳۲۔ حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین //

۳۳۔ حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد //

امامیہ۔ کبرویہ۔ مجددیہ

امامیہ میں آئمہ اہلبیتؑ میں سے آٹھویں امام حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے نام نامی سے شروع کیا ہے اوپر کے باقی اسماء مبارک وہی ہیں۔

۹۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام

۱۰۔ حضرت اسد الدین معرف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۱۱۔ حضرت سری سقطی //
۱۲۔ حضرت جنید بغدادی //
۱۳۔ حضرت علی رودباری //
۱۴۔ حضرت ابو علی کاتب //
۱۵۔ حضرت عثمان مغربی //
۱۶۔ حضرت ابو القاسم گرگانی //
۱۷۔ حضرت ابوبکر نساج //
۱۸۔ حضرت امام احمد غزالی //
۱۹۔ حضرت ابوالنجیب سہروردی //
۲۰۔ حضرت عمار یاسر //
۲۱۔ حضرت نجم الدین کبری //
۲۲۔ حضرت بابا کمال //
۲۳۔ حضرت احمد //
۲۴۔ حضرت عطایا خالدی //
۲۵۔ حضرت شمس الدین فرغانی //
۲۶۔ حضرت حمید الدین سمرقندی //
۲۷۔ حضرت سید جلال الدین بخاری //
۲۸۔ حضرت سید جلال الدین //
۲۹۔ حضرت سید اجمل بہرائچی //
۳۰۔ حضرت سید بڈھن بہرائچی //
۳۱۔ حضرت سید درویش اودھی //
۳۲۔ حضرت عبد القدوس گنگوھی //

۳۳۔ حضرت رکن الدین گنگوہی //

۳۴۔ حضرت مخدوم عبدالاحد فاروقی سرہندی رضی اللہ عنہ

۳۵۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی //

۳۶۔ حضرت خواجہ محمد معصوم //

۳۷۔ حضرت خواجہ محمد نقشبند //

۳۸۔ حضرت خواجہ محمد زبیر //

۳۹۔ حضرت سید عنایت اللہ //

۴۰۔ حضرت قطب الدین محمد اشرف حسین حیدر //

۴۱۔ حضرت حکیم الٰہی شاہ محمد رحمت اللہ علوی //

۴۲۔ حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد //

۴۳۔ حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین //

۴۴۔ حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد //

مداریہ مجددیہ

۱۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت عبداللہ علم بردار //

۳۔ حضرت یمین الدین شامی //

۴۔ حضرت عین الدین شامی //

۵۔ حضرت طیفور شامی //

۶۔ حضرت سید بدیع الدین مدار //

۷۔ حضرت سید اجمل بہرائچی //

۸۔ حضرت سید بڈھن بہرائچی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۹۔ حضرت سید درویش اودھی //

۱۰۔ حضرت عبدالقدوس گنگوھی //

۱۱۔ حضرت رکن الدین گنگوھی //

۱۲۔ حضرت مخدوم عبدالاحد فاروقی سرہندی //

۱۳۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہند //

۱۴۔ حضرت خواجہ معصوم //

۱۵۔ حضرت خواجہ محمد نقشبند //

۱۶۔ حضرت خواجہ محمد زبیر //

۱۷۔ حضرت سید عنایت اللہ //

۱۸۔ حضرت سید قطب الدین محمد اشرف حسین حیدر //

۱۹۔ حضرت حکیم الٰہی حاجی محمد رحمت اللہ علوی //

۲۰۔ حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد //

۲۱۔ حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین //

۲۲۔ حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد //

قلندریہ مجددیہ

۱۔ حضرت سرور کائنات خلاصۂ موجودات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ حضرت عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۳۔ حضرت خضر رومی //

۴۔ حضرت نجم الدین قلندر //

۵۔ حضرت قطب الدین //

۶۔ حضرت محمد شاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۷۔ حضرت عبدالسلام //

۸۔ حضرت عبدالقدوس گنگوھی //

۹۔ حضرت رکن الدین گنگوھی //

۱۰۔ حضرت مخدوم عبدالاحد فاروقی //

۱۱۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی //

۱۲۔ حضرت خواجہ محمد معصوم //

۱۳۔ حضرت خواجہ محمد نقشبند //

۱۴۔ حضرت خواجہ محمد زبیر //

۱۵۔ حضرت سید عنایت اللہ //

۱۶۔ حضرت قطب الدین محمد اشرف حسین حیدر //

۱۷۔ حضرت حکیم الٰہی حاجی محمد رحمت اللہ علوی //

۱۸۔ حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد بریلوی //

۱۹۔ حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین //

۲۰۔ حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد //

صابریہ سنوریہ

حضرت حکیم صاحب کے تیسرے شیخ ارشادی حضرت ناصر الدین محمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن سے صابریہ سنوریہ میں خلافت واجازت ہے۔

۱۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری //

۳۔ حضرت شیخ بندگی نظام الدین بلخی //

۴۔ حضرت شیخ بندگی ابوسعید گنگوھی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۔ حضرت شیخ بندگی محمد صادق ״

۶۔ حضرت شیخ بندگی محمد داؤد ״

۷۔ حضرت شیخ عبدالقادر سنوری ״

۸۔ حضرت شیخ ابوالفتح سنوری ״

۹۔ حضرت شیخ ناصرالدین سرہندی ״

۱۰۔ حضرت حکیم الٰہی حاجی محمد رحمت اللہ علوی ״

۱۱۔ حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد ״

۱۲۔ حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین ״

۱۳۔ حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد ״

تبرکا شجرے

مذکورہ ارشادی سلاسل کے بعد تین شجرے تبرکا ہیں۔ یعنی ان سلسلوں میں آپ کو بیعت تبرک حاصل تھی۔ پہلا شجرہ حضرت نانا سید سعید الدین رضوی علیہ الرحمۃ کا ہے۔ آپ حضرت شیخ کلیم اللہ دہلویؒ کے سلسلہ چشتیہ نارنویہ (خانونیہ) میں خلیفہ تھے۔

حضرت قبلہ کے خاندان عالیہ میں یہ معمول رہا ہے کہ جب کسی بچہ کا مکتب (بعمر ۴ سال ۴ ماہ اور چار دن) ہوتا ہے تو جو شیخ وقت یا بزرگ خاندان ہوتا وہ اس بچہ کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دیتا۔ آپ کے مکتب کے وقت حسب معمول آپ کے نانا مولانا سعید الدین رضویؒ نے حضرت نیاز بے نیازؒ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت مولانا (فخر الدین محمد) نے فرمایا کہ جب شیخ نے قبول کرلیا تو یہی سند ہے۔[1]

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۱۲

چشتیہ، نظامیہ خانونیہ کلیمیہ

۲۱۔	حضرت مخدوم نصیرالدین چراغ دہلی	رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۲۲۔	حضرت قاضی خواجہ محمد ساوی	//
۲۳۔	حضرت خواجہ اختیارالدین ابرجی	//
۲۴۔	حضرت خواجہ حسن سالار	//
۲۵۔	حضرت خواجہ حسن سرمست چندیری	//
۲۶۔	حضرت خواجہ محمد اسمعیل	//
۲۷۔	حضرت خواجہ سعیدالدین عرف خواجہ خانون گوالیاری	//
۲۸۔	حضرت بندگی خواجہ شاہ نظام الدین نارنولی	//
۲۹۔	حضرت بندگی قطب شاہ (خلف اکبر)	//
۳۰۔	حضرت بندگی فرخ شاہ محمد	//
۳۱۔	حضرت بندگی عاشق محمد	//
۳۲۔	حضرت بندگی صادق محمد	//
۳۳۔	حضرت بندگی شاہ عبدالباقی نارنولی	//
۳۴۔	حضرت بندگی سید جلال الدین حیدراورنگ آبادی	//
۳۵۔	حضرت بندگی شیخ المشائخ حضرت کلیم اللہ دہلوی	//
۳۶۔	حضرت بندگی شیخ مولانا سید سعیدالدین رضوی	//
۳۷۔	حضرت بندگی مولانا نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد	//

تبرکاً شجرے

چشتیہ، نظامیہ خانونیہ کلیمیہ

۲۱۔ حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۲۔ حضرت قاضی خواجہ محمد ساوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۳۔ حضرت خواجہ اختیار الدین ایرجی رضی اللہ عنہ،

۲۴۔ حضرت خواجہ حسن سالار رضی اللہ عنہ

قادریہ سنامیہ (تبرکاً)

۱۔ حضرت غوث الاعظم سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت سید عبد الوہاب (خلف اکبر و جانشین) م ماہ شعبان ۵۱۲ھ تا ۲۵ شوال ۵۹۳ھ) "

۳۔ حضرت شاہ عنایت اللہ بغدادی "

۴۔ حضرت شیخ شیر محمد علوی "

۵۔ حضرت سید کمال الدین شاہ سوندھا حق نما۔ "

۶۔ حضرت سید محی الدین دیا۔ سنامی (چہار شنبہ۔ ۷ اذیقعدہ ۱۱۵۴ھ/۲۴ رجنوری ۱۷۴۲ء) "

۷۔ حضرت بی بی سیدہ عصمت شاہ صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

۸۔ حضرت سیدہ بی بی شاہ غریب نواز صاحبہ "

۹۔ حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد بریلوی رضی اللہ عنہ

قادریہ یہ قمیصیہ سنامیہ (تبرکاً)

۱۔ حضرت غوث الاعظم سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت سید عبد الرزاق (فرزند پنجم) "

۳۔ حضرت سید ابو صالح "

۴۔ حضرت سید علی جمال اللہ //

۵۔ حضرت سید ابوداؤد //

۶۔ حضرت سید جلال الدین //

۷۔ حضرت سید بہاؤالدین //

۸۔ حضرت سید تاج الدین۔ //

۹۔ حضرت سید ابوالحیات //

۱۰۔ حضرت سید قمیص الاعظم (خضرآباد۔ساڈھورہ، ہریانہ) //

۱۱۔ حضرت سید شاہ محمد (تیسرے صاحبزادہ۔ چوتھی اولاد) //

۱۲۔ حضرت سید محمد غوث (منجھلے صاحبزادہ) //

۱۳۔ حضرت سید عبدالحیٰ (قطب الاقطاب) //

۱۴۔ حضرت سید عبدالرزاق (منجھلے صاحبزادہ) //

۱۵۔ حضرت سید محی الدین دیا۔ سنامی سبزواری //

۱۶۔ حضرت بی بی سیدہ عصمت شاہ صاحبہ //

۱۷۔ حضرت سیدہ بی بی شاہ غریب نواز صاحبہ //

۱۸۔ حضرت نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد بریلوی //

حضرت والدہ ماجدہ کے ذریعہ دو قادریہ (تبرکاً) سلسلے

حضرت والدہ ماجدہ بی بی شاہ غریب نوازؒ سے دو قادریہ سلسلے ہیں اگرچہ عورتوں سے سلسلہ ارشادی جاری نہیں ہوتا مگر بالواسطہ محض واسطہ ورابطہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔[1] حضرت والدہ ماجدہ سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت شیخ محی الدین دیا سنامی قادری کی مریدہ تھیں۔آپ کے شیخ نے دو مرتبہ آپ کی بیعت لی۔آپ نے دو مرتبہ بیعت کرنے کی وجہ دریافت کی تو شیخ نے فرمایا تمہارے بطن سے ایک صاحبزادہ پیدا ہوں گے اور میں اس وقت نہیں ہوں گا۔لہٰذا میں ان کی روح کو بیعت کرتا ہوں۔[2] چونکہ آپ اپنے شیخ سے پردہ فرماتی تھیں اور اپنے کو الف تعلیمی وروحانی اپنی پیرزادی سیدہ

[1] کرامات صفحہ ۸ [2] کرامات صفحہ ۴

عصمت شاہ کے ذریعہ پیش کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنے شجرہ مبارکہ میں محض تبرکاً شیخ کے نام نامی کے ساتھ اپنی پیرزادی کا بھی نام درج کرلیا۔[1] حضرت قبلہ بطور تحدیث اپنی معرکۃ الارا تصنیف شمس العین میں تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت امام ربانی شیخ حقانی، سید العارفین۔ قطب العالمین، مولانا حضرت محی الدین دیا۔ سنامی (پٹیالوی) قادری علیہ الرحمہ کہ والدہ ماجدہ ایں فقیر کمالات فقر ازان جناب فیض مآب یافتہ انداایں ذرہ فقر کہ دریں فقیر است نیز تصدیق آں جناب است۔

حضرت محی الدین دیا سنامی سبزواری کہ دو حضرات سے شرف اجازت وخلافت ہے

۱۔ حضرت سید کمال الدین شیخ سوندھا حق (لدھیانوی) قادری چشتیؒ

۲۔ حضرت سید عبدالرزاق قمیصی (ساڈھورہ) قادریؒ۔

[1] کرامات۔ صفحہ ۸

چھل اقطاب

قطب عالم مدار اعظم

پچھلے اوراق میں حضور مولانا صاحب کی زبان مبارک سے قطبیت کی بشارت کا اجمالی تذکرہ آچکا ہے حضرت مولانا صاحب کے وصال کے چالیس ۴۰رسال بعد ۲/ذیقعدہ ۱۲۳۹ھ / ۲۰ جون ۱۸۲۴ء۔ روز چہارشنبہ۔ وقت دوپہر حضرت نے فرمایا کہ آج مجھے کچھ عطا ہوگا۔ اس دن آپ منتظر رہے مگر کچھ اس کا ظہور نہیں ہوا۔

دوسرے دن (۳/ذیقعدہ۔ روز پنجشنبہ) [1]

خانقاہ میں آپ اس مقام پر تشریف رکھتے تھے جو چھتہ کے نام سے موسوم ہے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ جگہ ایک وسیع اور پرفضا میدان ہوگئی اور جوق در جوق لوگ آسمان سے اترنے لگے تھوڑی دیر میں ان لوگوں نے اس تمام میدان کو فرش وفروش اور خیموں ڈیروں سے آراستہ کردیا گویا کسی بادشاہ کی فرودگاہ کے لئے یہ سامان کیا جاتا ہے۔

ایک جگہ شاہی دربار کے واسطے مرتب کی گئی۔ پھر نہایت مقدس حضرات کا نزول شروع ہوا۔ حاضرین حسب مراتب فروکش ہوتے گئے حتیٰ کہ کل نشستیں پوری ہوگئیں ان اصحاب میں آپ حضرت مولانا صاحبؒ کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر میں منادی نے ندا کی حضور محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے ہیں۔ سب لوگ سروقد تعظیم کو کھڑے ہوگئے [2]

حضور ﷺ ایک مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔ اول صورت مثالی حضرت خواجہ غریب نوازؒ قریب آئی سر پر مقفل صندوقچہ اٹھائے ہوئے یکایک واپس ہوگئی۔ ایک گھنٹے بعد وہی صورت مع مولانا فخر پاکؒ نظر آئی ان کے پیچھے ہزاروں ہزار مقدس چہرے نظر آرہے تھے حضور غریب نوازؒ نے وہ صندوقچہ میرے روبرو رکھ دیا۔ حضرت فخر عالمؒ (حضرت فخر پاک) نے اسی صندوقچہ کے ایک سوراخ میں رکھی ہوئی چابی نکالی اور میرے ہاتھ میں دے کر صندوقچہ کھولنے کا حکم دیا جب میں نے صندوقچہ

---

[1] کرامات نظامیہ (بیاض قلمی حضور قبلہ) صفحہ ۳۲-۳۱ [2] ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۷۵

کھولا۔تو اس کے اندر سے ایک طلائی دائرہ جس پر لاجوردی حروف منقش تھے نکالا۔اس کے چاروں طرف ۹۹ نام بھی لاجوردی رنگ سے منقش تھے۔

متن یہ ہے:

قطبیت نامہ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

یاقطبَ العالم ومدارالاعظم!

انـافتـحـنالك فتحاًمبيناًوهنياًلك ملكاكبيرا.فاشكر لِلّٰهِ العلى العظيم وادع خلائق الى دين محمد صلى الله عليه وسلم.وَثبتهم على طريقته فان احب الاديان الى الله دين مـحمد رسول الله .واقرب طرق الوصول الى الله طريقه محمد رسول الله عليه الصلوٰة والسلام۔

۱۔صف ۳۱ کرامات : جب میں نے یہ مشاہدہ کرلیا تو مجھے پھر سے جا کر اسی تخت پر بٹھا دیا اور فرمایا اس صندوقچہ میں ننانوے ۹۹ اسناد ہیں متعلقہ اشخاص کو مقررہ وقت پر دینا جب وہ تمہارے پاس آئیں۔

وجہ تاخیر :اس وقت تاخیر کی وجہ یہ ہوئی کہ قطب عالم عبداللطیفؒ کی تجہیز وتکفین میں یہ وقت ہو گیا۔تجہیز وتکفین کے بعد یہ جملہ صاحبان یہاں آئے ہیں۔فرمایا یہ ننانوے ۹۹ اسناد جو کہ دائرہ کے نیچے درج ہیں۔ایک ایک کر کے وفات کے وقت قدیم عہدے داروں سے جدید اشخاص کو پہنچیں گی جو کہ تمہیں سے وابستہ ہوں گے۔

تین ۳ نفر مشارالیہ کی خدمت میں اور باقی چھیانوے ۹۶ میں سے بتیس ۳۲ر افراد ملک عرب میں ہوں گے اور ان بتیس میں سے ایک ان کا سردار ہوگا۔بتیس اشخاص پورے ہندوستان میں۔اور بتیس ۳۲ر ایران وتوران کے ملکوں میں۔لہٰذا ہزار سال تک مشارالیہ کا دور قطبیت رہے گا

مذکورہ بیاض پر کسی دوسرے صاحب کا فٹ نوٹ درج ہے یہ بھی فارسی میں ہے حاشیہ نگار نے وصال تک کا حساب لگا کر دور قطبیت کی مدت تحریر کی ہے۔یہ مدت وصال تک دس ۱۰ سال سات ۷ ماہ اور چار روز ہوتی ہے۔

یہ راقم یکے از نیاز کیشاں خاک اقدام ایشاں عرض کرتا ہے کہ یہ دور قطبیت بتاریخ ۲/ذیقعدہ ۲۲۳۹ھ تک باقی رہے گا۔اور قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز کا دور قطبیت آج کی تاریخ (یکم جمادی الثانی ۱۴۲۳ھ/۱۰/اگست ۲۰۰۲ء) سے آٹھ سو سولہ ۸۱۶ سال پانچ ۵ ماہ اور ایک روز رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالےٰ۔اوران عہدہ ہائے جلیلہ پر نیاز یہ غلام فائز ہوتے رہیں گے۔آمین!

مذکورہ بالا عہدہ ہائے جلیلہ کی وضاحت حضرت مخدوم نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے خلیفہ حضرت سید محمد مکیؒ نے بحر المعانی کے مکتوب نمبر ۱۴ میں کی ہے جس کا ترجمہ تحریر کیا جارہا ہے۔

حضرت داؤد قیصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ:

اے محبوب!

جب ولی ترقی کر کے قطب ولایت تک پہنچتا ہے۔پھر اگر ولایت سے ترقی کرتا ہے تو قطب اقلیم ہوجاتا ہے۔قطب اقلیم جب ترقی کرتا ہے تو قطب مدار کے بائیں بازو کا وزیر عبدالرب ہوجاتا ہے۔اسی طرح عبدالرب ترقی کر کے قطب مدار کے دائیں بازو کا وزیر ہوجاتا ہے جس کا نام عبدالملک ہے اور یہ ترقی کر کے قطب مدار یعنی قطب عالم ہوجاتا ہے۔

تمام موجودات عالم علوی وسفلی کا وجود قطب عالم کی ذات بہ برکات سے باقی رہتا ہے وہی تمام موجودات کا دارومدار ہوتا ہے۔

اے محبوب!

لہٰذا جب تک قطب مدار حیات رہتا ہے سلوک میں ترقی کرتا ہوا مقام فردانیت پر اور فرد حضرت رسالت ﷺ کی روح مبارکہ سے استعانت وواسطہ کے ذریعہ قطب حقیقی اور وہاں سے بمقام معشوقی یعنی قطب وحدت تک پہنچتا ہے۔چنانچہ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اس مقام پر پہنچ کر محبوب سبحانی کے لقب سے ممتاز ہیں۔اور بعض متاخرین چشتیہ نے سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کو بھی کہا ہے (انتہی)[1]

---

[1] نمبر ۱۴ مکتب۔بحر المعانی

مراتب وتصرفات اقطاب

اگر یہ اقطاب چاہیں تو ولی کو ولایت سے خارج کر کے دوسرے شخص کو وہاں متعین کر دیں۔
قطب مدار دوسرے اقطاب کو قطبیت سے اتار سکتا ہے۔ خدائے تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ قطب مدار کے قول کے مطابق لوح محفوظ کے لکھے ہوئے کو مٹا دے؛ مردے کو زندہ کرنا عرش وکرسی کی جگہ بدل دینا قطب مدار کے تصرفات میں سے ہے۔

مقام فردانیت پر پہنچ کر تصرفات جاتے رہتے ہیں۔ چونکہ مقام فردانیت انبساط وموانست کا مقام ہے یہاں اس کی مراد نہیں رہتی۔ اور اب مراد صرف حضرت رب العزت رہ جاتی ہے۔

ہر زمانے میں قطب عالم موجود رہتا ہے اور اس کے وجود سے تمام موجودات اہل دنیا وآخرت قایم ہیں۔ وہ بالواسطہ فیض حق تعالیٰ سے لیتا ہے اس قطب کو قطب مدار یا قطب الارشاد بھی کہتے ہیں۔ یعنی دونوں عالم کا مدار وارشاد انہیں پر منحصر ہے۔ زمین وآسمان میں ان کا نام عبداللہ ہوتا ہے اگر چہ ظاہر میں ان کا نام کچھ اور ہوسکتا ہے۔

مورخہ ۳۰ رجون ۱۸۲۴ء / ۱۴ / ۱ ساڑھ سمت ۱۸۸۱ / ۳ رذیقعدہ سنہ مذکور سے پہلے تک آپ عبدالملک وزیر دست راست قطب مدار کے عہدہ پر فائز تھے تو آپ کے ظرف عالی نے ھل من مزید کی فرمائش کی۔

نیاز اب یہی ہے دعا وطلب　　　رکھ اپنا ہی بندہ خدایا مجھے

یہاں مقام عبدالٰہیت یعنی قطب عالم مدار اعظم کی درخواست ہے جب قدرت نے وہ بھی مرتبہ جلیلہ آپ کو عطا فرمایا تو آپ اس مقام کی کیفیات وارتقائی منازل بیان فرماتے ہیں۔

جب میرا آفتابِ ولایت مطلع غیب سے طلوع ہوا تو ہر خاص وعام منور ہو گیا۔ آفاق جہاں سے بلند ہوتے ہی اہل عالم نے میرے اس نور کی بدولت نئی روشنی حاصل کی اور جس مقام پر یہ حقیر بے پروبال دل پہنچا ہے۔ وہاں سے بہت نیچے ملائکہ کے بازو شل ہو کر پرواز سے قاصر رہ گئے۔

چو مہرم شد بروں از مطلع غیب　　　ز تابم شد عیاں ہر خاص و عامے
یافتند عالمیاں تاب دگر ز نورم　　　چو ز آفاق جہاں گشت بلند اختر من

بس فرو ماندہ جناح ملکوت از پرواز بمقامے کہ رسید ایں **دلک بے پر من**

مقام فردانیت وہ مقام ہے جہاں ساری مرادیں ختم ہو کر مراد صرف **ذات حضرت رب العزت** رہ جاتی ہے اور یہاں عبداللّٰہیت کے علاوہ کچھ نہیں رہ جاتا ہے۔

قطب مدار کے رحلت، ترقی یا تنزلی کی صورت میں عبدالملک (دائیں بازو کا وزیر) **اس کے** بجائے آجاتا ہے اور عبدالرب دائیں بازو پر فائز ہو جاتا ہے۔ عبدالرب کے بجائے **ایک ابدال جو کہ** قلب اسرافیل پر ہوتا ہے وہ اس مقام پر آجاتا ہے اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔

جتنی جٹائیں اتنے پیڑ

سلسلہ چشتیہ کا وہ تناور پیڑ جس کی نشو ونما خواجگان چشت نے اپنے خون جگر سے کی تھی اور ان حضرات نے اپنی پوری پوری عمریں اس کی داشت وپرداخت میں لگا دی تھیں وہی درخت اٹھارہویں صدی آتے آتے خشک ہونے لگا تھا حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں نے اسے ازسرنو پروان چڑھایا۔ انہوں نے ملک کے طول وعرض میں، گوشہ گوشہ میں چمنستان معرفت کے نہال جاں بخش نصب کئے تھے۔ تربیت یافتہ خلفاء متعین فرمائے تھے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء کا بیان ہے کہ۔

''خلفائے آں جناب بہرسمت باقالیم بعید المسافت مامور شدند''۔[1]

حسین فخری نے لکھا ہے کہ۔

''خلفائے مرشدی ومخدومی در ہر ہفت اقالیم دائر وسائر ومحیط اند''۔[2]

(میرے مخدوم ومرشد کے خلفاء (دنیا کی) ساتوں اقلیموں میں دائر وسائر اور چھائے ہوئے ہیں)۔

آپ کے خلفاء کی ایک طویل فہرست ہے ترتیب فہرست میں بہت سے حضرات کے اسماء درج ہونے سے رہ گئے ہیں۔ خود راقم کے دو مورث اعلیٰ حضرت پیر جی محمد مقبول عالم صاحبؒ ساکن ڈھکہ اوجھیاری ضلع مراد آباد اور حضرت حافظ فخر الدین صاحبؒ ساکن پھلت[3] دونوں حضرات حضرت شاہ محمد اعظم مجددیؒ بچھرایونی کے داماد ہیں اسی طرح حضرت دلیل شاہ صاحبؒ فیروز آبادی ہیں اور نہ معلوم کتنے حضرات ہیں جو فہرست میں شامل نہیں ہیں۔

آپ کے مشہورترین خلفاء میں قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد صاحبؒ پنجاب میں حضرت حاجی

---

[1] خزینۃ الاصفیاء ص ۵۱۲ [2] شجرۃ الانوار

[3] حافظ فخر الدین صاحبؒ کی پوتی اور حافظ نعیم الدین صاحبؒ کی صاحبزادی بی بی واعظۃ النساء (حضرت پیر جی مقبول عالمؒ کے بیٹے پیر جی محمد مقیم عالمؒ کے پوتے) پیر جی محبوب علی صاحبؒ کے چھوٹے بیٹے حضرت محمد فضل عالم صاحبؒ بچھرایونی کو بیاہی تھیں۔

لعل میاں صاحبؒ دہلی میں حضرت مولانا جمال الدینؒ رامپور میں حضرت میر ضیاء الدینؒ جے پور میں اور حضرت میر شمس الدین صاحب اجمیر شریف میں تھے۔ان حضرات کی مساعی جمیلہ کا اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے سلسلہ کی ترویج واشاعت میں کس قدر عظیم خدمات انجام دیں ہیں بایں ہمہ ان حضرات کی مساعی مقامی صوبائی اور ملک گیر کی حدود سے آگے نہیں بڑھ سکیں۔

ان حضرات کے بیچ میں ایک پودہ تھا جس کے لئے مرشد گرامی نے بشارت دی تھی کہ یہ اچھی ذات کا درخت ہے جس کی جڑیں زمین میں گہری جمی ہوئی ہیں اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں۔[1]

اس بشارت مبارکہ کا ایک ایک حصہ پورا ہو کر رہا۔آپ کے مرکز شجر سے جو شاخیں پھوٹیں وہ آسمان عرفان کی بلندیوں تک جا پہنچیں آپ کی ذات ایک ایسے شجر سایہ دار کی سی تھی جس سے ایک عالم آرام پا رہا تھا اس تناور درخت کے پھیلاؤ کا یہ عالم تھا کہ اس کی شاخیں آسمان رفعت کی حدود کو چھو رہی تھیں تو وسعت وگیرائی کا یہ حال تھا کہ لوگ دور دراز ملکوں سے یعنی کابل، قندھار، شیراز، بدخشاں، بخارا، مصر وشام اور روم تک سے کھنچے چلے آرہے تھے جب کہ راستے دشوار اور پر خطر تھے لیکن مخلصین کے لئے یہ دشواریاں کچھ بھی نہیں تھیں وہ ماحول سے بے نیاز آرہے تھے اور وسیلہ جمیلہ کو پہنچ رہے تھے۔خانقاہ میں ہمہ وقت ارادتمندوں کا میلہ لگا رہتا چنانچہ اُفق فقر وعرفان آپ کے نجوم ہدایت وشموس ولایت سے ضیاء بار ہو رہا تھا۔ان میں کوئی سراج السالکین تھا تو کوئی امام السالکین کوئی شمس الاولیاء تھا تو کوئی تاج الاولیاء گویا پورا نظام روحانی وعرفانی آپ کے تحت تصرف میں تھا چہار سمت عالم اس خانقاہ سے منور ہو رہی تھیں۔

حضرت نے نظام خانقاہی کا احیاء کیا تھا۔صوبہ سرحد سے ترکی تک کے علاقے کے علاقے آپ کے اور آپ کے خلفاء کرام کی تبلیغی جد وجہد کی وجہ سے مرکز سے وابستہ تھے انتہائی نامساعد حالات میں ترویج وتبلیغ کا کام ہو رہا تھا جب کہ پورا ملک سیاسی خلفشار واقتصادی بدحالی کا شکار ہو رہا تھا۔شمالی ہندوستان میں روہیلکھنڈ ضرور کچھ بہتر حالت میں تھا تو اس پر مسلسل حاسدانہ نظریں پڑ رہی تھیں ان حالات میں بھی آپ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

---

[1] صف ۱۸ر سورۂ ابراہیم آیہ ۱۳، ۱۴،۔۲۴ر کرامات نظامیہ

محیط عالم و مرکز نشینم خطراز دست لغزیدن ندارم

دیکھنے والوں کو اعتراف کرنا پڑا کہ مشائخین متاخرین میں آپ جیسا کامل خاندان چشت میں کم ہوا ہے۔[1]

آپ جامع شریعت و حقیقت تھے۔ آپ کے خلفاء ہر چہار سمت عالم میں مامور ہوئے۔[2]

فہرست حضرات خلفاء کرام کے بارے میں

صاحب کرامات نے ص ۳۳،۳۴ پر حضور قبلہ نیاز بے نیازؒ کے چند خلفاء جن کے نام ونشان کاتب الحروف کو معلوم ہوئے وہ یہ ہیں لکھ کر فہرست پیش کی ہے۔ یہ فہرست خلفاء کرام دو کالموں میں ہے۔ اس میں کل ۳۷ خلفاء حضرات کے اسماء مبارکہ درج ہیں۔ پہلے کالم میں ۱۸ نام اور دوسرے کالم میں ۱۹ نام ہیں۔ ان میں ناموں کی ترتیب کس طرح کی گئی ہے آیا مراتب وعظمت کے لحاظ سے یا تقدم زمانی کے لحاظ سے۔ فہرست کے بغور مطالعہ سے یہ انداز ہوتا ہے کہ ایسا کوئی اہتمام نہیں کیا گیا۔ چونکہ حضرت سجادہ نشین کا نام نامی سر فہرست ہونا چاہئے لہذا حضرت شاہ نظام الدین حسین قدس سرہ کا اسم گرامی تبرکاً سب سے پہلے درج کر دیا گیا ہے اس کے بعد تاریخی یا کسی اور اہتمام کے بغیر فہرست مرتب ہوگئی۔ اس فہرست میں حسب مراتب بھی خیالِ اہتمام نظر نہیں آتا۔ کتنے حضرات خلفاء ایسے رہ گئے جن کا نام ہی فہرست میں درج نہیں ہے علاوہ ازیں پوری کتاب میں شروع سے آخر تک ان حضرات کا ذکر نہیں آیا ہے۔ جیسا کہ چہل اقطاب کے حالات کے سلسلے میں نظر آئے گا۔

اگر تقدم زمانی اور عظمت ملحوظ خاطر ہوتی تو حضرت سجادہ نشین کے نام کے بعد سب سے پہلے امام السالکین حضرت میر محمد سمیع بدخشانی قدس سرہ کا نام نامی ہوتا جب کہ آپ کا نام فہرست میں ۱۶ ویں نمبر پر درج ہے اگر چہ آپ حضرت سیدنا عبد اللہ بغدادی رضی اللہ عنہ کے دور مبارکہ کے خلافت یافتہ ہیں اور حضرت قبلہ کی قرابت اور نیابت کا خیال ہوتا تو حضرت قبلہ کے برادرِ خورد حضرت شاہ غلام محی الدین عرف راز احمد صاحب کا اسم گرامی ہوتا جو سرے سے غائب ہے اور قربت

[1] برکات اولیاء ۱۳۲۲ھ مولوی سید امام الدین احمد صفحہ ۱۹۱،۱۹۰

[2] تذکرہ اولیاء ہند صفحہ ۲۷۲

ونیابت کا خیال ہوتا تو حضرت میاں فخر الدین حسین برادر زادہ حضور قبلہ کا نام ہوتا جنہوں نے تقریباً نصف صدی ۱۲۰۴ھ سے ۱۲۵۰ھ تک چھیالیس سال حضور قبلہ کے نائب و جانشین کے فرائض انجام دیئے تھے اور اس مدت میں بیسیوں خلفاء نے حضرت موصوف کے زیر تربیت روحانی منازل طے کی ہوں گی اور وہی حضرت سجادہ نشین کے استاد و مربی اور بجائے شیخ تھے ان کا نام نامی بتیسویں نمبر پر درج ہے جب کہ بہت سے دور آخر کے نئے اور غیر معروف خلفاء کے اسماء پہلے آگئے ہیں۔ مولوی محمد فائق صاحب جواباً تحریر فرماتے ہیں کہ البتہ سہواً یا وجہ مشغولی یہ غلطی ہوئی.........کاپی کی تصحیح کرنے والے غیر شخص تھے۔ (حملہ صفدری)

تقریباً یہی صورت تذکرہ ناز و نیاز (جلد اول) میں ہے اس میں بھی تاریخی یا مراتب کو بغیر ملحوظ رکھے ہوئے محض خیالات کی رو میں نام اور حالات قلم بند کر دیئے ہیں۔ اس میں فہرست اسماء کے بجائے بعض حضرات خلفاء کے حالات ہیں اور وہ بھی کل اٹھارہ حضرات ہیں۔ صفحہ اٹھارہ سے پینتیس صفحہ تک اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہیں۔

ایک اور فہرست راقم کے جد محترم حضرت مولوی محمد مہدی نظامیؒ کی مرتب کی ہوئی ہے آپ خود حضرت تاج الاولیاء قدس اللہ سرہ العزیز کے خلیفہ ہیں اور ان کی اکلوتی پوتی کے شوہر ہیں موصوف اپنے دادا حضرت مولوی محمد فضل عالم صاحبؒ کے بعد سے اور اپنے والد حضرت مولوی محمد لطیف صاحب کے سامنے ۱۸۹۶ء سے آٹھ سال تک حضرت تاج الاولیاء کے وصال فرمانے کے بعد حضرت سراج السالکینؒ کے تا آخر سکریٹری اور بہ حیثیت دست خاص کے فرائض انجام دیتے رہے۔ حضرت موصوف نے بیالیس خلفاء کے اسماء کی فہرست مرتب کی تھی۔ اس فہرست میں بھی ابتدائی تین ناموں کے علاوہ کوئی خاص اہتمام نظر نہیں آتا۔ مذکورہ فہرست میں نمبر ۱۱ پر مولوی محمد فضل عالم صاحبؒ بچھرایونی (جد مرتب فہرست) ہیں۔ نمبر ۴۰ پر بابا قادر شاہ خیابان متصل دروازہ سر دادند، ارگ شاہی، کابل نمبر ۴۱ پر سید ظہیر الدین خلف حضرت مسکین شاہ صاحب اور نمبر ۴۲ پر حکیم محمد شاہ صاحب بھانجہ حضرت مسکین شاہ صاحب کے اسماء زاید ہیں اور فہرست کرامات نظامیہ کے آخری نمبر ۳۴ پر خلیفہ وجیہ الدین درج نہیں ہیں۔

اب تقریباً پونے دو سو سال کے بعد کون یہ بتائے گا کہ کون سے حضرت خلیفہ صاحب کا نام

نامی کس نمبر پر ہونا چاہئے۔اب سے ۹۹ سال قبل خود صاحب کرامات نظامیہ نے اپنی مجبوری یہ بیان فرمائی ہے کہ فہرست (خلفاء) کی تصحیح اور مقابلہ کرنے والے سلسلہ سے ناواقف اور غیر شخص تھے اس لئے ایسا ظہور میں آیا۔ (۸۳ حملہ صفدری)۔سرتاپا معذرت کے ساتھ انہیں دشواریوں کے پیش نظر راقم نے ان حضرات کے اسماء مبارکہ کو حروف تہجی کے مطابق مرتب کیا ہے تاکہ حفظ مراتب کے لحاظ سے تقدیم اور تاخیر واقع نہ ہو جائے۔اور اب بھی سوءِ ادب کا خیال اپنی جگہ موجود ہے۔

بے ادب محروم ماند از لطف رب

فہرست چہل اقطاب/چہل تن

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	حضرت سید احمد علی شاہ صاحب شاہ آبادیؒ	
۲	حضرت مرزا اسد اللہ بیگ صاحبؒ	
۳	حضرت بابا قادر شاہؒ	
۴	حضرت بخش اللہ خاں مہمندی شاہ آبادیؒ	
۵	حضرت ملا جان محمد آخون در کابلؒ	
۶	حضرت سید حشمت علی شاہ آبادیؒ	
۷	حضرت شاہزادہ کنھرو سید شرف الدینؒ اجمیر	
۸	حضرت شاہ جی شرف الدین ردولویؒ	
۹	حضرت شمس الحق چک منڈیؒ لکھنؤ	
۱۰	حضرت سید ضیاء الدینؒ	
۲۲	حضرت غلام مولی خاں اکبر آبادیؒ	
۲۳	حضرت حکیم محمد رحیم اللہ بچھرایونیؒ	
۲۴	حضرت میر محمد سمیع بدخشانیؒ	
۲۵	حضرت محمد شاہ بھانجہ حضرت مسکین شاہؒ	
۲۶	حضرت محمد عبداللہ بیگ شاہجہانپورؒ	
۲۷	حضرت سردار محمد عثمان خاں در کابلؒ	
۲۸	حضرت محمد فخر عالم شاہجہانپوریؒ	
۲۹	حضرت مولوی محمد فضل عالم بچھرایونیؒ	
۳۰	حضرت مولوی کفایت اللہ خاںؒ	
۳۱	حضرت مولوی محمود عالم بچھرایونیؒ	

۱۱ حضرت سید ظہیرالدین شاہؒ پسر حضرت مسکین شاہؒ
۱۲ حضرت مولوی عبدالرحمٰنؒ
۱۳ حضرت مولوی عبدالرحمٰن خاں در جاورہؒ
۱۴ حضرت خلیفہ عبدالرسول در کابلؒ
۱۵ حضرت مخدوم عبدالشہید یارقندیؒ
۱۶ حضرت خوان علوم، مولوی عبد الطیف سمرقندیؒ
۱۷ حضرت مولوی عبیداللہ شاہ بدخشانیؒ
۱۸ حضرت مولوی عبیداللہ جی در پکھیلیؒ
۱۹ حضرت عیوض محمد بدخشانیؒ
۲۰ حضرت شاہ غلام فخرالدین حسینیؒ
۲۱ حضرت شاہ غلام محی الدین عرف راز احمدؒ
۳۲ حضرت مخدوم جی بدخشی
۳۳ حضرت مستان خاں محلہ گاڑی پورہ شاہجہانپورؒ
۳۴ حضرت مسکین شاہ جے پوریؒ
۳۵ حضرت مولی داد خاں شاہجہانپوریؒ
۳۶ حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسینیؒ
۳۷ حضرت مولوی نعمت اللہ خاں بخاریؒ
۳۸ حضرت شاہ نور حسین نقوی بریلویؒ
۳۹ حضرت خلیفہ وجیہ الدین بریلویؒ
۴۰ حضرت حافظ وزیر خواجہ در کابلؒ
۴۱ حضرت سید ہاشم شاہ دیوغابی للندریؒ
۴۲ حضرت مولوی یار محمد شہید در کابلؒ

۱۔ حضرت میر احمد علی شاہ آبادیؒ

آپ قصبہ شاہ آباد ضلع ہردوئی کے قدیم باشندہ ہیں یہیں آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ کے آباواجداد کا وطن ترمذ تھا[۱]۔ خود تحریر فرماتے ہیں۔

بود شاہ آباد مولد من ولے ترمذ آبائے مارا وطن

آپ ترمذ کے مشہور حسینی سادات میں سے ہیں حضور قبلہ کے آخر دور کے مرید و خلیفہ ہیں ایک ہندو رئیس کے مکان پر مکتب تھا قصبہ کے اکثر لوگ یہاں پڑھا کرتے تھے آپ اور آپ کے چھوٹے بھائی میر حشمت علی صاحب اس مکتب میں پڑھایا کرتے تھے حاجی محمد حسین خاں اختیار پوری بھی آپ کے شاگرد اور آپ کے حالات سے واقف تھے تدریس ہی آپ کا ذریعہ معاش تھا اسی پر قانع

---

[۱] تذکرہ اولیا صفحہ ۴۵

تھے۔ایک بار حضرت نیاز بے نیازؒ کے حضور میں حاضر تھے حضور نے آپ سے استفسار فرمایا کہ میر صاحب کیا کرتے ہو؟ عرض کیا کہ لڑکے پڑھاتا ہوں فرمایا بہت اچھا کرتے ہو۔ چنانچہ جب میر صاحب بہت بوڑھے ہوگئے تو لوگوں نے عرض کیا اب لڑکے پڑھانا چھوڑ دیجئے آپ نے فرمایا کہ اس کو کیوں کر چھوڑ دوں میرے شیخ طریقت نے تو اسے اچھا فرمایا ہے۔ساری زندگی آپ کا مشغلہ درس وتدریس رہا۔

حضور قبلہؒ کے وصال کے بعد کا واقعہ ہے کہ ۱۲۶۱ھ / ۱۸۴۴ء میں آپ سخت بیمار ہو گئے اس مرض میں انتہائی اضطراب اور بیقراری تھی حتیٰ کہ اطباء علاج سے مایوس ہو گئے اسی حالت میں آپ نے رو رو کر سرکار پاک ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا چنانچہ فوراً آپ کو شفائے کامل حاصل ہوگئی۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں قصبہ شاہ آباد میں انگریزوں نے قتل عام کیا تو لوگ قصبہ چھوڑ چھوڑ کر دیہات اور جنگل میں چھپنے لگے مگر میر صاحب اپنے مکان سے کہیں باہر نہیں گئے گورے اور سکھ فوجی آپ کے گھر آئے تو آپ کو دیکھ کر کہنے لگے ہم سب کو مارتے پھرتے ہیں آپ کو اپنی جان کا خوف نہ آیا میر صاحب نے جواب دیا کہ زیادہ سے زیادہ مار ہی ڈالو گے ہمارا ہونا نہونا دونوں یکساں ہے بہتر ہے مار ڈالو وہ فوجی وحشی یہ سن کر اور آپ کی نورانی صورت دیکھ کر کہنے لگے کہ آپ پادری معلوم ہوتا ہے پھر ہم آپ کو چھوڑے دیتا ہے۔آپ چونکہ ولی العزلت تھے اس لئے آپ نے تمام عمر لڑکوں کے پڑھانے میں صرف فرمادی اور سلسلہ کی ترویج واشاعت پر توجہ نہیں فرمائی۔

وصال فرمانے سے تقریباً پانچ سال پہلے ان کے چھوٹے مخدوم زادے حضرت شاہ نصیر الدین حسین صاحب قدس سرہ ۱۲۸۰ھ/۶۴-۱۸۶۳ء میں بہ عمر ۳۸/۳۹ سال بہ مقام شاہ آباد" اپنے پیر بھائی حضرت میر احمد علی شاہؒ صاحب کے یہاں اپنے حسب منشاء تشریف لے گئے۔تو ان کا جو حال مسرت اور افتخار سے ہوا وہ بیروں از تحریر ہے۔حضرت کے واسطے بے حد انتظام مہمانداری اور خاطر وتکریم کا کیا" [1]

حضرت نے فرمایا کہ میں اس لئے نہیں آیا ہوں۔ بلکہ اس واسطے آیا ہوں کہ یہاں چند روز رہ کر عزلت اختیار کروں۔حضرت میر صاحب موصوف نے فوراً ایک حجرہ نہایت تکلف سے آراستہ کیا

[1] نازونیاز جلد دوم ۴۵

جس میں فرش وفروش پلنگ تکیہ وغیرہ جملہ سامان راحت فراہم تھا۔ حضرت اس حجرہ میں تشریف لے گئے اور حکم دیا کہ بجز میر صاحب کے کوئی شخص اندر نہ آئے۔

تین برس کامل آپ اس حجرے میں رہے اور بجز ایک پیالی چائے کے کوئی غذا اس ڈھائی سال کے عرصہ میں تناول نہیں فرمائی۔ آپ پر ہر وقت ایک عالم استغراق طاری رہتا تھا۔ جناب میر صاحب آہستہ آہستہ حجرے میں تشریف لے جاتے تو کبھی دیکھتے تھے کہ عالم استغراق میں آپ بیٹھے بیٹھے کسی ایک کروٹ کی طرف جھک گئے ہیں اور عنقریب گرا چاہتے ہیں میر صاحب آہستہ سے اسی طرف نرم تکیہ اور گدے بچھا دیتے تھے تاکہ اگر آپ ایسی حالت میں گر پڑیں تو چوٹ نہ آئے لیکن آپ کو بظاہران باتوں کی مطلق خبر نہ ہوتی تھی۔

حضرت کی عزلت گزینی اس درجہ کو پہنچی کہ ان تین سال کامل میں نہ آپ کو خانقاہ اور اس کی تقریبات یاد آئیں (جن کے روح رواں آپ ہی ہوتے تھے) اور نہ اپنے اطاعت شعار وارادت کیش مریدین کی فوج اور نہ والد وشیخ کا مزار اور نہ اپنے مشفق ومربی استاد (حضرت مولوی عبید اللہ صاحب" جن کو آپ حضور قبلہ کے بجائے سمجھتے تھے اور جن کے حکم کی تعمیل میں تساہل نہیں فرماتے تھے۔) گھر کے اندر بھتیجے اور بھتیجیاں جو انہیں ہی اپنے ابا سمجھتے تھے اور ہر سانس پر ابا میاں پکارا کرتے تھے اور ابا میاں کو بھی ان کے بغیر چین نہیں پڑتا تھا۔ بڑی بھاوج (حضرت تاج الاولیاء کی اہلیہ محترمہ) جو اپنے چھوٹے دیور کے سامنے دست بستہ حاضر اور انہیں اپنے مخدوم (حضرت مولوی عبید اللہ صاحب) کا چہیتا مخدوم زادہ سمجھ کر ادب واحترام کرنے والی۔ بوڑھی ماں جن کو اپنے آخری اور لاڈلے بیٹے سے بے پناہ پیار۔ اسی طرح بوڑھی دکھوں کی ماری غم نصیب چچی جن کا گھر کا گھر طاعون میں صفا ہو گیا تھا اور اب یہی ان کی محبت کی آخری کرن تھے وہ ان کے دموں دیوانی اللہ آمیں ساتھ سلامی کرنے والی ایسی محسن ومربی چچی جس نے اپنی تمام جائدادیں اور سب کا سب مال ومتاع ان کے حوالے کر دیا تھا۔ (اور مال متاع بھی وہ جو ریاست رام پور کے نائب ریاست حکیم سید غلام حسین خاں کشمیری کا دیا ہوا) کسی کا خیال واحساس نہیں ہوا۔ الغیب عند اللہ

جب میر صاحب نے آپ کی بے اعتنائی دنیا کی یہ کیفیت دیکھی تو خیال کیا کہ اگر آپ سے اس بارہ میں اصرار نہیں کیا گیا تو آپ تمام عمر اسی حالت میں بسر کر دیں گے اس لئے میر صاحب

بہت مصر ہوئے اور فرمانے لگے کہ صانع قدرت نے آپ کے وجود باجود کو بے شمار خلق اللہ کی ہدایت کے واسطے خلق کیا ہے۔آپ سے جناب نیاز بے نیاز کا سلسلہ مشرق سے مغرب تک پھیلے گا آپ نے گوشہ عزلت کیوں اختیار فرمایا ہے؟ یہ کہہ کر میر صاحب نے آپ کو خرقہ اور مثال عنایت فرمایا۔آپ نے ہر چند عذر کیا لیکن بجز تعمیل حکم چارہ نہ تھا۔[1]

مذکورہ عبارت سے یہ بات پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ حضرت شاہ نصیرالدین حسین قدس سرہ العزیز اڑتیس، انتالیس سال کی عمر تک مجاز اور صاحب ارشاد نہیں تھے اور ابھی تک آپ سے پیری مریدی کا سلسلہ جاری نہیں ہوا تھا اور میر صاحب کی یہ عنایت بھی آپ نے اپنی طبیعت پر جبر کر کے قبول کی تھی کہ بجز تعمیل حکم کے چارہ نہ تھا۔ورنہ ہرگز بیعت وارشاد کی طرف توجہ نہ فرماتے۔

یہ واقعہ حضرت میر صاحبؒ کے وصال فرمانے سے صرف ڈھائی تین سال پہلے اوائل ۱۲۸۲ھ/جون تا ستمبر ۱۸۶۵ء کا ہے اور اب ناظرین کرام کی توجہ دوبارہ صاحب نازو نیاز کے بیان کی جانب متوجہ کی جاتی ہے۔حضرت خلیفہ صاحب نے اس واقعہ کے فوراً بعد ایک ''عجیب حکایت'' کے عنوان سے ایک دوسری بات نقل فرمائی:

ایک عجیب حکایت: ایک مرتبہ آپ (حضرت شاہ نصیرالدین حسین صاحبؒ) نے ایک زمانۂ دراز کے بعد سید امانت علی اپنے خادم کو میر صاحبؒ کے پاس مع چند تحائف کے شاہ آباد بھیجا۔ جب سید امانت علی شاہ آباد پہنچے تو معلوم ہوا کہ میر صاحب اس حجرہ میں زمین پر بیٹھے ہیں جس میں ہمارے شہنشاہ نے عزلت اختیار کی تھی خادم موصوف حجرہ میں گئے تو دیکھا کہ میر صاحب ایک بوسیدہ اور کہنہ چارپائی کی پٹی پر سر رکھے ہوئے زمین پر بیٹھے ہیں وہ اس حالت کو دیکھ کر واپس ہوئے۔جب میر صاحبؒ کچھ عرصہ کے بعد حجرہ سے باہر آئے تو خادم موصوف نے ان سے پوچھا کہ حضرت! آپ کیا کرتے تھے؟ فرمایا کہ آج میری طبیعت میں ایک قسم کا انقباض تھا اس لئے میں شہنشاہ ولایت کے پلنگ سے (جس پر انہوں نے استراحت فرمائی تھی) فیض حاصل کرتا تھا۔[2]

اوائل ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء میں حضرت میر صاحبؒ سے خلافت لینے کے ایک زمانے بعد خیر خبر لینے کے لئے آپ نے اپنا خادم بھیجا اور اس درمیان میں مرشد سے رابطہ نہیں رہا۔حضرت خلیفہ

[1] نازو نیاز جلد دوم صفحہ ۵۴
[2] نازو نیاز جلد دوم صفحہ ۱۶۔۱۵

صاحب نے زمانہ دراز بعد تحریر فرمایا ہے یہاں زمانہ دراز سے کتنی مدت مراد ہے جبکہ حضرتؒ کی خلافت سے حضرت میر صاحبؒ کے وصال تک کل مدت ڈھائی سال ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ آپ حضرت میر صاحب کے وصال، سیوم اور چہلم میں بھی تشریف نہیں لے گئے اور نہ افراد خاندان سے ہی کوئی تعلق رہا حتی کہ بڑے میر صاحب کے بعد چھوٹے بھائی حضرت سید حشمت علی صاحبؒ سے بھی کسی تعلق کا پتہ نہیں چلتا ہے اس کے تئیس ۲۳ سال بعد تک حضور والا حیات رہے اس پورے دور مبارکہ میں حضرت کی زبان فیض ترجمان سے اپنے مربی، شیخ ارشادی بلکہ باعث ومبشر کے لئے ایک لفظ نہیں نکلا اس معاملہ میں خانقاہ عالم پناہ بدایوں کے تمام تذکرے خاموش ہیں۔

ایک عجیب حکایت کا واقعہ میر صاحب کا حضور والا کی بوسیدہ اور کہنہ چارپائی سے روحانی انقباض کا علاج اور فیض حاصل کرنا۔ مرید وعقیدت مند شیخ کے آثار وتبرکات سے فیض حاصل کرتا ہے یا پیرومرشد اپنے فیض گرفتہ خلیفہ کے آثار سے انقباض دور کرنے کے لئے فیض حاصل کرتا ہے؟

اب آخر میں جناب معین الدین خان صاحب شاہ آبادی کے بیان کے بعض حصے نقل کئے جارہے ہیں جناب معین الدین خاں اسی قصبہ شاہ آباد کے معزز لوگوں میں ہیں موروثی نیازی ہیں اور اپنے مرشدان گرامی کے سراپا نیاز مند ہیں۔

جب حضور والا شاہ آباد تشریف لے گئے تو وہ ہمہ وقت حاضر خدمت رہے بلکہ دوبارہ تشریف لے گئے تو انہیں کے برادر خورد جناب قطب الدین خاں صاحب کے یہاں قیام فرما ہوئے۔ ان کا اوران کے بھائی کا مکان ایک احاطہ میں ہے۔ زنانے مکان دونوں کے متصل ہیں نشست کے مکان علیحدہ۔علیحدہ ہیں۔اس بار تشریف لانے کے وقت حضرت میر کے وصال کو آٹھ نو سال (۹۴۔۱۲۹۳ھ) ہو چکے تھے اور حضرت میر حشمت علی صاحب (چھوٹے میر صاحب) کو بھی سات سال چکے تھے چھوٹے حضرت قبلہ بہ تقریب تعزیت یا چہلم سید صاحب کے یہاں شاہ آباد تشریف نہیں لائے اس دفعہ (۹۴۔۱۲۹۳ھ) کے قیام کے زمانہ میں بھی خاں صاحب موصوف ہر وقت حاضر خدمت رہتے تھے۔آپ (حضور والا) نے سنا کہ سید صاحب کا عرس نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ مختصر فاتحہ نواب سرفراز حسین صاحب کرادیتے ہیں۔ گویا حضرت میر صاحب کا کوئی مرید ومعتقد نہیں تھا جو

حضرت کا عرس کراتا تب آپ نے قطب الدین خاں کو حکم دیا کہ عرس سید صاحب کا ۹ر شعبان روز وصال کو ہونا چاہئے چنانچہ (حضور والا کی موجودگی میں ہی) سامان کیا گیا اور جلسہ عرس میں چھوٹے حضرت قبلہ بھی تشریف لے گئے۔ (اسی سال ۹ر شعبان ۱۳۰۵ھ سے بڑے میر صاحب کا عرس مبارکہ شروع ہوا)۔ جب تک قطب الدین خاں اور ان کے چھوٹے بھائی زندہ رہے وہ عرس حضرت سید صاحب کا کرتے رہے اس کے بعد ان کے بیٹے عزیز احمد خاں عرس کرتے رہے۔ حالانکہ عزیز احمد خاں کو بیعت حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسینؒ کے ہاتھ پر تھی۔
(مکتوب معین الدین خاں بحوالہ حملہ صفدری)

اسی شعبان کی ۱۳۰۵ھ کی ۲۳ر تاریخ (پنجشنبہ ۲۵ر اپریل ۱۸۸۸ء) کو حضرت شاہ نصیر الدین حسین صاحب قبلہ بدایوں واپس تشریف لے گئے۔ (بروز دوشنبہ ر سہ شنبہ) ۲۴ر شعبان ۱۳۰۵ھ کو وصال فرمایا، گویا کہ حضرت قبلہ چھوٹے میاں صاحبؒ کی حضرت احمد علی شاہ صاحبؒ مرشد گرامی کے عرس میں پہلی و آخری شرکت تھی۔ بعد وصال کے خلیفہ عنایت حسن خاں صاحب مرحوم (متوفی ۴ر شعبان ۱۳۱۸ھ ر بروز سہ شنبہ ۲۷ر نومبر ۱۹۰۰ء) جب شاہ آباد تشریف لائے تو قطب الدین خاں کے مکان پر قیام کیا۔ اب البتہ ان کے خلیفہ شاہ نصیر الزماں خاں صاحب اور جگہ قیام کرتے ہیں۔

راقم معین الدین خاں

انتقال حضرت بڑے میر صاحب:

بڑے میر صاحب اپنے پیر مرشد کے وصال کے بعد پینتیس ۳۵ سال دو ماہ اور تین روز بقید حیات رہے چونکہ حضرت کے سوانحی حالات تاریکی میں ہیں اس لئے یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ حضرت موصوف کی کتنی عمر ہوئی؟ آپ نے نکاح فرمایا تھا یا نہیں؟ اور کس مرض میں وصال فرمایا۔

صاحب نامہ مظفری کی مہربانی کہ حضرت کے وصال کی تاریخ دستیاب ہوگئی۔ ورنہ خانقاہ عالم پناہ بدایوں کے تمام تذکرے خاموش ہیں (بروز چہار شنبہ ۹ر شعبان ۱۲۸۵ھ ۲۵ر نومبر ۱۸۶۸ء) کو آپ نے رحلت فرمائی۔ مزار آپ کا محلہ بالاکوٹ میں عقب مکان خواجہ محمد شاہ کے واقع ہے۔

ہر سال عرس ہوتا ہے۔

صاحب نامہ مظفری نے چند قطعات وفات کے نظم کئے تھے منجملہ ان کے ایک یہ ہے۔

حسرتا!!احمد علی صاحب ز اولاد رسول　　رفت زیر خاک وحاضر شد بہ بزم بوتراب

از جبینش نور حق و زخلق، شان احمدیؐ　　بود تاباں بر سپہر مکرمت چوں آفتاب

از وفاتش مرغ بسمل شددل ارباب ذوق　　شور محشر کرد برپا اضطرار و اضطراب

جُست چوں انجام رحلت بہر تاریخ وفات　　ازمظفرؔ گفت مردِ غیب بخشش بے حساب

۱۲۸۵ھ

میر صاحب کا ہمہ اوستی عقیدہ: میر صاحب کا بالکل وہی عقیدہ ہے جوان کے شیخ کا ہے میر صاحب ہمہ اوستی /وحدت الوجودی ہیں اور مکرر ان کے کلام میں یہ عقیدہ آیا ہے۔ میر صاحب کا تخلص احمد ہے۔ آپ کا کچھ کلام ہدیۂ قارئین ہے۔

اے بہر جائے کہ بینی جلوۂ رخسار اوست　　روبہر طرفے کہ آری پر تو انوار اوست

ہیچ حسنی در دوعالم ہمچوحسن یار نیست　　خوبروئی درجہاں چوں خوبی دلدار نیست

در دوعالم جلوۂ رنگیں رخ زیبائے اوست　　رنگ وبوئے باغ دوراں ہم زرنگ وبوئے اوست

چھوٹی بحر میں میر صاحب نے نعت پیش کی ہے۔

کس تو جز خدا نا آفریدہ　　نشنید زمانہ نہ بدیدہ

اے شان تو شان کبریائی　　وے نور تو نور چشم دیدہ

با ممکن و ہم وجوب پیدا　　در عالم ایں چنیں کہ دیدہ؟

اے! سیر تو ملک لامکانی　　کآنجا نہ فرشتۂ رسیدہ

کن رحم باحمدؔ شکستہ　　افتادہ بخاک دل رمیدہ

منقبت جناب علی مرتضی شیر خدا کرم اللہ وجہہ سے کچھ اشعار

اے دل! بدار حُب، بجان بوتراب را　　شیرالہ، سرور عالی جناب را

مشکل کشائے خلق، شہنشاہ اولیاء　　ہست او اخی شافع یوم الحساب را

نورالہی ہست فروغ جمال تو　　واکن ز روی نور الہی نقاب را

شاہا! زفیض لطفِ خود وہم ز مہر خویش — رحمے بحال احمدؔ پر رنج و تاب را

حضرت پیران پیر قدس سرہ کی مدح میں

محیط فیض یزدانی جناب شاہ جیلانی — ملقب قطب ربانی جناب شاہ جیلانی

ستون دین پیغمبر گرامی گوہر حیدر — بہ ذات پاک آں سرور بہ رونق شد مسلمانی

بہ درویشی کسی دیگر نہ زادہ مادر دوراں — زفخر فقراو باشد کمال فخر انسانی

غلام درگہ او راچہ غم از پرسش محشر — کہ دارد دست خواہش رابدست قطب ربانی

حضرت خواجہ بزرگوار ولی ہند اجمیری کی بارگاہ میں:

زہی خواجہ ز فیضان الٰہی — کند در ملک معنی پادشاہی

گدائے، بینوائے، بارگاہش — رساند ، شاہ را تاج مباہی

زبس فیضی کہ بارد ز آسمانش — ہمہ عالم بسوئے اوست راہی

منم احمدؔ غلام در گہ تو — ببر کوہ غم چوں برگ کاہی

اپنے پیر و مرشد کی مثنوی پر اشعار کہے ہیں مصرعہ اولی انہیں کا ہے:

یار من باکمال رعنائی — می کند جلوہ بہ یکتائی

گاہ پنہاں بہ پردۂ باطن — گاہ ظاہر بہ چہرۂ زیبائی

بشنو از زبان پیر و جواں — بالیقین چشم دل چوں بکشائی

مایوس العلاج ہونے کے بعد میر صاحب نے باری تعالے کے حضور میں عرض داشت پیش کی، تو پیران سلسلہ کے توسل سے دعا مانگی ہے اور حبیب خدا ﷺ کی بارگاہ میں رجوع کرتے ہی فوراً شفا حاصل ہوگئی۔

خدایا منم بندۂ بے چارۂ — کہ جز تو ندارم ز کس چارۂ

بہ خلفائے چشتی و ہم قادری — کہ جویم ز ایشاں بخود یاوری

خصوصاً بآں ہادی دل نواز — کہ اسم ست مشہور شاہ نیاز

بسے مضطرب بودم و بے قرار — اطبائے ماندند بے اختیار

دراں حالت پُر ز رنج و عنا — شدم ملتجی باحبیب خدا

بصد گریہ و با ہزاراں بکا — کہ فی الحال زویافتم من شفا

مولوی محراب علی صاحب میر صاحب کے ہم نشینوں میں سے تھے ان کے چار بیٹے محمد علی، احمد علی، محمود علی، اور حامد علی نام کے تھے۔ میر صاحب نے ان کے ناموں کا سجع نظم فرمایا:

محمد احمد و محمود و حامد — بہ محراب علی باشند ساجد

میر صاحب کی تصانیف میں فارسی دیوان کے علاوہ مثنوی معجزات حضرت سرور عالم۔ کریما مخمس، مامقیمان وغیرہ قلمی موجود بتائی گئی ہیں۔

حضرت میر احمد علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کسی مرید وخلیفہ کا نام انتہائی تجسس وتلاش کے باوجود دریافت نہیں ہوسکا۔ اگر اہالیان شاہ آباد رہنمائی فرمائیں تو یقیناً یہ بھی سلسلہ کی خدمت میں ایک پیش رفت ہوگی[1]۔

۲۔ حضرت مرزا اسد اللہ بیگ صاحبؒ بریلوی

حضرت مرزا اسد اللہ بیگ صاحب بھی حضور قبلہ کے نامور خلفاء کرام میں سے ہیں۔ آپ کا خاندان عالی شان، دینی ودنیوی اعتبار سے علم وفضل میں معزز وممتاز تھا اس خاندان کی عظمت وشان کے لئے حضرت تاج اولیاء شاہ نظام الدین حسین قدس سرہ رقمطراز ہیں کہ:

''عالی دودمانی شان اظہر من الشمس وابین من الامس است''

(آپ کی عالی نسبی سورج سے زیادہ روشن اور کل گذشتہ سے زیادہ واضح ہے)

ایں خانہ تمام آفتاب است خاندان کے افراد عظمتوں میں ایک سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ آپ کے والد ماجد مرزا قدرت اللہ بیگ صاحب تھے اور بھائی حضرت مرزا مظہر اللہ بیگ صاحب اور اس خاندان کے ایک عظیم المرتبت فرد مرزا موتی بیگ صاحب تھے حضرت تاج الاولیاء قدس سرہ ان کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''آں حدیقہ موانست نخل باسق موالفت ضرغام آحام تہور''

صف شکن میدان دلیری مرزا موتی بیگ کی متصف باوصاف گوناگوں وسزاوار محامد از حد

[1] ناز ونیاز جلد اول صفحہ ۳۰

فراواں اندیشتر صاحبان انگریز بعہدہ معقول متعلق بودند۔

خود حضرت مرزا اسد اللہ بیگ کی وضع سپاہیانہ اور ہمیشہ اسلحہ سے لیس رہتے کمر میں پیش قبض لگا رہتا، انداز میں بانکپن۔ ہمیشہ مونچھ اس طرح چڑھائے ہوئے کہ مونچھ کا یہ انداز آپ کی پہچان بن گیا تھا۔ بڑے صاحب جلال و صاحب اختیار بزرگ تھے۔ مرزا صاحب ہو بہو اپنے والد صاحب کی مثل تھے جیسا کہ فرمودہ سجع سے ظاہر ہے۔

ایک روز مرزا صاحب نے نگینہ عقیق کا خریدا۔ حضرت نیاز بے نیاز نے فرمایا مرزا یہ نگینہ کیوں خریدا ہے؟ عرض کیا کہ حضور اگر کوئی سجع ایسا ملجائے جس میں میرا اور میرے باپ کا نام آجائے تو میں اس نگینہ پر کندہ کراؤں آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس نگینہ پر کندہ کرالو:

ع　　　قدرت اللہ نمایاں اسد اللہ میں ہے

محلّہ خواجہ قطب میں خانقاہ شریف سے بالکل متصل آپ کا مکان تھا۔ مرزا صاحب کی دینی حمیت کا ایک واقعہ گذشتہ اوراق میں آچکا ہے۔ جس سے بخوبی روشن ہو جاتا ہے کہ وہ دینی غیرت کے سامنے دنیوی مصلحتوں کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے۔ مذکورہ واقعہ (بادشاہ نصیر الدین حیدر) کے رشتہ دار نواب کا ہے۔ نتایج و عواقب سے بے نیاز ہو کر اس نواب کی بکواس سے مشتعل ہو جاتے ہیں پیش قبض نکال کر اسے قتل کر دینے کے لئے اس کے سینہ پر سوار ہو جاتے ہیں۔

جو ہو سو ہو

آپ کے ابتدائی سلوک کا تذکرہ کرتے ہوئے صاحب کرامات نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ جب نیازؔ بے نیاز نے طلبہ کی (قوت خیال کا امتحان لینے کے لئے) متوجہ ہو کر فرمایا کہ کوئی ایسا ہے کہ اس گیندے کے درخت کو اپنے خیال سے خشک کر دے؟ حضرت شاہ جی شرف الدین نے عرض کیا اگر حکم ہو تو میں اس عمل کو کروں؟ آپ نے حکم دیا۔ انہوں نے اپنی توجہ سے اس درخت کو خشک کر دیا۔ دو ایک روز کے بعد پھر آپ نے خطاب کیا کہ کوئی ایسا ہے کہ اس خشک درخت کو پھر سے ہرا کر دے؟ مرزا اسد اللہ بیگ نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو میں اس عمل کو کروں چنانچہ ان کی نظر پر تاثیر سے وہ درخت سرسبز ہو گیا۔[1]

---

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۳۵

حضرت قبلہ کے وصال کے بعد حضرت تاج الاولیاء دیگر خلفاء کرام کی توجہ کے مقابلہ میں اپنا ذاتی مشاہدہ بیان فرماتے تھے کہ میں نے تمام خلفاء نیاز بے نیاز کی توجہ دیکھی مختلف آثار پائے مگر اسد اللہ بیگ صاحب کی نسبت میں کبھی کبھی شان حضور قبلہ کی پائی گئی ۔[1]

جناب خلیفہ نصیر الزماں خانصاحب کا بیان ہے کہ آخر زمانے میں آپ پر بے حد غلبہ ھویت کا ہو گیا تھا۔

حضرت مرزا صاحبؒ کی حضرت مولوی عبید اللہ صاحبؒ سے بے تکلفی تھی وہ ان سے روٹھتے اور منتے بھی تھے۔ ان سے آپس میں ہر قسم کی باتیں ہوتیں۔ عمر کے آخری مرحلہ میں دونوں حضرات فکر مند ہیں کہ آخر کیا ہوگا؟ مرزا صاحب نے حضرت مولوی صاحب سے اپنے آخری انجام کی ایک شناخت بیان فرماتے ہیں۔ میں ایک شناخت بیان کرتا ہوں کہ آخر وقت میں اگر میرا ہاتھ مونچھ پر جائے تو آپ خیال کیجیے گا کہ مرزا اچھی طرح اس عالم سے جا رہا ہے۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہوا تو یہ خیال کرنا کہ مرزا اچھا نہیں گیا۔ کچھ دنوں کے بعد مرزا صاحب کا آخری وقت ہوا تو مولوی صاحب کو بلوایا (دوپہر کا وقت تھا) کچھ دیر کے بعد مرزا صاحب نے کہا کہ مولوی صاحب جلد جائیے۔ حضرت کھانا لئے بیٹھے ہیں اور آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا تم چلو گے؟ کہا نہیں آپ جائیے میں (اس وقت) آپ کو بلوالوں گا۔ مولوی صاحب خانقاہ شریف میں آئے تو دیکھا کہ دستر خوان پر کھانا چنا ہوا ہے اور حضرت (قدس سرہ العزیز) مولوی صاحب کا انتظار کر رہے ہیں۔ غرض کہ مولوی صاحب نے حضرت کے ساتھ کھانا کھایا۔ ابھی ہاتھ نہیں دھوئے تھے کہ ان کا لڑکا (مرزا میر بیگ) آیا اور کہا کہ آپ کو جلد بلایا ہے۔ مولوی صاحب جلد پہنچے دیکھا کہ تمام جسم سے روح سمٹ کر سینہ میں رکی ہوئی ہے اور مولوی صاحب کا انتظار ہے مولوی صاحب نے کہا: مرزا! میں آ گیا۔ مرزا صاحب نے اپنا داہنا ہاتھ اٹھا کر اس سے داہنی مونچھ چڑھائی اور مولوی صاحب کو دیکھ کر تبسم کیا اور یہ اس بات کی علامت تھی کہ میرے لئے میرے رب کا وعدہ پورا ہو گیا۔[2]

نشان مرد مومن با تو گویم ۔۔۔ چوں قضا آید تبسم بر لب اوست

یالیت قومی یعلمون بما غفرلی ربی وجعلنی من المکرمین (یٰس)

---

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۸۸ [2] کرامات صفحہ ۶۴

(کاش میری قوم کو معلوم ہو جاتا کہ میرے رب نے میری کیسی مغفرت کی ہے اور مجھے صاحبان اکرام میں شامل فرمالیا۔) اور روح پرواز کر گئی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اس وقت سراسیمگی اور رونے میں کسی نے مرزا صاحب کا پیر سیدھا نہیں کیا ایک پیر ٹیڑھا رہ گیا جب جنازہ باہر آیا، مولوی صاحب نے دیکھ کر کہا "واہ مرزا! تم تو بڑے بانکے آدمی تھے پیر تو سیدھا کر لو" مرزا صاحب نے فوراً پیر سیدھا کر لیا۔ حکیم جمال الدین صاحب وغیرہ نے کہا مولوی صاحب تعجب ہے کہ آپ ایسا آدمی لوگوں کا پردہ فاش کرے۔[1]

حضرت مرزا صاحب کی تدفین ہمارے موروثی باغ کے قبرستان واقع موضع نیک پور میں عمل میں آئی۔ مرزا صاحب صاحب ارشاد بزرگ تھے آپ نے سلسلہ کی خدمت کی آپ کے ایک مرید حافظ صاحب خانقاہ شریف میں رہتے تھے۔

مرزا صاحب نے اپنے بعد ایک صاحب زادہ مرزا میر بیگ صاحب چھوڑے ان کا قیام محلہ شاہ آباد میں تھا پیشہ کے اعتبار سے وکیل تھے۔ بڑی خوبیوں کے حامل تھے۔ اپنے کار منصبی میں بڑی مہارت رکھتے تھے بریلی کورٹ کے علاوہ ہائی کورٹ کے مقدمات بھی کرتے تھے۔ حضرت (قدس سرہ) کے پسندیدہ لوگوں میں تھے ان کے اکثر معاملات میں وہ اپنے حسن تدبیر اور برجستگی عقل میں لاجواب تھے انہیں خوبیوں کی بدولت ایسا اندازہ ہوتا کہ ان کے بغیر حضرت (قدس سرہ) اور خانقاہ کے کام ادھورے رہ جائیں گے۔

مئی ۱۸۷۳ء میں مرزا میر صاحب کی صحت بگڑنا شروع ہوئی مئی میں حالت زیادہ خراب ہوگئی پہلے یہ پروگرام بنا کہ مولوی غلام نظام الدین رئیس بچھرایوں جو کہ ان دنوں خانقاہ شریف میں حاضر تھے واپسی میں انہیں کے ہمراہ جا کر حکیم احمد سعید صاحب مرادآبادی سے علاج کرائیں گے لیکن پھر یہ طے ہوا کہ حکیم ابوالحسن صاحب بچھرایونی سے علاج کرائیں چنانچہ مورخہ ۱۶ ربیع الثانی ۱۲۹۰ھ / ۱۳ جون ۱۸۷۲ء کو ریل پر سوار کرا دیئے گئے۔ چند روز مرادآباد میں مولوی محمد علیم صاحب اور قطب عالم صاحب کے یہاں رہ کر بچھرایوں چلے گئے حکیم ابوالحسن صاحب نے انہیں اپنے یہاں رکھا

[1] نازو نیاز جلد دوم صفحہ ۵۳

نہایت توجہ کے ساتھ علاج کیا مہمانداری اور تیمارداری میں کوئی دقیقہ اٹھا کرنہیں رکھا وہ جلد صحت یاب ہوکر بریلی شریف واپس آ گئے۔جب وہ بریلی سے بغرض علاج جا رہے تھے تو تمام خانقاہی اور بالخصوص مولوی محمد فضل عالم صاحب ان کی صحت کی طرف سے بہت فکرمند تھے اور دعا کر رہے تھے انہوں نے مرزا صاحب کی روانگی اور اپنے تاثرات حکیم ابوالحسن صاحب کوتحریر کئے تھے۔[1]

''اللہ تعالے جلد ہی انہیں شفا بخش دے۔حضور (تاج الاولیاء) بھی ان کی صحت یابی سے خوش ہو جائیں گے اس لئے کہ حضور کے اکثر کام انہیں سے متعلق ہیں۔حضور بھی ہوشیار اور جواب دہ آدمی کی تلاش میں ہیں۔ورنہ خدانخواستہ ناتمام رہ جائیں گے اور انجام کونہیں پہنچ پائیں گے۔''

انہیں مکتوبات سے یہ بھی دریافت ہوتا ہے کہ بروز جمعہ ۱۳ ؍رجب ۱۲۹۳ھ / ۴؍اگست ۱۸۷۶ء کو ان کی اہلیہ کا مرض کی شدید تکالیف کے بعد انتقال ہو گیا۔[2]

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

ان دنوں خود مرزا صاحب کا مزاج ناساز ہے۔حکیم ابوالحسن صاحب کو بعد سلام مسنون لکھواتے ہیں کہ اگر صلاح ہو تو تنقیہ کے دن آ رہے ہیں منزج اور مسہلات اندرائن وغیرہ کے نسخے عطا فرما دیں جن میں میرے حال کی کمیت وکیفیت کا ضرور خیال رہے اس لئے بھی کہ تنگ دستی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ایک ہفتہ بعد ۲۹؍رجب کے خط میں بھی وہ نسخوں کے منتظر ہیں کہ حکیم صاحب نے ابھی تک مطلوبہ نسخے روانہ نہیں کئے۔[3]

۳۔حضرت بابا قادر شاہ خیاباں متصل دروازہ سردادند کابل

اس سے زیادہ کچھ اور معلوم نہ ہو سکا

۴۔حضرت خلیفہ محمد بخش اللہ خانصاحبؒ شاہ آبادی

حضرت خلیفہ محمد بخش اللہ خاں صاحب محلہ مہند ضلع ہردوئی قصبہ شاہ آباد کے مردم خیز خطہ کے باشندہ ہیں۔یہ قصبہ شاہجہانی اور عالمگیری دور کے عظیم جنرل دلیر خاں نے شہنشاہ شاہجہاں کے حکم

۱۔ کرامات صفحہ ۵۷ ۲۔ مکتوبات مولوی محمد فضل عالم بچھرایونی، (قلمی) مخزونہ لائبریری راقم

۳۔ کرامات صفحہ ۶۴

سے آباد کیا تھا۔ اس قصبہ نے مختلف علوم وفنون کے ماہر پیدا کیئے یہ علاقہ اپنی شجاعت و بہادری کے لئے بھی ویسا ہی مشہور ہے۔

اس قصبہ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ بہ یک وقت حضرت قبلہ کے تین خلفاء اسی سرزمین سے پیدا ہوئے۔ حضرت میر احمد علی صاحب اور ان کے برادر خورد حضرت میر حشمت علی صاحب محلّہ بالائے کوٹ کے ہیں اور یہیں آسودہ خواب ہیں تیسرے خلیفہ حضرت محمد بخش اللہ خاں صاحب ساکن محلّہ لگیانی ہیں۔ اندازاً خلیفہ صاحب کی ولادت ۱۷۸۰/۹ کے لگ بھگ ہوئی۔[1]

ملازمت: اولاً آپ انگریزی پلٹن میں بہ عہدہ جمعدار ملازم ہوئے ترقی کر کے صوبیدار ہوئے۔ اور اسی عہدہ سے ریٹائر ہوئے۔

صاحب ناز و نیاز کا بیان ہے کہ:

(آپ) حضرت نیاز بے نیاز سے بیعت ہونے کے کچھ دنوں بعد صاحب ارشاد ہو گئے اس قدر قوت خیالی بڑھی ہوئی تھی کہ جب پلٹن میں بحالت قواعد کوئی دقت پیدا ہوتی تھی تو صفیں کی صفیں آپ کا عکس پڑنے سے لوٹ جاتی تھیں۔ حضرت شاہ نصیر الدین صاحبؒ کا بیان ہے کہ پچاس آدمیوں کی صفیں الٹ دیتے تھے مزید فرمایا کہ اگلے لوگ کیسے ریاض تھے جو قوت ان کو جمیعت اشغالی میں حاصل تھی وہ آج کل بہت سے صاحبان نسبت اور صاحبان القاء کو حاصل نہیں۔[2]

ایک بار آپ اپنی اور دیگر مریدین کی جانب سے نذر نقد و جنس اور پارچہ وغیرہ پیش کر رہے تھے اور ایک جانب رکھتے جا رہے تھے۔ کسی چیز کو حضرت نیاز بے نیاز ہاتھ نہیں لگاتے تھے ایک بنڈل چائے بھی پیش کیا۔ حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ ہمارے کام کی چیز ہے اور اپنے دست مبارک میں لے لیا۔[3]

بعد وصال حضور نیاز بے نیاز (۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء) انہوں نے پینشن لے لی اور حاضر خانقاہ ہوئے اور عمر اپنی۔ (تقریباً پچانوے سال) یہیں (آخر اپریل ۱۸۷۴ء میں) تمام کی۔ آپ کا مزار مبارک حضرت کے باغ واقعہ موضع نیک پور خاندانی قبرستان میں تھا جہاں حضرت کے دوسرے

---

۱ مکتوبات مولوی محمد فضل عالم صاحبؒ بچھرایونی قلمی مخزونہ لابریری راقم

۲ ناز و نیاز جلد دوم صفحہ ۵۳ ۳ کرامات نظامیہ جلد دوم صفحہ ۵۷

خلفاء اور افراد خاندان دفن ہیں [1]

صاحب ولایت فقیر: خلیفہ نصیر الزماں خاں صاحب کا بیان ہے کہ:

آپ کے ایک مرید کا قصہ ہے مجھ سے ایک صاحب ساکن شاہ آباد نے بیان کیا کہ ۱۸۸۲ء/۱۲۹۹ھ میں جب انگریزی فوج کشی کابل پر ہوئی اور امیر شیر علی فرار ہو کر فوت ہو گئے تو بجائے ان کے بیٹے کو امیر کابل مقرر کر کے انگریز واپس ہوئے۔ایک رسالہ جس میں شاہ آباد کے بھی جوان تھے لوٹ کر قلعہ اٹک صوبہ سرحد سے ہندوستان واپس آیا وہاں سر راہ ایک فقیر کا تکیہ تھا کچھ مسلمان سپاہی ساکن شاہ آباد حقہ پینے کے واسطے چلے گئے۔فقیر نے پوچھا کہاں رہتے ہو؟ اور کہاں جاؤ گے؟ ان سپاہیوں نے جواب دیا کہ ہم شاہ آباد رہتے ہیں اور ہماری فوج کابل گئی تھی وہاں نیا بادشاہ مقرر کر کے اپنے ملک کو واپس جاتے ہیں۔یہ سن کر وہ فقیر بغل گیر ہوا اور کہا تم میرے پیر بخش اللہ خاں سے واقف ہو؟ اور کہا تم کابل میں بادشاہ مقرر کر آئے لیکن ہمارے یہاں سے کوئی بادشاہ نہیں ہوا ہے۔وہ سپاہی کہتے تھے کہ ہم ایک یا دو پڑاؤ نہ چلے ہوں گے کہ پھر ہماری واپسی کابل کا حکم ہوا بالآخر امیر عبدالرحمٰن خاں شاہ کابل ہوئے۔

چونکہ خلیفہ صاحب سے ہمارے مورث فضیلت مآب حضرت مولوی محمد فضل عالم صاحب کے بھی خصوصی تعلقات تھے حضرت مولوی عبیداللہ شاہ بدخشانی کے وصال فرمانے (۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) کے بعد خاص طور سے خطوط نویسی کی خدمت انہیں کے سپرد تھی اور حضرت مولوی صاحبؒ کی ہی جگہ پر کمانچہ والے دالان میں پس پردہ قیام تھا۔لہٰذا حضرت صوبیدار صاحب سے خود ان کے دیگر افراد خاندان سے بھی گہرے روابط تھے۔جب مولوی صاحب اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو خط لکھتے تو صوبیدار صاحب ضرور سلام و دعا لکھواتے تھے اسی طرح وہ صاحبان صوبیدار صاحب کی خدمت میں نیازمندانہ سلام پیش کرتے اور ان کی خدمت میں دعا کی درخواست کرتے۔مولوی صاحب کے منجھلے صاحب زادہ مولوی محمد لطیف صاحب نے گورنر ہاؤس میں نینی تال کی ملازمت کے دوران حضرت والد کے لئے ایک لنگی پسند کر کے روانہ کی ہے۔لیکن والد صاحب نے طے کر لیا ہے کہ:

---

[1] کرامات نظامیہ

"دلنگی مرسلہ شمانذر بخش اللہ خاں صاحب خواہم کرد" ۔[1]

پنجشنبہ ۱۲/فروری ۱۸۷۴ء تک صوبیدار صاحب بخیریت ہیں۔ یعنی سلام ودعا کے علاوہ ان کی ناسازی مزاج کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن سوا دو ماہ بعد مولوی صاحب اپنے بھتیجے مولوی محمد علیم کو بروز دوشنبہ ۸/ربیع الاول ۱۲۹۱ھ/۲۵/اپریل ۱۸۷۴ء کو تحریر فرماتے ہیں:

"بخش اللہ خاں صاحب بدستور اند۔ خدا رحم کند" ۔[2]

گویا اس اطلاع سے قبل مولوی صاحب حضرت بخش اللہ خاں صاحب کی شدید ترین ناسازی مزاج کی اطلاع ان صاحبان کو دے چکے ہیں اسی لئے وہ صاحبان خلیفہ صاحب کی کیفیت مزاج کی جانب سے سخت فکر مند ہو رہے ہیں۔ اس خط سے پہلا خط انہوں نے اسی ماہ صفر کے تیسرے ہفتہ میں لکھا ہوگا۔ انہیں دنوں حضرت تاج الاولیاء کا مزاج مبارک ناساز ہونے کی وجہ سے تمام وابستگان بے چین ہیں اور مزاج مبارک کے بارے میں استفسار کر رہے ہیں دردسر کی تکلیف بے حد ہے اسی کا علاج ہو رہا ہے۔ جہاں حضرت کی ناسازی مزاج کی اطلاع دی جاتی ہے اسی کے ساتھ حضرت بخش اللہ خاں صاحب کا حال لکھا جاتا ہے۔

"واضح باد کہ پیشتر تحریرے مشعر علالت مزاج مبارک حضور والا روانی یافتہ فائز مطالعہ شدہ باشد" ۔[3]

۵۔ سراج السالکین حضرت مولوی ملا جان محمد آخونؒ

آپ کابل خاص کے رہنے والے ہیں درزی کا پیشہ ہے۔ شرف بیعت آپ کو حضرت مولوی سید یار محمد شہید کابلی سے ہے۔ حضرت شہید کے چار رکنی وفد میں حضرت ملا جان محمد و حضرت حافظ وزیر خواجہ بھی ذی الحجہ ۱۲۴۰ھ/آخر جولائی ۱۸۲۴ء میں حضرت نیاز بے نیاز کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں آٹھ سال (۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء) تک حضرت کی خدمت میں حاضر رہے ہیں گویا حضرت نے اپنے وصال سے ڈیڑھ دو سال پہلے وطن جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی اور یہ وہ وقت ہے جب کہ حضرت قبلہ بعارضہ فالج فریش ہیں۔ ان ہر دو حضرات کو ساتھ ساتھ رخصت کیا ہے۔

---

[1] مکتوبات مولوی محمد فضل عالم صاحبؒ بچھرایونی [2] مکتوبات مولوی محمد فضل عالم صاحبؒ بچھرایونی
[3] کرامات صفحہ ۵۷

حضرت ملا صاحب نے کوچہ وزیر میں قیام کیا[1]......اور ہدایت خلق میں مشغول ہو گئے لیکن ان کا ذریعہ معاش کپڑے سینا ہی تھا دونوں میاں بیوی کپڑے سی کر اپنی گذر بسر فرماتے اور ان کا معمول تھا کہ (مریدین کی نذروں سے) جو روزانہ فتوحات ہوتیں ایک جگہ جمع کرتے رہتے۔ اس کا نام خزانہ سرکار رکھا تھا۔ اس میں سے صرف بیس ۲۰ پیسے لے کر باقی فتوحات حفاظت کے ساتھ رکھتے اور یہ بیس ۲۰ پیسے بھی یوں لے لیتے کہ حضور قطب عالم خانقاہ شریف بریلی میں بھی ملا صاحب کو بیس پیسے یومیہ دے کر فرماتے تھے کہ انہیں اپنے خرچ میں لاؤ چنانچہ مدت العمر یہی معمول رہا ملا صاحب فرمایا کرتے تھے کہ بیس ۲۰ پیسوں سے زیادہ لینا میرے لئے جائز نہیں ہے۔ یہ سرکاری امانت ہے۔ اپنے لئے کئی جوڑے کپڑے نہیں بناتے تھے۔

حضور قبلہ کے وصال کے بعد اپنی خانقاہ میں حضرت کا عرس کرتے اور ایک رات میں تقریباً تیس ۳۰ و چالیس ۴۰ روپیہ خرچ کرتے (یہ رقم اس دور میں کثیر رقم کی حیثیت رکھتی تھی)

باقی رقم کسی معتبر آدمی کے ہاتھ سرکاری خزانہ بریلی شریف بھیج دیتے۔

آپ کی عمر شریف سو ۱۰۰ سال کے قریب ہوئی۔ آپ نے صرف ایک شخص کو خلیفہ کیا۔

وارث علی خاں صاحب بدایونی کا بیان ہے کہ ایک بار مجھ کو حضرت نیاز بے نیاز کے چھوٹے صاحب زادے (حضرت شاہ نصیر الدین حسین) صاحب نے بہ ہمراہی عبداللہ خاں کابل بھیجا تا کہ مولوی جان محمد صاحب کابلی کی خبر لادیں۔ کیونکہ ان کا حال کچھ عرصے سے معلوم نہیں ہوا تھا ہم نے (کابل جا کر) دیکھا کہ مولوی صاحب ممدوح کی قریب سو ۱۰۰ برس کی عمر ہے اور ایسی ہی عمر کی ان کی زوجہ ہیں سلائی پارچہ کرتے ہیں اور اس (پیشہ) سے جو دو چار آنہ مل جاتے ہیں اس پر ان کی گذر اوقات ہے۔ ہم کو تین روز تک انہوں نے ٹھہرایا۔ ایک نان بائی کی دکان سے قرض ہمارے لئے کھانا لاتے تھے۔ اور وعدہ یہ تھا کہ دام دام بارہ ۱۲ روز کے اندر اپنی سلائی کی آمد سے تھوڑا تھوڑا کر کے ادائیگی کر دیں گے۔ جب ہم رخصت ہوئے تو انہوں نے بہت کچھ زر نقد اور تحفہ جات صاحبزادگان اور جناب بی بی صاحبہ (م ۲۰/ذیقعدہ ۱۲۹۴ھ/۴ نومبر ۱۸۷۹ء) کے لئے ہم کو دئے یہ کیفیت ان حضرات کی تھی۔

---

[1] کرامات

کلمہ انی اناالله

آپ ہی کا ایک واقعہ خاص ہے کہ حضرت مولوی یار محمد شہید کی طرح آپ کی زبان سے بھی کلمہ انی اناالله نکلنا شروع ہوا۔ آپ بادشاہ کے دربار میں طلب کئے گئے۔ علماء ظاہر نے آپ کے قتل کا فتوی دیا۔ لیکن آپ نے فرمایا ''من یار محمد نباشم۔ من جان محمد ہستم''۔ پہلے میرا ناخن تراش کر دیکھو چنانچہ ناخن تراشا گیا سب حاضرین کے ناخن ترش گئے۔ بادشاہ نے خوف زدہ ہوکر آپ کو چھوڑ دیا۔[1] اور کہا یہ ایسے ہی بکا کرتے ہیں۔ آیندہ آپ کو زحمت نہیں دی جائے گی۔ اس زحمت کے لئے ہم سب بدل معذرت خواہ ہیں

بروز شنبہ ۱۷ر رجب ۱۲۴۱ھ/۲۵ فروری ۱۸۲۶ء حضور قبلہ اپنے والا نامہ کے ذریعہ حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب کو مطلع فرماتے ہیں کہ:

''میاں انور شاہ و ملا جان محمد مع خادم روانہ طرف خود ہاشند۔[2]

حضرت اگلے سال ۱۲۴۲ھ میں اطلاع دیتے ہیں کہ:

ملا جان محمد بہ کشمیر اند۔ اغلب کہ صبح شام بہ سمت این ملک روانہ شوند[3]

۱۲۴۴ھ/۱۸۲۹ء ملا جان محمد و ملا عبید اللہ کہ ایں ہر دو تازہ بعد دو سال از ولایت آمدہ اند۔[4]

حضرت سراج السالکین ملا جان محمد صاحب کشمیر سے واپسی پر بریلی میں حضور قبلہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور اس کے بعد یہ دونوں حضرات اپنے وطن واپس چلے گئے اور دو سال کے بعد دونوں حضرات شعبان/فروری کے تیسرے ہفتے میں بریلی شریف میں حاضر ہو گئے ۔[5]

آپ نے ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۵ء سے ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۸ء تک نصف صدی سے زیادہ سلسلہ کی اشاعت کی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلسلہ کی توسیع و اشاعت کا کام حضور قبلہ کے وصال (۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء) کے بعد اور زیادہ بڑھا۔ اگر چہ ملا صاحب حضرت قبلہ کی حیات میں ہی اعلاء کلمۃ الحق میں مصروف تھے مگر دوسرے اکابر خلفاء کی طرح آپ نے تذکرہ نہیں فرمایا ہے حضرت کے

---

[1] نازو نیاز جلد دوم صفحہ ۲۵-۲۴

[2] مکتوبات نیازیہ صفحہ ۱۱۱

[3] مکتوبات نیازیہ صفحہ ۷

[4] مکتوبات نیازیہ صفحہ ۷

[5] کرامات نظامیہ صفحہ ۵۸-۵۷

مکتوب کی روشنی میں کرامات نظامیہ کی آٹھ وبارہ سال روکنے کی روایت پوری نہیں اترتی اس لئے یہ کہ ۱۲۴۱ھ۔۱۲۴۴ھ میں برابر آپ کا آنا جانا اور وطن میں ۱۲۴۲ھ سے ۱۲۴۴ھ تک قیام اس روایت کی تردید کرتا ہے۔

۶۔ حضرت سید حشمت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شاہ آبادی

آپ حضرت خلیفہ سید احمد علی شاہ صاحب کے برادر خورد ہیں اور حضور قبلہ کے خلیفہ بھی کرامات نظامیہ میں صرف خلفاء کی فہرست میں آپ کا نام آیا ہے[1]۔ اسی طرح تذکرہ ناز و نیاز میں بھی آپ کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے[2]۔ یعنی بڑے میر صاحب کے ذیل میں صرف اتنی عبارت درج ہے۔

''آپ و نیز آپ کے بھائی میر حشمت علی صاحب دونوں حضرت نیاز بے نیاز کے خلفاء میں سے ہیں۔''[3] ایسی صورت میں صرف ایک ماخذ نامۂ مظفری رہ جاتا ہے چنانچہ بصورت مجبوری اسی کی روایات پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ میر صاحب اپنے برادر بزرگ کے ساتھ درسگاہ میں درس دیتے تھے اور قصبہ کی اکثریت آپ کی شاگرد تھی۔ یہ درس گاہ ایک ہندو رئیس کے مکان پر تھی۔[4]

میر صاحب کے چھوٹے بھائی میر حشمت علی صاحب تھے وہ بھی صورت و سیرت اور جملہ اوصاف میں اپنے بڑے بھائی کے قدم بہ قدم تھے۔ میر صاحب ممدوح کی شکل دیکھ کر بزرگان خدا کی صورت آنکھوں میں پھر جاتی تھی اور آپ کی باتیں سن کر خدا یاد آ جاتا تھا۔ اگر بڑا بھائی آفتاب تو چھوٹا بھائی ماہتاب تھا۔ آپکی مہر کا مصرعہ تھا ''از نیاز است حشمت کونین''

اپنے بڑے بھائی سے دو برس بعد چھوٹے میر صاحب نے انتقال فرمایا

از دار فنا چو میر صاحب — رفتند بسوئے حوض کوثر
از آل نبی و اسم پاکش — حشمت بہ علی شد مقرر
در خلق و بزرگی و کرامت — مثلش بہ جہاں نبود دیگر

---

[1] کرامات — [2] ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۳۵
[3] نامۂ مظفری صفحہ ۵۹ — [4] نامۂ مظفری صفحہ ۵۹ تا ۴۴

تعلیم ز درس گاہ ایشاں حاصل می کرد خلق اکثر
حق داد شرف بہ ذات ہر دو ماہ و خورشید ہر دو برادر
ایں قصبہ نمود کسب علمی ذات عالیش فیض گستر
جستم تاریخ انتقالش گفتند ملک: بلند اختر

۱۲۸۷ھ

اگر چہ یہ بتایا گیا ہے کہ بڑے میر صاحب حضرت شاہ نصیرالدین حسین صاحب کے مربی وشیخ ارشادی ہیں لیکن انسان کامل ا۔ عین العارفین ۲۔ اور ناز و نیاز ۳ (ہر دو جلد) تینوں تذکروں میں خود حضرت شاہ نصیرالدین حسین صاحب کی زبان مبارک سے اپنے مربی، شیخ ارشادی، مخدوم اور مخدوم کے افراد خاندان کے بارے میں کوئی لفظ نہیں ملتا اور نہ چھوٹے میر صاحب سے ملاقات یا روابط ہونا معلوم ہو سکا۔

والله اعلم بالصواب

حضرت بڑے میر صاحب کے مریدین وخلفاء کے بارے میں بھی کوئی اطلاع فراہم نہیں ہو سکی۔ سلسلے کے تذکروں میں جو اطلاعات ہیں محض خانہ پری کی ہیں۔ چھوٹے میر صاحب کے بارے میں وہ بھی نہیں ہیں نامہ مظفری والوں نے قطعہ تاریخ سامنے رکھ کر محض برائے بیت لکھا ہے اس سے تاریخی یا سوانحی معلومات فراہم نہیں ہوتیں۔ جو اطلاعات فراہم ہوتی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

ا۔ سید حشمت علی بڑے میر صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں۔

۲۔ حضور قبلہ کے خلیفہ ہیں۔

۳۔ مہر کا سجع از نیاز است حشمت کونین۔

۴۔ ایک ہندو رئیس کے مکان پر درس گاہ تھی جس میں دونوں بھائی پڑھاتے تھے۔

۵۔ بڑے بھائی کے انتقال کے دو سال بعد انتقال ہوا۔

۶۔ سال وفات ۱۲۸۷ھ ہے۔

چونکہ ان صاحبان کے پاس سوانحی مواد نہیں تھا اس لئے تذکرہ کی اس عبارت کی حیثیت انشائیہ سے زیادہ نہیں ہے۔

۷۔ حضرت شاہزادہ گنہڑؒ

(سید شرف الدین اجمیر)

آپ حضرت نیاز بے نیازؒ کے خلفاء باکمال میں تھے حضرت خلیفہ صاحبزادہ فتح محمد صاحب نیازی اجمیری نے راقم کو بتایا تھا کہ آپ کا اسم مبارک سید شرف الدینؒ ہے۔[1] آپ حضرت سید علی غواص ترمذی عرف پیر بابا کی اولاد امجاد میں سے ہیں۔ حضرت پیر بابا سادات ترمذی اور حسینی سید ہیں۔ جملہ سادات ترمذ سید محمد مدنی ابن ہشام خلف سید ناصر شاہ کی نسل سے ہیں جن کا آبائی سلسلہ حضرت ابوعبداللہ حسین بن امام زین العابدین وامام حسین علیہما السلام شہید کربلا تک پہنچتا ہے۔ اس طرح آپ حسینی سید ہیں اس خانوادہ رسالت میں بے شمار اولیاء اللہ ہوئے، انہیں میں سے ایک داتا گنج بخش حضرت عثمان علی ہجویری لاہوری بھی ہیں۔

سید حسن ۱ ابن سید موسیٰ ۲ ابن سید علی ۳ ابن ابوعبداللہ ۴ حسین اصغر مدینہ منورہ سے ترک سکونت فرما کر ترمذ میں اقامت گزیں ہوئے۔ آپ کے فرزند سید محمد جو آپ کے ہمراہ تھے وہ شاہ ناصر ترمذی کے نام نامی سے مشہور ہوئے۔ حضرت حسین اصغر مدینہ منورہ کے بنی حسین کے مورث اعلیٰ ہیں آپ نے ۱۵۷ھ/۷۷۳-۷۷۴ء میں وفات پائی۔

ترمذ:

ترمذ دریائے جیحون کے شمالی کنارے پر افغانستان سے قریب مابین بلخ اور حصار ایک بڑا رستہ ہے۔ ماوراء النہر کے جنوب میں بلخ اور ترمذ واقع ہیں۔

آپ قصبہ گنہڑ ملک باجوڑ۔ افغانستان کے باشندے ہیں۔ گنہڑ یہ علاقہ لمغان کے مشرق میں باجوڑ کے مغرب اور دریائے کابل سے اوپر پنج درہ کے شمال میں واقع ہے۔ آپ کا خاندان افغانستان میں آج بھی بے پناہ عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ راقم کے ننہیالی مورث اعلیٰ حضرت سید احمد شاہ صاحب عرف شاہ جی باباؒ نو محلہ والے اسی خاندان والاشان کے رکن رکین ہیں۔

---

[1] از ڈائری راقم ۱۹۶۷ء

حضرت شاہ زادۂ کنہڑ سے مرشد گرامی کو بے حد قلبی لگاؤ ہے اسی تعلق کی وجہ سے آپ نے اپنی نیابت میں حضور خواجہ غریب نواز کی اولاد و پیرزادگان کو بیعت کرنے اور ان حضرات کی روحانی تربیت کے لئے اجمیر شریف میں متعین فرمایا تھا۔ آپ کی ذات گرامی کی بدولت دیوان صاحب پیر زادگان اور خادمان درگاہ اجمیر شریف، نواب شمس الدین مکہار با (ٹونک) اور بہت سے لوگ سلسلہ عالیہ نیازیہ میں داخل ہوئے۔ آپ کے دیگر خلفاء کے علاوہ پیلے شاہ صاحب پال بسیلا آپ کے خلیفہ ہیں۔

اجمیر شریف میں آپ سید بادشاہ میاں کے نام سے مشہور تھے [1]

حضرت قبلہ آپ کا نام نہیں لیتے تھے آپ کے نام کے بجائے سید صاحب شہزادہ کنہڑ تحریر فرماتے۔

''فی الحال سید صاحب شاہزادہ کنہڑ در خانقاہ ہستند'' [2]

راقم ماہ رجب ۱۳۸۷ھ/اکتوبر ۱۹۶۷ء میں عرس شریف خواجہ غریب نواز میں حضرت والد ماجدی نور اللہ مرقدہ کے ہمراہ اجمیر شریف حاضر ہوا تھا تو حضرت خلیفہ فتح محمد صاحبؒ نے آپ کے مزار مبارک کی رہنمائی فرمائی مزار مبارک چار یاری میں ہے حضرت میر شمس الدین صاحب فخری اور حضرت مولانا محمد حسین الہ آبادی کے مزارات سے آگے بڑھ کر سیدھی جانب ایک چبوترے پر مرمریں مزارات ہیں وسط میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

۸۔ حضرت شاہ جی شرف الدینؒ ردولوی

آپ سرگروہ صابریاں حضرت مخدوم احمد عبدالحق ردولوی علیہ الرحمہ کی اولاد امجاد میں سے ہیں۔ آپ حضرت قبلہ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ آپ کے ہم عمر اور ہم خیال خواجہ تاشان میں حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب بچھرایونی، حضرت غلام مولی خان صاحب شاہجہانپوری، حضرت محمد فخر عالم خاں صاحب شاہجہانپوری اور حضرت مرزا اسد اللہ بیگ صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہم

[1] نازو نیاز جلد اول صفحہ ۲۵
[2] مکتوبات نیازیہ

اجمعین ہیں۔

زمانۂ طالب علمی میں یہ حضرات چہار درویش بلحاظ باہمی اتحاد و یک جہتی ایک ساتھ نشست و برخاست رکھتے تھے۔ مسجد بی بی جی صاحبہ کے حجروں میں قیام تھا ان حضرات نے اپنے حجروں کے سامنے گملوں میں پھولوں کی بہار لگا رکھی تھی۔

حضرت سراج السالکین کا بیان ہے کہ

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ جب حضرت نیاز بے نیاز نے طلباء کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ ایسا کوئی ہے کہ اس گیندے کے درخت کو اپنے خیال سے خشک کر دے۔ شاہ جی شرف الدین نے عرض کیا اگر حکم ہو میں اس عمل کو کروں؟ آپ نے حکم دیا انہوں نے اپنی توجہ سے اس درخت کو خشک کر دیا۔

دو ایک روز کے بعد پھر آپ نے خطاب کیا کہ کوئی ایسا ہے کہ اس درخت خشک شدہ کو پھر سے ہرا کر دے؟ مرزا اسد اللہ بیگؒ نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں اس عمل کو کروں چنانچہ ان کی نظر پر تاثیر سے وہ درخت سر سبز ہو گیا۔ یہ کیفیت ان حضرات کی زمانۂ سلوک میں تھی مرتبہ کمال تک پہنچتے پہنچتے کیا عالم ہوا ہوگا۔ اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے۔ حضرت موصوف نے سلسلہ کی کافی اشاعت کی۔

حضرت نیاز بے نیاز حضرت موصوف کو کبھی شاہ صاحب کہہ کر مخاطب فرماتے کبھی وضاحت کے لئے شاہ شرف الدین کہتے اور پھر کبھی سید صاحب فرماتے۔ والا ناموں میں جہاں جہاں سید صاحب، شاہ صاحب، یا شاہ جی مذکور ہے وہاں مشارٌ الیہ آپ ہی ہیں۔

ایک بار شاہ صاحب نے حضرت نیاز بے نیاز کی خدمت میں سوئیوں کا تعویذ پیش کیا حضرت نے پوچھا کہ شاہ جی یہ تعویذ کس کام کے لئے ہے۔ عرض کیا کہ ہر قسم کے مسانی و مسان سے زچہ و بچہ کی حفاظت کے لئے ہے۔ حمل کے تیسرے مہینے اس تعویذ کو حاملہ کے بندھوا دیا جائے تو مسانی و مسان کا اثر زچہ و بچہ سے دور رہتا ہے۔ حضرت نے پسند فرمایا اور فرمایا کہ اس تعویذ کی نذر سے تمہاری فاتحہ ہوتی رہے گی۔ چنانچہ ہمارے یہاں آج بھی اس مخصوص و مجرب تعویذ کی نذر کی رقم سے حضرت موصوف کی فاتحہ ہوتی ہے۔ اس طرح پیران خانہ میں حضرت سید صاحب موصوف کی فاتحہ کی رسم جاری ہے۔ حضرت شاہ صاحب کا مزار مبارک موضع انبہ کھیڑہ ضلع پیلی بھیت

میں ایک مسجد سے متصل حجرے میں واقع ہے۔[1]

آپ نے اپنی پوری زندگی سلسلہ کی تبلیغ واشاعت میں لگادی اس لئے تجرد کی زندگی گذاری۔ حضرت قبلہ کے تبلیغی قافلے تمام ہندوستان میں کام کررہے تھے۔ آپ بھی امیر قافلہ ہوتے اور یہ کام پوری سرگرمی کے ساتھ انجام پارہا تھا۔ آپ نے اس عظیم خدمت میں جان جان آفریں کے سپرد کردی۔

حضرت قبلہ اپنے والا ناموں میں تبلیغ واشاعت میں منہمک حضرات کا ذکر فرماتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کے لئے فرماتے ہیں:

''شاہ صاحب ہنوز تشریف نیاوردہ اند'' (مورخہ ۲۷ر رجب ۱۲۴۱ھ/۹ر مارچ ۱۸۲۶ء)۔[2]

''شاہ شرف الدین ہنوز از قافلہ مراجعت نمودہ اند''۔[3]

۹۔ حضرت شمس الحق صاحبؒ

چک منڈی۔ لکھنؤ

حضرت خلیفہ شمس الحق رحمۃ اللہ علیہ اس علم وفضل اور لیاقت کے بزرگ ہیں کہ اس دور کی راجدھانی لکھنؤ میں حضرت موصوف کا تقرر ہوا تھا جہاں ہندوستان بھر کے علماء فضلاء اور اکابر مشائخ کا ہجوم تھا۔ بقول حضرت خلیفہ محمد فخر عالم صاحب:

لکھنؤ آج کل پایۂ تخت ہے وہاں علماء کا بہت زور ہے اور اس وقت میں بڑے بڑے مشائخ کا مجمع ہے۔

لکھنؤ میں رہ کر حضرت موصوف نے سلسلہ عالیہ نیازیہ کی قابل قدر اشاعت فرمائی باقیات میں آپ کے مرید حضرت کریم شاہ صاحب تھے۔ آپ کا مزار شریف محلّہ چک منڈی میں ہے۔ مداح رسول حضرت بہزادؒ نے ۱۹۶۴ء میں بریلی شریف کی حاضری کے موقع پر راقم کو بتایا تھا کہ حضرت کا مزار شریف محلّہ رسی بٹو میں ہے باہر منے میاں پان والوں کی دوکان ہے اندر مزار شریف ہے۔

---

[1] از فہرست خلفاء مرتبہ حضرت دادا صاحبؒ ناز ونیاز ج دویم

[2] مکتوبات نیازیہ ص iii [3] ایضاً ص IV

۱۰۔ سید ضیاء الدینؒ

آپ کے حالات دریافت نہیں ہو سکے۔ فہرست خلفاء میں دسویں نمبر پر آپ کا نام ہے علاوہ ازیں آپ کا خلافت نامہ محررہ ۱۲۰۴ھ محفوظ ہے۔

۱۱۔ حضرت سید ظہیر الدین شاہ صاحبؒ جے پوری

آپ حضرت مسکین شاہ صاحب کے صاحب زادہ ہیں آپ کا ذکر حضرت مسکین شاہ صاحب کے ساتھ آ رہا ہے۔

۱۲۔ مولوی عبد الرحمٰن

حالات دستیاب نہیں ہیں۔

۱۳۔ مولوی عبد الرحمٰن خانؒ

در جاورہ

حضرت مولوی عبد الرحمٰن خاں صاحب ساکن جاورہ (راجستھان) کا نام کرامات نظامیہ میں تین بار آیا ہے۔ پہلے حضور قبلہ کے خلفاء کی فہرست میں دوسرے کالم کے چوبیسویں نمبر پر آیا۔ دوسری بار ان کے صاحب زادے نواب عبد العلی خانؒ صاحب کے تعارف کے ذیل میں آیا ہے جنہیں دو گھنٹہ میں حضرت تاج الاولیاءؒ نے ابتداء سے انتہا تک سیر مقامات عرفان کرا کر اجازت اور خلافت سے مشرف فرمایا تھا[1]۔ انہیں نواب عبد العلی خاں صاحب کی خلافت ہی کے ضمن میں تیسری بار آیا ہے اس کی عبارت تقریباً وہی ہے لیکن قدرے مفصل ہے۔ جس سے کچھ نتائج بر آمد کئے ہیں عبارت اس طرح ہے۔

حضرت تاج الاولیاء قدس سرہ العزیز جب جاورہ، حسین ٹیکری تشریف لے گئے تو بعد واپسی ایک روز باغ میں نواب عبد العلی خاں صاحب ولد عبد الرحمٰن خاں صاحب کے (جو حضرت نیاز بے

---

1. کرامات صفحہ ۸۳

نیاز کے خلیفہ تھے) قیام فرمایا۔ وقت عصر ٹہلتے ہوئے ایک جانب باغ کی روش پر تشریف لے گئے جب سب آدمیوں سے دور پہنچے تو وہاں فرش پر بیٹھ گئے۔ میاں عبدالعلی خاں سے کہا کہ سامنے بیٹھو اور آنکھ بند کرو جناب ننھے میاں صاحب نے فرمایا کہ میں اس وقت موجود تھا اور سب کو ہٹا دیا گیا اور بزور باطن ابتداء سے انتہا تک عبدالعلی خاں صاحب کو مقامات عرفان کی سیر کرادی اور اس کام میں تقریباً دو گھنٹے لگے۔ جب میاں عبدالعلی خاں صاحب بالکل بیہوش ہو گئے تو چھوڑ دیا۔ ہوش آنے کے بعد اجازت اور خلافت دے دی۔

میں (ننھے میاں صاحب) نے عرض کیا کہ خلاف عادت (بلا مراحل سلوک طے کئے ہوئے) آپ نے آج یہ کام کیا؟

(حضرت تاج الاولیاء نے) فرمایا کہ بچپن میں ہم اور یہ دونوں بہت کھیلتے رہے ہیں۔ ان کا حق میرے اوپر ثابت تھا میں نے وہ ادا کر دیا۔[1]

جاورہ میں حسین ٹیکری جانے کا واقعہ رجب ۱۳۰۴ھ / مارچ ۱۸۸۷ء کا ہے اس وقت تک حضرت خلیفہ عبدالرحمٰن خاں صاحب کو وصال فرمائے ہوئے کافی عرصہ ہو چکا تھا دوسری بات یہ ہے کہ نواب جاورہ (محتشم الدولہ نواب غوث محمد خاں بہادر شوکت جنگ) سے کوئی قریبی رشتہ داری تھی[2]۔ تیسری بات یہ ہے کہ حضرت تاج الاولیاء (کی ولادت یکم صفر ۱۲۳۶ھ / ۸ نومبر ۱۸۲۰ء کی ہے)[3]۔ بدو شعور سے سن شعور تک (۱۲۴۱ھ تا ۱۲۴۸ھ) بہت دونوں ساتھ ساتھ کھیلے ہیں۔

حضرت قبلہ ایک والا نامہ میں اپنے خلیفہ حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب بچھرایونی کو مطلع فرماتے ہیں کہ:

مولوی عبدالرحمٰن مرحوم روانہ دارالبقا شدند و چند خلیفہ گذاشتہ اند کہ فیض رساں عالم اند۔

---

[1] کرامات صفحہ ۸۳ [2] کرامات صفحہ ۸۸

[3] ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء میں حضرت تاج الاولیاء کا گم شدہ زائچہ مل جانے کی وجہ سے حضرت مولوی محمد فائق صاحب نیازی نے کرامات نظامیہ والی تاریخ و سنہ ولادت سے رجوع فرمالیا وہ تحریر فرماتے ہیں "خیر اب ہم اس لغویات کو طے کرتے ہیں اور حضرت تاج الاولیاء کی اصلی پیدائش کا زائچہ دکھاتے ہیں۔ حضرت تاج الاولیاء کی پیدائش ۱۲۳۶ھ / (۸ / نومبر ۱۸۲۰ء) ہے" ص ۱۲ حملہ صفدری۔

یہ والا نامہ ۱۲۴۴ھ/۱۸۲۸ء کا ہے جس میں حضرت مولوی خلیفہ عبدالرحمٰن کے دارالبقا جانے کی اطلاع ہے۔لیکن کسی قیاس سے یہ اندازہ نہیں ہو پارہا ہے کہ مذکورہ مولوی عبدالرحمٰن جاورہ والے ہیں یا دوسرے مولوی عبدالرحمٰن جن کا نام جاورے والے خلیفہ صاحب سے پہلے تحریر ہے۔لیکن ہیں کوئی ایسے صاحب ارشاد بزرگ جنھوں نے اپنے بعد بھی ایسے جید خلفاء چھوڑے ہیں جو حضور قبلہ کے الفاظ میں ایسے بافیض ہیں جو کہ فیض رساں عالم ہیں۔اس سے بڑھ کر ان کے معیار کی اور کیا سند ہو سکتی ہے۔[1]

۱۴۔خلیفہ عبدالرسول صاحبؒ در کابل

در کوچۂ قاضی۔حالات دست یاب نہیں ہیں۔

۱۵۔مخدوم عبدالشہید یارقندی صاحبؒ

آپ حضرت قبلہ کے اجل خلفاء میں ہیں۔بریلی حاضری کے بعد تکمیل علوم باطنی پر مخدوم جی ولایت یارقند امیں متعین فرمائے گئے۔[2] صاحب تصرف ہونے کے باوصف آپ زبردست صاحب تحمل تھے اور خود کو فقراء کا خادم سمجھتے تھے۔تربیت خاصہ کی بدولت ادب وقرینہ طبیعت ثانیہ بن گئے تھے کرامات نظامیہ میں ڈھائی صفحات کا آپ کا کراماتی واقعہ نقل ہے جو کہ بخوف طوالت چھوڑا جارہا ہے شوقین حضرات تفصیل کے لئے وہیں سے رجوع فرمائیں۔

حضرت تاج الاولیاء کی اتالیقی اور تعلیم ظاہری کے لئے حضور قبلہ نے ان کی بھی خدمات لی تھیں حضرت مولوی عبیداللہ شاہ صاحب اور حضرت ممدوح نے علم ظاہری کی تکمیل کرائی تھی۔آپ بھی حضور قبلہ کے ان اکابر خلفاء میں سے ہیں جنھوں نے حضرت کے وصال کے وقت سے سات سال تک دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو کر خانقاہ کی خدمت اور صاحبزادگان کی تربیت کو اپنا اولین فریضہ قرار دیا تھا۔صاحبزادگان کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں حضرت مولوی صاحب کے علاوہ دوسرا

---

[1] مکتوبات حضور قبلہ بنام حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب بچھرایونی

[2] یارقند چینی ترکستان (38.24N'7722E 50 mn سنکیانگ)

نام حضرت مخدوم جی کا بھی آتا ہے۔

۱۵۔ حضرت مولوی عبداللطیف خوان علومؒ

سمرقندی

حضرت مولوی عبداللطیف توقندی[1] جناب قبلہ کے شاگرد رشید تھے حضرت کے قدیم ترین شاگردوں میں تھے اور بہت بڑے صاحب تصرف بزرگوں میں تھے۔ آپ حضورقبلہ کے مایۂ ناز تلامذہ میں ہیں۔ حضرت کے مزاج مبارک کے جاننے والے، مزاج میں رسوخ رکھنے والے ہیں۔ آپ کے وفور علم کی وجہ سے حضور قبلہ نے آپ کو خوان علوم کے خطاب سے نوازا تھا۔

جب حضرت مولوی عبداللطیف خوان علوم، تکمیل علوم اور تحصیل خلافت کے بعد بریلی شریف سے رخصت ہوئے شہرسبز میں قیام کیا[2]۔ یہ شہر فارسی ادب کے دو حسین اور رنگین شہروں سمرقند و بخارا کے قریب ہے۔

آپ کو سماع کا بڑا شوق تھا راگ بہت سنا کرتے تھے۔ بخارا کے علماء نے متفق ہو کر قاضی شہر کے ذریعہ بادشاہ[3] سے عرض کرایا کہ یہ شخص غیر متشرع ہے گانا سنتا ہے بادشاہ نے حضرت موصوف کو طلب کیا۔ آپ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے قاضی صاحب اور دیگر علماء وہاں موجود تھے۔ قاضی صاحب نے مولوی صاحب سے سوال کیا کہ آپ خلاف شرع امور کے مرتکب ہیں گانا سنتے ہیں۔ پھر آپ پر حد شرع کیوں نہ جاری کی جائے؟ آپ نے کسی حدیث کا حوالہ دیا اور کہا کہ لاھلہ حلال ولغیرہ حرام آپ نے فرمایا کہ الحمدللہ کہ میں اہل ہوں اس کا شرعی ثبوت ہے۔ الحمدللہ کہ میں امور خلاف شرع کا مرتکب نہیں۔ قاضی صاحب بول اٹھے یہ حدیث موضوع ہے بمجرد اس لفظ کے سننے کے بعد مولوی صاحب کو بے حد غصہ آیا اور فرمایا کہ قاضی! میرا تیرا مباہلہ ہے کہ اگر یہ حدیث موضوع ہے تو الٰہی!! میری زبان نکل پڑے اور فوراً دم نکل جائے اور اگر یہ حدیث

---

[1] اقوقند ضلع۔ صوبہ فرغنہ وسط ایشاء [2] شہرسبز۔ پہلے یہ شہر کش کے نام سے مشہور تھا بعد میں شہرسبز کہلایا۔
[3] منغیت بادشاہوں میں سے کسی بادشاہ کا زمانہ تھا۔ بخارا کے خوانین۔ منغیت خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۱۷۸۵ء/ ۲۰۰۰۔ ۱۱۹۹ھ میں اس خاندان کا پہلا فرد میر معصوم شاہ مراد کے نام سے خان بخارا ہوا جس کی اولاد کی حکومت ۱۹۲۰ء انقلاب بخارا تک رہی۔ ص ۳۱ سوویتی تاجیکی ادبیات کے بانی۔ (پروفیسر کبیر احمد جائسی)

موضوع نہیں بلکہ صحیح ہے اور تو اس کو موضوع کہتا ہے تو تیری زبان نکل پڑے اور تو ابھی مر جائے۔ بجرد اس کہنے کے قاضی کی زبان منہ سے نکل پڑی اور تھرا کر اسی وقت مر گئے۔

پھر آپ نے بادشاہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ تو بھی کچھ کہتا ہے یا چاہتا ہے کہ کچھ کہوں؟ بادشاہ نے تخت سے اتر کر مولوی صاحب کے پاؤں پکڑ لئے اور عرض کیا میں کچھ نہیں چاہتا جنہوں نے آپ کو تکلیف دی اور گفتگو کی اس کا نتیجہ پالیا۔ پھر بادشاہ نے بہت اعزاز سے خود رکاب تھام کر آپ کو گھوڑے پر سوار کیا اور پاپیادہ گیارہ قدم مشایعت کر کے رخصت کیا۔[1]

حضرت مولوی عبداللطیف خوان علوم اور حضرت امام السالکین ہی دو ایسے جلیل القدر نظر آتے ہیں جو حضرت شیخ کو انتہائی وجد و حال کی صورت میں دوبارہ مسند پر لا کر بٹھا سکتے تھے۔[2]

پچھلے صفحات میں حضرت امام السالکین کے ذکر میں آپ کا ذکر آ چکا ہے کہ حضرت شیخ ان کے فیوض و برکات کا تذکرہ کس طرح فرما رہے ہیں۔ اسی طرح ان کی تبلیغی مساعی کا ذکر فرماتے۔[3] حضرت اپنے والا ناموں کے سرنامہ میں آپ کو ان الفاظ سے نوازتے۔

رہ رو مسلک شریعت و طریقت، واقف حقیقت، جامع منقول و معقول، حاوی فروع و اصول خوان علوم، حضرت مولانا مولوی عبداللطیف خاں۔ صاحب تو قندی[4]

ان حضرات کی مساعی جمیلہ کو ملاحظہ فرماتے ہوئے حضرت قبلہ تحریر فرماتے ہیں۔

"بفضل الٰہی سلسلہ فخریہ محیط عالم شدہ است۔ الحمد للہ علی ذالک"۔[5]

حضور قبلہ کے وصال سے سات سال بعد تک آپ خانقاہ شریف میں مقیم رہے۔

۱۶۔ حضرت مولوی عبیداللہ شاہ بدخشانی

از قلم خلیفہ غلام علی شاہ بدخشانی (دسمبر ۱۹۷۰ء۔ شوال ۱۳۹۰ھ)

آپ اصلاً موضع ارگسا شہر چاہ آب کے رہنے والے ہیں پہلے یہ قریہ ولایت بدخشاں کے قریوں میں سے تھا اب ولایت تخار سے متعلق ہے۔

---

۱ کرامات نظامیہ صفحہ ۶۰
۲ کرامات نظامیہ صفحہ ۶۴
۳ مکتوبات نیازیہ صفحہ ۴
۴ رجسٹر مرتبہ حضرت مولوی محمد فضل عالم صاحب بچھرایونی
۵ کرامات نظامیہ صفحہ ۸۱ مکتوبات نیازیہ

اولاً آپ میر محمد سمیع کے ہمراہ بہ حیثیت ایک طالب علم ہندوستان روانہ ہوئے علم دینی کی فراغت کے بعد (تقریباً ۱۲۲۶ھ/اکتوبر، نومبر ۱۸۱۱ء) قطب عالم مدار اعظم کی شخصیت کی شہرت سن کر دونوں صاحبان لاہور سے جو کہ آپ کا جائے تدریس تھا بانس بریلی کو روانہ ہو کر ان کے حضور میں مشرف ہوئے ۔ان کے بارے میں جو کچھ سنا تھا اس سے سو گنا زیادہ دیکھ کر دل و جان سے مرید ہو گئے۔

چند سال بعد (حضرت سیدنا بغدادی صاحب کی حیات مبارکہ میں) میر محمد سمیع کو حضرت قبلہ نے صاحب ارشاد خلیفہ بنا کر رخصت وطن کیا جو کہ شہر چاہ آب کے قریوں میں عبد نظر بیگ کے نام سے مشہور رہے۔

مولوی عبیداللہ صاحب یہ شعر کہہ کر نیاز بے نیاز کے حضور میں مقیم ہو گئے:

از بریلی نروم معدن راز است اینجا   زاں کہ آرام گہ شاہ نیاز است اینجا

چار سال اور مقیم رہے۔

ایک روز (۱۲۳۲ھ) جناب نیاز بے نیاز نے ارشاد فرمایا عبیداللہ ایک مرتبہ اپنے وطن ہو آؤ ہر چند معذرت کی کہ میں وطن کا عزم نہیں رکھتا۔ مہربانی فرما کر کہا تمہارے اس جانے میں مصلحت ہے چار و ناچار وطن کو روانہ ہوئے جب کابل پہنچے تو وہاں چند روز قیام کیا وہاں قوال کو بلا کر ایک دوکان پر آپ قوالی سن رہے تھے۔ اتفاقاً مولوی یار محمد صاحب کا وہاں گذر ہوا (آپ چار سال قبل کابل آئے تھے۔ زبردست متشرع عالم تھے۔ کابل و اطراف کے علماء آپ کی اطاعت کرتے تھے) وہیں بلا کر انہوں نے برا بھلا کہا کہ کیوں علانیہ بدعت کرتے ہو؟ جواباً مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ ہمارے پیروں کی سنت ہے۔ پوچھا تمہارے پیر کہاں ہیں؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ ہندوستان میں بانس بریلی میں رہتے ہیں مولوی یار محمد صاحب نے بریلی کا عزم کر لیا کہ بانس بریلی جا کر ہی تمہارے پیر کو مزہ چکھاؤں گا۔ ہر چند کابل کے لوگوں نے معذرت کی اور کہا کہ اتنی بڑی دنیا ہے آپ کا وجود یہاں غنیمت ہے۔ اتنی طویل زحمت کیوں برداشت کر رہے ہیں؟ لیکن انہوں نے ایک نہ مانی اور حضور قبلہ کی سرزنش اور قتل کے لئے ہندوستان چل کھڑے ہوئے۔ یہاں حضرت مولوی صاحب یار محمد صاحب سے مل کر روانہ ہو گئے۔

مولوی صاحب کی سولہ سال بعد وطن واپسی: مالوف موضع ارگسا شہر چاہ آب میں سولہ

سال بعد پہنچے تھے پاس ہی ایک چشمہ پر طہارت کی غرض سے پہنچے وہاں ایک سر سفید بڑھیا۔ سوز بھری آواز میں روے جارہی تھی ۔ بغور متوجہ ہوئے تو والدہ تھیں ۔ مہربانی کے انداز میں کہا ماں تو کیوں رورہی ہے؟ اس نے کہا اے بیٹے میرا حال کیا پوچھتے ہو؟ وہ بڑا دکھ بھرا ہے تکلیف کی وجہ سے بیان کرنا بھی مشکل ہے۔ جب بہت اصرار کیا تو بولیں کہ عبید اللہ نام کا میرا ایک بیٹا تھا وہ علم کی دھن میں ایک مدت ہوئی ہندوستان چلا گیا تھا انہیں دنوں اس کے مرنے کی خبر آئی ہے۔

مولوی صاحب کا نکاح: آج شام اس کی منگیتر سے ایک اور آدمی شادی کر رہا ہے اب تو ہی بتا کہ مجھ سے زیادہ کون دکھیاری ہوگی؟ مولوی صاحب نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ میں ہی عبید اللہ ہوں اور یہ ہی میری ماں ہیں اور وہ میری منگیتر ہے۔ کہنے لگے ماں! کیا تو اچھی طرح اپنے بیٹے کو پہچان لے گی۔ وہ بولیں شاید اب تو قیامت ہی میں ملاقات ہو اس لئے کہ میرے بیٹے کے تو مرنے کی بھی خبر آچکی۔ انہوں نے کہا ماں میں ہی تیرا بیٹا ہوں اور تو میری ماں ہے ذرا غور سے دیکھا تو سمجھیں کہ یہی ان کا بیٹا ہے۔ انتہائی خوشی کے مارے ایک چیخ منہ سے نکلی اور بیہوش ہوکر گر پڑیں مولوی صاحب نے ان کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ ہر طرف سے لوگ اکٹھے ہونے لگے۔ سبھی نے مولوی صاحب کو پہچان لیا۔ ماں اور مولوی صاحب منگیتر کے گھر پہنچے لوگوں نے مولوی صاحب سے معافی چاہی کہ معاف کیجئے۔ اسی سامان اور کھانے کے ساتھ آپ کا نکاح کئے دے رہے ہیں مولوی صاحب نے بھی بات مان لی اسی منگیتر سے ان کا نکاح ہوگیا چند سال مولوی صاحب وہیں گاؤں میں رہتے رہے اس مدت میں والدہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا اسکے بعد بیوی سے ان کی ان بن اور پھر طلاق ہوگئی اس کے بعد انہوں نے نیاز بے نیاز کی زیارت کا ارادہ کیا جوں ہی حضرت نیاز بے نیاز کے حضور میں مشرف ہوئے۔ آپ نے فرمایا مولوی صاحب فقیر کے لوگوں کی ننگ و ناموس دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہی عزیز ہے۔ مجھے اچھا نہیں لگا کہ تمہاری منگیتر دوسرے کے نکاح میں جائے تمہارا جانا غنیمت ہوا کہ مرشدوں کی عزت بچ گئی۔ تمہاری ماں کی دعائیں تمہارے انتظار میں تھیں وہ لے کر تم پھر آگئے۔

مولوی صاحب تازمان حیات خود خدمت میں حاضر رہے۔

بدخشانی روایت پوری کی پوری مان لینے میں کسی قدر قباحت ہے۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ

حضرت مولوی صاحب امام السالکین حضرت میر محمد سمیع بدخشانی کے مرید ہیں نہ کہ حضور قبلہ کے۔

مولوی صاحب کو تکمیل کے بعد بغرض اصلاح حضرت امام السالکین نے پیش کیا ہے اور حضرت قبلہ نے اپنے معیار پر لاکر کھرا اتار کر انہیں خلافت کبری سے سرفراز فرمادیا تھا چونکہ تمام تر تربیت حضرت امام السالکین نے فرمائی تھی اسی لئے آپ نے ان کے خلافت نامہ میں بھی اس بات کی صراحت فرمادی کہ یہ میرے مرید و تربیت یافتہ نہ ہو کر امام السالکین کے ہیں اس میں تمام تر محنت امام السالکین کی ہے اسی لئے آپ نے حضرت مولوی صاحب کو ابن الاخ (یعنی خلیفہ کا تربیت یافتہ) تحریر فرمایا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ امام السالکین حضور قبلہ کے سب سے پہلے خلیفہ ہیں اسی لئے ان کے خلافت نامہ میں السید عبداللہ بغدادی (م ۱۲۰۷) مدظلہ العالی تحریر ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ حضرت امام السالکین کو خلافت حضرت سیدنا عبداللہ بغدادی قادری کی حیات مبارکہ میں (۱۲۰۷ھ سے قبل) عطا فرمائی تھی اور اس واقعہ کے مدتوں بعد اور حضرت تاج الاولیاء کی ولادت مبارکہ (واقعہ یکم صفر ۱۲۳۶ھ / ۸ر نومبر ۱۸۲۰ء) سے بہت پہلے مولوی صاحب خانقاہ نیازیہ بریلی شریف میں حاضر تھے۔

حضرت مولوی صاحب اعلی تعلیم کے لئے بدخشاں سے لاہور آئے وہیں تعلیم حاصل کی۔ آپ کی تعلیم نہایت اعلی پیمانہ پر ہوئی۔ عربی فارسی اور پشتو میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔[1]

حضرت مولوی قطب الدین نیازی کا بیان ہے کہ:

آپ علوم ظاہری میں علامۂ روزگار تھے ان کے تبحر علمی کا یہ حال تھا کہ ساری درسیات ازبر تھیں۔ حدیث و تفسیر کے اتنے بڑے ماہر تھے اور ایسی قوی یادداشت رکھتے تھے کہ ہزاروں حدیثیں ان کی زبان پر تھیں۔ ابتدا سے زہد، تقوی و پرہیزگاری فطرت میں تھی بڑے بڑے علماء و فضلاء عصر کی صحبت میں رہے۔ ان سے فیض یاب ہوئے یہ حضرات بھی صاحب باطن تھے۔ حضرت مولوی سید محمد ظریف بدخشانی (صاحب ولایت ملک مالوہ) بھی آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ جب انہوں نے حضور قبلہ کے علم و فضل کی شہرت سنی تو کبیر السنی کے باوجود خانقاہ نیازیہ میں بریلی

---

[1] ناز و نیاز ج ۲

شریف میں حاضر ہوئے ۔ یہ وہ وقت تھا کہ حضور قبلہ رحلت فرما چکے تھے اور اس زمانہ میں حضرت مولوی فضل حق خیر آبادی کی علم معقولات میں شہرت تھی[1]۔ رام پوران کی خدمت میں گئے دو سبق پڑھانے کے بعد مولوی فضل حق خیر آبادی نے تبحر علمی دیکھ کر مولوی محمد ظریف سے کہا کہ آپ کو میں نہیں پڑھا سکتا ہوں میرا خط لو اور واپس جا کر حضرت (شاہ نظام الدین حسین صاحب) کو دو۔

خوبی قسمت کہ مولوی صاحب کو استاد ملے تو ایسے اور شیخ ملے تو ایسے کہ حضور قبلہ کے چہیتے، قطب الاقطاب امام المسلمین و امام السالکین شیخ الاسلام حضرت مولانا میر محمد سمیع بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت امام السالکین نے جوہر قابل دیکھ کر مولوی صاحب کی روحانی تعلیم و تربیت میں کسر اٹھا کر نہیں رکھی ۔ یہاں تک کہ حضرت مولوی صاحب ان کے فیض صحبت سے لعل بدخشاں ہو گئے۔

حضور قبلہ نے مولوی عبید اللہ صاحب کی صلاحیتوں کو بہ نظر تحسین ملاحظہ فرمایا۔ اور یکے بعد دیگرے اپنے دونوں نور نظر اور لخت جگروں کی تعلیم و تربیت آپ کے حوالے کر دی۔ فرزندوں کو سخت تاکید تھی کہ استاد کے حکم میں تساہل نہ کرنا جیسا کہ حضرت شاہ نصیر الدین حسین صاحب کے حالات میں گذرا ہے۔ دونوں حضرات کی علمی صلاحیت اظہر من الشمس ہے[2]۔

ان دونوں مخدوم زادگان کو حضرت مولوی صاحب سے والہانہ تعلق تھا۔ اگر ذرا بھی حضرت مولوی صاحب کے مزاج مبارک مکدر ہوتا تو یہ دونوں مخدوم زادے ان کی چارپائی کے ارد گرد ہوتے ۔ جب تک مزاج میں افاقہ نہ ہو جاتا چارپائی کے پاس سے نہ ہلتے۔

تذکرہ ناز و نیاز اور کرامات نظامیہ میں ایسے کئی واقعات نقل ہوئے جن میں سے کچھ پچھلے اوراق میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب کو اپنے مخدوم زادوں سے ایسا ہی قلبی تعلق تھا وہ ان کی ہر ہر بات پر نظر رکھتے۔ حضور قبلہ نے اپنے خلف اکبر حضرت تاج الاولیاء کو مسند پر بٹھا کر اپنے سر مبارک کی دستار ان کے سر پر رکھی اور دونوں ہاتھوں پر دو روپیہ رکھ کر نذر کئے اور فرمایا۔ "یہ دو روپیہ یومیہ وہ ہیں جو حضرت مولانا فخر رحمۃ اللہ علیہ نے دستار خلافت اور مسند عطا کرنے کے وقت

---

[1] حضرت فضل حق خیر آبادی کا رام پور میں قیام ۱۲۵۶ھ تا ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۰ تا ۴۸ء رہا ص ۵۸ مشرقی علوم کی قدیم ترین یونیورسٹی۔ مدرسہ عالیہ رامپور۔ محمد شعار اللہ خاں وجیہی۔

[2] کرامات صفحہ ۴۷

دیئے تھے"۔

مولوی صاحب کواس وقت بھی فکر تھی عرض کیا حضور دو روپیہ روز میں ان کا کیوں کر کام چلے گا؟ ارشاد ہوا کہ یہ بھی اپنی قسمت کا کچھ ساتھ لائے ہین۔ پھر مولوی صاحب نے عرض کیا انجاح مطالب مخلوق کا کیا بندوبست ہوگا؟ ارشاد ہوا اس کا ضامن میں ہوں۔[1]

حضرت مولوی عبیداللہ شاہ صاحب کو حضرت قبلہ کے مزاج مبارک میں دخل تھا۔لوگ انہیں کے ذریعہ معاملات پیش کرتے۔ناراض کی معافی کراتے حضرت کی نیابت میں تبلیغی دورے فرماتے۔یہ دورے ملکی وغیر ملکی دونوں طرح کے ہوتے۔

ایک دورے کے بارے میں صاحب تذکرہ الٰہی (حضرت سید مظفر علی شاہ صاحب) لکھتے ہیں:"بعد چند روز مقتدائے اہل اللہ حضرت مولوی عبیداللہ قدس اللہ سرہ العزیز کہ خلیفہ مستطاب شاہ نیاز احمد قدس سرہ ومہتمم خانقاہ نیاز یہ شریف حضرت نیاز بے نیاز تھے حسن اتفاق کہ اکبرآباد وارد ہوئے۔

حضرت سیدنا ابوالعلا رحمۃ علیہ کی زیارت کے لئے آستانۂ دولت پر حاضر ہوئے ایک گھنٹہ اس راحت بخش مقام پر چشم بستہ گذارا جب افاقہ ہوا تو حضرت الٰہی کے خواص میں سے شیخ منصب علی اور سید تراب علی سے کربلا کی جانب ہاتھ اٹھا کر فرمایا کہ یہ کس کی زیارت جس میں انتہائی کشش ہے انہوں نے نظر انداز کرتے ہوئے کہا کوئی نہیں ہمارے ساتھی وہاں سو رہے ہیں حیدر ان کا نام ہے۔حضرت مولانا نے فرمایا کہ کھڑے ہو یہ کشش انہیں کی ہے قبر پر جا کر فاتحہ پڑھی اس کے بعد فرمایا کہ اس شخص کی عجیب آتش عشق ہے جس کا شعلہ زمیں سے بلند ہو کر آسمان تک جا رہا ہے۔اس مقام سے واپس آ کر حضرت الٰہی کی آتش محبت میں جلے ہوئے کی تحسین طبع فرمائی۔[2]

چنانچہ سب سے پہلے اور سب سے قریب یعنی اندرون خانہ کی بات ہے کہ حضرت مولوی محمد فائق صاحب نے جہاں اس تذکرہ کی جلدیں سراج السالکین کو پیش کیں وہیں ان کے داماد اور راقم کے دادا حضرت مہدی میاں صاحب کو نذر کی۔اس کے مطالعہ کے دوران صفحہ نمبر ۳۴-۳۳ پر حضرت قبلہ کے چند (چونتیس) خلفاء کی فہرست میں ان کے جد محترم مولوی محمد فضل عالم صاحب کا نام سرے

---

[1] کرامات صفحہ ۴۷

[2] تذکرہ الٰہی حضرت مظفر علی شاہ اکبرآبادی صفحہ ۸۵۲ مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

سے غائب تھا۔ آپ نے ۸۴ پر حضرت تاج الاولیاء کے خلفاء کی فہرست کو ملاحظہ کیا تو نمبر ۸۳ پر ان کا نام درج نظر آیا اسی طرح قبلہ کے دوسرے خلفاء کے نام بھی اسی فہرست میں درج تھے۔ مثال کے طور پر حضرت مسکین شاہ صاحب جے پوری کا نام کالم نمبر۱ میں ستائیسویں نمبر پر اور حضرت مولوی عبید اللہ شاہ صاحب کا اسم گرامی دوسرے کالم میں دسویں نمبر پر اور سید اکبر علی صاحب بریلوی کا اٹھارویں نمبر پر نظر آیا یہ دیکھ کر حضرت موصوف کو بے حد حیرت ہوئی انہوں نے اسی وقت اپنے تبرکات میں سے حضرت مولوی محمد فضل عالم کا خلافت نامہ عطیہ حضور قبلہ نکالا یہ وقت عصر کی نماز سے پہلے کا تھا حضرت سراج السالکین اپنے مکان میں دالان کے مغربی در کے سامنے صحن میں ایک چارپائی پر تشریف فرما تھے اور بالکل فرصت میں تھے۔ حضرت موصوف نے جاتے ہی آداب پیش کیا۔ ہاتھ میں کرامات نظامیہ اور خلافت نامہ کے اوراق دیکھ کر حضرت نے فرمایا خیر باشد؟ عرض کیا کہ مولوی محمد فائق کو اس فہرست میں التباس ہوا ہے اس کی نشاندہی کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ خود حضرت کو بھی یہ دیکھ کر سخت استعجاب ہوا۔ آپ نے کرامات نظامیہ کی تصحیح فرمانا شروع کر دی اور اکثر مقامات پر آپ نے کرامات نظامیہ کی تصحیح نوٹ حاشیہ پر تحریر فرمائے تا کہ آیندہ اشاعت میں ان کی تصحیح اور نشاندہی کر دی جائے لیکن سوء اتفاق کہ پون صدی سے زیادہ مدت گذر جانے کے بعد بھی اس کی دوبارہ اشاعت نہیں ہو سکی۔

سلسلہ نیازیہ کی دوسری خانقاہوں میں کرامات نظامیہ کے پہنچتے ہی ایک طوفان برپا ہو گیا۔ سال کے اندر اندر تصحیحی اور تردیدی جوابات کا ایک نہایت ناگوار سلسلہ شروع ہو گیا۔ چنانچہ حضرت شاہ نصیر الدین حسین ابتدا سے زہد، تقوی و پرہیزگاری فطرت میں تھی بڑے بڑے علماء و فضلاء عصر کی صحبت میں رہے۔ ان سے فیض یاب ہوئے یہ حضرات بھی صاحب باطن تھے۔ حضرت مولوی سید محمد ظریف بدخشانی (صاحب ولایت ملک مالوہ) بھی آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔ جب انہوں نے حضور قبلہ کے علم و فضل کی شہرت تو۔۔۔ کبیر السنی کے باوجود خانقاہ نیازیہ بریلی شریف میں حاضر ہوئے۔ یہ وہ وقت تھا کہ حضور قبلہ رحلت فرما چکے تھے اور اس زمانہ میں حضرت مولوی فضل حق خیرآبادی کی علم معقولات میں شہرت تھی۔ رام پور ان کی خدمت میں گئے دو سبق پڑھانے کے بعد مولوی فضل حق خیرآبادی نے تبحر علمی دیکھ مولوی محمد ظریف سے کہا کہ آپ کو میں نہیں پڑھا سکتا ہوں

میرا خط لو اور واپس جا کر حضرت (شاہ نظام الدین حسین صاحب) کو دو۔

خوبی قسمت کہ مولوی صاحب استاد ملے ایسے اور شیخ ملے تو ایسے کہ چہیتے قطب الاقطاب امام المسلمین وامام السالکین شیخ الاسلام حضرت مولانا میر محمد سمیع بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت امام السالکین نے جوہر دیکھ کر مولوی صاحب کی روحانی تعلیم وتربیت میں کسر اڑھا کر نہیں رکھی۔ یہاں تک کہ حضرت مولوی صاحب ان کے فیض سے لعل بدخشانی ہو گئے۔

حضور قبلہ نے مولوی عبید اللہ صاحب کی صلاحیتوں کو بہ نظر تحسین ملاحظہ فرمایا اور یکے بعد دیگرے اپنے دونوں نور نظر اور لخت جگروں کی تعلیم وتربیت آپ کے حوالے کر دی۔ فرزندوں کو سخت تاکید تھی کہ استاد کے حکم میں تساہل نہ کرنا جیسا کہ حضرت شاہ نصیر الدین حسین صاحب کے حالات میں گذرا ہے۔ دونوں حضرت کی علمی صلاحیت اظہر من الشمس ہے۔

ان دونوں مخدوم زادگان کو حضرت مولوی صاحب نے والہانہ تعلق تھا۔ اگر ذرا بھی مولوی صاحب کے مزاج مبارک مکدر ہوتا تو یہ دونوں مخدوم زادے ان کی چارپائی کے اردگرد ہوتے۔ جب تک مزاج میں افاقہ نہو جاتا چارپائی کے پاس سے نہ ہلتے۔ مدت قلیلہ میں نہ صرف ان کا ذہنی اور قلبی تصفیہ وتجلیہ ہو گیا وہ زکی، تقی، ذاکر، شاغل، مراقت اور مشاہد ہو گئے بلکہ متانساً باللہ مستو حشاً من ماسواء اللہ ہو گئے اور پھر خلیفہ مجاز فرما دیا۔

کرامات نظامیہ، نیاز یہ سلسلہ کا مستند اور مبسوط تذکرہ: مگر اس میں مولوی محمد فضل عالم صاحب بچھرایونی کا ذکر حضور قبلہ کے خلفاء کی فہرست میں نہیں ہے اور ان کے برادر بزرگوار مولوی محمد محمود عالم صاحب کا نام موجود ہے۔ خود مولوی صاحب موصوف کا نام ۔۔۔۔الاولیاء کے خلفاء کی فہرست میں ہے۔ یہ واقعہ نہ صرف مولوی صاحب کے ساتھ پیش آیا بلکہ دیگر حضرات کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے۔ مثلاً حضرت ۔۔۔۔میر اکبر علی صاحب حضرت مسکین شاہ صاحب جے پوری حتی کہ حضرت مولوی عبید اللہ شاہ صاحب بدخشانی جو کہ حضور قبلہ کی حیات مبارکہ میں ان کی نیابت میں ملکی اور غیر ملکی دورے فرماتے تھے اور حضرت قبلہ فرماتے تھے کہ یہ ہمارا گاؤں ہے۔ رسالہ کشف المسکین کے جواب میں مولوی صاحب نے یہ عذر پیش کیا کہ تصحیح کرنے والے جو شخص تھے جن کو اس کا علم نہیں تھا۔

مدتوں سے کرامات نظامیہ کی طباعت پر وابستگان کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں خدا خدا کر کے وہ

دن بھی آئے کہ وابستگان سلسلہ کے ہاتھ میں شیخ کے مناقب ومحامد اور کرامات کا مجموعہ آیا دل باغ باغ ہو گئے ۔خود حضرت سراج السالکین کی مسرت شادمانی کی انتہا نہیں رہی ۔ مؤلف محترم کو کتنا نوازا یہ بات نوازنے والا جانے اور نوازا جانے والا جانے لیکن یہ مسرت کچھ زیادہ دیر پا ثابت نہیں ہوئی ۔اس کے مطالعہ کے بعد وابستگان سلسلہ میں ایک ہیجان برپا ہو گیا۔

یہ تذکرہ اخیر عشرہ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ / (مطابق ۱۹ر تا ۲۷ر اکتوبر ۱۹۱۶ء) تک طباعت کے مراحل طے کرتا رہا اور اس کے فوراً بعد تصحیح وتردید کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

یہ بات پوشیدہ نہ رہے حضرت مولانا عبید اللہ قدس سرہ وہی ہیں جن سے ایک بار جناب شاہ نیاز احمد قدس سرہ العزیز نے فرمایا تھا:

"عبید اللہ اگر تو فقیر نباشی من ہم فقیر نہ باشم"۔

حضرت مولوی عبید اللہ شاہ صاحب بدخشانی کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ خود ان کے ہم خرقہ وصاحب ارشاد پیر بھائی جب حضرت مولوی صاحب سے مخاطب ہوتے پورے آداب کے ساتھ اور اسی طرح جب ان کی خدمت میں عریضے تحریر فرماتے تو ان میں بھی تمام آداب نیاز مندانہ ملحوظ ہوتے ۔اس وقت پیش نظر راقم کے تیسرے جد کریم فضیلت مآب حضرت مولوی محمد فضل عالم صاحب فریدیؒ پچھرایونی کا حضرت مولوی صاحب کے عنایت نامہ فیض شامہ کا جواب ہے۔عریضہ نگار حضور قبلہ کے اور خود بہت بڑے صاحب ارشاد بزرگ ہیں اور حضرت بابا فریدالدین گنج شکر کی اولاد امجاد ہیں۔لیکن ان کے عریضہ کے القاب وآداب اور انداز استدعا یہ بتا رہا ہے کہ وہ اپنے آقا ومولا پیرو مرشد سے تخاطب کے شرف کو مایہ افتخار سمجھ رہے ہیں۔اصل عریضہ کا ترجمہ حاضر ہے۔

بہ جناب فیض مآب حضرت مولوی صاحب قبلہ مخدوم ومطاع نیازمنداں ،کریم الخلق ،عمیم الاحسان ،مولانا واولانا جناب مولوی محمد عبید اللہ صاحب مدظلہ العالی۔

عاصی پر معاصی محمد فضل عالم غفرلہٗ بعد گذارش نیاز وتسلیم نیازمندانہ !واجب کہ ایک عرصہ سے عالی نامہ کے عدم صدور اور واقعہ کے بعد میں اسے اپنی تعلیم وتسکین کا باعث سمجھتا۔

کیسے کیسے ترددات وتفکرات اور توہمات پیدا ہو کر خفقان کو دوبالا کرتے رہے (یہی معاملہ یہاں سے عریضوں کو پیش کرنے اور روانہ کرنے میں بھی رہا۔اگر چہ میں برابر ہمت کرتا لیکن دل کی

بیقراری اور گھبراہٹ کی شدت سوہان روح ہے اور اب تک وہ جانہیں رہی ہے اس وقت جب کہ عنایت نامہ نے جو کہ فیض کی خوشبو سے معطر تھا نزول کا شرف فرمایا مضطر دل کو تسکین بخشی اور اس عریضہ کو پیش کرنے کی جرأت ہمت عطا کی ساتھ ہی والا نامہ کی وجہ تاخیر معلوم ہوئی۔

غم بے تابی دل بود ہنوزم در پیش　　　که ذکر جلوهٔ نازک سروسامنم سوخت

(ابھی دل کی بیتابی کا غم درپیش تھا کہ اسی لمحے جلوۂ نازک کے ذکر نے میرے سروسامان ہستی کو جلا کر خاک کر دیا) اکابر و ہم خرقہ پیر بھائیوں کے اس مؤدبانہ رویہ سے حضرت مولوی عبیداللہ شاہ کے علومرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

خانقاہ کا انتظام : خانقاہ کے انتظام میں دو باتیں شامل ہوتیں۔

ا۔ انتظامی امور: روزانہ کے معمولات خانقاہی لنگر خانہ و مہمان خانہ کا انتظام، عرائس و محافل کی ترتیب نذر و نیاز کا انتظام۔

۲۔ طلباء کے قیام وطعام کی سہولتوں کے علاوہ ان کی ذہنی وروحانی تربیت، ذکر کے حلقے، شب بیداری، مراقبے، تزکیہ نفس اور تخلیہ باطن۔

حضرت مولانا غلام فخر الدین حسین صاحب کے وصال فرمانے کے بعد دونوں شعبوں کا انتظام و انصرام مولوی عبیداللہ شاہ صاحب کے ہی سپرد تھا۔

شب بیداروں کو ایک وقت کھانا: خانقاہ میں ریاضت کرنے والے حضرات کو دن میں کھانا کھلایا جاتا اور رات میں صرف چائے دی جاتی۔ اس کے بعد وہ لوگ اپنے اپنے شغل میں مشغول ہو جاتے۔ اگر اس اثنا میں کسی طالب کو اپنے کام سے غفلت ہو جاتی تو مولوی صاحب ان کو متنبہ کر کے اپنے کام سے لگا دیتے جو آخر کو پارس بن کر نکلتے تھے۔

خانقاہ میں مقبولیت: چونکہ خانقاہ کا انتظام مولوی صاحب کے سپرد تھا ہر آنے اور جانے والے کو سب سے پہلے مولوی صاحب سے سابقہ پڑتا۔ انتظام خانقاہی کے تحت وہ متعلقہ لوگوں کو تنبیہ بھی فرماتے تھے اس کے باوجود بے حد شفقت فرماتے تھے اگر ان صاحبان کی لغزشوں اور فروگزاشتوں کی وجہ سے حضرت تاج الاولیاء ناراض ہوتے تو مولوی صاحب ان کی سفارش کر کے معاف کرا دیتے۔ ان کی روحانی فیوضات ترقیات کے لئے مولوی صاحب ہمیشہ کوشاں

رہتے۔صبح سے شام تک نہ معلوم کتنے لوگ ان کے وسیلہ سے حضرت شیخ تک رسائی پاتے اور دامن مراد بھر لے جاتے۔ناقابل معافی لوگ جب تمام ذرائع اور وسائل سے مایوس ہوتے تو اس وقت مولوی صاحب کا ہی سہارہ لیتے اور یہی نہیں محض معافی ہوتی بلکہ معافی کے بعد وہ توجہ خاص کے مستحق ہوجاتے۔[1]

ان بے شمار خصوصیات وانعامات کے باوجود وہ حضور قبلہ کی حیات میں اور بعد میں بھی اپنے شیخ بیعت کے حضور میں ویسے ہی عاجزانہ اور غلامانہ حاضر ہوتے اور یہ رابطہ وتعلق چونکہ انہیں کے وسیلہ جمیلہ کی بدولت حاصل ہوا تھا اس لئے ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے دوری ذہن میں بھی نہیں آسکتی تھی۔اس کا اندازہ اور حضرت شیخ بیعت کے حضور میں والہانہ نسبت ان کے شجرہ مبارکہ کی عبارت سے ظاہر ہورہی ہے۔

الٰہی بحرمت راز ونیاز مولانا ومرشدنا نیاز بے نیاز، نیاز احمد قادری رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمت راز ونیاز حضرت مولانا ومخدومنا میر محمد سمیع بدخشانی سلمہ اللہ تعالے

من بندۂ گنہ گار عبید اللہ را بہ ہمراہی صاحبزادہ عاقبت بخیر گردان

آمین ثم آمین

مذکورہ بالا عبارت سے کس قدر وفور عقیدت کا اظہار ہورہا ہے۔تقریباً یہ وہی الفاظ احترام ہیں جو اپنے داداپیر کے لئے استعمال فرمائے ہیں وہ اپنے مخدوم کو بھی تو انہیں کی ذات کا پرتو بلکہ عین ذات تصور فرماتے تھے۔اس لئے اپنے مولانا ومخدوم کی حیات مبارکہ کے لئے سلمہ اللہ تعالے کی دعا بھی جاری ہے۔اس لئے کہ انہیں کی حیات مبارکہ کی دعا گوئی حاصلِ زندگی ہے چونکہ وہ حضرت تاج الاولیاء کے استاد، اتالیق اور نگراں ہیں اس لئے عاقبت بخیر گرداں کی دعا میں صاحب زادہ کو بھی شریک فرمالیا ہے۔لیکن یہاں ان تمام مذکورہ بالا القاب وآداب کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی صرف صاحبزادہ ہی کہنا کافی تصور فرمایا۔حضرت مولوی صاحبؒ حضرت تاج الاولیاءؒ کے زمانے میں بھی انہیں خدمات پر مامور رہے حضرت مولوی صاحب کے دور ثانی کی مہر پر یہ شعر کندہ ہے

خادم خانقاہ عبید اللہ　　　بستۂ دامن نظام الدین

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۵۵

حضرت مولوی صاحب کو ایک بہت بڑا شرف حاصل ہے کہ وہ اپنے مولی و مرشد نیاز بے نیاز کی بہو، حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین صاحب کی اہلیہ محترمہ بی بی امتیاز بیگم صاحبہ کے پیر و مرشد ہیں معظّمہ ان کی مریدہ ہیں اور اپنے مرشد برحق کے حضور میں سراپا نیاز ہیں اس لئے کہ انہیں کی حیات مبارکہ کی دعا گوئی تو حاصل زندگی ہے۔اسی لئے حضرت مولوی صاحب ہمیشہ حضرت تاج الاولیاء کے ساتھ شام کا کھانا زنان خانہ میں دسترخوان پر کھانا تناول فرماتے تھے۔اسی نسبت خاص کی وجہ سے حضرت سراج السالکین رحمۃ اللہ علیہ ان کا بے حد ادب کرتے تھے جو حضرت والدہ صاحبہ نے تعلیم فرمایا تھا

مولوی صاحب کا دورہ کابل :حضرت سید یار محمد شہید علیہ الرحمۃ والغفران نے اپنی شہادت سے قبل ایک عریضہ کے ساتھ اپنے مریدین وطالبان خدا کا چار رکنی وفد (جس میں حضرت مولوی جان محمد صاحب ،حضرت حافظ وزیر خواجہ ،حضرت سردار محمد عثمان خاں اور حضرت سید ہاشم صاحب رحمۃ اللہ علیہم تھے)روانہ کیا تھا شہادت کی اطلاع کے بعد جب یہ وفد واپس ہوا انہیں حضرات کی ہمراہی میں حضرت مولوی عبید اللہ بدخشانی بھی شہادت کے معاملہ کی نوعیت کو جاننے کے لئے روانہ ہو گئے اور ایک سال بعد ماہ ۲۷/رجب ۱۲۴۱ھ /۷ مارچ ۱۸۲۶ء میں واپسی ہوئی [1] بعد میں بھی وطن اور اس اطراف میں آپ کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا۔انہیں مکتوبات سے دوبارہ یہ اطلاع ملتی ہے کہ ملا جان محمد وملا عبید اللہ کہ ہر دو تازہ بعد دو سال از ولایت (افغانستان) آمدہ اند۔[2] حضرت مولوی عبید اللہ صاحب کے یہ اسفار ہمیشہ جاری رہے حتی کہ وصال فرمانے سے کچھ قبل آپ نے بدایوں کا سفر کیا تھا۔[3]

وصال حضرت مولوی عبید اللہ شاہ بدخشانیؒ

حضرت مولوی عبید اللہ شاہ بدخشانی نے حضرت چھوٹے میاں صاحب کو بدایوں جانے سے روکنے کے لئے کتنے جتن کئے بدایوں تشریف لے جانے کے بعد وہاں جا کر سمجھایا لیکن بدباطن

[1] مکتوبات نیاز بے نیاز قلمی صفحہ III [2] ایضاً صفحہ VII
[3] ذوالفقار علی صفحہ ۸

درانداز وں کے آگے کچھ نہ چل سکی وہ جانتے تھے کہ جب دونوں حضرات بغل گیر ہو جائیں گے تو ہماری کچھ نہ چلے گی بلکہ دروغ بیانی اور مفسدہ پردازی کی جب قلعی کھلے گی تو کہیں کے نہیں رہیں گے راندہ درگاہ ہوں گے۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب جب بدایوں سے مایوس واپس ہوئے تو اتنے شکستہ حال کہ تمام قوائے جسمانی بے حد متاثر ہو گئے۔ ذہن نے ایسی مایوسی کبھی محسوس نہیں کی تھی جیسی کہ اب۔ اس خلاف توقع انکار سے مزاج مبارک میں بے انتہا اضمحلال رہنے لگا۔ ہر وقت انہیں کی جدائی کا غم لگا رہتا۔ طبیعت مبارکہ مستقل ناساز رہنے لگی بڑی تیزی کے ساتھ صحت میں انحطاط ہو گیا۔ یہ غم انہیں کھائے لیتا تھا۔

سہ شنبہ ۱۲ر جمادی الاول ۱۲۸۲ھ / ۳ر اکتوبر ۱۸۶۵ء چونکہ آج شام کو لاڈلے شہزادے حضرت چھوٹے میاں کا جشن سالگرہ ہے لہٰذا صبح سے ہی حضرت مولوی صاحب کی حالت غیر ہے۔

ع۔ چہ قدر تپیدہ باشد چو ترا نہ دیدہ باشد

نبیرہ سراج السالکین حضرت شاہ محبوب میاں صاحب اپنے نانا حضور سے نقل کرتے ہیں کہ وصال سے قبل حضرت مولوی صاحب کا پلنگ خانقاہ کے پوربی کمانچہ دالان سے لا کر مسند کے پاس فرش پر شمالاً جنوباً رکھ دیا تھا۔ تمامی خانقاہی حاضر تھے خود حضرت سراج السالکین اور حضرت تاج الاولیاء انتہائی غمزدہ پلنگ سے لگے بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت مولوی صاحب نے فرمایا میاں! دوپہر کا کھانے کا وقت ہو گیا ہے آپ کھانا کھا لیجیے حضرت تاج الاولیاء نے کہا آپ کی یہ کیفیت ہے میں کھانا کیسے کھا سکتا ہوں؟ مگر مولوی صاحب نے اصرار فرمایا اور کہا کہ میں جب تک مروں گا نہیں آپ کھانا نوش فرما لیجیے۔ لہٰذا مولوی صاحب کے اصرار پر آپ کھانا کھانے تشریف لے گئے اور یہ پہلا موقع ہے کہ مولوی صاحب کے بغیر کھانا نوش فرما رہے ہیں نہایت عجلت میں مولوی صاحب کی آخری خواہش کی تعمیل کی جا رہی ہے۔ دل انہیں میں پڑا ہوا ہے۔ حضرت نے اضطراب کے عالم میں خلاف معمول کھڑے ہو کر ہاتھ دھوئے (اس طرح ہاتھ دھونا حضرت کی عمر کا پہلا واقعہ ہے) پھر جلدی سے آپ مولوی صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے حضرت مولوی صاحب نے حضرت سے سوال کیا آپ مجھ سے خوش اور راضی ہیں۔ حضرت نے خود کو قابو میں کرتے ہوئے بھیگی پلکوں اور رندھی ہوئی آواز میں فرمایا ہاں میں خوش ہوں اور میرے والد خوش ہیں یہ سن کر مولوی صاحب نے

فرمایا الحمد للہ اور کلمہ طیبہ پڑھ کر خاموش ہو گئے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

وصال کے وقت تمام خانقاہ غم میں ڈوبی ہوئی تھی۔ حضرت تاج الاولیاء نے دفور جذبات میں مولوی صاحب کے جسم مبارک کو مسند مبارکہ پر لٹا کر فرمایا کہ مجھے آج معلوم ہوا کہ نیاز بے نیاز ختم ہو گئے۔

حضرت مولوی صاحب نے اپنی حیات میں ہی حضور قبلہ کے حضرات والدین کے احاطہ کے شمال میں ایک آراضی اسی غرض سے خریدی تھی کہ آپ کا مزار شریف اسی آراضی میں احاطہ مزارات کے بالکل شمال میں بنا دیا گیا۔ آپ کے وصال کی تاریخ بھی اسی آیۂ مبارکہ سے نکالی گئی ہے جس سے آپ کے دو آقاؤں کی تاریخ نکالی گئی ہے۔

الاان اولیاء اللّٰہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون

حضرت مولوی صاحب کا عرس مبارک حضور قبلہ کے عرس مبارک میں شامل کر دیا گیا یہ عرس بھی اسی تزک واحتشام کے ساتھ ہوتا تھا پچھلے اوراق میں اس عرس کی تفصیلات گذر چکی ہیں چونکہ حضرت تاج الاولیاء کی اہلیہ محترمہ بی بی امتیاز بیگم صاحبہ حضرت مولوی صاحب سے شرف بیعت رکھتی تھیں اس لئے حضرت مولوی صاحب زنان خانہ میں حضرت کے ہمراہ دسترخوان پر کھانا نوش فرماتے تھے اور حضرت بی بی صاحبہ دست بستہ دسترخوان پر حاضر خدمت رہتیں اسی لئے آنے والی تمام بہوؤں کو حضرت مولوی صاحب سے عقیدت اور اویسی نسبت رہی خود راقم کی والدہ ماجدہ دلہن بی صاحبہ کو بھی حضرت سے وہی والہانہ عقیدت تھی جو انہوں نے اپنی ساس میں دیکھی تھی۔ حضرت مولوی صاحب کو بیگن مرغوب تھے ان کے عرس میں بھی ایک سالن بیگن کا ہوتا۔ میں نے دیکھا میری والدہ صاحبہ نے بیگن کے چودہ قسم کی سبزی وسالن فاتحہ میں پیش کئے تھے اور افراد خاندان کی دعوت کی تھی۔ اب خانقاہ بریلی شریف میں مولوی صاحب کی صرف فاتحہ ہوتی ہے۔

خانقاہی روایت کے مطابق حضرت مولوی صاحب نے حضرت سراج السالکین کے علاوہ حضرت خلیفہ قاری سید محمد نظر بخاری کو بھی متبنیٰ کیا تھا۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب کے عرس کے مصارف قاری صاحب برداشت کرتے تھے یہ روایت ان کے بیٹے اور جانشین خلیفہ محمد مظہر میاں صاحب تک باقی رہی۔ علاوہ ازیں فتح پور میں حضرت قاری صاحب کے عرس کے پہلے روز مولوی

صاحب کا عرس ہوتا ہے۔ وہاں پڑھی جانے والی منقبت کا مصرعہ ہے:

ع سب ولیوں میں لاثانی عبیداللہ بدخشانی

صدیق الاولیاء مولوی عبیداللہ جی درپکھیلی

صدیق الاولیاء حضرت مولوی عبیداللہ جی، حضور قبلہ کے عظیم المرتبت خلیفہ اور صوبہ سرحد کے شاہ ولایت ہیں حضرت قوم کے سواتی مشہور ہیں۔ آپ موضع ہیل کوٹ کے قدیم باشندہ ہیں۔ بریلی شریف حاضری سے قبل کا واقعہ ہے کہ آپ ایک بار اپنے کھیت میں ہل چلا رہے تھے بارش ہو رہی تھی آپ کا کھیت ندی کے کنارے تھا اس وقت کچھ ایسا دکھائی دیا کہ سب کچھ چھوڑ کر خدا کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے پوچھتے پوچھتے حضرت قبلہ کے حضور میں پہنچے شیخ کی نظر کیمیا اثر نے ایک سواتی دیہاتی کو عالم باعمل اور صاحب عرفان بنا دیا۔

ع خسروان دو جہانند گدایانے چند

شیخ کے حضور میں رہ کر بارہ سال[1] اور بقول بعض اٹھارہ سال سخت محنت و ریاضت کی شیخ نے انہیں باخدا بنا دیا۔ بریلی شریف سے روانگی کے بعد جب آپ مانسہرہ پہنچے تو وہاں ایک کامل شیخ سائیں سہیل رحمۃ اللہ سے ملاقات و معانقہ ہوا سائیں سہیل سمجھ گئے کہ اس مقام کا شاہ ولایت آگیا

دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند

انہوں نے اپنا سامان باندھا۔ لیکن جمال ہم نشین کا فیضان تھا کہ وہ بھی ان کے رنگ میں ایسے رنگ گئے کہ صاحب سماع ہو گئے۔ مظفر آباد (آزاد کشمیر) آکر قیام کیا آج بھی ہزاروں زائرین آپ کے عرس میں حاضری دیتے ہیں۔ حضرت عبیداللہ جی صاحب نے مانسہرہ میں قیام فرما کر سم شریف کو اپنا مرکز بنایا کئی غیر مسلم قوموں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ رشد و ہدایت کا سلسلہ سرحد پشاور، غزنی اور کشمیر میں چھا گیا۔

آپ کا مزار شریف سُم میں حسب وصیت خام ہے اور مرجع خلایق ہے۔ حضرت نے اپنے بعد ایک صاحب زادہ امیر خسرو چھوڑے موصوف کو شرف بیعت حضرت تاج الاولیاء سے تھا آپ کے دو

[1] تحفہ اثناء عشریہ صفحہ ۵

بیٹے عبدالرحمٰن خاں اور سمندر خاں تھے عبدالرحمٰن خاں مزار مبارک کا انتظام کرتے تھے ۔ دوشنبہ ۲۸ رذیقعدہ ۱۳۹۸ھ / ۲۶ ر اکتوبر ۱۹۷۷ء کو انتقال کیا۔ عبدالرحمٰن خاں کے دو بیٹے یونس خاں اور سرفراز خاں تھے۔ دوسرے بھائی سمندر خاں کے بیٹے غلام سرور خاں جناب یونس خاں اور جناب سرور خاں کو غالباً ۱۹۴۳ء سے دیکھنا یاد ہے اور ان کے کندھوں پر بیٹھنا ایک اچھا مشغلہ تھا یہ دونوں ہی بھائی ہم بچوں کا بھی بے حد احترام کرتے تھے ۔ خانقاہ باورچی خانہ اور ہم لوگوں کے کام کرنا اپنی انتہائی سعادت سمجھتے تھے ۔ ۱۹۴۷ء کی تقسیم کے بعد ان کا علاقہ پاکستان ٹھہرا اور ہمارا علاقہ ہندوستان۔ تبھی سے حد فاصل کھنچ گئی ورنہ دوگہ مانسہرہ گلی باغ ہزارہ کے لوگ آئے روز آتے ہی رہتے تھے ۔ ان میں سے سب سے زیادہ قیام غلام سرور خاں کا ہی رہا ۱۹۷۰ء کے سفر کے دوران ہر چند چاہا کہ پیشاور سے سُم اطلاع بھیج دی جاتی اور ان لوگوں سے بالمشافہ ملاقات ہو جاتی لیکن ایسا نہیں ہوسکا۔ یونس خاں مرحوم کے بیٹے ظہور حسن عرف دریش خان اپریل ۸۷ء میں بریلی شریف حاضر ہوئے تو ان سے سُم شریف کے حالات معلوم ہوئے انہوں نے بتایا کہ ۲۶ ر فروری ۸۳ء میں یونس خاں مرحوم ہو گئے غلام سرور خاں حیات ہیں ان کے بیٹے میاں طفیل ہیں۔

انہیں سے معلوم ہوا کہ پہلے لاہور سے مانسہرہ کے لئے بسیں جاتی تھیں اور وہاں سے سم شریف کے لئے منرو کی بسیں جاتی ہیں ۔ فروری ۱۹۹۸ء میں دوبارہ آئے تو سم شریف کی تعمیر و ترقی کے بارے میں بتایا اور یہ بھی بتایا اب براہ راست لاہور سے سم شریف کے لئے بسیں ملتی ہیں۔ اور سم شریف ضلع ہو گیا ہے۔

حضرت عبیداللہ جی صدیق الاولیاء کے بہت خلفاء ہوئے ہیں مگر آپ کے وہ خلیفہ جن کے ذریعہ سلسلہ عالیہ نیازیہ عبیدیہ کو بے حد فروغ ہوا ہے وہ حضرت خواجہ محمد عظیم چشتی نظامی نیازی ہیں۔

خواجہ محمد عظیم چشتی نیازیؒ

خواجہ محمد عظیم چشتی نیازی عبیداللہ جی صاحب کے محبوب خلیفہ تھے ۔ آپ کی ولادت اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں بہ مقام دوگہ ہوئی ۔ آپ ایک غریب مگر عزت دار خاندان میں پیدا ہوئے ۔ والد ماجد راجہ رحمدل صاحب کھکھہ راجپوت تھے ۔ حضرت عبیداللہ جی کو ویسے بھی دوگہ

سے خصوصی مناسبت تھی چنانچہ انہوں نے حضرت تاج الاولیاء کے خلیفہ حضرت ناظر شمس الدین صاحب کو خاص طور سے دو گہ میں قیام کی ہدایت کی تھی ممکن ہے کہ ان کے قیام کا منشاء خواجہ محمد عظیم چشتی کی روحانی تربیت رہی ہو۔ آپ کی ابتدائی تعلیم ضلع مانسہرہ میں ہوئی۔ تعلیم کے بعد انہوں نے نواب صاحب گڑھی حبیب اللہ کے یہاں بہ حیثیت محصل ملازمت کر لی اسی دوران ان کی شادی ہوگئی۔ پل پر سے گذرنے والوں سے ٹیکس وصول کر رہے تھے کہ ایک بوڑھا آدمی بنا ٹیکس دیئے آگے بڑھتا چلا گیا موصوف نے اس سے ٹیکس لینے کے لئے اصرار کیا تو اس نے کہا اگر ایماندار یا ورراست بازی ہی کا جذبہ ہے تو پھر خدا کی ملازمت کیوں نہیں کرتے۔ موصوف نے کچھ اس طرح توجہ ڈالی کہ آتش عشق دل میں بھڑک اٹھی ساتھ چلنے لگے لیکن انہوں نے آگے چلنے کی اجازت نہیں دی ڈیوٹی پر واپس تو آ گئے لیکن اب دل نہیں لگتا تھا۔ ان کے بتائے ہوئے اور وظائف سے اور ہیجان بڑھا۔ ایک روحانی اشارہ پر اہلیہ کو ساتھ لیکر سم شریف پہنچے۔ سائیں صاحب نے جیسے ہی مولوی عبیداللہ صاحب کی زیارت کی دل کو سکون ہوا جیسے راہ بھولے ہوئے کو منزل مل گئی پھر تو ان کے ہو رہے۔ بیعت کرنے کے بعد مولوی صاحب نے توجہ دی پھر خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ اور کہا کہ:

"میں اب مطمئن ہوں کہ امانت جو میرے پاس آج تک محفوظ تھی میں نے حق دار کو سونپ دی"

اس کے بعد آپ نے کلمہ طیبہ پڑھ کر جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولوی صاحب سے محض چند گھنٹے کی ملاقات رہی۔ جو کچھ انہیں القا فرمانا تھا فرما دیا۔ لیکن اس کے علاوہ صحبت، سلوک کی منازل اور انداز تربیت بھی ہوتا ہے وہ یونہی رہ گیا اور پھر سائیں نے مرکز کی جانب رخ نہیں کیا بلکہ از خود جو کچھ محنت و ریاضت کر سکتے تھے کرتے رہے۔ انہوں نے ایبٹ آباد کے قریب کاکل کے پہاڑوں میں باندہ پیر خاں میں اونچے پہاڑ کی چوٹی پر چودہ ۱۴ سال قیام کیا۔ اور یہ پوری مدت صرف ایک کمبل اوڑھے ہوئے گذار دی۔

اس کے بعد نیتران (Netran) ضلع مظفر آباد (کشمیر) میں مقیم ہوئے یہیں آپ کی خانقاہ وجود میں آئی جہاں اللہ کے بندے اطراف واکناف سے حاضر خدمت ہو کر فیوض باطنی اور لطائف روحانی سے بہرہ ور ہونے لگے۔ وادی کشمیر کے ہزاروں افراد آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے

جنہوں نے سلسلہ کو کشمیر میں فروغ دیا۔

حضرت سائیں کشمیری کی نہ عمر دریافت ہو سکی اور نہ سن وفات ایک جگہ قرینہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ /۲۱-۱۹۲۰ء تک حیات تھے۔ عبدالغفور غوری راوی ہیں کہ موصوف کا وصال یکم شعبان کو دن کے ایک بجے ہوا۔ آپ کے دو بیٹے محمد یعقوب اور محمد اکبر تھے۔ محمد یعقوب صاحب کا انتقال نو جوانی میں والد کے سامنے ۱۴/ جمادی الاول ۱۳۳۹ھ کو ہو گیا۔ ان کے صاحب زادے محمد یوسف سے آپ کی اولاد کا سلسلہ جاری ہے۔

صاحب زادے محمد اکبر عالم فاضل درویش نے ۲۰/ ذیقعدہ کو بہ وقت ۱ ربجے شب انتقال کیا آپ کے دو صاحبزادے محمد اسمٰعیل صاحب اور محمد اسلم صاحب ہیں آپ کے بعد وہ مسند نشین ہوئے۔

سائیں کاشمیری کے بہت سے خلفا تھے ان میں زیادہ معروف مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت ستار شاہ بادشاہ جان

۲۔ حضرت نورالدین سائیں

۳۔ حضرت سید رسول شاہ بادشاہ

۴۔ حضرت سائیں نواب

۵۔ حضرت سائیں محمد علی

حضرت سید ستار شاہ بادشاہ جانؒ: آپ حضرت سائیں کاشمیری کے عزیز ترین مرید وخلیفہ ۱۲۹۰ھ/ ۱۸۷۳ء میں میزان شریف تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ میں برہان علی شاہ بادشاہ کے یہاں پیدا ہوئے۔ والد متمول شخص تھے آپ کا سلسلہ نسب حضرت سید علی غواص ترمذی (پیر بابا) سے ملتا ہے۔ دولت وثروت کے باوجود بادشاہ جان دنیوی لذتوں سے آلودہ نہیں ہوئے۔ والدین اور بھائی کی موت نے رہی سہی کسر بھی پوری کردی تمام مال ومتاع مستحقین کو دے کر میزان شریف سے سیدھے اجمیر کی راہ لی ایک رات باطنی اشارہ ملنے پر صبح کو بغرض تعلیم دلی روانہ ہو گئے۔ دلی کے مدارس میں طلباء کے لئے کھانے کا انتظام خیر خیرات کے پیسے سے ہوتا تھا آپ کی غیرت سیادت پر یہ امر گراں گذرا آپ نے تھوڑی دوڑ دھوپ کے بعد ایک ٹھیکیدار کے یہاں ملازمت کرلی اور پھر

پوری طرح تحصیل علم میں لگ کر چھ سال درس نظامیہ کی تکمیل کر لی اور اردو ہندی میں خاصی مہارت پیدا کر لی تھی دونوں زبانوں میں بے تکلف شعر کہہ لیتے تھے۔ تکمیل کے بعد اجمیر شریف میں کئی ماہ قیام رہا وہاں سے روزی کے لئے مردان آ گئے یہاں سڑکیں بنانے کا ٹھیکہ لیا۔ دوران کار مزدوروں کو چھٹی دے کر نماز پڑھواتے اور اجرت سے زیادہ کام مزدور سے نہیں لیتے تھے۔ دیانت داری نے بہت جلد تجارت کو فروغ دیا۔ مزدوروں میں ایک بزرگ غفور شاہ نقشبندی بھی تھے۔ کام کے خاتمے پر دونوں صاحبان خراسان کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں عجیب عجیب واقعات پیش آتے رہے واپسی میں دونوں صاحبان جدا ہو گئے پھر ملنے کا وعدہ کر کے غفور شاہ کابل کو روانہ ہو گئے بادشاہ جان نے تنہا سفر جاری رکھا پھر وہ بھی کابل روانہ ہو گئے وہاں کے قادری بزرگ آغا نقیب کی خدمت میں رہ کر اجمیر شریف حاضر ہوئے وہاں سے بہار جا کر پی۔ ڈبلو۔ ڈی کے ٹھیکے لینا شروع کر دیئے اور لاکھوں روپیہ کمائے نو سال قیام کے بعد پھر بہار کی کمائی بہار میں صرف کر کے اجمیر شریف حاضر ہوئے وہاں سے مرشد کی تلاش میں پنڈی اور وہاں سے کوہ ہالہ پہنچے۔

بیعت:

بادشاہ جان کے ایک دیرینہ دوست سید رسول شاہ بادشاہ سے کبھی معاہدہ ہوا تھا کہ مرد کامل کی ملاقات پر ایک دوسرے کو مطلع کریں گے۔ موصوف حضرت سائیں کشمیری کی خدمت میں بیعت ہوئے تو حضرت سائیں نے انہیں وعدہ یاد دلایا۔ چنانچہ راستہ میں سید رسول شاہ کو بادشاہ جان مل گئے دونوں جب سائیں صاحب کے سامنے پہنچے تو دیکھتے ہی کہا "ستار شاہ تم آ گئے" ستار شاہ نے بیعت کی اور وہ اشرفیاں جو بہار سے اسی مقصد کے لئے بچا کر لائے تھے نذر کیں۔

خلافت:

ایک دن سائیں کشمیری نے سامنے بٹھا کر فرمایا کہ تمہاری جو امانت میرے پاس ہے تمہارے سپرد کر دوں۔ ستار شاہ نے کہا مگر میں اپنے ہی لباس میں رہنا چاہتا ہوں اس کے بعد انہوں نے چاروں سلسلوں میں آپ کو خلافت عطا فرما دی۔ ستار شاہ ایک مدت تک سائیں صاحب کی خدمت میں رہے۔ ستار شاہ فرمایا کرتے کہ میں سیراب ہو گیا ہوں اور مجھے وہ چیز حاصل ہو گئی ہے جس کی مجھے تلاش تھی۔ اب مجھے کسی چیز کی حاجت نہیں رہی۔

حلقہ اثر:

کشمیر سے آپ اپنے شیخ کی دعاؤں کے ساتھ اجمیر شریف پہنچے۔ یہاں بڑی تیزی سے آپ کا حلقہ اثر بڑھا چوں کہ آپ کے مسلک میں طمع اور ارادتمندوں سے نذریں وصول کرنا اچھی بات نہ تھی۔اس مرتبہ راجپوتانہ میں کوٹا بوندی کے گاؤں میں سڑکیں بنانے کا ٹھیکہ لے لیا کام نفع بخش رہا اس دوران میں حضرت خواجہ کے یہاں کی حاضریاں برابر جاری رہیں۔آپ کا فیض عام تھا۔ایک عام آدمی سے لے کر علماء وفضلا بھی حلقہ بیعت میں شامل تھے۔ایک روحانی اشارہ پر وہ کشمیر میں سائیں کی خدمت پہنچے یہ قیام کئی ماہ رہا آپ کو سائیں کشمیری نے پیشاور میں قیام کرنے کا حکم دے کر دعاؤں کے سائے میں رخصت کیا۔

ڈبگری میں قیام ومقبولیت:

پیشاور پہنچ کر آپ نے ڈبگری بازار میں ایک مکان کرایہ پر لے کر قیام کر لیا پیشاور میں آپ نے دھوم مچا دی اور وہ خانقاہیں ویران ہونے لگیں جن میں فقیروں کے روپ میں دیناداروں نے مسند حرص بچھا رکھی تھی۔

آپ کی بزرگی کی شہرت پشاور سے نکل کر گردونواح میں پہنچی تو تھوڑے ہی دنوں میں اس علاقہ میں مسلک چشت بہت مقبول ہو گیا۔آپ شریعت اور طریقت کی مطابقت ذہن نشیں کرا رہے تھے آپ کی طرف سے جو بات بھی جاری کی جا رہی تھی اس کو عالم وجاہل یکساں سمجھ کر اثر قبول کر رہے تھے۔

مشائخ علماء اور طلبہ سے محبت:

آپ مشائخ کرام سے ربط وضبط مخلصانہ رکھتے اور اگر ان میں کوئی بات اکابر کے طریق کار سے خلاف دیکھتے تو سراپا انکسار بن کر انہیں حق کی طرف رجوع کرتے۔طلبہ سے بے حد محبت کرتے ان کی مدد کرتے اور نصیحت کرتے کہ علم ضرور حاصل کرو علم زندگی ہے اور جہل موت مگر علم کو ہرگز ہرگز ذریعہ معاش نہ بنانا۔کمسن بچوں سے اپنی اولاد جیسی محبت کرتے۔کبھی کسی کو تکلیف آپ کی

ذات سے نہیں پہنچی۔ کم کھانا اور سادہ کھانا اور کم سونا آپ کا معمول تھا۔ بیماروں کی عیادت کرنا عادت میں داخل تھا۔ نمایش اور دکھاوا آپ کو بالکل پسند نہیں تھا۔ سخاوت آپ کی خداداد سلطنت تھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ فقیری اس کا نام نہیں ہے کہ آدمی کشف وکرامات اور سیر طیر کا دلدادہ ہو یا حاجت روائے خلق ہونے کا مدعی۔

فقیری الگ چیز : خرق عادت کا تعلق قرب خداوندی سے کچھ نہیں ہے یہ تو محنت وریاضت کا ایک فطری نتیجہ اور یہ کمالات تو جوگیوں اور سادھوں میں بھی پائے جاتے ہیں فقیری اس سے الگ چیز ہے۔

قرب خداوندی: صاحب طریقت کوتو قرب خداوندی یہاں تک حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کی آنکھ بن جاتا ہے۔ اس کی زبان بن جاتا ہے اور اس کا دل ہمیشہ ہمیشہ تجلیات الٰہی سے روشن رہتا ہے۔

آپ کے حلقۂ بیعت میں آنے والے بے شمار ارباب کمال ہیں ان میں سے بیس افراد کی فہرست دی گئی ہے اور خود عبدالغفور غوری بھی ان خوش نصیبوں میں شامل ہیں۔

علم چشتیہ : ۲۵ر جمادی الثانی ۱۳۴۵ھ /۲۹ر جنوری ۱۹۲۷ء کو آپ نے ایک شاندار زرنگار علم خواجہ غریب نواز کے علائی بلند دروازہ پر نصب کیا ۲۵ توپوں کی سلامی دی گئی اور نعرہ تکبیر سے فضا گونج اٹھی ۱۹۴۳ء تک یہ علم خود چڑھاتے رہے اور پھر مریدین کے حوالے کردیا۔ آج بھی یہ علم اسی شان سے چڑھایا جاتا ہے۔

خواجہ کا جشن تاج پوشی: پشاور میں خواجہ کا جشن تاج پوشی ۱۹۳۶ء سے منایا جارہا ہے۔

علالت ووصال: وصال سے کچھ دن قبل معمولی طور پر بیمار ہوگئے تھے وصال سے قبل وضو تازہ کیا دو رکعت نفل ادا کرکے بڑے آرام سے لیٹ کر ذکر فرمانے لگے ۱۹ر ذیقعدہ رات کے ۱۱:۳۰ بجے تھے کہ آپ نے کلمہ طیبہ باآواز بلند پڑھا اور اس کے بعد انا للّٰہ وانا الیہ راجعون کہہ کر مسکراتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے۔

مزار اقدس: مزار اقدس، گنبد، مسجد، سماع خانہ اور لنگر خانہ پر آپ کی درگاہ مشتمل ہے اور

مرجع خلایق ہے۔ پچھلے دنوں سید واقف شاہ بادشاہ (آستانہ عالیہ ستاریہ پشاور) سجادہ نشین تھے اب تیس بتیس سال سے ادھر کی کوئی خبر نہیں ملی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

۱۸۔ حضرت ملا عیوض محمد بدخشانی

حضرت موصوف کا نام کرامات نظامیہ اور فہرست مرتبہ حضرت مولوی محمد مہدی نظامی دونوں میں موجود ہے لیکن اس سے زیادہ کوئی اطلاع نہیں ہے۔

البتہ حضرت قبلہ کے ایک والا نامہ بنام حکیم رحیم اللہ صاحب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت مُلا صاحب کسی ضرورت سے ہندوستان وارد ہوئے ہیں لیکن کسی انتہائی ضرورت کی وجہ سے حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکے ہیں ادرسہ کے چار تھان حضرت حکیم صاحب کو بریلی شریف پہنچانے کے لئے دے کر واپس چلے گئے ہیں۔ یہ واقعہ ۱۲۴۷ھ/۱۸۳۱ء کا ہے اور اس اثناء میں حضرت امام السالکین بریلی میں شیخ کے حضور میں حاضر ہیں اور ملا صاحب کے ذریعہ سے حضرت قبلہ کے دو عظیم المرتبت خلفاء حضرت امام السالکین میر محمد سمیع بدخشانی اور خوان علوم مولوی عبداللطیف سمرقندی کے فیوض برکات دریافت ہوئے ہیں۔

اس بات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت موصوف ان ہر دو حضرات سے قریب تھے۔ اور امام السالکین اور ملا عیوض محمد بدخشانی ایک ہی علاقے کے تھے علاوہ ازیں قربت ہم خیالی بھی دریافت ہوتی ہے۔

اب حضرت قبلہ کے والا نامہ سے دو عبارتیں نقل کی جاتی ہیں "نامۂ محبت شمامہ در مقدمہ رسیدن و روانہ شدن ملا عیوض محمد ولایتی بدخشانی و گذاشتہ آمدن او چہار تھان ادرسہ و یک رومال شالی بخدمت آں برادر برائے رسانیدن بریلی رسیدہ مسرور مبتہج ساخت"

اسی والا نامہ کے آخر میں تحریر فرمایا ہے

"وحال ولایت ہا از ملا عیوض محمد بدخشانی دریافتہ باشند کہ چہ قسم فیض ہا از ذات بابرکات خلیفہ ام

میر محمد سمیع و مولوی عبداللطیف سمرقندی رسیدہ اند"۔

حضرت ملا عیوض محمد بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اتنا ہی دریافت ہوسکا ہے۔

۱۹۔ حضرت خلیفہ غلام مولیٰ خانصاحبؒ شاہجہانپوری

حضرت خلیفہ غلام مولی خاں صاحب شاہجہانپوری رحمۃ اللہ علیہ نے حسب الحکم آگرہ، بھوپال اور حیدرآباد میں سلسلہ نیازیہ کی زبردست اشاعت کی ہے۔ خود حضور قبلہ نیاز بے نیاز اپنے والا نامہ مورخہ ۲۷ رجب ۱۲۴۲ھ / ہفتہ ۱۷ اگست ۱۸۲۲ء میں حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب کو بطور تحدیث نعمت اپنے ہندوستانی اور ولایتی اکابر خلفاء صاحب ارشاد کی ترویج و اشاعت کی خدمات کا تذکرہ اس طرح فرماتے ہیں۔

۱۔ مولوی نعمت اللہ بخاری الحال بکابل رسیدہ باشند۔

۲۔ ملا جان محمد بہ کشمیر اند اغلب کہ صبح و شام بہ سمت ایں ملک روانہ شوند۔

۳۔ مولوی عبدالرحمٰن مرحوم۔ روانہ دار البقاء شدند و چند خلفا گذاشتہ اند کہ فیض رسان عالم اند۔

۴۔ غلام مولی خاں صاحب در اکبرآباد فیض عام رسانیدہ سہ و چہار خلیفہ نمودہ روانہ حیدرآباد شدہ اند۔

۵۔ محمد فخر عالم۔ رونق افزائے لکھنؤ اند و بعالمے فیض رسانیدہ اند الحال صبح و شام داخل بریلی می شوند بہ فیض الٰہی سلسلہ فخریہ (نیازیہ) محیط عالم شدہ است۔

الحمدللہ علی ذالک۔

وحال ولایت ہا از ملا عیوض (محمد) بدخشانی دریافتہ باشند کہ چہ قسم فیض ہا از ذات بابرکات

۱۔ خلیفہ میر محمد سمیع ۲۔ عبداللطیف سمرقندی رسیدہ اند

اس زمانے تک حضرت غلام مولیٰ خاں صاحب دائرۂ کار اکبرآباد اور حیدرآباد تھا لیکن یہ اور وسیع تر ہوتا گیا۔ چنانچہ بھوپال کو آپ نے اپنا مستقر بنالیا۔ یہاں عوام و امراء کے علاوہ خود والی ریاست (والد شاہجہاں بیگم) بھی ان کے مرید ہو گئے تھے۔ خلیفہ نصیر الزماں خاں صاحب نے

بذات خود حضرت کے اس مکان کو دیکھا تھا۔

نواب صاحب کو اپنی صاحبزادی کے نکاح کی فکر ہوئی تو چونکہ نواب صاحب حضرت خلیفہ کے مطیع اور مرید تھے نواب صاحب نے اپنی صاحب زادی شاہجہاں بیگم کا پیغام حضرت شاہ نصیر الدین حسین صاحب کے لئے حضرت موصوف کے ذریعہ بھیجا تھا۔

حضرت سید احمد علی شاہ صاحب جعفری (برادر خورد حضرت میکش اکبرآبادی) نے راقم سے اپنے جد بزرگوار کے تذکرہ میں فرمایا تھا کہ حضرت مظفر علی شاہ صاحب کے بڑے بھائی (حضرت امیر علی شاہ صاحب و حضرت فیض علی شاہ صاحب) کو اپنے بھائی سے بڑی عقیدت تھی وہ حضرات احتراماً اپنے چھوٹے بھائی کو حضور کہتے تھے ان حضرات نے کئی بار حضرت موصوف سے بیعت کی درخواست کی مگر مظفر علی شاہ صاحب برابر اعراض فرماتے (وجہ یہ تھی کہ ان حضرات کے مزاج میں رئیسانہ بو باس تھی) اور جواباً فرمادیتے کہ میرے پیران خانہ سے کوئی حضرت تشریف لائیں تو آپ صاحبان کو ان سے بیعت کرادوں گا۔ چونکہ حضرت غلام مولیٰ خاں صاحب کا آگرہ میں حلقہ وسیع تھا تشریف آوری پر حضرت مظفر علی شاہ صاحب نے دونوں بھائیوں کو آپ سے بیعت کرادیا۔ بیعت کی اطلاع پاکر ایک صاحب (حضرت حکیم خلیفہ سید نورالدین صاحبؒ) کی زبان سے یہ کلمات نکل گئے کہ "مرید بھی ہوئے تو پٹھان کے۔ کہیں پٹھانوں میں بھی ولی ہوتے ہیں"؟۔

امیر علی شاہ صاحب کو یہ کلمات سخت ناگوار گذرے۔ حضرت خلیفہ صاحب کی تشریف آوری پر جب محفل سماع ہو رہی تھی محفل میں حکیم صاحب موصوف بھی موجود تھے حضرت امیر علی شاہ صاحب نے سرگوشی میں عرض کیا کہ حضرت! سامنے بیٹھے ہوئے صاحب ایسا فرمایا کرتے ہیں۔ خلیفہ صاحب نے کوئی خاص توجہ نہیں دی لیکن جب اسی محفل میں ایک بار خلیفہ صاحب کی نظر ان صاحب پر پڑی تو وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ بعد محفل ان صاحب کو حضرت خلیفہ صاحب کے قدموں پر ڈالا گیا حضرت نے پانی پڑھ کر دیا جوان کے جسم پر چھڑکا گیا افاقہ کے بعد صورت حال جان کر عرض کیا حضرت! میں تو اسی طرح آپ کا بھی خادم و نیاز مند ہوں جس طرح اپنے شیخ کا اور میں ان دونوں میں امتیاز نہیں کرتا۔

حضرت خلیفہ صاحب کی محفل کے آداب ویسے ہی سخت تھے جیسے کہ حضور قبلہ کی محفل کے۔
صاحب ناز و نیاز حضرت خلیفہ بخش اللہ خاں کی روایت نقل کرتے ہیں کہ:
میں حضور میں حضرت نیاز بے نیاز کے حاضر ہو کر مشرف بہ بیعت ہوا اس کے بعد بمقام اکبر آباد آیا وہاں حضرت نیاز بے نیاز کے خلفاء میں سے غلام مولا خاں صاحب وارد تھے ہر روز آپ کی خدمت میں آیا جایا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک روز جلسہ سماع کا ہوا۔ اس جلسہ میں سید امیر علی شاہ اور ان کے بھائی فیض علی شاہ (مرید غلام مولیٰ خاں کے تھے وہ بڑے صاحب ریاضت تھے) کو وجد شروع ہوا ان کے وجد کو دیکھ کر ایک شخص ہنسا۔ غلام مولیٰ خاں صاحب کو یہ امر ناگوار ہوا اسی ناگواری میں ان کو وجد پیدا ہوا، اور وہ چاروں طرف اس شخص دیکھنے لگے لیکن وہ شخص موجود نہ تھا۔ میں سامنے آ گیا بہ مجرد پڑنے نگاہ کے زمین سے چار ہاتھ اونچا اڑ گیا۔ میں نے دیکھا کہ تخت معلق زمین سے بانس برابر اونچا ہے جس پر حضرت نیاز بے نیاز تکیہ لگائے مسند پر جلوہ افروز ہیں ایک ہاتھ آپ پر چونر کر رہا ہے لیکن چونر کرنے والے کی شکل نظر نہیں آتی۔ چار گھڑی تک یہ معائنہ رہا بعد اس کے یہ کیفیت نظر سے غائب ہو گئی۔[1]

حضرت غلام مولیٰ خاں کے خلفاء کرام جو کہ اکبر آباد ہی میں مقیم تھے ان کے بھی اسماء مبارکہ اور پورے حلقۂ کار کا علم راقم کو نہیں ہو سکا۔

حضرت سید امیر علی شاہ، سید فیض علی شاہ صاحب اور سید احسان علی شاہ صاحب، حضرت سید منور علی شاہ صاحب کی پہلی بیوی کے بطن سے ہیں (اور حضرت سید مظفر علی شاہ صاحبؒ زوجۂ ثانی سے) ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ حضرت تاج الاولیاء (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) نے خلافت سے سرفراز فرمایا اور چہارشنبہ ۲۰ رذیقعدہ ۱۲۹۶ھ/۵رنومبر ۱۸۷۹ء کو انتقال فرمایا سید امیر شاہ نے دو نکاح فرمائے پہلا نکاح مہدی بیگم عرف مینڈو بیگم اور سلطان بی بی عرف نگو صاحبہ سے دوسرا نکاح ہوا۔ لیکن دونوں بیویوں سے کوئی اولاد نہیں ہوئی آپ نے اپنے سالے کے بیٹے کو لے کر متبنیٰ کیا اور تمام املاک موروثی جائدادیں انہیں کے نام منتقل کر دیں۔

---

[1] ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۱۹

۲۰۔ حضرت شاہ غلام فخر الدین حسین

آپ کا ذکر مبارک حضور قبلہ کے افراد خاندان میں آچکا ہے وہیں ملاحظہ فرمائیے۔

۲۱۔ حضرت محمد حسین صاحب در مکہ معظمہ

آپ کا اسم مبارک فہرست خلفاء میں درج ہے اور سلسلہ عالیہ نیازیہ کے کسی تذکرے میں آپ کا ذکر خیر نہیں ہے۔ کرامات نظامیہ میں چند خلفاء کی فہرست میں ۱۳۱ پر مولوی محمد حسین صاحب در مکہ معظمہ درج ہے نام نامی سے پہلے مولوی لکھا ہونا اس بات کی طرف سے اشارہ کرتا ہے کہ آپ ہندوستان کے رہنے والے ہیں خلافت پانے کے بعد مکہ معظمہ میں آپ متعین ہوئے اور پھر وہاں سے خط وکتابت کے ذریعہ روابط قایم نہیں رہ سکے اسی لئے آپ کے حالات دریافت نہیں ہیں۔

۲۲۔ حضرت حکیم محمد رحیم اللہ فاروقی بچھرایونی

حکیم محمد رحیم اللہ صاحب فاروقی حضرت شاہ عبدالغفور اعظم پوری کی اولاد امجاد میں سے ہیں حضرت موصوف کے خواب میں بشارت دینے کی وجہ سے یہ خاندان اعظم پور سے قصبہ بچھراؤں ضلع مراد آباد میں آکر بس گیا۔ آپ قاضی محمد فقیر اللہ صاحب کے بڑے بیٹے ہیں اور قاضی محمد فقیر اللہ قاضی محمد مقیم الدین کے بڑے بیٹے اور حضرت پیر جی مقبول عالم صاحب فریدی کے نواسہ ہیں۔

آپ کے دادا قاضی مقیم الدین اعظم پوری ثم بچھرایونی اس علاقے کے قاضی تھے اور صاحب جائداد تھے۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے محمد فقیر اللہ قاضی کے منصب پر فائز ہوئے۔ قاضی صاحب نہایت قبیلہ پرور، شجاع اور دلیر تھے۔ بایں ہمہ رقیق القلب اور اوالعزم۔ ازبس املاک موروثی اور دیہات زر خریدہ مشترک اور آمدنی عہدۂ قضاے جو بعد انتقال والد بزرگوار (قاضی مقیم الدین) پایا تھا اوقات بہت فراغت وعشرت سے گزاری۔

چاند پور میں جناب مفتی محمد نور الدین صاحب سے خاندان قادریہ میں بیعت رکھتے تھے۔ اڑسٹھ برس کی عمر میں ذیابطیس کے مرض میں انتقال کیا جمعہ ۲۸/ جمادی الثانی ۱۲۴۵ھ / ۲۵/ دسمبر ۱۸۲۹ء کو غریق جنت ہو کر بہ مقام بچھراؤں امانت علی والا باغ (قاضی والا) میں مدفون ہوئے۔

تکمیل طب :حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب نے آنکھ کھولی تو حکومت اور عیش وعشرت ہی نظر آئے چنانچہ آپ بھی کھیل کود اور اس کے بعد رئیسانہ شوق اور مشغلوں میں وقت گذارنے لگے لیکن چچابزرگوار مولوی نوراللہ صاحب ؒ کو یہ باتیں گوارہ نہ تھیں چنانچہ آپ نے حکیم صاحب کولکھنو بلا کر حکیم حسن رضا خاں صاحب حکیم زین العابدین صاحب اور حکیم اسد علی صاحب سے طب کی تکمیل کرائی۔ آپ اس فن میں مناسبت تام حاصل کر کے مطب میں مصروف ہوئے۔ اس فن میں رائے صائب اور فکر سلیم رکھتے تھے۔ ۱۵-۱۸۱۴ء میں والد صاحب کا عہدۂ قضاوالیان ملک کے حکم سے جاتا رہا۔

اس دور میں حکیم صاحب کو مزید علم حاصل کرنے کا شوق ہوا تو حضور قبلہ کی خدمت بریلی شریف حاضر ہوئے دارالعلوم فخریہ میں داخلہ ہوگیا اس کے بعد ہوسٹل میں مقیم ہوکر مزید تعلیم میں منہمک ہوگئے آپ کے اس دور کے رفقائے ہوسٹل میں حضرت غلام مولیٰ خاں صاحب شاہجہانپوری، حضرت مرزا اسداللہ بیگ صاحب بریلوی اور قریبی صاحبان حضرت محمد فخر عالم شاہجہانپوری تھے تکمیل تعلیم کے بعد روحانی مراتب حاصل کئے یہ حسن اتفاق ہے کہ یہ تمام ساتھی اپنے دور کے اولیاءعظام میں سے ہیں اور ممالک متحدہ آگرہ واودھ کے قطب ہوئے ہیں۔

ز اہل درد شو عرفیؔ کہ ایں جمع گرامی گوہرے را می پرستند

۲۳۔ امام السالکین میر محمد سمیع بدخشانیؒ

قطب الاقطاب ،امام المسلمین، شیخ الاسلام حضرت مولانا خواجہ امام السالکین میر محمد سمیع بدخشانی۔

امام السالکین میر محمد سمیع بدخشانی اصلاً شہر چاہ آب کے قریہ عہد نظر بیگ کے باشندہ ہیں جو پہلے ولایت بدخشان کے مضافات میں سے تھا اور آج کل یہ علاقہ ولایت تخار سے مربوط ہے۔

اول اول آپ اپنے وطن سے تحصیل علوم کے بعد مزید تعلیم کے لئے ہندوستان وارد ہوئے لاہور میں رہ کر اپنی مزید تعلیم کی تکمیل کی۔

لاہور میں آپ نے حضرت نیاز بے نیاز کا علمی وروحانی شہرہ سنا تو زیارت کے اشتیاق میں

کشاں کشاں بریلی شریف حاضر خدمت ہوئے جیسا کہ سنا تھا اس سے سوگنا زیادہ پایا دل وجان سے مرید ہوکر حضرت کی خدمت میں حاضر رہنے لگے۔ چند سال کی ریاضت شاقہ کے بعد حضرت قبلہ نے آپ کو خلیفہ مجاز فرمایا اور پھر اپنے دونوں پیروں حضرت سیدنا ومولانا فخر الدین محمد فخر جہاں اور سیدنا عبداللہ بغدادی قادری رضی اللہ عنہما کی خدمت میں پیش کر کے شرف قبولیت حاصل کرایا حضرت قبلہ نے امام السالکین کے خطاب سے سرفراز فرما کر وطن جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔[1]

صاحب ایجاد اکبری کا بیان ہے کہ:

"جناب موصوف نے ان کو تعلیم کر کے اور صاحب اجازت (کہ حضرت کے اول خلیفہ وہی) ہیں فرمایا اور چند روز کے بعد خلیفہ صاحب مذکور نے اپنے مکان جانے کی اجازت چاہی جناب قبلہ نے فرمایا چند روز اور حاضر رہو تا کہ تمہارے کام میں خوب پختگی آجاوے مگر مکان پر کوئی ضرورت ان کی ایسی جانے کی قوی تھی کہ دوبارہ عرض کر کے رخصت لی اور عرض کیا کہ اس حاجت کو انجام دے کر جلد حضور پرنور کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف حاصل کرتا رہوں گا حضرت نے اجازت دے دی۔

واقعہ شق برج

۱۱۷۴ھ/۱۷۶۱ء میں جب شیخ کے حکم سے حضور قبلہ بریلی تشریف لائے تو معمول تھا کہ روزانہ دو بجے آپ اپنے درس کے لئے مع جملہ طالبان حق کے بہاری پور کی مسجد (بی بی جی صاحبہ مرحومہ) میں تشریف لے جاتے اور جنوبی حجرے کے سامنے (اپنی مسند درس پر) نماز عشاء تک طالبان حق کی تعلیم وتربیت میں مشغول رہتے، اس کے بعد دولت سرا کو تشریف لے جاتے۔[2]

انیسویں صدی عیسوی کی تیسری دہائی کے اوائل میں ثابت خاں بغرض حصول تربیت حضور قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ بھی ہمراہیوں میں ہوتے۔ آپ اکثر مسجد کے جنوبی یا مشرقی برج پر بیٹھا کرتے تھے۔

ایک روز میر محمد سمیع بدخشانی پر (جو اجل خلیفہ جناب قبلہ کے تھے) کوئی واردات طاری ہونے

---

[1] ایجاد اکبری [2] کرامات ناز ونیاز صفحہ ۴۶۔۴۵

کو تھی وہ جناب کے سامنے سے اٹھ کر اس برج پر جا بیٹھے جہاں محمد فخر عالم صاحب (ثابت خاں) بیٹھا کرتے تھے (اتفاقاً) اس وقت وہ کہیں گئے ہوئے تھے جب آئے تو ان سے کہا کہ میر صاحب میری جگہ چھوڑو میر صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا کہ اس وقت بیٹھ جاؤ، مگر انہوں نے دوبارہ اصرار کیا۔ میر صاحب کو ایسی حالت میں سخت ناگوار ہوا پھر دوبارہ ہاتھ سے اشارہ کیا کہ ہٹ جاؤ مگر ان کو میر صاحب کو اٹھا دینے کا اصرار بدستور رہا ایک مرتبہ میر صاحب کو غصہ آیا اور ہاتھ اپنا بڑھایا اور کہا مسجد کو الٹ دوں۔ اس حرکت سے مسجد کو زلزلہ آیا اور وہ برج شق ہوگیا۔ (جو اس وقت تک ویسا ہی موجود ہے) یہ حالت دیکھ کر خلیفہ محمد فخر عالم صاحب کو اس درجہ اضطراب ہوا کہ وہاں سے بھاگے اور ان کا تمام جسم پسینہ پسینہ ہوگیا۔ ادھر جناب قبلہ نے فرمایا دیکھو کیا معاملہ ہے کہ مسجد کو جنبش ہوئی؟

جب کل واقعہ حضرت کے سامنے پیش ہوا تو جناب قبلہ نے فرمایا کہ تم نے میر صاحب کو کیوں پریشان کیا؟ اس واقعہ کے دیکھنے سے خلیفہ محمد فخر عالم صاحب کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ میر صاحب کی ایسی حالت ہے گویا اپنے شیخ سے بھی بڑھ گئے۔

بعد افاقہ میر محمد سمیعؒ کو اس قدر ندامت ہوئی کہ ایک شب حضور قبلہ کے سامنے نہیں گئے۔ دوسرے روز خود حضور قبلہ نے طلب فرمایا۔ انہوں نے دست بستہ عرض کیا کہ یہ قصور لاعلمی میں کی حالت میں ہوا معاف فرمایئے۔ حضور نے معاف فرمایا۔ اور ان کی تشفی کی۔[1]

حضور قبلہ آپ کا نام لینے کے بجائے میر صاحب کہہ کر حضرت موصوف کا تذکرہ فرماتے تھے۔ عام طور سے آپ کا یہی لقب تمام برادران طریقت اور خانقاہی استعمال کرتے۔

خود حضور قبلہ اپنے والا ناموں میں جہاں جہاں میر صاحب تحریر فرماتے ہیں وہاں مشار الیہ حضرت امام السالکین ہی ہوتے ہیں۔ چند نمونے:

۱۔ از میر صاحب ولایتی سلام برسد

۲۔ میر صاحب خلیفہ ام میر محمد سمیع صاحب مع قافلۂ خدام خود بہ ولایت شدہ اند

۳۔ حضرت امام السالکین کا جہاں بھی تذکرہ کیا ہے محبت وشفقت لفظوں سے پھوٹی پڑتی

---

[1] رسالہ سوز وگداز قلمی صفحہ ۲

ہے۔اسی والانامہ میں سات آٹھ حضرات خلفاء کے اسماء مبارک مذکور ہیں۔لیکن جس انداز میں حضرت امام السالکین کا تذکرہ فرماتے ہیں دوسرے حضرات کا نہیں فرماتے۔حقیقت میں حضرت امام السالکین کو جو قربت اور شرف شیخ کی خدمت عالی میں حاصل ہے وہ دوسرے حضرات کو حاصل نہیں ہے۔حضرت امام السالکین نے ان سب حضرات سے بڑھ چڑھ کر شیخ کے حضور میں فنائیت تامہ حاصل کی ہے۔آپ کے انداز میں بھی شان صدیقیت جلوہ فرما ہے سلسلہ عالیہ نیازیہ کی نشر واشاعت میں بھی وہ تمام ہم خرقہ برادران طریقت سے سبقت لے گئے ہیں۔حضور قبلہ اپنے دو عظیم خلفاء کی خدمات کا تذکرہ ان الفاظ میں فرمارہے ہیں:

''وحال ولایت ہااز (خلیفہ) ملاعیوض محمد بدخشانی دریافتہ باشند چہ قسم فیض ہااز ذات بابرکات خلیفہ ام میر محمد سمیع ومولوی عبداللطیف خوان علوم سمرقندی رسیدہ اند''۔

(خلیفہ)ملاعیوض محمد بدخشانی کی زبانی ان ممالک (افغانستان،خراسان اوزبکستان، اورترکی) کا حال دریافت ہوا ہوگا۔کتنے قسم کے فیوض ذات بابرکات خلیفہ ام میر محمد سمیع ومولوی عبداللطیف سمرقندی سے وہاں کے لوگوں کو پہنچے ہیں۔

''چہ قسم فیض ہااز ذات بابرکات خلیفہ ام''

یہ جملے ایک مرید کی شان میں شیخ ارشادی کے قلم سے،اس سے بڑی ان کی عظمت کی اور کیا سند ہوگی۔ایسے جملے راقم نے اور کسی خلیفہ کی شان میں نہیں دیکھے۔حضرت امام السالکین حضور قبلہ کی پوری زندگی کا شاہکار ہیں۔شیخ کی جانب سے امام السالکین کا خطاب ہی یہ ظاہر کرتا ہے کہ معاصر سالکین پر انہیں کس طرح فضیلت حاصل ہے اور حضرت موصوف کو اپنے شیخ کے حضور میں کتنا رسوخ ہے۔

جس زمانے میں دہلی میں سیاسی ابتری تھی اور پھر حضرت قبلہ کی عمر وضعف میں بھی اضافہ ہوگیا تھا تو حضرت مولانا فخر پاک کا عرس مبارک ۲۶ رجمادی الثانی کو بریلی ہی میں کرتے۔یہ عرس بڑے تزک واحتشام کے ساتھ انجام پاتا،مقامی،ملکی اور بیرون ملکی خلفاء مع مریدین ووابستگان حاضر ہوتے۔حضرت امام السالکین بھی مع خدام حاضر ہوتے اور رجب میں حضرت خواجہ غریب نواز کا عرس شریف کر کے ہی وطن کو رخصت ہوتے۔جب وہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اس طرح کہ دنیا ومافیہا سے بالکل بے نیاز و بے خبر ہوتے راستے کے مصائب کی بھی مطلقاً پرواہ

نہیں ہوتی۔

ع سرزنشہا گر کند خار مغیلاں غم مخور

۳۱۔۱۸۳۰ء کا واقعہ ہے کہ امام السالکین بریلی شریف مع قافلہ خدام حاضر ہو رہے تھے کہ ظالمان (ڈکیت) والہ نے لوٹ لیا اور وہ افتاں خیزاں شیخ کی خدمت میں حاضر ہو ہی گئے۔ ادھر راستے میں برادران سلسلہ ان کی پذیرائی کے لئے دن گن رہے تھے۔ مراد آباد، بچھرایوں اور رامپور کے یاران طریقت ان کے راستہ پر نظریں لگائے ہوئے تھے اسی اثناء میں حضور قبلہ نے حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب بچھرایونی کو مطلع کیا کہ وہ بچھرایوں آنے کی حالت میں نہیں ہیں اور آپ سے ملاقات کا انہیں اشتیاق ہے۔ اگر آپ (اور برادرم محمد فضل عالم) دونوں تشریف لے آئیں تو:

''ہر آئینہ موجب سرور میر صاحب مذکور و باعث فرحت موفور ایں فقیر شود'' (یقیناً میر صاحب مذکور کے سرور اور فقیر کے لئے فراواں شادی کا باعث ہوگا) حضرت امام السالکین کی حاضری اس نوعیت کی ہوتی جب تک خود حضرت قبلہ رخصت نہیں فرماتے وہ حاضر خدمت رہتے۔ البتہ جب مریدین و وابستگان کے قافلے کے ساتھ حاضر ہوتے تو ہمراہیوں کا خیال ملحوظ رکھتے ہوئے حضرت قبلہ خود انہیں جلد رخصت فرما دیتے اور وہ بھی اس طرح کہ جب دوسرے حضرات خلفاء رخصت ہو کر اپنے وطنوں کے پہنچنے والے ہوتے تو آخر میں انہیں رخصت دی جاتی۔ یہ قیام کئی کئی ماہ رہتا۔ پہلی ہی حاضری کے موقعہ پر چند سال قیام رہا تھا۔

حضرت امام السالکین کے ذریعہ سلسلے کی بہت اشاعت ہوئی۔ آپ کے تنہا ایک مرید حضرت مولوی عبید اللہ شاہ صاحب بدخشانی تمام مریدین کی فوج پر بھاری ہیں۔

حضرت امام السالکین نے حضرت مولوی عبید اللہ شاہ بدخشانی کی تعلیم و تربیت فرما کر خلافت کے واسطے تیار کیا تھا اور بہ نظر اصلاح خدمت شیخ میں پیش کیا تھا کہ حضور ملاحظہ فرمالیں اور جو کسر رہ گئی ہے حضور اسے پورا فرما دیں۔ حضرت شیخ کی بارگاہ میں یہ لعل بدخشانی ایسا مقبول ہوا کہ حضرت نے اپنے پاس سے علیحدہ فرمانا پسند نہیں کیا خود اپنے دست مبارک سے خلافت سے سرفراز فرمایا اور خلافت نامہ میں بھی حضرت امام السالکین کے تعلق کا تذکرہ فرما دیا کہ یہ میرے خلیفہ کے تربیت یافتہ ہیں چنانچہ آپ نے انہیں الاخ (بھائی) کے بجائے ابن الاخ (برادرزادہ

بھتیجہ) تحریر فرمایا ہے اور بلاتکلف وہی تعلیم وتلقین فرمائی ہے جو آپ کے مشائخ سلسلہ نے آپ کی تعلیم وتربیت فرمائی تھی:

فهديناه صراطاً مستقيماوعلمناه من لدناعلماً. ولقناه مثل ماتلقناعن مشائخناوالقيناعلى ولعناه مثل باتلقنا عن ماالقى علينا.

(کلمۃ التوحید کی تلقین اور ہدایت طریق الحق کے التماس پر ہم نے انہیں صراط مستقیم کی ہدایت اور علم لدنی کی تعلیم دی اور بعینہ ویسا ہی انہیں القا کیا جس طرح ہم نے اپنے مشائخ سے اس کی تلقین پائی تھی۔) اس کے بعد انہیں نبی مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت کی تقسیم کے لایق پا کر کل سلاسل پر مشتمل اجازت دے دی ہے کہ مریدین کو بیعت میں داخل کرنے کا حکم ہے جس طریقے میں وہ چاہیں بیعت کریں۔ ہم نے انہیں اپنا نائب بنایا ہے تا کہ ہماری جانب سے مریدین کی تربیت اور انہیں کلمۃ الحق کی رہنمائی کریں۔ انہیں خلافت دے کر خرقہ پہنا دیا ہے جس طرح مجھے میرے مرشد وشیخ نے پہنایا تھا۔

حضور قبلہ کے وصال فرمانے کے بعد آپ اور دیگر اکابر خلفاء نے اپنے اہل وعیال خویش واقارب، اپنی خانقاہیں اور مریدین سب کو خیر باد کہ کر شیخ کی خانقاہ میں ڈیرہ ڈال دیا تھا اور یہ سلسلہ سات سال تک چلتا رہا۔ دونوں صاحبزادگان (یعنی حضرت تاج الاولیا اور حضرت شاہ نصیر الدین حسین) کی تعلیم وتربیت میں سر مو فرق واقع نہیں ہوا۔ جب بڑے حضرت کی عمر مبارک بائیس سال اور چھوٹے حضرت کی عمر شریف سترہ سال ہوگئی تب یہ حضرات آہستہ آہستہ اپنے وطنوں کو واپس ہوئے اور ان میں بھی چند حضرات نے اپنی پوری زندگیاں خانقاہ کے لئے وقف کر دیں۔ جن میں حضرت مولوی عبید اللہ شاہ صاحب بدخشانی، حضرت بخش اللہ خاں صاحب شاہ آبادی اور حضرت مولوی محمد فضل عالم صاحب بچھرایونی کے نام سرفہرست ہیں جو شیخ کی چوکھٹ سے ایسے چمٹے کہ آخر کر دیا۔

جناب محرم علی چشتی مولف شجرات اولیا نے حضرت امام السالکین کی تاریخ وصال ۱۵/ذیقعدہ اور مقام وصال خراسان تحریر کیا ہے۔ راقم کو خلیفہ غلام علی شاہ صاحب نے آپ کا مزار مبارک دریائے بخارا کے کنارے بتایا ہے۔ جناب ممدوح کو اس خانوادہ سے گہرا تعلق تھا۔ حضرت امام

[1] دیباچہ دیوان آتش کدہ وحدت حضرت خواجہ مستان کابلی

السالکین کے پوتے انہیں خلیفہ صاحب سے بیعت تھے۔ان پر ہمیشہ جذب کی کیفیت رہتی۔
حضرت امام السالکین کی شمس العین اوران کے دوسرے تبرکات بھی انہیں خلیفہ صاحب کے پاس جبل السراج میں محفوظ ہیں۔

۲۵۔خواجہ مستان شاہ صاحب کابلیؒ

سلطان العاشقین و برہان العارفین معارف آگاہ خواجہ مستان شاہ کابلی حضرت امام السالکین کے خلفاء کرام میں ہندوستان میں بھی بہت مشہور ہوئے۔صاحب ناز و نیاز کا بیان ہے کہ:

" آپ کا سلسلہ ولایت میں بکثرت شایع ہوا ہے۔نیز ہندوستان میں نواح کشمیر و پنجاب میں بذریعہ مستان شاہ کابلی بہت کچھ اشاعت سلسلہ ہوئی ہے۔[1]

حضرت خواجہ مستان شاہ صاحبؒ سلسلہ عالیہ نیازیہ کے ان فردالافراد خوش نصیب بزرگوں میں سے ہیں جنھوں نے اس سلسلہ کے عظیم ترین حضرات کی زیارت کی ہے اوران حضرات کرام سے فیض باطنی پایا ہے۔

۱۔حضرت سید نثار علی شاہ صاحب:حضور قبلہ کے بڑے بھائی ،اور حضرت مولانا فخر پاکؒ کے خلیفہ کی دعاء سے ولادت،ان سے بیعت وشرف خلافت۔

۲۔قطب الاقطاب ،امام المسلمین،شیخ الاسلام ،امام السالکین حضرت مولانا خواجہ میر محمد سمیع بدخشانیؒ کے حضور میں بیعت وشرف صحبت وخلافت۔

دوسرے سرمایہ افتخار خلفاء کرام کی خدمت،فیض صحبت وتربیت نور علی نور ہے۔

۳۔سیدالسادات حضرت خلیفہ سید ہاشم شاہ صاحب دیوغانی للندریؒ (چہاردہی موسی کابل)۔

۴۔ولایت مآب حضرت حافظ وزیر خواجہؒ عرف میر خواجہ۔(خانقاہ بکوچہ مردہ شویاں کابل)

۵۔جناب سندالعارفین مولانا سردار محمد عثمان خان وزیر خیلیؒ (درکابل)

۶۔سراج السالکین حضرت مولانا مولوی ملاجان محمد اخونؒ (کوچہ وزیر۔کابل)

[1] ناز و نیاز صفحہ ۲۲

۷۔شیخ المشائخ قطب الاقطاب حضرت مولانا تاج الاولیا شاہ نظام الدین حسینؒ
(بریلی شریف)

حاضری بحضور نیاز بے نیاز:

علاوہ بریں ہندوستان تشریف آوری کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے حضرت قبلہ شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پرانوار پر شرف آستان بوسی حاصل کی اور وہیں پر جناب شیخ المشائخ، قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ نظام الدین حسین دام اللہ فیوضہم (م ۱۹۰۴ء) نے خرقہ خلافت، حضرت خواجہ صاحب کو عطا فرمایا اور فیض یاب فرمایا۔[1]

غرض کہ خواجہ صاحب کو روحانی اور ظاہری ذریعوں سے جو فیوض لامتناہی حاصل ہوئے وہ معرض تحریر میں نہیں آسکتے۔

آپ کو اپنے مشائخ سلسلہ سے جو والہانہ عشق ہے اس کی کچھ جھلکیاں اس طرح ہیں۔

غوث اعظم شہ جیلاں مہ سبحاں مددے	قطب الاقطاب جہاں ہادی دوراں مددے
برق رخسار تو آتش زدہ در خرمن جاں	سوختم، بہر خدا، ابر نیستاں مددے
عاشقانت شدہ سرمست جمال جاناں	منکراں را توازیں بادہ غفراں مددے

اب حضرات خواجگان چشت کی مدح کی چاشنی:

نہ تنہا مقتبس از شمع جاں مضطر شد	فلک شد، عرش شد، سیارہ شد، خورشید انور شد
چو دامن گیر حسنش عشق بود از قرب احدیت	احد شد، واحدیت گشت وارواح مصور شد
لباس دلبری پوشیدہ ، در طور ولایت چوں	معین شد، قطب شد، محبوب عالم گنج شکر شد

ہر زمانے شکل پیدا می کند	عاشقاں را مست و شیدا می کند
گہ چو فخرالدین سالار دو کون	عاشقاں را واصل بہ مولےٰ می کند
گاہ خود را ظاہر از شاہ نیاز	آں شہ علیا و سفلیٰ می کند

[1] دیباچہ دیوان آتش کدہ وحدت۔ حضرت خواجہ مستان کابلی

گہ ز چشم حضرت محمد سمیع	حسن خود را آشکارہ می کند
نیست جز وے درمیان کن فکاں	حسن خود را خود تماشا می کند
گاہ فخرالدین والملۃ منم	گہ نیاز بے نیاز کاسہ ناب
گہ نظام الدین حسینم جلوہ گر	گہ چو مستان شہ منم لب لباب
گاہ فخرالدین نیاز و شہ نظام	گاہ مستان شاہ کابل گشتہ اظہار آمدی

رجوعات: رجوعات کا یہ عالم تھا کہ جدھر تشریف لے جاتے علاقے کے علاقے سلسلہ میں داخل ہوجاتے ۔خلیفہ مولوی عبدالحکیم اونکاری۔چکی شریف لکھتے ہیں کہ جب کشمیر کا سفر کیا تو بے شمار مخلوق ہر طبقے کی سلسلہ میں داخل ہوئی۔

''بحکم الٰہی حضرت پیر دست گیر عزم سفر بہ طرف کشمیر نمودند ایں فقیر ودیگر چند خادمان درخدمت ہمراہ بودند ۔۔۔خلق کثیر از شرفاء وفضلاء شہر وپرگنات از صدق واز ارادت تمام مرید گردیدند'' ۔حضرت مستان شاہ صاحب نے پنجشنبہ ۱۷رذیقعدہ ۱۳۲۱ھ/ ۴رفروری ۱۹۰۴ء کو دہلی میں وصال فرمایا۔مزار قدم شریف میں ہے۔

خلفاء:

خلفاء باکمال ومریدان صاحب حال اطراف عالم میں بہ کثرت ہیں بہ سبب طوالت صرف چند مشاہیر خلفاء کرام کے اسماء درج ذیل ہیں:

۱۔ملا عبدالجبار پیشاوری
۲۔ملا غلام محمد کشمیری
۳۔سید تاج الدین پٹنی
۴۔سید میر امان علی دہلوی۔مقیم ڈیرہ اسمعیل خاں
۵۔شیخ ہدایت اشرف
۶۔سید میر منفعت علی کتب فروش
۷۔حکیم مظفرنگری
۸۔مولوی عبدالحکیم اونکاری۔ساکن چکی شریف

تصانیف: اگرچہ حضرت کی تصانیف بہت ہیں لیکن صرف چند نام یہ ہیں:

۱۔دیوان آتشکدۂ وحدت
۲۔دیوان ثانی
۳۔مثنوی یوسف زلیخا
۴۔سراج الصالحین
۵۔مخمس چہل اسرار
۶۔دیگر رسالہ جات در تصوف

حضرت مستان شاہ صاحب کی ایک صاحب زادی تھیں جو محرم علی چشتی کو بیاہیں موصوف احمد بخش یکدل کے فرزند تھے جن کا سلسلہ نسب حضرت بابا فرید الدین گنج شکر سے ملتا ہے۔

محرم علی چشتی مرحوم اخبار الہند کے اڈیٹر تھے۔ مرحوم کی تنہا یادگار مولوی ابراہیم علی چشتی تھے۔ ۹/ جولائی کو لاہور میں انتقال ہو گیا۔ موصوف نے شادی نہیں کی تھی لہٰذا حضرت مستان شاہ صاحب کی اولاد میں آخری فرد بھی چل بسے۔ رہے نام اللہ کا۔

فرہنگ اصطلاحات صوفیہ

دیوان آتشکدہ وحدت کے دیباچہ میں حضرت مستان شاہ نے اصطلاحات صوفیہ کی فرہنگ تحریر کی ہے حقیقت میں یہ متصوفانہ کلام کی بہترین فرہنگ ہے۔ جس سے لوگ با قاعدہ استفادہ کرتے آئے ہیں اور صوفیہ کرام پر کام کرنے والوں کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئی ہے۔

کتاب ''اصطلاحات صوفیہ'' کے مؤلف حضرت خواجہ شاہ عبدالصمد فخری نے تو بالتزم بیشتر مقامات پر صرف اس کا ترجمہ نقل فرما دیا۔ حضرت مستان شاہ نے فرہنگ میں ایک سو انہتر لغات کے مطالب بیان فرمائے ہیں جن میں سے انہتر لغات پیر جی عبدالصمد صاحب نے بلا حوالہ اپنی تالیف ''اصطلاحات صوفیہ'' میں شامل کر دیئے اور از اول تا آخر حضرت مستان شاہ صاحب کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

حضرت میکش اکبر آبادی نے ''مسائل تصوف'' میں اپنے جد محترم حضرت مظفر علی شاہ اللہی کی ''جواہر غیبی'' سے جو اصطلاحات شعراء نقل فرمائی ہیں وہ بھی اسی فرہنگ سے ماخوذ ہیں۔ یہ فرہنگ راقم نے حروف تہجی سے مرتب کی ہے اور آئندہ کسی اشاعت میں شامل کر کے پیش کرنے کا ارادہ ہے۔

حضرت مستان شاہ کے مزار کا کل محل وقوع جناب علامہ سید اخلاق حسین دہلوی نے راقم کو اپنے ایک عنایت نامہ میں تحریر کیا ہے کہ:

قدم شریف کی عمارت قلعہ کی طرح کی ہے۔ اس میں جانے کے دو بڑے دروازے ہیں۔ پہلا دروازہ جنوب کی طرف ہے، اس میں داخل ہونے کے بعد تھوڑی دور چل کر دوسرا دروازہ ہے۔

جو مغرب کی طرف ہے یہ دوہرا ہے اور اس پر چھت بھی ہے۔اس میں دونوں طرف چبوترے ہیں۔شمالی چبوترے پر حضرت مستان شاہ صاحب کا مزار میں نے دیکھا ہے۔

صورت حال یہ ہے کہ قدم شریف کی چاروں اطراف میں میلوں میلوں شہر خموشاں آباد تھا۔ اب پر رونق اور ہنگامہ خیز شہر آباد ہے۔قبروں کا نشان تک نہیں رہا۔میں نہیں کہہ سکتا کہ مستان شاہ صاحب کا مزار بھی محفوظ ہے یا نہیں۔

۲۴۔حکیم محمد شاہ بھانجہ حضرت مسکین شاہ جے پوری

حضرت خلیفہ حکیم محمد شاہ کا نام تذکرہ عین العارفین، ناز و نیاز جلد دوم، کشف المسکین علی اصحاب الیقین میں آیا ہے لیکن ایک سطری ہے۔تینوں تذکروں سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت مسکین شاہ صاحب کے بھانجہ تھے اور ان کی ایک صاحبزادی بھی تھیں جو کہ حضرت شاہ نصیر الدین صاحب سے شرف بیعت رکھتی تھیں اور جے پور ہی میں قیام تھا جب حضرت ممدوح کی خدمت میں حاضر ہوئیں تب حکیم محمد شاہ صاحب وصال فرما چکے تھے اور حضرت تاج الاولیاء کے دوبارہ جے پور تشریف لے جانے کے وقت (۱۸۸۹ء/ ۱۳۰۶ھ) میں وہ حاضر خدمت تھے۔

جناب اکرام الحق صاحب مرحوم سابق سجادہ نشین نے راقم سے ایک مکتوب میں حضرت مسکین شاہ صاحب کے ملفوظ نگار حکیم محمد شاہ کشمیری کا تذکرہ کیا تھا جنہوں نے "سراج السالکین" کے نام سے حالات و ملفوظات مرتب کئے تھے چونکہ تذکرہ سامنے نہیں ہے اس لیے یقین کے ساتھ حکیم محمد شاہ کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا۔

۲۵۔محمد عبداللہ خاں بزرگ شاہجہانپوری

حضرت محمد عبداللہ خان صاحب بزرگ وتوزئی قبیلہ کے فرد ہیں حضور قبلہ نیاز بے نیاز کے خلیفہ ہیں۔اس کے علاوہ مزید کوئی معلومات فراہم نہیں ہو سکیں۔ان کی اولاد میں لوگ موجود ہیں لیکن انہیں کوئی تعلق نہیں ہے۔ان میں سے ایک ملک زاہد خاں بھی ہیں اپنی دنیا میں ڈوبے ہوئے

ہیں ویسے خانقاہ نیازیہ سے وابستہ ہیں اور یہ عقیدت مندی بھی دعاء وتعویذ سے زیادہ نہیں ہے۔

حضرت موصوف کے مزار مبارک اور ملک زاہد خاں کے بارے میں جناب منظور اللہ خاں صاحب مرحوم نے راقم کی رہنمائی کی۔ پہلے ملک زاہد خاں سے ہی ملاقات کی جب ادھر سے بے حد مایوسی ہوئی تو خود حضرت کے مزار پر حاضری دی۔ یہ مزار شریف محلہ رنگین چوپال میں واقع ہے مزار ایک چھوٹے قبرستان میں ہے قبرستان ایک کھلے میدان میں ہے۔ مزار شریف انتہائی کس مپرسی کے عالم میں ایک بوسیدہ احاطہ کے اندر قبرستان کے مشرق جنوب گوشہ میں ہے۔ پائینتی مولسری کا درخت سایہ فگن ہے۔ قبر مبارک کی دیوار سے متصل پچھم پورب میں گندا نالہ جاتا ہے چونکہ گندے نالہ کا پانی اوپر چڑھ جاتا تھا اس لئے دیوار سے متصل بطور پشتہ مٹی چڑھوادی گئی ہے۔ اب یہ صورت موجودہ مزار شریف زمین سے تقریباً تین فٹ اونچے چبوترے پر ہے چوکا اینٹ سے مزار کی نشاندہی کی گئی ہے۔ مزار کا تعویذ کچا ہے۔ چبوترے کی چہار دیواری میں کنگیا اینٹ ہے۔ گویا چبوترا اقدیم ہے۔

چوحدی کے دکھنی حصہ میں کہیں کہیں اینٹ کی جالی بھی نظر آتی ہے۔ پوربی دیوار کے دکھنی گوشہ میں تین سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ جو کہ مذکورہ گندے نالے سے شروع ہوتا ہے۔ اوپر مزار کے دونوں جانب تین فٹ اونچے پائے کھڑے ہیں ان میں محلّہ والوں نے بچوں اور بکریوں سے حفاظت کی غرض سے ایک عارضی پھٹکیا لگوادی ہے جس سے کسی قدر بچاؤ ہو گیا ہے۔

بغور دیکھنے سے نظر آیا کہ پہلے دکھن جانب پانچ فٹ اونچا دروازہ بھی تھا۔ بعد میں وہ پیلا اینٹ سے بند کر دیا گیا ہے۔ اب مزار کا تکیہ بھی صرف ایک ڈیڑھ فٹ ہی نظر آتا ہے۔ پوربی دیوار پر محبوب حسن خاں وکیل روڈ کا بورڈ لگا ہوا ہے۔

چوک میں کھڑے ہوئے ایک صاحب سے مزار کے بارے میں دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ کوئی بزرگ عبداللہ خاں تھے یہ ان کا مزار ہے۔ ہمیں مغنی خاں نے بتایا ہے۔

مغنی خاں صاحب کا مکان مزار شریف سے تھوڑے فاصلہ پر جنوب مشرق میں ہے میں نے اسی وقت ان سے ملاقات کرنے کی کوشش کی لیکن اس وقت خاں صاحب فارم پر گئے ہوئے تھے۔

ممکن ہے عبداللہ خاں بزرگ کے کچھ حالات تاریخ صبیح یا تاریخ مطیع سے دریافت ہوسکیں۔

۲۶۔ سردار محمد عثمان خاںؒ

آپ کو آپ کے مرشد گرامی نے سند العارفین کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا اور اسی سے آپ کو مخاطب فرماتے تھے۔ حضرت خواجہ مستان شاہ صاحب کے دیوان آتشکدہ وحدت کے دیباچہ میں جناب محرم علی چشتی نے لکھا ہے کہ آپ نے اس سلسلہ (نیازیہ) کے عظیم ترین حضرات کی زیارت کی ہے اور ان حضرات کرام سے فیض باطنی پایا ہے فیض صحبت وتربیت نور علی نور ہے ان میں جناب سند العارفین مولانا سردار محمد عثمان خاں صاحب وزیر خیلی بھی ہیں۔ آپ کا مزار مبارک کوچہ وزیر یں میں ہے اور یہیں حضرت عمر خاں اور سراج السالکین حضرت مولانا مولوی ملا جان محمد اخون بھی محو استراحت ہیں۔

طیب اللہ مضاجعھم

۲۷۔ محمد فخر عالم شاہجہانپوریؒ

آپ کا اسم گرامی ثابت خاں تھا اور والد کا نام عابد خاں تھا قوم کے لودی پٹھان محلہ ملا خیل شاہجہان پور کے رہنے والے تھے۔ بالکل بغیر پڑھے لکھے آدمی تھے آپ کے والد کا پیشہ کھیتی کرنا تھا۔ ایک بار والد اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے ضد کر کے یہ بھی ان کے ساتھ بریلی آ گئے۔ یہاں آ کر بیعت ہو گئے حضرت قبلہ کے حقہ بھرنے اور پاؤں دبانے کی خدمت اختیار کی۔ یہ خدمت حضرت کو بھی پسند تھی۔ حضرت کی خواہش تھی کہ یہ کچھ محنت کریں عرصہ سے خدمت انجام دے رہے تھے۔ جب بھی دریافت فرمایا شغل میں جمیعت کیوں پیدا نہیں ہوئی عرض کر دیا کہ حضور کا حقہ بھرتا ہوں بس میرا یہی شغل ہے۔

روحانی تربیت و جمیعت: ایک مرتبہ حضرت اپنے (نو خرید کردہ مکان آخر ۱۸۰۰ء) سے تشریف لا رہے تھے۔ موصوف خانقاہ شریف کے دروازہ پر حاضر تھے۔ یکایک حضرت نے دیکھا یہ بیہوش ہو کر بہت دیر تک لوٹتے رہے۔ ہوش میں آئے تو پچھلا شغل جمع ہوا تھا اور اس میں مستقل جمیعت پیدا ہو گئی۔ اس واقعہ کے بعد محنت کرنے میں بھی دل لگنے لگا اور پھر تو یہ حالت ہوئی کہ جو کچھ تعلیم فرماتے رہے اس میں جمیعت ہوتی رہی۔ کچھ ہی دنوں میں حالت کچھ سے کچھ ہوتی گئی۔

صاحب ولایت ملک اودھ : جب صاحب ارشاد ہونے کی صلاحیت پیدا ہوگئی تو حضور قبلہ نے خلافت سے سرفراز کر کے ملک اودھ کا صاحب خدمت بنا کر لکھنؤ جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور آج کل (بزمانہ بادشاہ نصیر الدین حیدر ۱۲۴۴ھ / ۱۸۲۷ء تا ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۸ء) لکھنؤ پائے تخت ہے وہاں علماء کا بہت زور ہے اور بڑے بڑے مشائخ کا مجمع ہے۔ مجھ جاہل کو وہاں کون پوچھے گا؟ فرمایا جو مجھ فقیر کو پوچھے گا وہ تجھے بھی پوچھے گا۔ پھر فرمایا ہم نے تمہارا نام فخر عالم رکھا۔ تین نصیحتیں یاد رکھنا ان پر عمل کرنا۔

۱۔ یہ کہ جب تک تم کو خط لکھنا نہ آئے ہم کو خط نہ لکھنا۔
۲۔ کسی کے گھر مت ٹھہرنا۔ علیحدہ مکان کرایہ پر لے کر قیام کرنا۔
۳۔ کسی سے سوال پیش نہ کرنا۔

دس ٹکہ پیسہ مرحمت فرمائے یہ پیدل لکھنؤ کو چل پڑے راستہ میں رات کو جہاں رکتے چنے وغیرہ چاب لیتے۔ لکھنؤ پہنچے تو ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے لیا۔ سامان میں چٹائی، گھڑا ایک مٹی کا لوٹا۔ ایک چراغ اور تھوڑا سا تیل بھی خرید لیا۔ پیسے بالکل ختم ہوگئے۔ تین شبانہ روز پانی پی پی کر گذر کر لی۔ ادھر پانی ختم ہوگیا ادھر رہی سہی طاقت نے بھی جواب دے دیا۔ تیمّم سے نماز پڑھتے رہے۔ پھر بے ہوش ہوگئے۔

ادھر بادشاہ کو خواب میں تاکید فرمائی گئی مولوی محمد فخر عالم صاحب درویش کامل بھوکے پیاسے بے ہوش ہوگئے ہیں فلاں محلّہ میں قیام ہے۔ پھر تجھ کو دعوٰی سلطنت ہے۔ بادشاہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا فوراً وزیر (معتمد الدولہ آغا میر) کو حکم دیا کہ فلاں محلّہ میں کوئی درویش مولوی محمد فخر عالم صاحب ہیں ان کے واسطے ایک خوان شاہی باورچی خانہ سے لے جا کر قصور کی معافی کے ساتھ پیش کرو اور صبح کے وقت میں خود قدم بوسی کے لئے حاضر ہوں گا۔ یہ کھانا روزانہ دونوں وقت بلاناغہ حاضر کیا جاتا رہے گا۔ مکان مالک سے بات کر کے بیعانہ کرا دینا اور فرش فروش سے آراستہ کرا دینا۔

حسب الحکم وزیر مکان کا پتہ پوچھتے ہوئے مکان پر پہنچے دستک کا جواب نہ ملنے پر کواڑ کی چول اتروا کر اندر داخل ہوئے مکان میں اندھیرا تھا۔ ساتھ کی روشنی سے دیکھا کہ چٹائی پر چادر اوڑھے ایسے لیٹے تھے کہ انتقال ہو چکا ہے پاس سانس کا احساس ہوا۔ سمجھ لیا کہ غش آگیا ہے کھانا قریب

کرنے سے دماغ میں کھانے کی خوشبو سے آنکھ کھولی۔وزیر نے دست بستہ قصور کی معافی چاہی۔اپنا تعارف کرایا بادشاہ کا معروضہ اور اشتیاق زیارت عرض کیا۔آپ نے پوچھا کیا کھانا لائے ہو۔وزیر نے فرینی کا پیالہ پیش کیا دو انگلی اس میں سے نوش فرما کر کہا بس لے جاؤ۔وزیر نے اسے آداب شاہی کے خلاف بتایا فرمایا میں فقیر ہوں وزیر کی درخواست پر تمام کھانا محلّہ میں تقسیم ہوگیا۔چاندی کے برتن اصرار کے باوجود قبول نہیں کیے۔بادشاہ بے نیازی کی تفصیلات سن کر اور بھی زیارت کے خواہش مند ہوئے۔

صبح کو حسب الحکم ویسا ہی کر دیا گیا۔غرض کہ بادشاہ کی حاضری تک صدہا آدمی سلسلہ نیازیہ میں داخل ہو چکے تھے بادشاہ نے دست بستہ قصور کی معافی چاہی نذر نہیں قبول کرتے تھے وزیر کے بڑے اصرار سے مجبوراً نذر قبول ہوئی۔

رجوعات خلایق کی حد نہیں رہی۔اس واقعہ سے تمام ملازمان فوج اور شاہی مصاحبین بھی حلقہ بگوش ہو گئے۔

بانکے کا مشرف بہ غلامی ہونا

نازد نیاز کی روایت ہے کہ حضرت کے اس تصرف کی شہرت دو چار روز میں تمام شہر میں ہوگئی کہ جو شخص آپ کی مجلس میں ایک بار شریک ہو جاتا تھا وہ بغیر داخل غلامی شاذ و نادر ہی واپس جاتا۔جوق جوق ہر طرف سے لوگ آنے لگے۔ہزارہا خلقت داخل سلسلہ ہونا شروع ہوئی۔

بہت سے شیعہ مشرف بہ غلامی ہوئے یہ بات وہاں کے شیعہ عمائد و رؤسا کو ناگوار گذری۔ان لوگوں نے بادشاہ سے شکایت کی کچھ توجہ ہونے پر آپس میں مشورہ کر کے حضرت کو شہید کرانے کی ترکیب یہ سوچی کہ کسی بانکہ سے یہ کام کرا دیا جائے۔اس زمانہ ایک گروہ بانکوں کا کہلاتا تھا۔ان میں وہ داخل ہوتا جو اپنی جان کی پرواہ نہ کرتا اور سخت ترین غصہ والا ہوتا جو ہتھیار وہ پہنتا وہ غسل میت کے وقت ہی اس کے جسم سے اتارے جاتے لوگ ان سے بچ کر نکلا کرتے تھے۔ایک بانکہ جس کا دماغ سب سے زیادہ چلا ہوا تھا اسے حضرت خلیفہ صاحب کے قتل پر اس طرح آمادہ کر لیا کہ تجھ پر آنچ نہیں دیں گے اور انعام و اکرام اس کے علاوہ ہوگا اس نے آن واحد میں کام تمام کرنے کا وعدہ کر لیا۔غرض

کہ بہت سے شیعہ اس بانکے کے ساتھ محفل میں پہنچے۔ حضرت کی نظر پڑتے ہی بانکہ زمین پر گر کر لوٹنے لگا۔ حضرت نے فرمایا کہ کہیں کسی ہتھیار کا زخم اس کے نہ لگ جائے اس کے ہتھیار آہستہ سے اتارلو بانکہ کو ہتھیار اترنے کی بھی خبر نہیں ہوئی ۔ بہت دیر بعد ہوش میں آنے بعد اس نے اپنے ہتھیاروں کے اتارنے والے کو پوچھا آپ نے فرمایا وہ کوئی بانکہ ہی ہوگا یہ سنتے ہی قدموں میں آکر کہنے لگا میں نے پہچان لیا وہ آپ ہیں۔ وہ بانکہ بھی غلامی سے مشرف ہوگیا۔

خلیفہ صاحب لکھنے کے لائق ہوتے ہی مفصل عرضی ارسال کی اسی میں بیگم بادشاہ محل ملکہ زمانی کی بیٹے کی خواہش اور سوالاکھ روپیہ نذرانہ کی پیشکش کا بھی تذکرہ مع پرزور سفارش تھی ۔ جواباً ارشاد ہوا کہ فرزند ہوگا لیکن وہ معتقد ہے نہ داخل سلسلہ ہوگی ۔ منہ میں سے تھوڑا پان کا اُگال اس کے کھانے کے واسطے روانہ فرمادیا۔ خلیفہ صاحب نے بیگم صاحبہ کو بلاکر بہت سے قول وقرار کے بعد وہ تبرک دیا ۔ چنانچہ حمل کے آثار شروع ہوئے۔ مشہور ہوگیا کہ بیگم صاحبہ کے حمل ہے۔ خلیفہ صاحب کا شکریہ ادا کیا گیا۔ انہوں نے اطلاعی عرضی بھیج دی۔

اسی دوران، مصاحبین کے مشورہ سے بیگم صاحبہ نے ایک مجذوب کامل سے رجوع کرنے میں سوالاکھ روپیہ کی بچت دیکھی اور خلیفہ صاحب سے بھی کہلوادیا کہ خلیفہ صاحب نے عرضی میں صورت حال پیش کردی۔ جواباً تحریر فرمایا کہدو ''جس کو ڈالنا آتا ہے اس کو نکالنا بھی آتا ہے۔''

خلیفہ صاحب نے بیگم صاحبہ سے کہلوادیا۔ ایک رات بیگم صاحبہ سو رہی تھیں کہ چیخنے لگیں کہ پیٹ میں سے کوئی نکال کر لے گیا دوسری بیگمات نے طنز وتعریض کی کہ جھوٹا ڈھونگ رچایا تھا بیگم صاحبہ کا وہ وقار جاتا رہا۔ اسی حمل کے دوران بیگم صاحبہ نے بادشاہ سے بادشاہ محل ملکہ زمانی کا لقب اور دس ہزار روپیہ ماہانہ وثیقہ بھی لکھوالیا تھا۔ (سال جلوس ۔۱۴ ارشعبان ۱۲۴۴ھ)

خلیفہ صاحب کا اس علاقہ میں ایسا زور ہوا کہ حد نہ رہی ۔لیکن وہ ایسے بے خبر ہوئے کہ حضور قبلہ کی شدید ترین علالت ،حضرت تاج الاولیاء کی سجادگی اور پھر حضرت قبلہ کا وصال ہوگیا تعزیت کی رسم بھی بذریعہ عرضی نہیں کی۔

ایک سید صاحب حاضر باش خانقاہ شریف نے حضرت تاج الاولیاءؒ سے عرض کیا کہ ان کی دو بیٹیاں ہیں اگر خلیفہ صاحب کسی نواب یا رئیس کو اشارہ فرمادیں گے تو کام آسان ہوجائے گا آپ نے

صورت حال بتادی مگر سید صاحب نے پنجتن پاک کا واسطہ دیا تو آپ نے رقعہ لکھ دیا۔ سید صاحب لکھنؤ پہنچے بہ مشکل خلیفہ صاحب کے حضور میں باریابی ہوئی بہت سے امیر، رئیس اور خادم حاضر تھے سید صاحب نے خط پیش کیا۔ خط پڑھ کر بے وقعتی سے رکھتے ہوئے فرمایا کہ صاجزادہ ہیں۔

سید صاحب کو یہ انداز سخت ناپسند ہوا اور خط آنکھوں سے لگا کر جیب میں رکھ لیا اور روکنے پر بھی نہ رکے فوراً واپس ہو گئے۔ واپسی پر بڑی معذرت چاہی۔ آپ نے فرمایا جبراً میں نے لکھ دیا ورنہ میں ہرگز نہ لکھتا۔

ادھر لکھنؤ میں نہ صرف دولت عرفان سلب ہوئی سازش کا جال بچھ گیا دربار میں یہ پرچہ گذرا کہ محمد فخر عالم صاحب اپنے رسوخ اور مقبولیت کی بدولت دوسرا بادشاہ بھی مقرر کر سکتے ہیں اگر ایسا ہوا تو؟ بادشاہ نے فوراً حکم جاری کیا چنانچہ ہزاروں مخلوق ایک دم بیعت سے الگ ہوگئی۔

ان حالات کے پیش نظر ایک عقیدتمند کے ہمراہ رات کے دو بجے شہر کے باہر پہنچے اس کو بھی واپس کر دیا۔ وہ آیندہ حالات لکھنے کا وعدہ کر گیا۔

پیدل ہی خلیفہ صاحب شاہجہانپور پہنچے۔ حضرت سلامت خاں صاحب پیر بھائی کی ملاقات کے لئے آئے تو دیکھا ہئیت ہی بدلی ہوئی تھی نماز تک فراموش ہو گئی تھی۔ ان کے پوچھنے پر خلیفہ صاحب نے پوری کیفیت بیان کی حضرت سلامت اللہ خاں صاحب نے بہت شرمندہ کیا اور فرمایا کہ مجھے علم ہوتا تو ہرگز تمہاری ملاقات کو نہ آتا اب صرف حضرت مولوی عبید اللہ شاہ صاحب تمہاری سفارش کر سکتے ہیں مولوی صاحب کے عریضوں کے جواب میں حضرت مولوی صاحب نے تحریر فرمایا کہ تم آجاؤ میں بھی سفارش میں عرض کروں گا۔ مولوی صاحب پر بنی ہوئی تھی اس طرح حاضر ہوئے کہ اپنا منہ کالا کر کے ٹوٹی جوتیوں کا ہار گلے میں ڈال کر حضرت مولوی صاحب قبلہ کو بلوایا اور معافی کرانے کے لئے عرض کیا حضرت مولوی صاحب بڑے فیاض، دریادل اور رحیم تھے جا کر معافی کے لئے عرض کیا۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے ان سے کچھ واسطہ نہیں حضرت قبلہ سے عرض کریں۔ موصوف سارا دن دھوپ میں کھڑے روتے رہے آپ بارہ بجے زنانخانہ میں تشریف لے گئے سہ پہر میں برآمد ہونے پر حضرت مولوی صاحب نے باصرار قصور کی معافی کرائی۔ منہ ہاتھ دھلوایا اور کپڑے بدلوائے مٹھائی منگوا کر خلیفہ صاحب نے تجدید بیعت کی تعلیم شروع ہوئی۔ باورچی خانہ کی

پتیلیاں مانجنے اورسب خانقاہیوں کے جھوٹے برتن دھونے کی خدمت سپرد فرمائی ۔عرصہ چھ ماہ (۱۸۳۵ء) میں وہ پھر اصلی حالت میں پہنچ گئے ۔

حضرت نے فرمایا کہ میں تم کو رخصت کرنا چاہتا ہوں تم لکھنؤ چلے جاؤ۔خلیفہ صاحب نے عرض کیا۔اب کیا منہ لے کر جاؤں بقیہ عمر حضور کے قدموں میں بسر کرنا ہے۔ارشاد ہوا کہ حضرت قبلہ نے تم کو لکھنؤ مامور فرمایا تھا کس کی مجال ہے کہ اُن سے کچھ خلاف کر سکے۔

ایک ہفتہ کے اندر بادشاہ (نصیرالدین حیدر) نے بغاوت کا مقدمہ خارج کرا کے یہ حکم جاری کیا کہ آئندہ ان کے خلاف پرچہ نویس کو سخت سزا ملے گی۔خلیفہ صاحب کے لکھنؤ سے تشریف لے جاتے ہی یہاں کی خیر وبرکت جاتی رہی ان کو تلاش کر کے لایا جائے ۔لکھنؤ سے آدمی آنا شروع ہوئے رپورٹ ملی وہ اپنے پیر کی خانقاہ میں موجود ہیں اور یہاں آنے کو کسی حال میں تیار نہیں۔شاہی حکم کے مطابق ڈاک چوکی لگا دی گئی اراکین سلطنت نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر بادشاہ کی جانب سے آداب پیش کیا اور نفس مدعا بیان کیا۔حضرت تاج الاولیاء نے فرمایا کہ آپ صاحبان کے اصرار پر میں انہیں لکھنؤ جانے کا حکم دے رہا ہوں مگر اس شرط پر کہ آئندہ اگر کوئی لغویت ہوئی تو اچھا نہ ہوگا۔

خلیفہ محمد فخر عالم کے سر پر آپ نے پگڑی باندھی خلیفہ صاحب نے بیعت سے منحرف لوگوں کے لئے دریافت کیا فرمایا ان سے دوبارہ بیعت لی جائے اور بیعت پر قایم لوگوں کو دوبارہ بیعت کی ضرورت نہیں آپ نے لکھنؤ پہنچ کر حسب الحکم ویسا ہی کیا۔پھر رجوعات کا وہی عالم تھا بہت سے لوگ سلسلہ نیازیہ میں داخل ہوئے ۔[1]

مؤلف تاریخ صبیح کا بیان ہے کہ علاوہ شاہجہاں پور کے دیگر مقامات میں آپ کے مرید بہت ہیں۔صاحب ناز و نیاز نے لکھا ہے کہ " آپ کا سلسلہ بلاد ہند میں بہت کچھ شایع ہوا۔ملک اودھ، کان پور، فتح پور، جبل پور، جھانسی، غازی پور وغیرہ میں آپ کے مرید پائے جاتے ہیں"

حضور قبلہ اپنے خلیفہ حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب بچھرایونی کو مطلع فرماتے ہیں کہ

"محمد فخر عالم رونق افزائے لکھنؤ اند۔وبہ عالمے فیض رسانیدہ اند"

---

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۵۶۔۴۵

اس سے عظیم اور وقیع حوالہ کسی معاصر مورخ یا تذکرہ نگار کا کیا ہوسکتا ہے اور یہ عبارت رجب ۱۲۴۱ھ / فروری ۱۸۲۶ء کی ہے حضرت شیخ کے وصال تک نو سال کا وقفہ ہے اور اس کے بعد آپ اٹھارہ سال تک حیات رہے گویا اس بیان کے بعد ستائیس سال بعد تک آپ سلسلے کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہے۔

راقم حضرت تاج الاولیاء کے ایک مکتوب گرامی کا ابتدائی حصہ نقل کر رہا ہے جس سے آپ کی عظمت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

''بخدمت خلیفہ صاحب، نہال حدیقہ تصوف، ثمر افشان اغصان تعرف سلمہ اللہ المنان وعلیہ التکلان

بعد اتحاف سلام مسنون الاسلام۔

شاخ قلم را بہ ہوائے تسوید مدعا در جنبش می آرد کہ ہنگام عنان تابی از وطن جانب لکھنؤ خط مسرت نمط غالیہ سائے جیب و دامن وصول شدہ بود۔ لیکن بعد ورود آن سرزمین فرخ آئیں، روائح صلاح احوال بمشام خاطر نہ رسیدہ طبعم ہموارہ بہ نظر چگونگی مزاج است۔ بہر حال گلشن وجود گرامی از عنایت باغبان حقیقی، با قطار امطار سرسبز باد۔''

آخر ۱۲۶۸ھ / ۵۲-۱۸۵۱ء میں وفات پائی۔ اپنے آبائی محلہ ملا خیل، شاہجہانپور میں دفن ہوئے۔

افسر الاطباء جناب سید فرزند علی شاہ آبادی کے بڑے بھائی میر نجف علی صاحب نے قطعہ تاریخ نظم کیا ہے۔

حبیب حق محمد فخر عالم — شراب شیشہ عرفان کے ساقی
گئے اس دار فانی سے سوئے علا — ہوئے محبوب یزدانی سے ملاقی
جو کی فکر از پئے تاریخ رحلت — کہا رضوان نے محو ذات باقی

حضرت کا مزار مبارک اپنے کھیتوں سے متصل ایک چہار دیواری میں ہے دیواروں پر فارسی اشعار خوش قلم کندہ تھے لیکن امتداد زمانہ کی وجہ سے کافی زدہ ہوگئے تھے اور بآسانی پڑھے جانے کے لائق نہیں تھے۔ موجودہ ٹیلیفون ایکسچینج کی سڑک پر آگے اسی ہاتھ کو پچھم کی طرف جو گلی جاتی ہے

اس کے اندر جا کر چورا ہے کے نکڑ پر سامنے کھجور والی مسجد کے دروازہ کے دکھن کو جاتے وقت بالکل قریبی پچھم میں گلی ہے اس میں داخل ہوتے ہی دکھن کو چہار دیواری کے اندر مزار شریف ہے۔ باقی کھیتوں کی زمینیں شکمی کاشتکاروں نے پہلے ہی کالونی کے لئے فروخت کر دی تھیں۔ اب وہاں بیشتر مکانات غیر مسلموں کے ہیں۔ پھر ایک ظالم نے مزار شریف کی بیشتر زمین پڑوسی کے ہاتھ فروخت کر دی اور اب صرف ایکدرہ میں مزار شریف رہ گیا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی اور بے حس اٹھے اور اس مزار کے بھی پیسے کر لے۔

کُل من علیها فان

اپنے بعد آپ نے دو بیٹے چھوڑے۔ چھوٹے بیٹے کا نام ولی الدین تھا یہ والد کے انتقال کے وقت چھوٹے تھے ماں نے انہیں بریلی شریف خانقاہ نیازیہ بھجوادیا تھا۔ بڑے ہو کر انہوں نے صوبہ سرحد جا کر پہلے تو خود کو سید ظاہر کیا اور ساتھ ہی والد صاحب کے خلیفہ کی حیثیت سے پیری مریدی کا کاروبار شروع کر دیا مگر کوششوں کے باوجود ان کے دونوں داعیئے ناکام ہو گئے۔ آگے اولاد کا سلسلہ بھی نہیں چلا صرف صاحبزادیوں کا پتہ چلا جن کا نکاح محلّہ موڑیوں میں ہوا تھا وہی باغبانوں سے زمینیں کاشت کراتی تھیں جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ آراضی شکمی میں درج ہو کر کاشتکاروں کے نام میں چڑھ گئی۔

آپ کے خلفاء باکمال بہت ہوئے ہیں جن میں سب سے زیادہ سلسلہ کی اشاعت حضرت شاہ مخصوص عالم صاحبؒ سے ہوئی۔ جید خلیفہ تھے بڑے باکمال اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ آپ کی ایک نگاہ نے ایک بڑے کافر کو جس کو خدا کے نام سے نفرت تھی آن واحد میں ظلمت سے نکال کر نور ہدایت میں پہنچادیا۔ دیکھنے والے انگشت بدنداں رہ گئے اسی معاملہ پر نواب باندہ انہیں حضرت محمد فخر عالم صاحبؒ کی اجازت سے بنارس سے باندہ لے گئے۔

حضرت شاہ مخصوص عالم صاحب کے خلفاء میں شاہ ظہور عالم صاحب تھے جن کا مزار بگھائی جیت گنج میں ہے۔ ۳۰ ر صفر کو آپ کا عرس ہوتا ہے۔ آپ کے خلیفہ شاہ ظہور الدین صاحب کا مزار ڈالی گنج لکھنؤ میں ہے آپ کے سجادہ نشین جناب اچھے میاں صاحب ہیں حاجی حافظ قاری عبدالسمیع صاحب محلّہ قلی بازار کانپور کے ہیں موصوف خود کو شاہ ظہور عالم صاحب کانپوری کی اولاد بتاتے

ہیں ۔(حسب روایت کمال نظامی قوال، درگاہ شریف حضرت نظام الدین اولیاء)۔

آپ کے خلفاء میں سید خیرات علی شاہ صاحب صفی پوری جنہیں حضرت تاج الاولیاء سے بھی سرفرازی کا شرف حاصل تھا۔ حافظ برخوردار کانپوری، مولوی احسان الحق صاحب جبل پوری عادتاً مولوی صاحب بڑے نیک بھولے بھالے اور منکسر المزاج انسان تھے ساتھ ہی اپنے ارادہ کے نہایت پکے تھے۔ جب کسی بات پر جم جاتے تو پھر اس کے خلاف نہ کرتے۔ مولوی صاحب اس وقت سر دفتر علماء باندہ تھے۔ آپ کی تقریر پر لطف اور ہمہ گیر ہوتی۔ ایک بار فیروز آباد کے مشہور عالم باندہ تشریف لائے ان سے آپ کا ایسا مناظرہ ہوا کہ آپ نے انہیں ساکت و خاموش کر دیا۔ اس سلسلہ میں دعوت ہوتی ہے اس کے کھانے میں مولوی صاحب کو زہر دے دیا گیا جس سے قے ہوئی اور صبح ہوتے ہوتے مولوی صاحب نے جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔ غیاث الدین (شاہ سرفراز عالم کوتوال) جبل پور قابل ذکر ہیں حضرت شاہ صاحب نے اپنا جانشین حضرت آغا محمد صاحب جبل پوری کو کیا تھا لیکن حضرت آغا صاحب نے کسی ایک فرد کو آپ کے سلسلہ میں بیعت نہیں کیا بلکہ بریلی شریف میں حضرت تاج الاولیاء سے خلافت حاصل کرنے کے بعد سلسلہ نیازیہ کی زبردست اشاعت کی۔ اس زمانہ میں باندہ علم وکمال کا مرکز تھا۔ سات سو علماء کرام اور سچے فقراء عظام وہاں متمکن تھے۔ یہیں رہ کر انہوں نے تادم آخر بھولے بھٹکے ہوئے لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھایا اور

ع۔ ہم ہی سو گئے داستاں کہتے کہتے

آپ یہیں چھاؤنی کی جامع مسجد کے بائیں جانب اندر گلی میں آسودہ ہیں۔ مزار پکا بنا ہوا ہے اس کے متصل نیم کا درخت ہے۔

حضرت شاہ مخصوص عالم نے اپنے خاندان میں ایک صاحبزادے نیاز علی اور صاحبزادی چھوڑیں جن کے شوہر یاد علی تھے مگر ان لوگوں کو سلسلہ سے ذرا بھی نسبت نہیں تھی جس کا حضرت کو بے حد قلق تھا۔

۲۸۔ فضیلت مآب حضرت مولانا مولوی محمد فضل عالم بچھرایونی ؒ

نوٹ: مولوی محمد فضل عالم صاحب کا تذکرہ پڑھنے سے پہلے ان کے بڑے بھائی مولوی

محمود عالم صاحب کے حالات میں ابتدائی حالات پڑھ لئے جائیں تا کہ خاندانی پس منظر سامنے آ جائے۔

حضرت مولوی محمد فضل عالم پھرایونی ،محمود الصفات مولوی محمد محمود عالم صاحب کے سب سے چھوٹے اور چوتھے نمبر کے بھائی ہیں۔

آپ کی ولادت بروز چہار شنبہ ۱۴ر ربیع الاول ۱۲۲۰ھ / ۱۱ر جون ۱۸۰۵ء کو قصبہ ڈھکہ اوجھیاری تحصیل حسن پور میں ہوئی۔ابھی دو سال نو ماہ کے ہی تھے بروز سہ شنبہ ۸ر صفر ۱۲۲۳ھ / ۵ر اپریل ۱۸۰۸ء کو والد ماجد پیر جی محبوب علی صاحب طاعونی وباء کا شکار ہو گئے اور مولوی صاحب موصوف یتیم ولا وارث رہ گئے اور گھر میں صرف بیوہ دادی بی بی منیرن صاحبہ (بنت پیر جی صاحب علی صاحب مجددی)اور والدہ بی بی فضیلت النساء صاحبہ (بنت قاضی محمد مقیم الدین صاحب)رہ گئیں۔والدہ صاحبہ اور دادی صاحبہ کو نانا جناب قاضی مقیم الدین صاحب نے اپنے بیٹے کے ہمراہ رہنے کے لیے قصبہ بچھراؤں اپنے پاس بلوالیا۔

جیسا کہ حضرت مولوی محمود عالم صاحب کے سلسلہ میں تفصیل کے ساتھ لکھا جا چکا ہے کہ یہ لوگ ننھیال میں محبت بھری گودوں میں پروان چڑھے۔نانا صاحب کی حیات میں ہی تین بڑے بھائی (مولوی محمد محمود عالم، مولوی محمد مقصود عالم اور مولوی محمد منصور عالم)انگریزی سرکار کی ملازمت میں اعلی عہدوں پر پہنچ چکے تھے۔یہ سب کچھ ننھیال کا رہین منت تھا نانا صاحب کے انداز تعلیم وتربیت اور ان کے اثر ورسوخ کی بدولت جلد ہی اعلٰی عہدوں پر فائز ہو گئے۔

مولوی محمد فضل عالم صاحب سب سے چھوٹے بھائی تھے۔انہیں گھر کی دیکھ ریکھ کے علاوہ جائداد اور زمینداری کے معاملات بھی دیکھنے تھے۔چاروں بھائیوں کی بیویاں بچے ایک ساتھ رہتے تھے۔اور پھر پیران خانہ سے بھی رابطہ کا ذریعہ یہی تھے۔

اس دور کی مروجہ تعلیم کے مطابق اعلی درجہ کی تعلیم ہوئی اس کے بعد ان کا نکاح بچھرایوں کے مشہور حفاظ اور پھلتی خاندان میں ہوا۔یہ خاندان پھلت کا رہنے والا تھا آپ کے سسر حافظ نعیم الدین صاحب حضرت شاہ محمد اعظم صاحب مجددی کے سگے نواسہ تھے اور حضرت مولانا جمال الدین صاحب فخری رامپوری کے خلیفہ تھے۔حافظ صاحب کے والد ماجد حافظ فخر الدین اپنے شیخ حضرت

مولانا فخر الدین فخر جہاں کے ہم نام تھے اور ان کے صاحب ارشاد خلیفہ بھی ۔ یہ حضرات مصاہرت کے علاوہ بھی سگے رشتہ دار تھے ۔ حافظ نعیم الدین صاحب حضرت پیر جی محمد مقیم عالم کے سگے بڑے خالہ زاد بھائی تھے ۔ حافظ صاحب کو شرف بیعت وخلافت حضرت مولانا جمال الدین رام پوری سے تھا۔

حافظ نعیم الدین صاحب کی منجھلی صاحب زادی بی بی واعظۃ النساء کی شادی مولوی محمد فضل عالم سے ہوئی ۔ جن سے تین صاحب زادے ، مولوی محمد حنیف (غیر شادی شدہ) ، مولوی محمد لطیف صاحب جو کہ راقم کے جد بزرگوار ہیں اور مولوی محمد شریف صاحب تھے ۔

مولوی محمد فضل عالم صاحب اور ان کے تینوں بھائی صاحبان ۳۶ ۔ ۱۲۳۵ھ / ۲۰ ۔ ۱۸۱۹ء کے قریب حضور قبلہ نیاز بے نیاز سے شرف بیعت حاصل کر چکے تھے ۔ جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ پیران خانہ سے رابطہ کا ذریعہ حضرت مولوی صاحب ہی تھے جنہیں حضرت قبلہ سے قربت قریبہ بھی حاصل تھی لہذا تربیت کے مراحل جلد ہی طے کرنے کے بعد ان کو حضرت قبلہ نے ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء تک شرف خلافت سے سرفراز فرما دیا۔

خلافت کے عطیہ سے قبل حضرت قبلہ انہیں برادرم محمد فضل عالم ، برادر عزیز القدر محمد فضل عالم تحریر فرماتے ہیں اور انہیں والا ناموں میں حضرت حکیم محمد رحیم اللہ صاحب کو خلیفتی ، یار طریقت وآشنائے حقیقت کے القاب سے سرفراز فرماتے تھے لیکن اس کے بعد کی تحریروں میں ہر دو صاحبان ایک ہی القاب سے نوازے جاتے : یاران طریقت وآشنایان حقیقت غلام فخر نظام ، المعروف حکیم رحیم اللہ و محمد فضل عالم سلمہما کے لقب سے سرفرازی بخشتے تھے ۔

"میر محمد سمیع (بدخشانی) اشتیاق دیدن آں برادر (حکیم محمد رحیم اللہ) بسیار دارند اگر در بریلی تشریف بیارند ۔ ہر آئینہ موجب سرور میر صاحب مذکور و باعث شادی موفور ایں فقیر شود و آمدن برادر عزیز القدر محمد فضل عالم نیز علی ہذا القیاس ، مناسب کہ ہر دو صاحبان باہم تشریف بیارند ۔"

باوجود گوناگوں امراض کے حضرت مکتوب نگار تحریر فرماتے ہیں :

"بہر حال شکر خدا بجا می آرم کہ از سر نو زندگی بخشیدہ است"

لیکن ان دونوں صاحبان کی یاد دل ودماغ سے نہیں نکل رہی ہے :

"دیدہ مشتاق دیدن دوستان است"

حضرت کی آنکھیں ان کی آمد پر لگی ہوئی ہیں واقعہ یہ ہے کہ حضرت قبلہ، مولوی صاحب موصوف کو قریب سے قریب ترلا رہے ہیں اور آہستہ آہستہ اقرب کے مرتبۂ جلیلہ پر فائض فرما رہے ہیں۔ حضرت مولوی صاحب کے حاشیۂ خیال میں بھی اس وقت نہیں ہوگا کہ قرب کی یہ منازل کہاں تمام ہوں گی۔ قرب بڑھتا گیا، قیام کی مدت بتدریج بڑھتی گئی۔ ذہنی اور قلبی تصفیہ وتجلیہ کے بعد قلیل مدت میں وہ نہ صرف زکی، تقی، ذاکر، شاغل، مراقب اور مشاہد ہو گئے بلکہ متأنسا باللہ مستوحشاً عن ما سواء اللہ ہو گئے۔ حضرت شیخ نے خلیفۂ مجاز فرما دیا۔

سلسلہ ارشادی: حضرت مولوی صاحب اپنے برادر بزرگ حضرت مولوی محمود عالم صاحب کے وصال (م ۱۸۶۷ء) کے بعد حضور قبلہ کے خلیفۂ مجاز کی حیثیت سے ضلع مرادآباد، اور اس کے اطراف بالخصوص بچھرایوں اور ڈھکّہ اوجھیاری میں سلسلہ نیازیہ کی نشرواشاعت فرماتے۔ عموماً اپنے مکان موسومہ چھوٹی حویلی کے مردانہ حصہ کو بطور خانقاہ استعمال فرماتے تھے۔ جب بریلی شریف سے وطن جاتے تو اسی مقام پر مریدین اجتماع کرتے۔

کرامات نظامیہ کے صفحہ ۸۴ پر حضرت تاج الاولیاء کے خلفاء کی فہرست میں ۳۴ نمبر پر حضرت مولوی صاحب کا نام درج ہے۔ جب اس فہرست کے ناموں پر اعتراضات شروع ہوئے تو مولوی محمد فائق صاحب نے حملہ صفدری میں تحریر فرمایا کہ دونوں حضرات کے خلفاء کی فہرستوں کے مقابلہ کے وقت نام ادھر کے ادھر ہو گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ مقابلہ کرنے والے صاحب سلسلہ سے وابستہ نہیں تھے اسی لئے ان حضرات کے نام ادھر سے ادھر ہو گئے۔

حضرت مولوی صاحب موصوف اگرچہ بالکل فارغ البال تھے پھر بھی بہت سی ذمہ داریاں ان کے سر تھیں خود اپنے بیوی بچے تھے بھائی جو کہ باہر سرکاری ملازمت میں تھے ان کے بیوی بچوں کی بھی دیکھ بھال، تعلیم و تربیت کا انتظام۔ ان سب کے باوجود وہ وقت نکال کر حضرت شیخ کی خدمت میں مدتوں رہتے۔

اب معاصر اور سگے ماموں زاد بھائی مولوی ضیاء اللہ خلف مولوی نور اللہ صاحب تشریح الانساب کے الفاظ میں اس تفریق اوقات اور خدمت وایثار کو ملاحظہ فرمایئے:

"انہوں (مولوی محمد فضل عالم) نے اپنی عمر بڑی فارغ البالی اور خوشحالی اور بے غمی سے گذاری ...... کبھی روزگار کسی قسم کا عمر بھر نہیں کیا اور سرپرستی اخوان پر مطمئن رہے۔"

واقعہ یوں تھا کہ حضور قبلہ انہیں اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ لہذا ان کے تینوں بھائیوں نے رضا و رغبت کے ساتھ مولوی صاحب کو حضرت کی خدمت میں حاضری کی اجازت دے دی۔ اگر چہ خانقاہ شریف کے نظم ونسق کا انتظام حضرت کے بھتیجے، خلیفہ، ونائب حضرت غلام فخرالدین حسین صاحب اور حضرت مولوی عبیداللہ صاحب بدخشانی چلا رہے تھے پھر بھی ان کے تعاون کے لئے ایک مستقل معتمد کی ضرورت تھی یہ قرعۂ فال حضرت مولوی صاحب کے نام پڑا مولوی صاحب جب خانقاہ میں حاضر ہو جاتے تو وہ اپنی دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتے۔ اس وقت صرف حضرت کی خدمت ہی منظور خاطر ہوتی۔ زمانۂ قیام میں اپنے سگوں کے خطوں کے جواب کا یہ طریقہ تھا کہ خاندانیوں کے خطوں کو ایک گھڑے میں جمع کرتے جاتے اور جب ادھر کی تحریر سے فرست ملتی تو بڑی معذرت کے ساتھ ان خطوں کے جواب لکھتے اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہا۔

۱۲۵۰ھ / ۱۸۳۴ء میں حضور قبلہ نے وصال فرمایا اور سات سال تک حضرت تاج الاولیاء نے ایسی سخت ریاضت کی کہ کسی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا، چنانچہ اکابر خلفاء کی بھی ذمہ داریاں بڑھ گئیں اور ایک لمحہ کے لئے شب وروز کے خانقاہی معمولات میں ذرا سا بھی تعطل واقع نہیں ہوا بلکہ اور چستی پیدا ہوگئی، اکابر خلفاء مثلاً حضرت اسد اللہ بیگ صاحب بریلوی، حضرت امام السالکین میر محمد بدخشانی، حضرت مولوی عبداللطیف خوان علوم سمرقندی اور حضرت مخدوم جی مخدوم عبدالشہید یارقندی، ان حضرات نے مستقلاً خانقاہ میں قیام فرمایا جن کی وجہ سے خانقاہ اور زیادہ معمور رہنے لگی۔ یہ حضرات ہمہ وقت اپنی اپنی مقررہ خدمات میں تندہی کے ساتھ مشغول رہے اور آخرش حضرت تاج الاولیاء متوجہ ہوئے، اور آہستہ آہستہ ان حضرات خلفاء کرام کی واپسی عمل میں آئی لیکن حضرت مولوی صاحب موصوف کی ذمہ داری اپنی جگہ رہی۔ ہندوستانی اور تقریباً مقامی حضرات کے لئے وہ رابطہ کا کام کرتے تھے۔ اگر چہ حضور قبلہ کی حیات مبارکہ میں ہی خانقاہ کے مہتمم کلی امور، مقتدائے اہل اللہ حضرت مولوی عبیداللہ قدس سرہ العزیز تھے۔ خود ان کی مہر کی عبارت ہے:

"خادم خانقاہ عبیداللہ"

مگر حضرت مولوی عبید اللہ صاحب سلسلہ کی اشاعت کے لئے ملکی وغیر ملکی دورے بھی فرماتے تھے۔اس لئے مستقل قیام مولوی فضل عالم صاحب کا ہی رہتا۔وہ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں تحریر پر قدرت رکھتے تھے۔اس لئے ملکی اور غیر ملکی دونوں قسم کے مریدین کو حضرت مولوی صاحب کی ذات سے بڑی سہولت رہتی۔کیوں کہ مولوی فضل عالم صاحب،حضرت مولوی عبید اللہ صاحب اور حضرت تاج الاولیاء دونوں کے حضور میں عرض معروض لے کر جاتے۔

حضرت مولوی عبید اللہ صاحب بدخشانی کے وصال (سہ شنبہ ۱۸۶۵ء) فرمانے کے بعد حضرت تاج الاولیاء نے مولوی صاحب کو ان کی رہائش گاہ میں مقیم کرادیا۔صاحب کرامات نظامیہ تحریر فرماتے ہیں کہ کمانچہٗ دالان (مسند شریف) میں پس پردہ جہاں مولوی فضل عالم صاحب مغفور، جوابات خطوط حضرت تاج الاولیاء کی طرف سے لکھا کرتے تھے۔کمانچہ دالان یہ حصہ ہال کے اندر مسند شریف کے بالکل سامنے مشرق میں شمالاً جنوباً واقع تھا۔اس میں قیام کی مصلحت یہ تھی کہ حضرت کی آواز پر فوراً پردہ سے باہر آنے میں زحمت نہ ہو۔جس زمانہ میں حضرت کی چشم ظاہر چلی گئی تھی تو مطالعہ کتب،علمی مباحث کے لئے حوالہ کی کتب کی ضرورت پیش آتی رہتی تھی جنہیں تلاش کرنے اور پیش کرنے کی خدمت بھی ان ہی کی ہوتی تھی۔

اہم اور حوالہ کی کتب،مسند مبارکہ کے پس پشت دیواری الماریوں میں لگی ہوتی تھیں۔حضرت حکم دیتے فلاں الماری کے فلاں خانہ سے فلاں کتاب نکالو۔کتاب کے فلاں صفحہ پر اوپر سے نیچے اتنی سطروں کے بعد فلاں مبحث پر گفتگو ہے دیکھو۔یہ حسب الحکم مطلوبہ مسئلہ پڑھ کر حضرت کو سنا دیتے۔

اسی زمانہ میں وہ حضرت سراج السالکین کی تعلیم اور اتالیقی کے فرائض انجام دیتے،بالخصوص خط شکست و خط نستعلیق حضرت نے انہیں سے حاصل کیا،آپ کی اکثر رواں تحریروں میں حضرت مولوی صاحب کی تحریر کا انداز جھلکتا ہے،یعنی رواں اور خط شکست میں بھی نوک پلک اور دائروں و حلقوں کا اہتمام رہتا ہے۔

شاگرد محترم بھی تمام عمر اپنے استاد کا بے پناہ ادب کرتے رہے۔انہیں اپنے خطوط میں حضرت قبلہ و کعبہ لکھتے اور انتہائی محبت کے عالم میں اوستاد مالکھ کر مخاطب فرماتے۔

اس کمانچہ دالان میں ان کا قیام گیارہ مہینہ سے زیادہ رہتا۔حضور قبلہ کے عرس شریف (یکم

جمادی الثانی تا دہم) کے سلسلہ میں یہ جگہ خالی کر کے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے اس اثناء میں عرس کی روشنی کا انتظام بھی انہیں کا ہوتا۔ جھاڑ، فانوس اور دیگر شیشہ آلات کی صفائی کرانا انہیں سلیقہ سے لگوانا۔ موم بتیوں کا اہتمام و انتظام کرنا۔ اندر اور باہر شمال رویا دروازہ پر عارضی بڑے دروازے بنائے جاتے۔ اصل اہتمام چراغاں کا ہوتا تھا جس میں کڑوے تیل کے سیکڑوں و ہزاروں چراغ روشن ہوتے۔ مہمان خانوں میں روشنی کا انتظام[1]۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی سپرد ہو جاتا پورے جوش و خروش کے ساتھ اس کی بجا آوری میں مولوی صاحب اس طرح ہمہ تن مصروف ہو جاتے۔

بمبئی سے سیٹھ حضرت احمد میاں صاحب چھٹانی نے فروری ۱۹۱۹ء میں پانچ ہارس پاور کا جنریٹر روشنی کے واسطے نذر کیا تب سے حضرت والد صاحب (سچے میاں صاحب) یہ خدمت انجام دیتے رہے اس وقت حضرت موصوف کی عمر نو سال کے قریب تھی وہ بتاتے تھے کہ اگرچہ انجن خانہ کے کوٹھے کا دروازہ اونچا نہیں تھا پھر بھی میں اتنا چھوٹا تھا کہ مونڈھے پر چڑھ کر اس کا تالا کھولا کرتا تھا۔ محمد حسین ڈرائیور اس کے آپریٹر تھے اور محمد بھشتی اس کے ٹینک میں پانی بھرا کرتے تھے۔ محمد حسین نے بتایا کہ اس انجن میں لوہے کی ایک چھوٹی گولی ڈالی جاتی تھی۔ اتفاق سے اس وقت اسٹاک میں گولی نہیں تھی، تب سچے میاں صاحب نے اپنے سونے کے بٹن کی گولی کاٹ کر انجن میں ڈال دی تھی تاکہ روشنی میں حرج واقع نہ ہو۔

تیل گلاسوں سے چراغاں: اس جنریٹر کی روشنی سے پہلے ناریل کے تیل سے بھر کر شیشہ کے گلاسوں سے بھی چراغاں ہوتا یہ موٹے شیشہ کے چھوٹے سائز کے بیلجیم کے گلاس ہوتے تھے جن کا سائز اونچائی 8.50cm اور ان گلاسوں کے منہ کی گولائی 24cm ریڈیس 7cm ہوتا یہ گلاس ایٹوال سینٹ لیمبرٹ کمپنی کے ہوتے تھے۔ ان گلاسوں میں پہلے مختلف رنگین پانی ہوتے پھر ناریل کا تیل ڈال کر ایک ٹین کے بنے ہوئے ہک پر روئی کی بتی لگائی جاتی یہ ہک گلاس کے اندرونی سرے پر لگا دیا جاتا۔ اور اس گلاس کو دیوار میں فٹ حلقوں میں لگا دیا جاتا۔ یہ آبگینے عجب بہار دیتے۔ یہ آج

---

[1] حضرت مولوی محمد فضل عالم صاحب کے وصال (۱۸۷۹ء) کے بعد روشنی کی یہ خدمت ان کے چھوٹے بیٹے مولوی محمد شریف صاحب کے حصہ میں آئی جسے وہ تا حیات (اگست ۱۹۲۰ء / ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ) بخوبی انجام دیتے رہے۔ صفحہ ۱۹۲

کی لائٹ سیریز معلوم ہوتے۔

ان تیل گلاسوں کے بعد انگارے / قمقمے آگئے تھے۔ روشنی کی یہ تین پشتوں سے موروثی خدمت حضرت والد (سچے میاں صاحبؒ) اٹھارہ سال انجام دیتے رہے۔ نومبر ۱۹۶۳ء میں حضرت دادا مولوی محمد مہدی نظامی صاحب نے رحلت فرمائی۔ ربیع الاول شریف میں حضرت سراج السالکینؒ کے عرس سے باورچی خانہ میں لنگر کا انتظام انہوں نے سنبھالا اور روشنی کی خدمت چھوٹے چچا حضرت موسیٰ میاںؒ صاحب نے بڑی خوش اسلوبی سے ۱۹۸۰ء تک انجام دی اور ان کے تعاون کے لئے خلیل شمسی رام پوری کے علاوہ جناب خلیفہ سید معز الدین صاحبؒ، ان کے صاحب زادہ اچھن میاں، عبدالرؤف مرحوم اور پالی ضلع ہردوئی کے دوسرے صاحبان ہوتے تھے۔ پھر ضعف امراض گونا گوں اور مزید یہ کہ پاؤں کے فریکچر کی وجہ سے سبک دوش ہوگئے تھے۔

آخر سات فروری ۲۰۰۴ء میں حضرت بی بی غریب نواز صاحبہ اور معظّمہ حضرت والدہ صاحبہ کے آغوش میں پہنچ گئے۔

داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی　　　اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

(یعنی حضرت سراج السالکین کے چھوڑے ہوئے چار روشن چراغوں میں سے آخری چراغ بھی ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا) انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

اس کے علاوہ اور جو کچھ کام سپرد ہو جاتا اس کی بجا آوری کرتے چنانچہ ان دنوں مولوی صاحب کو تن بدن کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ کام کی کثرت کی وجہ سے تھکن اور کسل کے علاوہ بیمار ہو جاتے۔ یوں بھی وہ دبلے پتلے آدمی تھے۔ ایک بار تو یوں ہوا کہ پرہیزی کھانے کے بجائے لنگر کا کھانا اور پھر اپنے مقررہ وقت کے بجائے عرس شریف کی مصروفیات میں جب بھی موقعہ میسر آجاتا کھا لیتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پیچش، دست، آؤں پھر زکام چھینکیں اور بیماری کا سلسلہ شروع ہوگیا لیکن علاج نہیں کیا۔ بیماری پندرہ روز سے زیادہ کھنچ گئی۔

وہ خود اپنا حال اس طرح لکھتے ہیں۔

''بعد انفراغ ازاں بہ پیچش شکم و مسہل آنو چند روز گذراندم بہ فضلہ تعالیٰ بلا دوا صرف از پرہیز آنوں و پیچش دفع شد۔ فوراً ہماں روز زکام شد۔ عطسہ ہا و ریزش رقیق براہ بینی جاری شد آں ہم

چندروز مانده رو به پختگی آورده است۔ازیں ہم بہ فضل تعالی بلا دوا از پرہیز گویا صحت یافتم۔ایام ریزش پختہ باقی است انشاءاللہ تعالی رفع خواہد شد۔"[1]

برسات کا موسم اوراس پر ہجوم کار کی وجہ سے علاج بالکل نہیں کرایا پھر نتیجہ یہ ہوا کہ مرض کے ذیلی امراض وجود میں آتے رہے اوراب تک پندرہ روز ہو چکے ہیں اور بیماری جانے کا نام نہیں لے رہی ہے۔اس زمانہ میں بریلی میں ملیریا اورموسمی بخار گھر گھر ڈیرا ڈالے رہتا تھا۔حقیقت میں بیماری کا اظہار صرف اس لئے نہیں کررہے ہیں کہ حضرت (تاج الاولیاء) کو اطلاع ہو جائے گی اور پھر ان کی زحمت میں اضافہ ہوجائے گا۔

سامان ضرورت کی چوری: اس زمانہ میں ایک حادثہ یہ پیش آیا کہ کمانچہ دالان چھوڑتے وقت انہوں نے اپنا سامان ضرورت تقریباً سب کچھ یہیں چھوڑ دیا تھا اور جب عرس شریف کی مصروفیات کے بعد ادھر کا رخ کیا تو پتہ یہ چلا کہ سبھی کچھ جا چکا تھا جس میں اور سامان کے علاوہ گرمی جاڑے کے کپڑے بھی تھے اس کے ساتھ ان کے لکھنے کا سامان بھی تلف ہو گیا۔جس میں ایک آہنی تپائی اور ایک برنجی چراغدان بھی تھا۔پوچھنے پر کسی نے بتا کے نہیں دیا اور مولوی صاحب نے بھی زیادہ تجسس اور تفتیش اس لئے نہیں کی کہ شاید حضرت کے گوش مبارک تک پہنچ جائے، جو انہیں کسی حالت میں بھی منظور نہیں تھا۔چنانچہ وہ مطمئن ہو گئے۔

خوب شد اسباب خود بینی شکست

اس چوری سے اپنے متعلقین کو مطلع کرتے وقت یہ بھی لکھ دیا کہ یہ سب سامان غیر ضروری تھا اور نہ بھی ہوگا تو بلا تکلف گذر ہو جائے گی۔فکر کی بات نہیں ہے۔محض اطلاعاً قلم سے نکل گیا۔

خانقاہ کے اس گوشہ میں انہیں بہت راحت تھی یہیں ان کے پیر بھائی اور ہم خرقہ جمع ہو جاتے۔پھر حضرت تاج الاولیاء کے خلفاء اور اکابر مریدین سے ملاقاتیں ہو جاتیں۔ اپنے افراد خاندان آتے رہتے جنہیں حضرت والا کے معمولات کی اطلاع ملتی رہتی اور خود حضرت کے انفاس قدسیہ سے بہرہ ور ہوتے۔مقامی اور بیرونی علماء اپنی تشفی کے لئے حاضر

---

[1] مکتوبات پنج شنبہ ۲۵/ جمادی الثانی ۱۲۸۷ھ / ۱۴/ ستمبر ۱۸۷۰ء صفحہ ۱۳۰

ہوتے اور علمی مباحث پر گفتگو رہتی اور یہ سلسلہ دیر رات گئے تک رہتا اور یہ بھی اس میں برابر حاضر رہتے۔

اسی دوران وہ حضرت سراج السالکین کی اتالیقی کے فرائض انجام دیتے خط شکست اور فن انشاء کی تعلیم دیتے۔خود شاگرد رشید اپنے خطوط میں انہیں قبلہ و کعبہ و استاد من لکھ کر مخاطب فرماتے۔

رمضان ۱۲۹۰ھ/اکتوبر نومبر ۱۸۷۳ء کا معرکتہ الآرا مناظرہ مسئلہ شش امثال مولوی نقی علی خاں صاحب مرحوم اور مولوی امیر احمد سہسوانی کے مابین خانقاہ نیازیہ میں ہوا اور حضرت تاج الاولیاء اس کے حکم تھے اور یہ اہم ترین مسئلہ صرف حضرت کی توجہ سے حل ہو گیا اور مولوی امیر احمد صاحب نے خود ہی تسلیم کر لیا۔

اسی واقعہ کے بعد عید الفطر کے موقع پر مولوی محمد احسن صاحب نانوتوی نے باصرار عید گاہ میں نماز پڑھائی اور مولوی نقی علی خاں صاحب نے حسین باغ میں ۔آئندہ کے لئے مولوی نقی علی خاں صاحب حضرت کے حکم کے تحت امام عید گاہ تسلیم کر لئے گئے۔(جس کا سلسلہ آج تک ان کی اولاد میں جاری ہے) یہ بھی حضرت کا ہی فیضان ہے۔

اس قیام کے دوران حضرت تاج الاولیاء نے کئی معرکتہ الآرا تصانیف قلم بند فرمائیں۔مرأت الحقیقت، لب لباب، اصول الایمان اور دیگر کتب تصوف۔

حضرت مولوی صاحب کا سلسلہ ارشادی: حضرت قبلہ کے صاحب ارشاد خلفاء میں ہیں جب آپ اپنے وطن بچھرایوں میں ہوتے تو اپنے مکان موسومہ چھوٹی حویلی کے باہری حصہ میں لوگوں کو مرید کرتے اور اس سے متعلق دیگر مجالس و محافل ہوتیں اور جب ڈھکہ میں ہوتے تو وہاں سلسلہ کی تبلیغ واشاعت فرماتے۔اس کے علاوہ خاندان کی بیٹیاں بہوئیں، نواسیاں، پوتیاں سب انہیں کی مرید تھیں۔

مولوی صاحب نحیف الجثہ اور کم خوراک انسان تھے آخر میں آئے دن امراض کا شکار رہتے تھے۔ایک بار خانقاہ شریف کے قیام میں اتنے شدید بیمار ہو گئے کہ بچنے کی امید نہ رہی مولوی صاحب کے صاحبزادگان حضرت سے اجازت لے کر انہیں بچھرایوں لے گئے۔علاج و تبدیلی آب وہوا سے جلد ہی صحت یاب ہو گئے تو پھر حاضر ہو گئے اور اس کے بعد پھر بیمار ہوئے آخر پنجشنبہ ۲۱

رذیقعد ۱۲۹۶ھ / ۷ / نومبر ۱۸۷۹ء کو بچھرایوں میں وصال فرمایا اور اپنے آبائی اور موروثی قبرستان شاہ محمد اعظم صاحب والا متصل تالاب گجراج سنگھ میں اپنے اجداد کے ہم پہلو جا سوئے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولوی صاحب سے جو بے پناہ تعلق ہے وہ آپ کے والا نامہ بسلسلہ تعزیت کے ایک ایک لفظ سے ٹپکا پڑتا ہے۔

ترجمہ تعزیت نامہ

صادقان عقیدت ومحبت، محمد لطیف ومحمد شریف صاحب۔ سلمہما اللہ تعالی

بعد دعاہائے فراواں کے واضح ہو کہ میں راقم داتا گنج (بدایوں) گیا ہوا تھا کل (۲۷ / ذیقعدہ) جمعرات تھی خانقاہ واپس آنے پر رقعۂ سامی وصول ہوا۔

اس کے دیکھنے سے ایسا صدمہ پہنچا کہ قلم اس وجدانی کیفیت کے تحریر میں لانے سے مجبور و معذور محض ہے۔

حضور قبلہ (نیاز بے نیاز) کے تبرکات میں سے کوئی ایسا شخص نہیں بچا جو راقم کا ہمدرد اور ہمراز ہو افسوس صد افسوس!!!

میں نے چاہا کہ صبر وشکیبائی کی ہدایت سپرد قلم کروں۔ مگر کیا اثر بخشے گا جبکہ خود راقم کو اس وقت استقلال قلبی حاصل نہیں ہے۔

اور حق تو یہ ہے کہ یہ سفر تو سبھی کے لئے درپیش ہے۔

بہرحال تا حد امکان جناب باری تعالی کی رضا تلاش کرنا چاہئے۔ زیادہ والدعاء۔

فقط

المرقوم ۲۸ / ذیقعدہ ۱۲۹۶ھ / جمعرات ۱۳ / نومبر ۱۸۷۹ء

خود حضرت راقم پر صدمہ کا یہ عالم ہے کہ کسی حالت میں دل کو چین نہیں ہو رہا ہے۔ پھر وہ حضرت مرحوم کی اولاد کو کس طرح صبر کی تلقین کریں اور اس کا کیا خاطر خواہ اثر ہوگا معلوم ہے۔

اپنے بعد آپ نے دو بیٹے (منجھلے) مولوی محمد لطیف صاحب و (چھوٹے) بیٹے مولوی محمد شریف صاحب چھوڑے۔ مولوی محمد لطیف صاحب، صاحب اولاد تھے اور یہ راقم ننگ اسلاف بھی

انہیں کا پر پوتا ہے۔ اور اب تمام خانوادۂ نیازیہ کو بھی ان کی اولاد ہونے کا شرف حاصل ہے۔

حضرت مولوی محمد فضل عالم صاحبؒ اپنے شیخ حضرت قبلہ نیاز بے نیاز میں ایسے فنا ہوئے کہ آج نیاز بے نیاز کی اولاد تلاش کی جائے تو مولوی صاحب موصوف کی اولاد ملے گی اور بریلی میں مولوی صاحب کی اولاد کو دیکھیں گے تو نیاز بے نیاز کی اولاد ملے گی۔ یہ ہے حضرت مولوی صاحب کی فنایت تامہ کی مثال۔

من تو شدم تو من شدی، من تن شدم تو جان شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں، من دیگرم تو دیگری

مولوی محمد لطیف صاحب وکیل ہائی کورٹ (بعدأ منشی گورنر ہاؤس نینی تال۔ مابین ۲۶/ و ۲۷/ رجب ۱۳۲۲ھ) کے دوسرے صاحبزادے مولوی محمد مہدی نظامی صاحب کا نکاح (حضرت سراج السالکین کی اکلوتی صاحبزادی اور نیاز بے نیاز کے گھر کا آخری چشم و چراغ) حضرت بی بی مستقیما نساء صاحبہ عرف بنّی صابؒ جن سے چار صاحبزادگان اور ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں۔

۱۔ حضرت امام السالکین شاہ محمد تقی نظامی نیازی عرف عزیز میاں صاحب رازؔ سجادہ نشین خانقاہ نیازیہ بریلی شریف (م مابین ۱۶ و ۱۷/ شوال المکرم ۱۳۸۹ھ ۱۶/ جنوری ۱۹۶۸ء)

خانقاہ کی سجادگی کا سلسلہ آپ ہی کی اولاد میں جاری ہے۔ اس وقت ماشاءاللہ آپ کے بڑے پوتے شاہ محمد حسنین عرف حسنی میاں نیازی نظامی سلمہ اللہ تعالیٰ زیب سجادہ ہیں۔

۲۔ حضرت شاہ محمد نقی نظامی نیازی عرف محبوب میاں صاحبؒ

۳۔ حضرت شاہ محمد صادق نظامی نیازی عرف سچے میاں صاحبؒ (م ۱۴/ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ ۱۴/ مارچ ۱۹۹۸ء)

آپ کے بڑے صاحبزادے شاہ محمد شوکت حسین نظامی نیازی (م ۱۹۹۱ء) مقیم کراچی کے ذریعہ پاکستان میں سلسلہ نیازیہ کی زبردست اشاعت ہوئی۔ آپ نے اپنے ایک انتہائی لائق سندھی خلیفہ شاہ جی عبد الصمد صاحب عرف شاہ صاحب کو اپنا سجادہ نشین فرمایا۔ موصوف پیر جی گوٹھ میں حضرت پیر پگاڑہ سلمہ اللہ تعالیٰ کے ہم سایہ ہیں اور ٹیلی فون ایکسچینج میں اعلیٰ عہدہ پر فائض ہیں اس

کے باوصف سلسلہ کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

۴۔ حضرت شاہ محمد موسیٰ رضا نظامی نیازی عرف موسیٰ میاں صاحبؒ (لاولد۔م ۱۳رذی الحجہ ۱۴۲۵ھ/ ۷رفروری ۲۰۰۴ء)

۵۔ بی بی منظور النساء صاحبہ عرف رحمت بی (ناکتخدا۔م سہ شنبہ ۱۳رشوال ۱۳۶۷ھ/ ۲۸راکتوبر ۱۹۴۷ء)

راقم کے حضرت والد ماجد حضرت شاہ محمد صادق نظامی نیازی عرف سچے میاں صاحبؒ نور اللہ مرقدہ ہیں اور یہ ننگ اسلاف بھی انہیں سے وابستہ ہے۔

ع گرقبول افتدز ہے عزوشرف

حضرت مولوی محمد فضل عالم صاحب کے بیٹے اور ہم سب کے مورث مولوی محمد لطیف صاحب وکیل مرحوم اس کے باوصف بڑے مرتاض بزرگ تھے۔ وہ تو شیخ کی زمین بریلی شریف (تکیہ ستو خاں معماران) کا پیوند ہو گئے۔

آپ کے تیسرے بیٹے محمد شریف صاحب کو شیخ سے بے پناہ تعلق تھا بڑے بھائی کے بعد خانقاہ شریف کے جملہ انتظامات بالخصوص عرس کی روشنی و تعمیرات وغیرہ کا کام آپ نے ہی سنبھالا۔ حضرت تاج الاولیاء کے وصال (۱۹۰۴ء) کے بعد دنیا ومافیہا سے بے نیاز ہو کر دو سال آپ خانقاہ نیازیہ میں مقیم رہے اور حضرت شیخ کے آستانہ کی تعمیر کرا کر ہی وطن کا رخ کیا۔

آپ بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے۔ آپ کے مجموعہ اوراد و وظائف کے کئی قلمی مخطوطے راقم کے کتب خانہ میں موجود ہیں۔

آپ نے بروز ۱۵راگست ۱۹۲۰ء کو مراد آباد میں انتقال فرمایا اور اپنے موروثی قبرستان بچھرایوں میں دفن ہوئے آپ نے اپنے بعد کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

۲۹۔ حضرت محمد کفایت اللہ خاںؒ

حضرت کا اسم گرامی کرامات نظامیہ کے صفحہ ۳۴ کے دوسرے کالم میں ۲۴ویں نمبر پر درج

ہے۔اس کے علاوہ حضرت خلیفہ صاحب کا ذکر خانقاہی کسی تذکرہ میں نہیں ہے۔البتہ ہمارے یہاں ان کا خلافت نامہ محفوظ ہے جس کا سنِ کتابت ۱۲۰۴ھ مطابق ۹۰-۱۷۸۹ء ہے یعنی آپ کا زمانہ خلافت حضور قبلہ کی صحتیابی کا شروع دور ہے۔اسی دور مبارکہ میں حضرت قبلہ نے بہت سے کام انجام دیئے تھے۔آپ نے بڑی تیزی سے اپنے مریدین کی تربیت فرمائی صاحب استعداد حضرات کو خلافتوں سے سرفراز فرمایا۔اسی زمانہ میں آپ نے حضرت غلام فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا نائب اور اپنا سجادہ نشین فرمایا۔گویا اس اعتبار سے حضرت محمد کفایت اللہ صاحبؒ حضرت غلام فخر الدین صاحبؒ کے ہم خرقہ پیر بھائی ہیں۔

۳۰۔محمود الصفات حضرت مولوی محمد محمود عالمؒ (بچھرایونی)

حضرت مولوی محمد محمود عالم صاحب بچھرایونی، ضلع مُرادآباد کے قصبہ ڈھکہ میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے والدین کی سب سے بڑی اولاد اور بھائیوں میں پہلے نمبر پر تھے۔

حضرت موصوف کے والد ماجد پیر جی محبوب علی صاحب، پیر جی محمد مقیم عالم صاحب ساکن قصبہ ڈھکہ کے اکلوتے بیٹے تھے۔صاحب تشریح النساب مولوی ضیاء اللہ صاحب فاروقی تحریر کرتے ہیں:

پیر جی محمد مقیم عالمؒ صاحب، پیر جی صاحب قبلہ وکعبۂ دوجہاں، قدوۂ صوفیاں، زبدۂ مشائخان پیر جی محمد مقبول عالمؒ صاحب ولد شاہ عالم بن بدر عالمؒ، جو ستر ہویں پشت حضرت فرید الملت والدین شیخ المشائخ بابا گنج شکر قدس سرہ کے ہیں۔

پیر جی محمد مقبول عالم صاحب نہایت بلند مرتبہ، عالی درجہ، عابد اور زاہد تھے۔آپ کو شیخ المشائخ سراج الواصلین فخر العالمین حضرت (شاہ شاہان) شیخ نظام الدینؒ اورنگ آبادی سے شرف بیعت وخلافت ہے۔وہ شجرہ کے آخر میں اس طرح دعا فرماتے ہیں:۔

" الٰہی بکربت وعزلت وغربت معدن المعاصی ...مسمی محمد مقبول عالم غفر اللہ ذنوبہما عاقبت (بخیر گرداں)"

آپ قصبہ ڈھکہ سے ترک سکونت فرما کر بچھرایوں تشریف لے آئے تھے۔قصبہ ڈھکہ

دوڈھائی سوسال سے آپ کے موروثوں کا مسکن تھا۔یہیں موروثی جائدادیں اور زمینداریاں تھیں جوبہت بعد تک باقی رہیں اور اب بھی ایک مکان آستانہ،اوردوسری جگہ مکان مولوی فضل عالمؒ صاحب کے نام سے مشہور ہے۔پیرجی محمد مقبول عالمؒ صاحب والا مکان بھی موجود ہے جسے حضرت موصوف نے فروخت کردیا تھا۔اوراس کا بیعنامہ خود حضرت موصوف کے قلم خاص کا تحریرکردہ ہے۔ دوسو بیگہ کاشت کی زمین راقم کے چھوٹے پردادا مولوی محمد شریف صاحب نے اپنے انتقال (۱۴/اگست ۱۹۲۰ء) سے پہلے فروخت کی تھی۔اس طرح آہستہ آہستہ قصبہ ڈھکہ سے تعلق ختم ہوگیا۔پچھلے سالوں تک صرف عرس کا تعلق باقی تھا یعنی ہر چوتھے سال بچھرایوں والا خاندان عرس کراتا تھا اور یہ خدمت میرے والد صاحب حضرت سچے میاں صاحب مدظلہ کے سپرد تھی لیکن پیرانہ سالی کی وجہ سے اب کئی سال سے یہ بھی بند ہے۔ڈھکہ کے مقامی پیرزادے اپنے طور پر سالانہ فاتحہ دلادیتے ہیں اور یوں بھی ڈھکہ میں عرس کا زور ختم ہوجانا ایک فطری بات ہے۔وہاں کے کئی پیرزادے تبلیغی جماعت میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لے رہے ہیں علاوہ ازیں مقامی مسجد میں تبلیغی جماعت کا مرکز قایم ہوگیا ہے جوکہ دیوبندی مسلک کا چلتا پھرتا مشن ہے۔جہاں وہ لوگ کلمہ نماز کی تاکید کرتے ہیں وہیں عرس وفاتحہ اوراس مسلک سے متعلق دوسری رسوم کو بدعت کہہ کران کے خلاف کام کررہے ہیں۔غرض کہ یہ مختصری روئداد ہے قصبہ ڈھکہ سے متعلق ہے۔

دوخاندانوں کی ہجرت : دوفاروقی خاندان ہجرت کر کے بچھرایوں میں آبسے ہیں۔ہمارے خاندان میں حضرت موصوف کی قصبہ بچھرایوں تشریف لانے کی وجہ قصبہ ڈھکہ میں طاعونی وبا سے پیرجی محبوب عالم صاحب کی ناگہانی موت ہے اعظم پوری خاندان میں ان کے اپنے خاندان کی ہجرت کی یہ روایت چلی آرہی ہے کہ:

"حضرت شاہ عبدالغفوراعظم پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اچانک خواب میں اپنی ذریات کو متنبہ کیا کہ تم لوگ فوری طور پر اعظم پور چھوڑکر بچھرایوں چلے جاؤ۔چنانچہ یہ صاحبان حسب ہدایت فوراً اعظم پورچھوڑکر بچھرایوں تشریف لے آئے اوران صاحبان کے ہٹتے ہی پوری بستی زلزلہ اور طوفان کی نذرہوگئی یہ صاحبان اس قیامت صغریٰ کے بعد اپنی حویلیوں کا ملبہ اٹھالائے جس سے انہوں نے بچھرایوں میں مکانات وحویلیاں تعمیر کرائیں۔"

اولاد حضرت شاہ عبدالغفورؒ اعظم پوری

و اولاد حضرت محمد اعظم نقشبندیؒ سے قرابت

پیر جی محمد مقبول عالمؒ صاحب حضرت شاہ محمد اعظمؒ صاحب نقشبندی کے داماد ہیں پیر جی صاحب کی اہلیہ کا نام بی رحمت النساء صاحبہ ہے۔ علاوہ ازیں حضرت پیر جی کی بڑی صاحبزادی حیات بی بی صاحبہ سے قاضی مقیم الدین صاحب کا نکاح ہوا۔ قاضی صاحب حکومت کی جانب سے عہدۂ قضاء پر فائز تھے اور خود بھی صاحب جائداد تھے۔ ۱۳ ذی الحجہ کو پیر جی نے انتقال کیا۔ قصبہ سے مغرب کی جانب تالاب جگ راج والا کی مسجد کے نزدیک مشرق کی طرف احاطہ شاہ محمد اعظم میں دفن ہیں۔

پیر جی حضرت مقبول عالمؒ صاحب کے اکلوتے صاحبزادہ پیر جی محمد مقیم عالمؒ صاحب کو پیر جی صاحب علی کی بیٹی اور حضرت شاہ محمد اعظمؒ صاحب کی پوتی، بی بی منیرن صاحبہ بیاہی تھیں۔ پیر جی محمد مقیم عالم صاحب نے بیٹے کے سلسلہ میں اپنے والد ماجد کی سنت کو برقرار رکھا اور پیر جی کے بھی صرف ایک ہی بیٹا پیدا ہوا جس کا نام پیر جی محبوب علی ہے۔ پیر جی محبوب علیؒ کا نکاح ان کی پھوپھی کی بیٹی یعنی قاضی مقیم الدین صاحب کی صاحبزادی، بی بی فضیلت النساء سے ہوا تھا۔ ان سے صرف چار صاحبزادے پیدا ہوئے۔

محمد محمود عالم: ولادت ۱۷۹۸ء۔

محمد مقصود عالم: (م بروز یکشنبہ ۲۲ رمضان ۱۲۶۰ھ مطابق ۶ دسمبر ۱۸۴۴ء۔

محمد منصور عالم: ولادت ۱۷ صفر ۱۲۱۶ھ مطابق ۱۸۰۱ء اور موافق ۱۲۰۷ھ سمبت ۱۸۵۷ پنشن ۲۲ جنوری ۱۸۵۵ء (از کاغذات پنشن تحصیلداری حضرت موصوف)

وفات: چہار شنبہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۸۵۶ء

محمد فضل عالم: بروز چہار شنبہ ۱۴ ربیع الاول ۱۲۲۰ھ مطابق ۱۲ جون ۱۸۰۵ء

کم عمر بیوی اور ننھے ننھے بچوں کو چھوڑ کر پیر جی محبوب علی صاحب سہ شنبہ ۸ صفر ۱۲۲۳ھ مطابق ۵ اپریل ۱۸۰۸ء کو رخصت ہوئے۔

ننھیال میں پرورش: اٹھتی جوانی اور چار بچوں کے طوق و زنجیر کے ساتھ اپنے والد، قاضی

مقیم الدین کے پاس آگئیں۔اس وقت چھوٹے صاحبزادے محمد فضل عالم تو پورے تین سال کے بھی نہیں تھے۔لیکن والد صاحب کا سایہ،ان کی شفقت ورافت نے بہت کچھ بیوگی کے غم کو بھلا دیا تھا۔

ننھیال میں دولت وثروت،عزت وجاہ کے ساتھ شفقت ورافت اور قبیلہ پروری بھی تھی۔یہ لوگ تو اپنے ہی لخت جگر تھے۔اپنی بہن اور بیٹی کی اولاد تھے،علاوہ ازیں مرے ٹوٹے اور ایسے بے سہارا بھی نہ تھے آبائی اور موروثی جائدادیں بھی تھیں۔بہر حال نانا اور ماموؤں سے جس محبت اور پیار کا برتاؤ ملا تھا اسے یہ لوگ زندگی بھر نہیں بھلا سکے۔نانی حیات بی بی صاحبہ،والد کی سگی پھوپھی تھیں۔اس طرح وہ ان بچوں کی سگی نانی ہونے کے علاوہ دادی بھی تھیں۔اور آخر یکشنبہ ۱۴ر شعبان ۱۲۴۰ھ مطابق ۳؍اپریل ۱۸۲۴ء کو نانا صاحب قاضی مقیم الدین بھی جنت کو سدھارے۔لیکن قدرت کو جو کام ان سے لینا تھا وہ بخوبی لے لیا۔چنانچہ منجملہ چار یتیم نواسوں کے تین بخیر خوبی سرکار انگریز کی ملازمت میں آچکے تھے۔

ماموں صاحبان:

قاضی محمد فقیر اللہ صاحب،مولوی عبداللہ صاحب وکیل اور حضرت مولوی نوراللہ صاحب، ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر کر شفیق ماموں تھے۔قاضی محمد فقیر اللہ صاحب سب سے بڑے ماموں تھے۔نانا صاحب کے صحیح جانشین،بقول مولوی ضیاء اللہ صاحب: " نہایت درجہ قبیلہ پرور اور شجاع اور دلیر تھے بایں ہمہ رقیق القلب اور اولوالعزم از بس املاک موروثی اور دیہات زرخریدہ مشترک اور آمدنی عہدۂ قضاء سے جو بعد انتقال والد بزرگوار پایا،اوقات بہت فراغت وعشرت سے گذاری" [1]

حضرت مولوی نوراللہ صاحب نے اپنی دو صاحبزادیاں،یعنی سب سے بڑی صاحبزادی شریف النساء صاحبہ اور ان کے بعد تیسرے نمبر کی صاحبزادی،مجید النساء صاحبہ اپنے منجھلے بھانجے مولوی محمد منصور عالم صاحب کو بیاہ دیں۔غرضکہ ان سبھی ماموؤں کی محبت اور شفقت ان کے دلوں سے کبھی محو نہیں ہو سکی۔

---

[1] تشریح الانساب مولوی ضیاء اللہ بچھرایونی صفحہ ۲۴

صرف ایک واقعہ سے ہی ان حضرات کی محبت کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے۔ حضرت مولوی محمود عالم صاحب کے جواں مرگ بیٹے مولوی محمد علیم صاحب کی موت جمعہ ۱۳/اکتوبر ۱۸۷۶ء (۲۴/رمضان ۱۲۹۳ھ) میں واقع ہوتی ہے۔ جنوری ۱۸۷۷ء (ذیقعدہ) میں سہ ماہی کی فاتحہ کے بعد ماموں اور پھوپھا مولوی مسعود عالم صاحب، بچوں کو بغرض تعلیم وتربیت اپنے ہمراہ آگرہ لے جاکر رکھنا چاہتے ہیں۔ اس اطلاع سے مولوی محمد فضل عالم صاحب کو اپنا زمانۂ یتیمی یاد آجاتا ہے اور اس زمانہ میں اپنے ماموؤں کا بے انتہا پیار، تو دل بھر آتا ہے وہ اپنے بیٹے مولوی محمد لطیف صاحب کو لکھتے ہیں:

"غالباً محمد حسن (اب) آگرہ جاچکا ہوگا اللہ تعالیٰ بخیریت پہنچائے اور بامراد واپس لائے۔ خود اس کے دادا بزرگوار بھی اسی عمر میں یتیم ہوئے تھے اور اپنے ماموؤں کے ساتھ گھر سے نکلے تھے"۔

ایک مختصر سا جملہ اور ہلکی سی جھلک تھی۔ وہ خود ننھیال جاکر نظرانداز نہیں کیے گئے تھے۔ وہاں کی پرورش، ناز برداری اور بایں ہمہ اعلیٰ تعلیم وتربیت وہ صرف ایک جملہ میں اس طرح بیان کردیتے ہیں:

"اللہ تعالے ہمچناں زمانۂ موافق آرد۔ آمین یارب العالمین"۔

بروز پنجشنبہ ۴/جنوری ۱۸۷۷ء
(مکتوبات مولوی محمد فضل عالم)

اس مختصر جملہ میں انہوں نے بلاغت کی حد کردی ہے کیا کچھ نہیں سمودیا ہے۔ چاروں بھائیوں کا علم وفضل، ان کی لیاقت، عزت وجاہ، فارغ البالی کی تاریخ سب کچھ لفظ "ہمچنان" میں پوشیدہ ہے۔ یہ چاروں بھائی پڑھ لکھ کر عالم وفاضل ہوئے جن میں تین بڑے بھائی سرکاری ملازمتوں میں آگئے اور باعزت عہدوں پر فائز ہوگئے۔

مولوی محمد محمود عالم صاحب: موصوف کی شادی گڑھ مکتیسر کے مشہور خاندانِ سادات میں میاں جی سعدالدین کی صاحبزادی صبیہ النساء صاحبہ عرف ننھن سے ہوئی تین لڑکیاں اور ایک لڑکا پیدا ہوا۔

۱۔ بدرالنساء عرف مستیا: اپنے چچیرے بھائی مولوی مسعود عالم صاحب کو بیاہی ہیں جو کہ

اٹاوہ اور آگرہ میں پیشکار تھے۔

۲۔شمس النساء: مولوی محمد علی صاحب خلف مولوی عبداللہ صاحب سے منسوب ہوئیں۔

۳۔لطف النساء: کا نکاح مولوی مسعود عالم صاحب کے چھوٹے بھائی مولوی قطبِ عالم صاحب سے ہوا۔

۴۔مولوی محمد علیم: ان کے بارے میں مولوی ضیاء اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ: "فرزندِ عزیز ذی عقل سلیم محمد علیم با استعداد اور مہذب اور موجود ہے اور عدالتِ دیوانی مراد آباد میں آسامی تحریر (محافظ دفتر) مامور ہے"۔

موصوف نے عین جوانی میں انتقال کیا۔ تین لڑکے چھوڑے:

۱۔مولوی احمد حسن صاحب محدث، وکیل ریاستِ رامپور۔

۲۔حاجی محمد حسن صاحب عرف حسن نظامی۔

۳۔مولوی محمد محسن فاروقی صاحب پروفیسر عربی پیشاور کالج۔

اور ایک لڑکی آمنہ خاتون چھوڑیں، جو مولوی محمد فخر عالم صاحب وکیل کو بیاہیں۔

تشریح الانساب میں ہے کہ مولوی محمود عالم صاحب ......سررشتہ انگریزی میں بخدمات مختلف متعلق رہے۔محکمۂ پولیس میں ملازمت کی اور ۱۸۳۲ء تک وہ بعہدۂ کوتوالی، شہر اکبر آباد میں تھے۔ بعد میں وہ ہائی کورٹ آگرہ میں منتقل ہو گئے۔یہیں ان کی ملاقات سرسید احمد خاں صاحب سے ہوئی۔سرسید اس وقت یہاں اَن پیڈ اپرنٹس کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور حضرت موصوف سررشتہ دارِ عدالت تھے۔چنانچہ اکثر چھٹی پر جانے والے کلرکوں کی جگہ وہ عیوضی پر سرسید کو لگوا دیتے تھے۔انہیں کے مشورہ سے سرسید نے منصفی کا امتحان پاس کیا اور انہوں نے فتح پور سیکری میں ان کا تقرر کروایا۔اس طرح کئی سال تک سرسید ان کے قریب رہے۔آخر زمانۂ ملازمت میں جبکہ انہوں نے اپنا تبادلہ اپنے وطن ضلع مراد آباد میں کرالیا تھا، سرسید بھی بجنور آگئے تھے۔۱۸۵۳ء میں حضرت محمود عالم صاحب نے درخواست دی کہ "اب میں سبکدوش ہو کر باقی وقت اللہ اللہ میں لگانا چاہتا ہوں لہذا مجھے سبکدوش کیا جائے" ۔چنانچہ جے بی. وِلسن، سیشن جج نے میرٹھ کی انویلڈنگ کمیٹی کو سفارش کی چٹھی لکھی کہ: " ہمارے یہاں کے سابق سررشتہ دار مولوی محمد

محمود عالم پنشن لینا چاہتے ہیں، لہذا میں پرزور سفارش کرتا ہوں کہ موصوف کو پنشن دلا دی جائے" [1]

اس کے بعد ۱۸۵۷ء کا قیامت خیز حادثہ پیش آیا تو سر سید بچھرایوں سے قریب بجنور میں صدر الصدور تھے اور انگریز کے وفادار بھی تھے۔ مجاہدین کے غلبہ کے زمانے میں وہ بھاگ کر بچھرایوں میں مولوی محمود عالم کے یہاں پناہ میں آئے۔ راقم کا موروثی مکان چھوٹی حویلی میں پندرہ روز قیام رہا اس کے بعد حضرت موصوف نے سواری اور حفاظت کا انتظام کر کے سر سید کو میرٹھ روانہ کیا۔ [2]

راقم کے عم محترم قبلہ حامد حسن قادری مرحوم، حضرت محمود عالم صاحب کے لئے تحریر فرماتے ہیں:

"مولوی محمود عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ خاکسار مؤلف کے پردادا تھے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہ' العزیز کی اولاد میں تھے اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ میں حضرت شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے"۔

''زمانۂ غدر میں اپنے وطن بچھراؤں میں رضا و توکل اور سکون و وقار کے ساتھ بیٹھے رہے۔ اہل قصبہ نے لوٹ مار کے ڈر سے اپنا زیوران کے پاس رکھ دیا تھا۔''

''مولوی محمود عالم صاحب مرزا غالب کے ہم عصر تھے اور ان سے بھی مراسم رکھتے تھے۔ دہلی کی آمد و رفت کے زمانہ میں سر سید سے بھی تعلقات ہوئے ہوں گے۔''

یہاں راقم تھوڑی جرأت کر رہا ہے کہ عم محترم کے جملوں میں تصحیح یا اضافہ کر رہا ہے۔ حقیقت میں جناب پروفیسر حامد حسن قادری صاحب اور ان کے والد ماجد بیشتر اوقات باہر رہے ہیں اس لئے مذکورہ تحریر زبانی اور مجمل روایت پر خود تذبذب کی کیفیت میں تحریر فرمادی ہے ورنہ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، سر سید آگرہ کے قیام میں کتنے قریب رہے ہیں اور یہ سابقہ برسوں رہا ہے۔ پھر زمانۂ غدر کا تذکرہ فرمانے کے بعد یہ تحریر نہیں فرماتے ہیں کہ مولوی محمود عالم صاحب اور غدر کا تذکرہ انہیں کیوں یاد آ گیا۔ اور باہم اس کا کیا ربط ہے؟۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں وہ سر سید کا محمود عالم صاحب کے یہاں زمانہ غدر میں پناہ گزیں ہونے کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں اور اس دوران سلسلہ

---

[1] داستان تاریخ اردو۔ از حامد حسن قادری

[2] تشریح الانساب قلمی مصنفہ مولوی ضیاء اللہ صاحب بچھرایونی صفحہ ۵۳۔۵۰

خیال ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وہ مرزا غالبؔ سے مراسم، دہلی میں آمد و رفت میں سر سید سے بھی تعلق قائم کرنے کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔ حقیقت میں وہ مولوی محمود عالم صاحب کی ہائی کورٹ میں سروس، آگرہ کا قیام، اس سب سے واقف نہیں ہیں ورنہ وہ ضرور اس واقعہ کا تذکرہ راقم سے بھی زیادہ تفصیل سے بیان فرماتے۔

بیعت وخلافت:

یہ تمام خاندان بزرگان دین سے عقیدت و محبت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس اعتبار سے ہمہ جہت خوش اعتقاد ہیں۔ خود ایک صاحب ارشاد بزرگ کے بیٹے ہیں۔ پیر جی مولوی محمد مقبول عالم صاحب کے پوتے جو حضرت مولانا فخر الدین محمد فخر جہاں کے ہم خرقہ پیر بھائی اور مشہور و معروف پیر، پیر جی محمد مقبول عالم صاحب کے پر پوتے ہیں۔ مشیخت کا یہ مبارک سلسلہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر پر جا کر تمام ہوتا ہے۔ لیکن اچانک (والد صاحب کا انتقال عین جوانی میں بمرض طاعون ہوگیا اور) طریقت کا یہ سلسلہ یہاں آکر بیک دم ختم ہوگیا۔ جس ماحول میں یہ پروان چڑھے تھے وہاں بھی اولیاء اللہ سے والہانہ تعلق بے پناہ تھا۔ نانا صاحب، شاہ عبدالغفور صاحب اعظم پوری (۸؍رجب ۹۹۸ھ) کی اولاد ہیں۔

"شیخ عبدالغفور اعظم پوری کہ خلیفہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے، عالم اور کامل سیاح تھے،" حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ ہمارے قبیلہ سے تھے۔

ماموں صاحبان بھی (اور جو خود پیر جی محمد مقبول عالمؒ صاحب کے حقیقی نواسے ہیں) اولیاء اللہ کی محبت میں ایک دوسرے سے سبقت لے جا رہے ہیں۔

چنانچہ بڑے ماموں صاحب، قاضی محمد فقیر اللہ صاحب، دولت و ثروت، عزت و جاہ کے باوجود جناب مفتی پیر محمد صاحبؒ چاند پوری سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہیں۔ چھوٹے ماموں، حضرت مولوی نور اللہ صاحب سلسلۂ فخریہ نظامیہ میں حضرت عبدالرحمٰن لکھنوی کے خلیفۂ اجل اور ایسے فنا فی الشیخ ہیں کہ وہیں کی خاک کا پیوند ہو جاتے ہیں۔

منجھلے ماموں، مولوی عبداللہ صاحب وکیل و سر رشتہ دار اور حضرت قبلہ نیازؒ بے نیاز کے مرید باخلاص ہیں۔

بڑے ماموں، قاضی فقیر اللہ صاحب کی اولاد تمام وکمال بریلی شریف کے آستانہ پر سرنگم ہے اوران میں حضرت حکیم رحیم اللہ صاحب تو حضرت قبلہ کے ہندوستانی خلفاء میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں۔ بزرگانِ دین اور مشائخ کا ایک مقولہ بطور حدیث نقل ہوتا آیا کہ:

مَنْ لَیْسَ لہ شَیْخٌ فَشَیْخہ اِبْلِیْسٌ (جس کا شیخ نہیں ہوتا اس کا شیخ ابلیس ہوتا ہے)

یہ چاروں بھائی کسی سلسلہ میں بیعت نہیں تھے اور سیکڑوں سال کی روایت یہاں آ کر ختم ہوتی معلوم ہو رہی تھی ۔اس لئے ضرورت پیش آئی کہ کہیں مرید ہوں ۔چونکہ ان حضرات کے خمیر میں فخریہ نظامیہ سلسلہ کا آمیزہ تھا اور قصبہ بچھرایوں سے قریب تر ریاست رامپور میں حضرت مولانا فخر "پاک کے خلیفہ صاحب ارشاد حضرت مولوی جمال الدین رامپوری نور وہدایت کی ضیاء پاشی فرما رہے تھے چنانچہ دادی صاحبہ بی بی منیرن (بنت پیر جی صاحب علی صاحب) اپنے لخت جگروں کو لے کر بارگاہِ جمالی میں حاضر ہوئیں اور پوری صورت حال بتا کر پوتوں کی بیعت کی درخواست کی ۔ جواباً ارشاد ہوا کہ۔ ''ہم اپنا کام پورا کر چکے علاوہ ازیں ان بچوں کا حصہ برادرم مولانا نیاز احمد صاحب کے پاس ہے۔ انہیں میں سفارش کا خط لکھے دیتا ہوں وہ انشاء اللہ تعالیٰ بالکل میری طرح تربیت کریں گے''۔ دادی صاحبہ ان لوگوں کے ہمراہ بریلی شریف حاضر ہوئیں جہاں نہایت محبت وشفقت کے ساتھ پذیرائی ہوئی۔

صاحب تشریح الانساب تحریر کرتے ہیں کہ:

" یہ سب خاندانِ عقید تمنداں نیاز ہے ۔یعنی سلسلہ نظامیہ ونیازیہ میں یہ سب فیض مآب حضرت مولانا نیاز احمد صاحب قادری سرہندی ثم بریلی قدس سرہ العزیز سے بیعت رکھتے تھے " [1]

حضرت نصیر الزماں خانصاحب بدایونی لکھتے ہیں کہ:

" یہ چار بھائی ساکنانِ بچھرایوں از اولاد حضرت باباصاحب علیہ الرحمۃ بدرجہ غایت مریدانِ خوش عقیدت حضرت نیاز بے نیاز سے تھے "۔

ا۔ مولوی محمود عالم صاحب ابتداء میں بعہدۂ کوتوال شہر اکبرآباد میں تھے۔ آخر کو حضرت نے ان کو صاحب ارشاد فرمادیا۔

---

[1] تشریح الانساب قلمی۔ مصنفہ مولوی ضیاء اللہ صاحب بچھرایونی صفحہ ۵۳۔۵۰

۲۔ ان کے دوسرے بھائی مولوی محمد مقصود عالم نائب سررشتہ دار کمشنری بریلی تھے۔

۳۔ تیسرے بھائی مولوی محمد منصور عالم صاحب تحصیلدار اور

۴۔ چوتھے بھائی مولوی محمد فضل عالم صاحب مکان پر تھے۔

حضرت مولوی محمد محمود عالم صاحب کو حضرت حکیم محمد رحیم اللہ صاحب کے وصال فرمانے کے (پنجشنبہ ۲۷ رشعبان ۱۲۷۰ھ مطابق ۲۵ رمئی ۱۸۵۴ء موافق ۱۴ بیساکھ ۱۹۱۱ سمبت) بعد بچھرایوں اور اس کے گردنواح کا علاقہ سپرد ہوا۔ اگست ۱۸۵۳ء میں مولوی صاحب نے پنشن لے لی تھی اور اب ان پر سرکاری ذمہ داری نہیں تھی۔ لہذا وہ نہایت استقلال کے ساتھ سلسلہ نیازیہ کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہے حتیٰ کہ وہ گھڑی بھی قریب آگئی جس میں پل بھر ادھر سے ادھر نہیں ہوتا۔ چنانچہ ورم جگر کا عارضہ ہوا، پچھتر سال کی عمر میں دوشنبہ ۴ رذیقعدہ ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۱ رمارچ ۱۸۶۷ء موافق ۵ رپھاگن ۱۹۲۳ سمبت کو انتقال کیا حضرت موصوف نے حضرت حکیم صاحب کے بعد سے پوری تندہی کے ساتھ بارہ سال سات ماہ اور سولہ روز تک یہ خدمت انجام دی۔

مولوی محمود عالم ذوالقدر — گئے جب جنت کو با صد زیب وفر

غم سے ان کے بے سروپا ہوگئے — کشف مجد فقر فضل علم و ہنر

اپنے جد بزرگوار (حضرت پیرجی مقبول عالم صاحب) کے پائیتی میں جگہ پائی۔

ذات محمود الصفات، مغتنمات سے تھی تھوڑی تھوڑی چاشنی اور مذاق سب فنون اور طرائق کا رکھتے تھے۔ شیخ کے روحانی تصرفات کا یہ عالم ہے کہ آج تک علم و فضل، تعلیم و تدریس کا سلسلہ اس خاندان سے ختم نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ ان کے نبیرۂ حقیقی مولوی احمد حسن محدث اور ان کے صاحبزادگان میں مولوی عابد حسن فریدی پروفیسر فارسی حامد حسن قادری صاحب، دوسرے نبیرہ مولوی محمد محسن فاروقی (پروفیسر عربی) اور ان کے بیٹے ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی بانی جامعہ اردو کی ادبی خدمات اور ان کے ہر دو زبان پر احسانات کو آج بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرے بیٹے محمد احسن فاروقی صوبہ سرحد پاکستان میں ڈائرکٹر تعلیمات کے عہدۂ جلیلہ سے سبکدوش ہوکر کراچی آگئے تھے وہیں انتقال کیا۔

۳۱۔ حضرت مستان خاں شاہجہانپور

حضرت مولوی مستان خاں صاحب شاہجہانپور کے باشندے ہیں۔آپ کا اسم گرامی کرامات نظامیہ کی فہرست خلفاء میں صفحہ چونتیس کے پہلے کالم میں تیتسویں نمبر پر درج ہے اس کے علاوہ سلسلے کے کسی تذکرے میں حضرت موصوف پر کوئی اطلاع فراہم نہیں ہوسکی تبرکاً آپ کا نام درج کیا جارہا ہے شاہجہانپور کے اکیس سالہ قیام میں انتہائی کوشش کے باوجود کوئی سرا پتہ یا مزار شریف کی نشان دہی نہیں ہوسکی۔ بعد میں حضرت جدّ راقم مولوی محمد مہدی صاحب نظامی علیہ الرحمہ کی مرتبہ فہرست مبارکہ میں آپ کے مزار شریف کے لئے درمحلّہ گاڑی پورہ تحریر فرمایا ہے۔

۳۲۔ حضرت مسکین شاہ جے پوری

آپ کا اسم مبارک سید غلام محمد ہے عرف عام میں مسکین شاہ مشہور ہیں اصلاً آپ قصبہ کشتواڑ کشمیر کے باشندے ہیں۔

آپ کے جد بزرگوار مولانا سید محمد عبد الحکیم نے بخارا (اوزبکستان) سے ترک سکونت فرما کر کشمیر میں کشتواڑ کو زینت بخشی۔ مسکین شاہ صاحب کے والد ماجد حافظ محمد خیر الدین کا نکاح میر میراں پیر پیراں حضرت خواجہ سید علی ہمدانی صاحب ولایت کے خاندان میں ہوا۔عہدہ قضا خاندانی میراث میں ملا تھا۔تھوڑی مدت میں علم ظاہر سے فراغت حاصل کر کے آپ عہدہ قضا پر فائض ہوئے[1] لیکن حاکم سے نہیں بنی نہ صرف عہدہ قضا سے سبکدوش ہوئے بلکہ دنیا سے بھی کنارہ کش ہوکر تمام مال واسباب فقرا میں تقسیم کر کے قادریہ سلسلہ میں حضرت کنگال شاہ صاحب (جمال الدین شاہ) سے بیعت ہوگئے[2]۔ حضرت کنگال شاہ صاحب مجذوب سالک تھے۔ان کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے مسکین شاہ صاحب پر بھی جذب کا غلبہ ہوگیا۔اسی حالت میں کوہ وبیابان طے کرتے ہوئے حضرت غلام علی شاہ صاحب نقشبندی کے در دولت پر سر رکھ دیا

---

[1] کشف المسکین صفحہ ۲۲

[2] خزینۃ الاصفاء مخزن سوم

حضرت موصوف نے سلسلہ عالیہ مجددیہ کی تکمیل کرا کر خلافت سے سرفراز فرمادیا۔صاحب ایجاد اکبری تحریر کرتے ہیں:

"سب مقامات حضرت (غلام علی شاہ) کی خدمت میں طے ہوگئے"۔

پھر مولانا شاہ غلام محمد عرف مسکین شاہ نے شاہ غلام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا حضرت کچھ اور تعلیم فرمائیے شاہ صاحب موصوف نے فرمایا کہ جو تعلیم مجھ کو مرزا مظہر جان جاناں صاحب سے ہوئی تھی وہ سب میں نے تم کو کردی۔[1] اور بعض کہتے ہیں کہ مسکین شاہ صاحب نے جناب شاہ صاحب سے وحدت الوجود کا مسئلہ دریافت کیا تھا تو شاہ صاحب نے یہ فرمایا یہی بہت ہے۔

خلیفہ مولوی عظمت علی مؤلف سوانح عمر سید سکندر علی صاحب تحریر کرتے ہیں کہ بحالت قیام خانقاہ شریف آپ فرماتے تھے کہ جب تک میں اس خانقاہ کے چبوترے پر رہتا ہوں تب تک وحدت الشہود کا غلبہ رہتا ہے اور جب چبوترے سے نیچے اتر آتا ہوں تو وحدت الوجود غالب رہتا ہے۔[2]

پھر مسکین شاہ نے جناب شاہ صاحب سے عرض کیا کہ مجھ کو اور حوصلہ باقی ہے۔شاہ صاحب نے فرمایا اور کسی درویش سے معلوم کرو......پھر دل سے مشورہ کیا تو دل نے سراغ رسانی کی اجمیر شریف کو خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ والی ملک عجم کی جناب میں پہنچ کر مقصود حاصل کریں۔وہاں سے کارگزاری اس کار مشکل کی ہوگی۔ارادہ مصمم کر کے اجمیر شریف پہنچ گئے۔آستانہ عالیہ پر پہنچ کر حاضری کے وقت نقشبندی نسبت سلب ہوگئی رو رو کر عرض کیا کہ ''حضرت بادشاہوں کی جناب میں اس واسطے حاضر ہوتے ہیں کہ کچھ بخشش اور انعام لے کر شرف حاصل کریں گے۔میرے پاس جو پونجی تھی وہ بھی چھن گئی۔'' حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اندیشہ نہ کرو ہم تم کو وہ بھی دیویں گے اور اپنے خاندان چشتیہ میں ہم خود تم کو تعلیم کریں گے۔یہ فرمان حضرت کا سن کر میرا دماغ باغ باغ ہوگیا۔اجمیر شریف میں تین سال قیام

---

[1] ایجاد اکبری مصنفہ حضرت حافظ اکبر علی خاں مسکینی نیازی صفحہ ۴۶۸

[2] کشف المسکین

رہا اور حضرت خواجہ شب میں تعلیم فرماتے رہے۔[1]

ایک شب حضرت خواجہؒ نے ایک درود تعلیم فرمائی اس کی عبارت طویل تھی۔ خیال ہوا کہ یہ کیسے یاد رہے گی؟ حضرت نے فرمایا ہماری بتائی ہوئی نہیں بھولتے ہیں۔ صبح کو جو میں نے دیکھا تو درود شریف میرے ہاتھوں پر لکھی تھی۔ پھر بادشاہ ہند نے فرمایا کہ اب تم بریلی کو چلے جاؤ اور وہاں جا کر ایک بزرگ (مولانا شاہ) نیاز احمد ہیں ان سے بیعت کرو وہ تم کو سب مقامات عبور کرا دیں گے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور پرنور خود بیعت فرمالیں حضرت نے فرمایا ہم نے دنیا سے پردہ کیا ہے اور بیعت زندوں سے کرتے ہیں۔ پھر میں نے بار بار عرض کیا حضرت نے وہی جواب دیا۔ فرمایا جلدی بریلی کو چلے جاؤ کہ ہمارے یہاں سے (نیاز بے نیاز) مولانا شاہ نیاز احمد کی قطبیت (واقعہ ماہ رجب ۱۲۴۲ھ / فروری ۱۸۲۷ء) پر مہر ہوگئی ہے۔

یہ حکم سن کر فی الفور بریلی روانہ ہوئے بریلی میں سہ پہر کو وہ وقت توجہ اور جلسہ کا تھا حضرت باہر تشریف لے آئے میں نے چاہا کہ قدم بوس ہوں حضرت نے ہاتھ پکڑ کر سینے سے لگا لیا اور فرمایا کوئی کسی کو کسی کے پاس بھیجتا ہے تو اتنی دیر نہیں لگاتے ہیں پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی جلسہ گاہ میں لے گئے اور بہت عنایت سے مجھ سے پیش آئے پھر میں نے بیعت کی اور چھ مہینہ حضرت کی خدمت فیض درجت میں رہا[2] (گویا حضرت کے وصال سے سات سال چھ ماہ قبل پہلی حاضری ہوئی تھی۔)

خلیفہ نصیر الزماں خاں صاحبؒ بیان کرتے ہیں کہ اس مدت (قیام) میں حمالی کی خدمت آپ کے سپرد تھی و نیز حاضرین خانقاہ کے استنجے کے واسطے مٹی کے ڈھیلے بیرون شہر سے لایا کرتے تھے۔[3]

صاحب کشف المسکین کا بیان ہے کہ چونکہ اس وقت تک آپ کو طلب خدا سے سیری نہیں ہوئی تھی اس لئے حسب الحکم باطنی حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی آپ دہلی سے بریلی آئے اور حضرت مولانا شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی قدس سرہ کے حضور میں حاضر ہو کر اپنا حال

---

[1] ایجاد اکبری صفحہ ۴۶۹
[2] ایجاد اکبری۔ صفحہ ۴۷۰
[3] ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۲۰

معرض بیان میں لائے۔ حضرت نے فرمایا کہ مسئلہ وحدت الوجود کو میں تم سے زبانی بیان نہ کروں گا کیونکہ بروے علم ظاہراس کی تحقیقات کے لئے ایک عالم بدخشانی آئے تھے۔ دومہینہ تک جلسہ عام میں (جس میں علماء بھی شریک ہوا کرتے تھے) ان سے گفتگو رہی۔ روزانہ ایک دو آدمی ملحد ہو جایا کرتے تھے بہتر یہ ہے کہ تم کتاب فصوص الحکم لے جاؤ اور فلاں حجرے میں بیٹھ کر دیکھا کرو۔ آپ کی جانب توجہ باطنی بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کو اطمینان کلی ہو گیا۔ بعد ازاں آپ نے حضرت مولانا ممدوح سے بیعت حاصل کی[1]۔ خانقاہ شریف کے قیام میں بھی اکثر مجذوبیت سے متاثر رہا کرتے تھے۔ چھ ماہ میں آپ کی تعلیم پوری ہوگئی۔ (۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء)

حافظ صاحب ناقل ہیں کہ حضرت موصوف فرماتے ہیں کہ

"حضرت کی عنایت سے کل مقامات فقر کے حاصل ہوئے اور مرتبہ مکاشفہ اور قرب وصال مشاہدہ کا حاصل ہوا۔ حضرت کے عشق سوزاں سے اس قدر قلب میں گرمی پیدا ہوئی اور تقویت آنکھوں میں کہ جس کی نگاہ سے نگاہ لڑی وہ گر گیا۔ جس کے قلب سے قلب لڑا وہ بیہوش ہو گیا پھر مجھ کو صاحب اجازت اور مرتبۂ خلافت کا عنایت کیا پھر چھ مہینے کے بعد میں نے حضرت کی جناب میں عرض کیا اگر اجازت ہو تو میں غریب خانہ کو روانہ ہو جاؤں؟ حضرت نے فرمایا: ایک شب اور ٹھہرو۔ میں بموجب فرمانے حضرت کے ایک شب اور ٹھہرا اس شب واحد میں جو جو عنایتیں حضرت کو فرمانا تھیں وہ فرمائیں اور دل میں عشق کا دریا بھر دیا۔ حضرت مولانا شاہ نیاز احمد صاحب کی جناب سے رخصت ہو کر دہلی روانہ ہوئے تین برس (۱۲۴۶ھ) تک جذبۂ عشق سے بے قرار اور مجذوب رہے۔

خلیفہ فیض اللہ شاہ کا بیان ہے کہ:

میں حضرت کی خدمت میں بہ ارادۂ بیعت حاضر ہوا تھا آپ اپنے مکان کے صحن میں حالت جذب میں ٹہل رہے تھے میری طرف دیکھ کر فرمایا: واہ میاں! جب ہم تم کو چاہتے تھے جب نہیں آئے اب تم اور کو چاہتے ہو تو اس کے علاج کے واسطے ہمارے پاس آئے ہو۔ پھر آنکھ

---

[1] کشف المسکین۔ مولوی عبدالرحیم جعفری مچھلی شہری صفحہ ۳۴۔۳۳

سے آنکھ ملنا میرے دل کو لے گئی تین روز تک میں بیہوش رہا۔ آپ نے پرواہ میری نہیں کی جب ہوش میں آیا تو باہر کو بھاگا۔ پھر تین برس تک بے قرار رہا۔ جس طرف حضرت کی نظر ہوتی تھی لوگ ادھر سے بچ کر نکلتے تھے جو نہیں بچتا تھا آپ کی نگاہ سے بیہوش ہو جاتا تھا۔ جب تین برس کے بعد (۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء میں) حضرت حالت سلوک میں آئے پھر میں حضرت کی جناب میں حاضر ہوا اور بیعت خاندان چشت سے مشرف فرمایا اور بیعت کرنا شروع کیا تو ہزاروں کو اہل رسا کیا۔[1]

غدر کے بعد عزم جے پور: غدر تازہ تازہ موقوف ہوا تھا (رمضان، شوال ۱۲۷۵ھ/ مارچ، اپریل ۱۸۵۸ء) مخلوق بہت پریشان تھی کہ کوئی جائے پناہ اس وقت میں نہ تھی اور دوست، دوست اور اپنا اپنے کو غیر جانتا تھا اور کوئی کسی کی دستگیری نہیں کرتا تھا اپنی جان ہر ایک کو بچانی مشکل ہو رہی تھی اور اس وقت مسکین شاہ نے عزم جے پور فرمایا۔ دوست احباب اور خادموں نے عرض کیا حضرت یہ وقت سفر کرنے کا نہیں ہے۔ ایسے وقت میں دور و دراز کا سفر کرنا۔ آپ ارادہ نہ فرماویں کہ جان جوکھوں کا اندیشہ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے جب خدا اپنا ہے تو پھر کس کا اندیشہ کروں۔

(محمد تاثیر) شاہ صاحب فرماتے تھے کہ جب مخلوق پریشان نے سنا کہ مسکین شاہ صاحب جے پور کو تشریف لئے جاتے ہیں بہت کچھ ہجوم کیا۔ حضرت نے سب کو تسلی فرمائی اور فرمایا کہ ہمارے ہمراہ چلو اور دس گاڑی اسباب پریشان مخلوق کا گاڑیوں میں بھروا کر اور مخلوق کو ساتھ لے کر جے پور کو تشریف فرما ہوئے۔

توکل و بے نیازی: جس وقت شہر مذکور کو سوار ہوئے تو حضرت کے پاندان میں تین روپے اور ایک اٹھنی (پچاس پیسے) تھی اور میں بھی سفر میں حضرت کے ہمراہ تھا سو روپے روز مخلوق کے سفر خرچ میں دس دن تک آتے رہے۔ ایک خادم بلا اجازت حضرت کے، وہ فرد تحریر کرتا رہا اور جب جے پور پہنچے تو بہار شاہ والی مسجد (واقع محلّہ خرادیان) میں اترے۔ سب رئیس اور فقراء حضرت کی ملاقات کو حاضر ہوئے اس خادم نے فرد حضرت کی جناب میں پیش کی اس واسطے کہ

[1] ایجاد اکبری۔ صفحہ ۴۷۔۴۷۳

ہمارے پیر کی ناموری ہوگی۔حضرت نے اس فرد کو دیکھ کر فرمایا کیا ہے؟ عرض کیا ایک ہزار روپیہ مخلوق پریشان کے راہ خرچ میں صرف ہوا ہے۔آپ نے اس فرد کو پھینک دیا اور فرمایا میرا خرچ ہوا؟ یا جس کی مخلوق تھی اس کا خرچ ہوا اور فرمایا کہ ہمارا پاندان لاؤ جب پاندان کو کھول کر دیکھا گیا تو تین روپیہ اور ایک اٹھنی تھی وہ پاندان میں موجود ہے۔یہ کرامت سن کر سب اہل جلسہ متحیر ہوئے۔[1] آپ کے پہلے مرید کپتان امان اللہ ان کے بعد حافظ محمد بخش رفو گر اور داروغہ منالال جی ہوئے۔[2]

اس کے بعد شہر مذکورہ کا راجہ (مہاراجہ رام سنگھ) قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا اور ہزار روپیہ کا توڑہ حضرت کی جناب میں پیش کیا حضرت نے روانہ ہونے کے وقت واپس کر دیا۔[3]

ایک مرتبہ داروغہ منالال جی کو باعتبار اپنے اعزاز و اختیارات کے خطرہ گذرا کہ حضرت میاں صاحب کے پاس میرے لحاظ و خیال سے لوگوں کا مرجوعہ ہوتا ہے اور جو کچھ نذر کرتا ہوں اس سے آپ کا کام چلتا ہے جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا تمہارا کوئی کام نہیں ہے چلے جاؤ پھر ان کی مجال نہ تھی کہ کچھ عذر کرتے اسی وقت چلے گئے جب کئی دن گذر گئے تو حضرت نے پوچھا اب داروغہ نہیں آتا عرض کیا گیا جس روز سے حضور نے منع فرمایا وہ حاضر نہیں ہوئے۔فرمایا آجائے گا۔تھوڑا وقت گذرا تھا کہ باشندگان شہر جس میں ہر طبقے کے لوگ شامل تھے جوق در جوق در دولت پر حاضر ہوئے اور حسب حیثیت ہر ایک شخص نے کچھ نقد و شیرینی حضور میں پیش کی لوگوں کی کثرت سے جب بیٹھنے کی گنجائش نہ رہی اکثر کھڑے ہی رہے انہیں میں داروغہ جی بھی تھے آپ نے ان سے فرمایا یہ تمہارے خیال خام کا نتیجہ ہے۔خود خراب ہوا اور فقیر کو پریشان کیا۔اب کھڑا رہ۔کچھ دیر کے بعد آپ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور آناً فاناً میں سارا مجمع چلا گیا۔داروغہ جی ندامت کے ساتھ حاضر رہے۔جب پھر آپ کا اور داروغہ جی کا سامنا ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میاں یہ تو اونٹ کی نکیل ہے جب چاہا ڈھیل دی جب چاہا کھینچ لی۔

---

[1] ایجاد اکبر صفحہ ۴۷۷ [2] کشف المسکین صفحہ ۳۵
[3] ایجاد اکبری صفحہ ۴۷۸۔۴۷۷

خانقاہ میں متوکل سالکین:

خانقاہ میں متوکل سالکین کے جملہ اخراجات آپ کے ذمہ ہوتے کھانا کپڑا سب خادموں کو حضرت عنایت فرماتے تھے۔ کسی کو کچھ فکر نہیں رہتی تھی۔ بہ اطمینان خاطر شغل اشغال کرتے تھے۔[2] ہر چھوکری کو چار روپیہ ماہانہ عنایت فرمایا کرتے تھے۔[3]

خانقاہ میں سالکین کی تعداد سو تک ہوتی اور ان صاحبان کو مکلّف کھانے اور وہ بھی اتنی وافر مقدار میں دیئے جاتے کہ سیر شکم ہونے کے بعد بچ جاتے تو ارشاد ہوتا کہ تمہارا کھانا کون کھائے گا؟ مقامی لوگ اپنا بچا ہوا کھانا اپنے ہمراہ لے جائیں۔

خلیفہ محمد تاثیر صاحب کا بیان ہے کہ سو آدمی حضرت کے ہمراہ مکلّف کھانا کھاتے تھے اور ایک آدمی کے رو برو دو آدمی کا کھانا حضرت رکھواتے تھے جب کھانا بچ رہتا تو حضرت فرماتے تمہارا جھوٹا کون کھائے گا؟ اس کو مکان پر لے جایئے وہ شخص اپنے مکان کو کھانا بچا ہوا لے جاتا۔

آمدنی وفتوحات: حافظ اکبر علی خاں صاحب نے حضرت تاثیر صاحب سے حضرت مسکین شاہ صاحب کی آمدنی کے ذرائع کے بارے میں دریافت کیا تو شاہ صاحب نے فرمایا دو ایک مرتبہ ایسا اتفاق دیکھنے کا ہوا حضرت کے خادم شیخ جی (شیخ محمد رحمت اللہ) ایک بقال کی دوکان سے سامان لاتے تھے ہمیشہ جب ہزار بارہ سو اس بقال کے ہو جاتے تو وہ تقاضا کیا کرتا اور کہتا کہ جب یہ روپے ادا کر دو گے تو آگے کو حساب کرنا شیخ جی کو جلسہ میں فکر مند دیکھ کر حضرت فرماتے تھے شاید لالہ نے تم سے تقاضا کیا ہے شیخ جی عرض کرتے کہ حضور پر روشن ہے حضرت فرماتے آج شب میں تمہارے لئے مانگیں گے۔ دوسرے روز ایک خط آتا تھا اور نام اس پر فرضی ہوتا تھا۔ بقال کے اگر بارہ سو ہوتے تو اس میں سولہ سو روپیہ کی ہنڈوی ہوتی تھی جب ڈاک کا سپاہی خط ہنڈوی کا لاتا تو حضرت فرماتے شیخ جی کو دے دو ان کے مطلب کا معلوم ہوتا ہے شیخ جی عرض کرتے حضرت پڑھ دوں؟ فرماتے کچھ حاجت نہیں بقال کے تقاضے سے بس چھوٹ جاؤ۔ بقال

---

[1] ایجاد اکبری صفحہ ۳۹۔۳۸ [2] ایجاد اکبری صفحہ ۴۷۸
[3] ایجاد اکبری صفحہ ۴۹۰

کے مطالبے کی ادائیگی کے بعد جو رقم بچتی حضرت فرماتے کہ مکان میں دے دو وہ روپے گھر کے خرچ میں صرف ہو جاتے۔

مشتبہ آمدنی سے اعراض: مشتبہ آمدنی سے اعراض فرماتے اور وہ لے کر سب غرباء اور ضرورت مندوں میں تقسیم فرما دیتے اور یہ واقعات اکثر ہوتے رہتے۔

دربار میں حاضری کا طریقہ: معمول یہ تھا کہ حضرت کے دربار میں جو حاضر ہوتا تھا وہ دست بستہ کھڑا ہو جاتا جب حضرت ارشاد فرماتے کہ بیٹھ جاؤ تو وہ بیٹھتا تھا۔

خلفاء کو عربی خط کی مشق کا حکم: عربی خط کی مشق اصلاح اور اس کی غرض وغایت پر اسی کتاب میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے۔

محفل سماع بعد عصر: نماز عصر کے بعد روزمرہ حضرت کے روبرو محفل راگ وسماع ہوتی اس میں صاحبان حال کو بڑا وجد و حال ہوتا۔

وظیفہ کے بجائے ذکر اللہ: حضرت سے خلفاء، خادم و مریدین کوئی عمل پوچھتے تو فرماتے کہ ہمارے یہاں اس کا برتاؤ (رواج) نہیں ہے خدا کا نام دل پر نقش اور پختہ کر لو یہ شمشیر، تیر و تفنگ سب کا کام دیتا ہے اور اللہ اللہ کرنے والے کی نگاہ اور خیال سے دشمن و دوست بہرہ ور ہوتے ہیں۔ پھر عمل پڑھنے کی کیا حاجت ہے جو عمل پڑھنے میں عمر ضائع کریں اور خدا پر بھروسہ چھوڑ کر عمل کا بھروسہ کریں۔[1]

پابندی معمولات: انہیں خلیفہ صاحب کا بیان ہے کہ وہ تیس سال حضرت مسکین شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہے اور کبھی انہوں نے نہیں دیکھا کہ معمولات ناغہ ہوئے ہوں بعد نماز عشاء حضرت آرام گاہ میں تشریف لے جاتے وہ حضرت کے ہمراہ ہوتے آپ پلنگ پر آرام فرماتے اور وہ پلنگ کے نیچے بیٹھ کر ایک بجے تک حضرت کے پیر دباتے تھے جب حضرت بیدار ہوتے اور نماز (تہجد) پڑھ کر وظائف پڑھنے کے لئے اجلاس فرماتے تو ان کو سو جانے کا حکم دیتے اور وہ سو جاتے۔ ریت گھڑی حضرت کے پاس ہر وقت رہتی تھی ایک گھنٹہ بعد انہیں اٹھا دیتے اور فرماتے یہ سونے کا وقت نہیں ہے۔ فوراً بیدار ہو کر حضرت کے پس

---

[1] ایجاد اکبری صفحہ ۴۸۲

پشت وظائف پڑھتے اور انہوں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی عارضہ میں حضرت کے وظائف ومعمولات ناغہ ہوئے ہوں۔ دس ہزار ضرب نفی اثبات کی باقاعدہ ہی لگاتے اگر کبھی مزاج ناساز ہوتا تو پیچھے تکیہ لگا کر بیٹھانے کی ہدایت فرماتے اور دس ہزار ضرب کلمہ کی پوری کر کے آرام فرماتے۔

مریدین پر حضرت کا ایسا دبدبہ تھا کہ اگر خادم وظائف میں کمی کرتا تو ہیبت کی وجہ سے حضرت کے روبرو نہ جاتا اگر سامنا ہو جاتا تو حضرت فرماتے اے نامراد! وظائف کیوں کم پڑھتے ہو؟ اور اس خادم پر عتاب ہو جاتا اسی اندیشے سے حضرت کا ہر خادم جفاکش اور مستعد تھا اور جلد اہل رسا ہوتا تھا۔

آخر میں عملیات کی اجازت: عزم ملک بقا سے ایک مہینہ پیشتر سب عمل تعلیم فرمادیئے اور فرمایا کہ ان کے پڑھنے میں عمر ضایع نہ کرنا مگر اس واسطے تعلیم کر دیئے ہیں کہ کوئی عمل کا دھوکا دے کر تم سے اللہ اللہ نہ چھڑا دے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے تمہاری دنیوی کاربراری ہوگی اس نام کو پختہ کرو۔

پھر ایک روز حضرت نے مجھ سے فرمایا وہ بوٹی اکھاڑ لاؤ اس سے چاندی اور ایک دوا پنساری کی دوکان سے منگوا کر سونا بنا کر دکھایا اور فرمایا اس کو کنویں میں ڈال آ۔ جب کبھی تین فاقے کی نوبت آوے تو قدر حاجت کے کرنا ورنہ ہرگز نہ کرنا یہ اس واسطے دکھا دی تا کہ کوئی مہوس (کیمیا گر) اس کا دھوکا دے کر یا دخدا سے غافل نہ کر دے۔[1]

آخری دن گھر میں تیل اور نہ پیسہ: ایک درویش حضرت شاہ صاحب کے پاس باہر سے تشریف لائے اور چند روز حضرت کے در دولت پر مقیم رہے حضرت کا بے تعداد خرچ دیکھ کر فرمایا میاں مسکین شاہ! معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے مکان میں روپیوں کی کھتی گڑی ہیں کہ کوئی ملک و میراث تمہاری نہیں ہے اور خرچ تمہارا امیروں سے بڑھ کر ہے کہ کھانا تکلف کا دونوں وقت پچاس ساٹھ آدمیوں کو کھلاتے ہو اور علی ھذا القیاس لوازمات کا خرچ ہے۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ میرا خرچ نہیں ہے خدا کی مخلوق کھاتی ہے اور اسی کا خرچ ہے[2] ہم جس کے بندے ہیں وہ ہمارا

1. ایجاد اکبری صفحہ ۴۸۹
2. ایجاد اکبری صفحہ ۴۸۹

کارساز ہے۔[1] دیکھ لینا جس وقت فقیر کا انتقال ہوگا تو گھر میں تیل روشنی کے واسطے نہیں ہوگا۔یہ بات رفت وگذشت ہوگئی۔

جب شاہ صاحب کا انتقال ہواتو ظہر کا وقت تھا۔شام کے وقت حضرت کے یہاں آٹھ چراغ روشن ہوا کرتے تھے اور ایک بوٹ تھی اس میں دو روپیہ کا تیل رہتا تھا جب چراغ روشن کرنے کا ارادہ کیا اور مکان میں سے تیل طلب کیا تو بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ تیل مکان میں نہیں ہے اور بوٹ باہر کو بھیج دی تو وہ ایسی خشک تھی جیسے کبھی تیل نہیں ڈالا ہو۔گھر میں سے تیل کے لئے دام طلب کئے تو ایک پیسا گھر میں نہیں نکلا۔لوگ متحیر ہوئے کہ یا تو یہ خرچ یا یہ توکل۔اسی وقت ہم کو یاد آیا کہ حضرت نے ان درویش صاحب سے فرمایا تھا کہ جس وقت فقیر کا انتقال ہوگا تو گھر میں تیل نہ ہوگا۔

مرض الوفات: صاحب کشف المسکین نے بلا کسی حوالے کے آپ کا مرض الوفات تحریر کیا ہے جو درج ذیل ہے:

حضرت مولانا مسکین شاہ صاحب کے دست مبارک میں کہنی کے متصل گر پڑنے کی وجہ سے ایسی چوٹ آئی کہ زخم پیدا ہوگیا۔باوجود امکانی علاج کے وہ روز بروز بڑھتا ہی گیا شدت تکلیف سے بخار آنے لگا۔[2]

جناب تاثیر شاہ صاحب کے حوالے سے حافظ اکبر علی خاں صاحب لکھتے ہیں کہ:

جب میاں مسکین شاہ صاحب کا وقت وصال حقیقی کا قریب آیا تو ایک آبلہ سوزش عشق سے آپ کے دست مبارک پر پیدا ہوا اور اس نے ترقی کی کہ آتش عشق بدن میں بھڑک اٹھی چند روز اس سے حضرت کو بے قراری ہوئی تو چار خادم حضرت کے ہاتھ پیر سہلاتے تھے۔

ایک روز (یکشنبہ ۲۷ر جمادی الاول ۱۲۷۵ھ / ۲ر جنوری ۱۸۵۹ء) بہ وقت زوال حضرت نے دو خادموں سے فرمایا جلد نماز (ظہر) پڑھ کر آجاؤ بعد کو یہ دونوں نماز کو جاویں گے۔حضرت میاں تاثیر شاہ صاحب فرماتے تھے کہ میں اور ایک دوسرا خادم نماز پڑھنے گئے اور پڑھ کر جلد حاضر ہوئے پھر حضرت نے ان دونوں خادموں کو جو ہاتھ پیر سہلاتے تھے ان سے فرمایا تم جلد جاؤ اور نماز

---

[1] کشف المسکین صفحہ ۳۷　[2] ایجاد اکبری صفحہ ۴۸۹

پڑھ آؤ وہ دونوں خادم گئے اور نماز پڑھ کر جلد حاضر ہوئے۔

پھر حضرت نے اہل جلسہ سے فرمایا کھڑے ہو جاؤ کہ جناب خواجہ معین الدینؒ و خواجہ قطب الدینؒ بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ و سلطان المشائخ سید نظام الدین محمد محبوب الٰہی رحمہم اللہ تشریف لائے۔ سب اہل جلسہ تعظیم کو کھڑے ہو گئے بعد ایک ساعت کے حضرت نے فرمایا اہل جلسہ سے بیٹھ جاؤ سب بیٹھ گئے۔ پھر حضرت نے فرمایا سب اسم ذات کی ضرب لگاؤ سب ضرب لگانے لگے۔ گیارہ مرتبہ ضرب لگائی تھی کہ حضرت نے وصال فرمایا۔

دوسرے دن (دوشنبہ ۳ر جنوری) حضرت کی تجہیز و تکفین کی تیاری کے وقت راجہ، جے پور آئے۔ [1] موصوف عیادت کے لئے بھی حاضر ہوئے تھے اور اس وقت بھی خدمت کے لئے حکم چاہا تھا اور حضرت نے دعا دے کر انہیں رخصت کر دیا تھا۔ [2]

اس وقت حضرت کے خادموں سے عرض کیا کہ بابا (مسکین شاہ) صاحب کے مزار شریف کے واسطے سارے شہر میں جو مکان (مقام) پسند ہو اس میں حضرت کی زیارت بناؤ اگر مکان سرکاری ہو یا اہل شہر کا کچھ فکر نہ کرو اگر سرکاری ہے تو میں اجازت دیتا ہوں اور رعایا کا ہو اس کو ہم جگہ دے کر اور اس سے اچھا مکان بنوا دیں گے۔ پھر سب خلفاء کی صلاح ہوئی کہ شہر سے باہر ایک چھوٹا درخت بیری کا کھڑا تھا گاہ گاہ حضرت وقت عصر کے اس درخت کے نیچے اجلاس فرماتے تھے یہ زمین حضرت کی مرغوب الطبع تھی۔ وہاں قبر شریف کندہ کرائی اور غسل دیا تو بارہ جگہ سے کفن مع دوشالوں کے لوگ لائے اور ہر ایک چاہتا تھا کہ میرے یہاں کا کفن حضرت کے زیب تن کیا جائے۔ غرض کہ جو کفن خلفاء نے بہتر سمجھا وہ حضرت کے زیب تن کیا۔ سات بار نماز جنازہ شریف کی ہوئی۔

مخلوق کا اژدہام: جنازے میں مخلوق کا اژدہام اس قدر تھا کہ جس چارپائی پر حضرت کا جنازہ تھا اس چارپائی میں دو بانس بیس بیس گز کے باندھے گئے تھے ان بانسوں کو چھونے کا وار نہیں ملتا تھا اور کچھ لوگ چارپائی کے نیچے جاتے تھے۔

تدفین: لوگ اس قدر کیوڑہ لائے تھے کہ مزار شریف کے گارے میں پانی ڈالنے کی نوبت

---

[1] کشف المسکین صفحہ ۴۲

[2] ایجاد اکبری صفحہ ۴۹۳۔۴۹۲

نہیں پہنچی اور تختے سنگ مرمر کے تھے۔[1]

آپ کے وصال کے دوقطعات تاریخی ذیل میں درج ہیں:

حضرت مسکین شاہ با کمال	شدچو از دنیا بہ جنت یافت جا
سال وصل و انتقال آں جناب	ہست: درویش مکرم مجتبےٰ

۱۲۷۵ھ

شاہ مسکین چو شد بحق واصل	رفت نزد ، خدا خدا آگاہ
گفت تاریخ رحلتش سرور	کہ : امام بہشت مسکین شاہ

۱۲۷۵ھ

مہاراجہ رام سنگھ راج سوائی جے پور نے مزار شریف اور باغ کے لئے بارہ بیگھہ آراضی دے کر یہ فرمایا کہ روضہ، باغ، مسجد اور خانقاہ راج کے اخراجات سے بنوا دیئے جائیں۔ ممتاز الدولہ نواب فیض علی خاں صاحب وزیر اعظم و دیگر مریدین نے عرض کیا کہ تعمیر تو مریدین کروائیں گے...... بعدہ نواب صاحب ممدوح نے عالی شان وخوش نما روضہ وخانقاہ مسجد و باغ تیار کرایا۔ تیاری زیارت میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ صرف ہوا اور اپنی جائداد سے نقد دوسو روپیہ سالانہ مقرر فرمایا۔

راجہ نے ایک گاؤں صرف کا مقرر کیا اور پھر راجہ پر کوئی مہم آئی تو زیارت شریف پر حاضر ہوکر عرض کیا حضرت اس مہم سے نجات پاؤں تو ایک گاؤں اور آپ کی زیارت کا صرف مقرر کروں گا۔ چنانچہ اسی وقت سے راج سے دو گاؤں جاگیر میں عطا ہوئے جو اب تک حضرت مسکین شاہ کے ورثاء کے قبضہ میں ہیں۔

آنریبل نواب ممتاز الدولہ محمد فیض علی خاں وزیر اعظم حال ریاست جے پور نے اپنی فیاضی اور دریا دلی سے اس میں نقد سو روپیہ سالانہ کا اور اضافہ فرمایا اور چار ہزار روپیہ کی لاگت سے احاطہ درگاہ شریف کے اندر ایک پختہ چاہ بنوادیا اور کل عمارتوں کی مرمت کا بار اپنے ذمہ رکھا ۱۲۷۶ھ / ۱۸۶۰ء سے اب تک حضرت مسکین شاہ صاحب قدس سرہ کا عرس شریف ہر سال بڑے خلوص اور

[1] ایجاد اکبری صفحہ ۹۴-۹۲

اہتمام سے نہایت شاندار کیا جاتا ہے۔ عمائد اور خود نواب صاحب بہادر شریک ہو کر فیوض ظاہری و باطنی کا اکتساب کرتے ہیں۔[1]

ایک مسافر خانہ حضرت کے خادموں نے بنایا ہے۔ اس کا صرف اس طور ہے کہ جو رنگریز جے پور میں کُسم چڑھاتا ہے وہ ایک چٹکی کُسم کی حضرت کے نام کی نکالتا ہے وہ سال بھر تک جمع ہوتا ہے وہ مسافر خانہ میں صرف ہوتا ہے۔

اجماع خلافت وسجادگی : حضرت جناب میاں محمد تاثیر شاہ صاحب فرماتے تھے کہ جناب موصوف کی میت کے دفن میں جو درویش کہ خاندان اور غیر خاندان کے جمع ہوئے تھے سب کا یہ مشورہ ہوا کہ جو خلفاء حضرت کے ہیں۔ ان میں ایک رضامندی سے سب خلفاء کی حضرت کے مقام پر کسی خلیفہ کو سجادہ نشین کر دیا جاوے۔ سب کی رضامندی سے مشورہ یہ ہوا کہ میاں تاثیر شاہ کا مزاج بہت مدبر ہے کہ برداشتہ خاطر کسی سے دین و دنیا میں نہیں ہوتے اور متوکل بھی ایسے ہیں کہ کوئی کاروبار دنیوی ان کے متعلق نہیں ہے سوائے توکل کے۔ راحت اور رنج کو یکساں جانتے ہیں ایسا آدمی متحمل ہو سکتا ہے۔ میں نے صاحبزادہ (شاہ ظہیر الدین) کو سجادہ کرایا اور اس سجادگی کی وجہ یہ بتائی۔

میں نے حضرت کی بی بی صاحبہ کی طرف کو خیال کیا کہ آپ کو اس کا ملال ہوگا کہ میرا بیٹا موجود ہے اس کے باپ کی جگہ اس کو سجادہ نہیں کرتے اس خیال سے میں نے سب خلفاء اور درویشوں کو راضی کر کے حضرت کے صاحبزادے کو سجادہ کرایا۔ اس بات سے بی بی صاحبہ خوش ہوئیں اور ہم خادم بن کر صاحبزادے اور بی بی صاحبہ کے رہے۔

اس بات سے حضرت کا آستانہ ہم سے چھوٹ گیا کہ مخلوق معتقد میاں مسکین شاہ صاحب کی میرے پاس بہت آتی تھی۔ اور صاحبزادے صاحب کے پاس کم جاتی تھی آپ لوگوں سے فرماتے کہ میں سجادہ کیا ہوں سجادہ تو میاں محمد تاثیر شاہ کو سمجھوان کے پاس اژدہام رہتا ہے جب ہم نے دیکھا کہ صاحبزادے صاحب کو ملال ہوتا ہے تو ہم وہاں سے دہلی چلے آئے۔

---

[1] کشف المسکین صفحہ ۴۵۔۴۴

حضرت شاہ ظہیر الدین

حضرت مسکین شاہ صاحب کے صاحبزادہ ہیں حضرت مولوی محمد مہدی صاحب نظامی آپ حضور قبلہ کے خلیفہ ہیں اسی لئے حضرت والد صاحب نے انہیں خلیفہ نہیں کیا۔ انتظاماً آپ خلفاء اور درویشوں کے اجماع سے حضرت مسکین شاہ کی مسند پر بیٹھے۔ حضرت تاج الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی لگاؤ تھا موصوف کی حیات میں حضرت تاج الاولیاء دوبار جے پور تشریف لے گئے وہ باقاعدہ آپ کی زیارت کے لئے غلام محی الدین صاحب کے مکان پر حاضر ہوئے اپنے صاحبزادہ محمد نصیر الدین کو باصرار بیعت کرایا۔ حضرت سے اپنے مکان پر تشریف لانے کے لئے عرض کیا تشریف آمدی پر حسب قاعدہ نہایت مؤدب حاضر رہے مسند آراستہ کی نظر پیش کی اور حسب الحکم مسند کے برابر ہی حاضر خدمت رہے۔

شجرہ نسبی (اجمالی) حضرت مسکین شاہ صاحب جے پوری

محمد عبدالحکیم کشتواڑی

حافظ محمد خیر الدین

غلام محمد عرف مسکین شاہ

شاہ ظہیر الدین

شاہ مظہر حق۔ شاہ محمد نظام الدین۔ شاہ محمد نصیر الدین

محمد فضل حق

محمد اکرام الحق

حضرت مسکین شاہ صاحب کے خلفاء کرام

۱۔محمد تاثیر شاہ صاحب خلیفہ اعظم

۲۔مولانا سید سکندر علی صاحب الہ آباد
۳۔فیض اللہ شاہ صاحب کرنال
۴۔نجابت علی شاہ صاحب ولایتی لکھنؤ
۵۔مولوی محمد گل صاحب ولایتی لکھنؤ
۶۔حکیم ولی محمد صاحب سیکر راجستھان
۷۔محبوب علی شاہ ولایتی فتح پور

۳۳۔مولیٰ داد خاں شاہ جہانپور۔

۳۴۔حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین

حضرت کے حالات اولادو جانشین کے ضمن میں نہایت تفصیل کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

۳۵۔حضرت مولوی نعمت اللہ خاںؒ بخاری

حضرت مولوی نعمت اللہ خاںؒ بخاری۔اصلاً آپ بخارا(اوزبکستان) کے باشندے ہیں حضرت کے اوائل انیسویں صدی کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں۔تکمیل علوم وفنون کے بعد وطن جانے کے بجائے خانقاہ میں رہ کر علوم باطنی کی تکمیل میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔آپ کو اپنے شیخ سے بے پناہ عشق ہے اوراسی طرح حضرت شیخ کا ان پر خصوصی کرم ہے۔آپ سلسلہ عالیہ نیازیہ کی ترویج واشاعت میں پیش پیش رہے ہیں۔آپ کی ذات سلسلہ نیازیہ کی تبلیغ واشاعت کا متحرک مشن ہے جو برابر دائر وسائر ہے۔کبھی آپ پیشاور میں ہیں تو کبھی کابل میں اور پھر حضرت کے قدموں میں۔آپ حضرت نیاز بے نیاز کے اجل واکابر خلفاء میں ہیں۔آپ کی بدولت سلسلہ نیازیہ کی بے پناہ اشاعت ہوئی۔عوام سے لے کر خواص،امراء ووزراء وعمائد آپ کے ذریعہ سلسلہ میں داخل ہوئے۔افغانستان میں علاقے کے علاقے نیازی ہوگئے۔

۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں امیر دوست محمد خاں جو کہ کابلیوں کا عزیز حاکم تھا اس نے کابل پر قبضہ کرلیا اور شجاع الملک سدوزی کو جو کہ احمد شاہ ابدالی کا پوتا تھا افغانستان سے نکال باہر کیا تو شاہ

شجاع وہاں سے ہجرت کر کے رنجیت سنگھ کی پناہ میں لدھیانہ آ گیا ۱۸۲۳ء میں یہاں نئی نئی انگریزوں کی فوجی چھاؤنی قایم ہوئی۔ شاہ شجاع نے اپنی پریشانی اورغرض مندی کے تحت حضور قبلہ کی خدمت میں ارادت مندی کا اظہار کیا۔ صاحب ناز و نیاز نے اس ارادت کا حال لکھا ہے۔

''شاہ شجاع نے دو تین آدمی مع عرائض و تحفہ جات حضور میں بھیجے اور تحریر کیا کہ میری تمنا اور آرزو یہ ہے کہ داخل سلسلہ عالی ہوں۔ مگر بوجہ اس کے میرے ساتھ بہت کچھ دنیوی خرخشے ہیں۔ حاضر حضور نہیں ہو سکتا۔ کوئی سبیل ایسی نکلے کہ میں بھی داخل سلسلہ عالی ہوں۔''

چنانچہ حضرت نیاز بے نیازؒ نے مولوی نعمت اللہ خاں کو صاحب ارشاد کر کے ولایت کی طرف روانہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ اثناء راہ میں شاہ شجاع کو بیعت کر لینا۔"

انیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں حضرت بخاری صاحب کو خلافت سے سرفرازی ہوئی تھی اور کابل میں متعین فرمایا گیا تھا۔ ان حضرات کا طریقہ کار یہ تھا کہ اپنی ہر پیشرفت کی اطلاع عریضہ کے ذریعہ شیخ کے حضور میں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضور قبلہ کے کئی والا ناموں کے مندرجات سے ان حضرات کی نقل و حرکت اور پیش قدمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت بخاری کبھی کابل میں ہیں تو پھر کشمیر تو کبھی پیشاور میں۔

حضرت نیاز بے نیاز اپنی کبیر السنی اور اپنے کم عمر صاحبزادہ حضرت تاج الاولیاء کے مستقبل کی جانب سے سخت فکرمند ہیں۔ ابھی صاحبزادے کی عمر ساڑھے آٹھ سال سے بھی کم ہے لیکن والد صاحب کی دلی آرزو یہ ہے کہ اس عمر میں صاحبزادہ صاحب ذاکر و شاغل صاحب حال و قال ہو جائیں لیکن صاحبزادہ کی عمر کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کھیل کود میں مشغول ہیں۔ شفیق باپ کا دل کڑھ رہا ہے۔ قریب ترین احباب سے مشورے کر رہے ہیں۔ حضرت حکیم صاحب کے برادر خورد مولوی نعیم اللہ صاحب جو کہ حضرت ہی کے غلام ہیں حضور قبلہ کو صاحبزادے کے روشن مستقبل سے مطلع کرتے ہیں جواباً آپ تحریر فرماتے ہیں جس میں اپنی رویائے صادقہ اور بیٹے کے روشن مستقبل کی بشارت کا ذکر فرماتے ہیں جس میں حضرت بخاری بھی موجود ہیں۔

''نونہال چمن اقبال مسمی نعیم اللہ طال عمرہٗ۔۔۔ دعا قبول نماید۔۔۔

آنکہ از حال برخوردار نظام الدین حسین بشارت دادہ اند۔۔۔ ایں فقیر راہیچ معلوم نیست مگر

ہمیں قدر کہ یکروز دیدہ ام: کہ برخوردار مذکور در ولایت ترکستان یعنی ضلع بخارا نشستہ است و در پس اومیر محمد سمیع (امام السالکین) و نبی بخش (خادم و برادر منشی علی بخش) ایستادہ اند و مگس رانی می نمایند۔ ورو بروئے سلاطین و امراء آں ملک کہ در آنہا مولوی نعمت اللہ (شاہ ولایت کابل) ہم ہست۔ دست بستہ ایستادہ اند'' (والا نامہ مورخہ ۲۴؍ شعبان ۱۲۴۴ھ / یکشنبہ یکم مارچ ۱۸۲۹ء) حضرت نعمت اللہ خاں صاحب بخاری کی اشاعت کا سلسلہ ہندوستان کی حدود پار کرتا ہوا افغانستان ترکی تک امراء و سلاطین میں پہنچ گیا تھا اب چونکہ ان ممالک سے براہ راست روابط نہیں ہیں اس لئے تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔

حضرت نیاز بے نیاز، حضرت بخاری کو بھی اپنے والا ناموں میں ان الفاظ کے ساتھ مخاطب فرماتے تھے راہ رو مسلک شریعت و طریقت۔ واقف حقیقت۔ جامع منقول۔ حادی فروع و اصول مولوی نعمت اللہ خاں صاحب بخاری۔

۳۶۔ حضرت شاہ نور حسین بریلویؒ

حضرت شاہ سید نور حسین صاحب بریلویؒ سادات نقویہ کی مشہور و معروف شاخ حضرت سید جلال الدین بخاری علیہ الرحمۃ کی اولاد امجاد میں سے ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت سید حبیب شاہ میاں صاحب اوچ بلوٹ سے بریلی تشریف لائے تھے آپ بریلی شریف کے قطب مانے جاتے ہیں۔ آپ کا مزار مبارک چمگادڑ والے باغ سے متصل شمال جانب مرجع خلائق ہے۔

حضرت شاہ سید نور حسین صاحب نیازی اپنے والدین کی آٹھویں اولاد تھے۔ حضرت والد صاحب کے مزار مبارک سے مشرق میں تھوڑے فاصلہ پر آپ کا مکان تھا یہ محلّہ چک پرانے شہر میں ہے۔ یہ آبادی محلّہ خواجہ قطب خانقاہ نیازیہ سے مشرق شمال میں تقریباً دو میل کی دوری پر واقع ہے۔[1]

حضرت شاہ نور حسین صاحب حضور قبلہ کے عزیز مرید و خلیفہ ہیں حضرت انہیں اپنی اولاد کی طرح چاہتے تھے۔ بہت محبت و شفقت کا برتاؤ فرماتے تھے۔ آپ کے علاوہ آپ کے تمام بھائیوں بلکہ حضرت حبیب شاہ میاں صاحب کی اولاد در اولاد سے بھی محبت فرماتے تھے۔ حضرت شاہ نور

[1] کرامات صفحہ ۱۹۷

حسین صاحب تو گھر کے فرد تھے روزانہ کے حاضر باش تھے۔

آخر زمانہ میں جب حضور قبلہ کے دائیں حصہ جسم پر فالج تھا۔ سید صاحب حسب معمول روزانہ حاضر خدمت رہتے ایک بار ان کا جی بھر آیا یہ حالت دیکھ کر نہایت صدمہ ہوا۔ (ان کی حالت دیکھ کر) حضور قبلہ نے فرمایا کہ دروازہ بند کرلو اس کے بعد حضور نے فرمایا کہ اپنا ہاتھ لاؤ جس ہاتھ پر فالج تھا اس سے ان سے پنجہ کیا اور مثل تندرستوں کے ہاتھ ملایا اس کے بعد بغیر سہارے کے چارپائی سے اٹھے اور صحن میں ٹہلنے لگے۔ دو چار پھیرے چہل قدمی کر کے پھر لیٹ گئے اور جو پہلی حالت تھی وہی حالت بے حس وحرکت کی ہوگئی اور فرمایا ہمارے درد بہت ہے۔

شاہ نور حسین صاحب خاندان کے معتمد و راز دار بھی تھے جب منگل ۱۷ر ذیقعدہ ۱۲۷۷ھ / ۲۸ر مئی ۱۸۶۱ء ترکہ آبائی بہ رضامندی ورثاء یعنی شاہ نظام الدین حسین، شاہ نصیر الدین حسین اور جناب چچی بی صاحبہ (اہلیہ غلام محی الدین عرف راز احمد صاحبؒ) پنچوں کی تجویز پر قرار پایا حضرت سید صاحب سر پنچ مقرر ہوئے۔ انتہائی بوڑھے ہونے کی وجہ سے حضرت موصوف خود لکھ نہیں پاتے تھے آپ کے بجائے یہ خدمت حضرت سلامت اللہ خاں صاحب شاہجہانپوری نے انجام دی۔ ان پنچوں نے اپنی رائے صائب سے کل ترکہ تقسیم فرمادیا اور تینوں حصہ داروں نے قبول فرمالیا۔ جمعرات ۲۰ر ذیقعدہ ۱۲۷۷ھ / ۳۰ر مئی ۱۸۶۱ء کو پنچایت نامہ مکمل ہو گیا حضرت سلامت اللہ خاں صاحب نے سید صاحب کے بجائے العبد لکھ کر رائے میری مطابق رائے پنچوں کے ہے۔ سید شاہ نور حسین سر پنچ (بقلم محمد سلامت اللہ خاں پنچ۔ ساکن شاہجہانپور لکھ دیا)۔[1]

واقعہ انتقال: سید صاحب کے بڑے بھائی حکیم سید نوشہ میاں صاحب نواب احمد علی خاں صاحب والئی رام پور (م ۲۵ر جمادی الاولی ۱۲۵۶ھ / ۲۶ر جولائی ۱۸۴۰ء) کے طبیب خاص اور مصاحب تھے۔[2] اور چوتھے بھائی رسول شاہ میاں کے صاحبزادے شاہ علی حیدر عرف الغوزے والے میاں بھی وہیں تھے۔ سید صاحب نے بھائی بھتیجے کی ملاقات کے لئے رامپور جانے کا ارادہ کیا تو یاران طریقت سے کہا یارو! بغل گیر ہو شاید پھر ملنا ہو یا نہ ہو۔ چونکہ آپ کے مزاج میں ظرافت بھی تھی (بے تکلف احباب) کہنے لگے یار! سچ مچ کہیں رامپور

---

[1] حملہ صفدری صفحہ ۲۷ [2] ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۲۷

جا کر بغیر ملے چل نہ دینا۔

غرض کہ آپ رامپور پہنچے اور (اسی قیام کے دوران) وہاں انتقال ہو گیا۔رامپور سے نعش مبارکہ بریلی لائی گئی۔ جب یہ خبر خانقاہ میں پہنچی تو لوگ رواں دواں زیارت کے لئے گئے معلوم یہ ہوا کہ جس وقت وصال ہوا ہے حضرت کا ایک پیر کھڑا رہ گیا۔ جب جسم سے گرمی تری جاتی رہی اس وقت پاؤں سیدھا کرنے کی کوشش کی گئی لیکن پیر سیدھا نہ ہوسکا۔غرض کہ اسی طرح حضرت کو قبر میں اتارا جب قبر میں آپ کا منہ کھولا گیا اس وقت (آپ کے بے تکلف) یاران طریقت بھی زیارت کو آئے ان میں سے کسی شخص نے کہا یار! تیری ظرافت کی عادت اب بھی نہیں گئی ۔ یہ سن کر آپ مسکرائے اور اپنا پاؤں سیدھا کرلیا۔[1]

آپ کے صاحبزادہ مولوی سید قطب حسین میاں صاحب سے حضرت تاج الاولیاء کے بچپن کے بے تکلفانہ تعلقات تھے۔[2]

حضرت شاہ نور حسین صاحب سے بڑے اور ساتویں بھائی سید شاہ علی رضا کے منجھلے صاحبزادہ جناب سید شاہ میاں صاحب سے حضرت تاج الاولیاءؒ سے بے تکلفی تھی ۔آپ سفر وحضر میں رفیق تھے۔اور سفر میں تو ہمیشہ حضرت کے ساتھ رہتے تھے۔[3]

حضرت شاہ محی الدین احمد صاحب کا بیان ہے:

چند سال بعد پھر دوبارہ سید شاہ موصوف کو بہت شدت کے ساتھ خناق ہوا۔اور وہ بہت ضعیف ہو گئے تھے ۔یہاں تک کہ بلا استعانت غیرے جنبش نہیں کر سکتے تھے ایک روز حضرت (تاج الاولیاء) نے مجھ سے فرمایا کہ سید شاہ دوست ہیں چلوان کو دیکھ آئیں اور (خلاف عادت) یہ فرمایا اگر ممکن ہو تو ان کو اچھا کر آئیں ۔غرض کہ وہاں تشریف لے گئے جا کر دیکھا کہ سید شاہ بیہوش پڑے ہیں ان کے بڑے لڑکے سید علی اکبر شاہ نے سید شاہ کو ہوشیار کیا اور حضرت کی تشریف آوری کی اطلاع کی سید شاہ نے اشارہ سے سلام کیا۔حضرت نے آنکھیں بند کرلیں اور چپ ہو گئے بعد پندرہ منٹ کے آنکھ کھولی اور مجھ سے فرمایا کہ گھر چلو سید شاہ اچھے ہو گئے الغرض

---

1. نازونیاز جلد اول صفحہ ۵۹
2. حضرت موصوف کے تین صاحبزادگان سید منظور حسین، سید قطب حسین اور سید انوار حسین۔
3. کرامات نظامیہ صفحہ ۱۹۶

مکان تشریف لائے۔

دوسرے دن بعد ظہر کیا دیکھتے ہیں کہ سید شاہ یکہ میں بیٹھے ہوئے اور ایک آدمی ان کو پکڑے ہوئے خانقاہ پہنچے یکہ سے اتر کر اپنے پاؤں سے حضرت کے پاس آئے۔ حضرت نے فرمایا الحمدللہ، اللہ کا شکر ہے جس نے آپ کو صحت بخشی۔[1]

جناب سید شاہ میاں صاحب کے بعد موصوف کے منجھلے صاحبزادہ جناب علی معید شاہ صاحب حضرت شاہ محی الدین احمد صاحب کے بے تکلف احباب میں تھے موصوف بھی آپ کے سفر و حضر کے رفیق تھے۔ آخر آخر تک جناب سید صاحب کا وہی احترام برقرار رہا۔ رات کے کھانے میں سید صاحب ضرور ہوتے اگر تنہا بھی ہوتے اسی طرح پورے آداب کے ساتھ دستر خوان لگایا جاتا اور روشنی کے واسطے دستر خوان پر فانوس روشن کر کے رکھا جاتا۔ جناب سید صاحب کے صاحبزادہ سید سلطان علی شاہ علانیہ رافضی ہو گئے تھے اس لئے وہ خانقاہ سے کنارہ کش ہو گئے تھے مجھے ان کو دیکھنا اچھی طرح سے یاد ہے۔

۳۷۔ حضرت خلیفہ وجیہ الدین بریلوی

آپ بریلی شریف کے باشندہ ہیں۔ کرامات نظامیہ میں چند خلفاء جن کے نام و نشان کاتب (مولوی محمد فائق نیازی) کو معلوم ہوئے ان میں سے سینتیسویں نمبر پر آپ کا نام نامی ہے۔

صاحب ناز و نیاز نے آپ کی بیعت کا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے کہ:

خلیفہ وجیہ الدین بہت شدت سے بیمار تھے کہ کسی طرح کی توقع ان کی زندگی کی نہ تھی ان کو اس حالت میں یہ خیال آیا کہ اس مقدمہ میں جناب قبلہ سے عرض کیا جائے۔ اسی حالت میں ان کو نیند آ گئی۔ خواب دیکھا کہ جناب قبلہ تشریف لائے اور ان کے بدن پر ہاتھ پھیرا۔ صبح کو جو آنکھ کھلی تو بہت صحت بہتر تھی۔

چنانچہ دوسرے / تیسرے دن خلیفہ صاحب نے جناب قبلہ سے بیعت کی اور (پھر) صحت کلی ہو گئی۔[1] اس واقعہ کے بعد منازل سلوک طے کرنے پر حضور قبلہ نے خلافت سے سرفراز فرمایا۔

---

[1] کرامات نظامیہ صفحہ ۱۹۷

آپ کا دائرہ کار و حلقہ اختیار دریافت نہیں ہو سکا۔

۳۸۔ ولایت مآب حضرت حافظ وزیر خواجہ

آپ حضور قبلہ نیاز بے نیاز کے خلیفہ ہیں حضرت ملا جان محمد صاحب اور حافظ وزیر خواجہ صاحب دونوں حضرات ہمراہ حضور قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ملا جان صاحب کے سلسلے میں آپ کی حاضری اور مدت قیام پر گفتگو کی جا چکی ہے۔ اصلاً آپ بخاری ہیں۔ بریلی شریف سے خلافت کے بعد خاص شہر کابل کے کوچہ مردہ شویاں میں خانقاہ تعمیر کر کے قیام فرمایا۔ محمد حسن کابلی نے بتایا کہ آج کل اس کو کوچہ علی رضا خاں کہتے ہیں۔ خانقاہ میں ان کی اولاد انتظام کر رہی ہے۔

حضرت حافظ وزیر خواجہ نے سلسلہ نیازیہ کی کافی اشاعت کی اللہ کی بہت مخلوق کو فیض پہنچایا۔

آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے میر غلام حسن شاہ کی تعلیم و تربیت فرما کر خلافت عطا فرمائی۔ ان کے علاوہ نو دوسرے صاحبان کو خلیفہ کیا جن کا مختصر ذکر آ رہا ہے۔

۱۔ خلیفہ سلطان محمد خیاط کشمیری: اصلاً آپ کشمیر کے باشندے ہیں۔ پیشہ درزی کا تھا۔ عمر شریف تقریباً نوے سال ہوئی انتہائی صاحب حال بزرگ تھے۔ آپ پر محویت کا اس طرح غلبہ تھا کہ کسی شخص کو پہچانتے نہیں تھے۔

۲۔ خلیفہ ملا تیمور شاہ مرحوم: آپ بہت بڑے عالم تھے۔ اولاً آپ تین روز تک حضرت وزیر خواجہ سے بحث کرتے رہے اس کے بعد قائل ہو کر بیعت ہوئے انتہائی ریاضت و مجاہدے کے بعد آپ کو خلافت عطا فرما کر ولایت بدخشاں عطا کی جہاں آپ نے بہت فیض پہنچایا۔ بیسویں صدی کے دوسرے دھے تک آپ کے کافی مریدین موجود تھے۔

۳۔ خلیفہ نور محمد خاں کابلی: مرحوم بڑے صاحب ریاضت بزرگ تھے آپ میں بے پناہ سوز و گداز تھا۔

۴۔ خلیفہ غلام محمد کشمیری: حجامت آپ کا پیشہ تھا بڑے ریاضت کرنے والے اور صاحب سوز و گداز بزرگ تھے۔

۵۔ خلیفہ غلام محمد بخاری: ریاضت کرنے والے صاحب ذوق و شوق بزرگ تھے کتنے

ا۔ ناز و نیاز جلد اول صفحہ ۵۹

ہی چلے آپ نے کھینچےاس کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے۔

۶۔خلیفہ عبدالرحمٰن :قوم کے افغان کورم کے رہنے والے۔یہ مقام کابل سے بیس کلومیٹر کی دوری پر ہے۔اور موٹر کا راستہ ہے۔خلیفہ صاحب زبردست عالم تھے شرف بیعت کے بعد مدتوں شیخ کی خدمت میں رہ کر ریاضت ومجاہدے کرتے رہے برابر چلّے کرتے رہے اس کے بعد خلافت عطا ہوئی۔آپ کے ذریعہ سلسلہ نیازیہ کی بہت اشاعت ہوئی۔کورم کے تمام باشندگان کا مذہب شیعہ تھا آپ کی بدولت پوری آبادی نے عقیدہ بدل دیا اور سب کے سب صوفی ہو گئے۔کرامت نظامیہ کی ترتیب (۱۹۱۶ء) تک آپ کے دست گرفتہ مریدین کافی تعداد میں موجود تھے۔

۷۔خلیفہ سید اعلی :آپ ساکن موضع قورچاق علاقہ کابل کے تھے بیعت ہونے کے بعد آپ نے بہت ریاضت کی چلّے کئے آپ باذوق وشوق شخص تھے۔بہت سے لوگ آپ سے مرید ہوئے اور فیض حاصل کیا۔جب حضرت حافظ وزیر خواجہ اپنے وطن بخارا تشریف لے جاتے تو اپنی نیابت میں خلیفہ سید اعلی کو اپنی خانقاہ میں چھوڑ کر جاتے۔

۸۔خلیفہ احمد علی شاہ قندھاری: پہلے آپ شیعی تھے۔اپنے مذہب کے واعظ تھے جہاں کہیں جاتے تو مشائخ کا خندہ ومضحکہ کرتے اور مشائخ کے پاس امتحان کی غرض سے جاتے اسی خیال سے حافظ وزیر خواجہ کے پاس آئے لیکن ان کو دیکھتے ہی قدموں پر گر پڑے اور توبہ کر کے اپنے مذہب سے تائب ہوکر مرید ہو گئے۔آپ نے بہت ریاضت کی اور جلد ہی روحانی منازل طے کر کے خلافت پائی اور مقام ململندر میں خانقاہ تعمیر کر کے بہت سے لوگوں کو فیضیاب کیا۔

۹۔خلیفہ لال شاہ محمد :خاص شہر کابل کے باشندے تھے بڑے ریاضت کرنے والے انتہائی صاحب ذوق وشوق تھے ایک بار حافظ وزیر خواجہ ان کی جرأت سے سخت ناراض ہو گئے فرمایا دور ہو جا آئندہ ادھر مت آنا تو نے محنت برباد کردی انہوں نے ہرچند معافی مانگی لیکن قبول نہیں ہوئی۔ان کی تمام کیفیات سلب ہو گئیں خلافت بھی واپس لے لی۔[1]

حضرت خواجہ مستان شاہ کابلی نے بھی ولایت مآب حضرت حافظ وزیر خواجہ کی خدمت عالی میں رہ کر فیض صحبت اٹھایا اور باطنی فیوض وبرکات حاصل کیں۔

---

[1] کرامات صفحہ ۵۹۔۵۸

نور اللّٰہ مرقدھم

حضرت ولایت مآب کے دوسرے صاحبزادے حضرت میر ولی الحق صاحب مقیم کوہ دامن جبل السراج حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد صاحب کے باعظمت خلیفہ ومجاز تھے۔ خانقاہ کے دوران قیام تعویذ نویسی کی خدمت میر صاحب کے سپرد تھی۔ کسی دراندازنے حضرت سے شکایت کردی کہ میر صاحب تعویذ کی نذر لیتے ہیں حضرت کے حضور میں طلبی ہوئی پوچھا کہ آپ تعویذ کی نذر لیتے ہیں؟ عرض کیا جی حضور! لیتا ہوں متوکل آدمی ہوں اپنا خرچ خانقاہ پر نہیں ڈالتا اسی سے چائے وغیرہ کا خرچ چلا لیتا ہوں فرمایا کیا لیتے ہیں؟ عرض کیا صرف سوئیوں کے تعویذ کی ایک پیسہ نذر لیتا ہوں۔ یہ سن کر فرمایا دو پیسہ نذر لیا کیجئے خوش ہوکر قدم بوس ہوئے اور عرض کیا بلے سرکار!۔

میر صاحب کی کشود کا یہ واقعہ ہے کہ سب کچھ کرنے کے باوجود آپ کے قلب میں رقت پیدا نہیں ہوتی تھی۔ ایک بار میر صاحب محرم شریف کے زمانے میں خانقاہ میں حاضر تھے ۷ رمحرم شریف کو خانقاہی باورچی خانہ میں کھچڑے کی دیگیں تیار ہو رہی تھیں حضرت سراج السالکین بذات خود وہاں تشریف فرما تھے۔ میر صاحب حضرت کی خدمت میں چائے کی کشتی پیش کر رہے تھے اس اثناء میں حضرت نے حضور قبلہ کا یہ شعر پڑھا۔[۱]

اے دل! بگیر دامن سلطان اولیاء یعنی حسین ابن علی جان اولیاء

اور میر صاحب کی جانب دیکھا اسی وقت میر صاحب کی حالت غیر ہونا شروع ہوئی اور پھر وہ قابو سے باہر ہوگئے چائے کی کشتی ہاتھ سے چھوٹی پیالیاں زمین پر گر کر چکنا چور ہوگئیں اور میر صاحب کا وجد رو بہ ترقی تھا۔ کافی دیر کے بعد میر صاحب کے مزاج میں افاقہ ہوا اسی روز حضرت سراج السالکین نے میر صاحب کو دستار خلافت سے سرفراز فرمایا۔ میر صاحب کی خلافت کا واقعہ ۱۹۱۶ء سے قبل کا ہے اسی لئے صاحب کرامات نظامیہ حضرت سراج السالکین کے خلفاء کی فہرست میں آپ کا نام تحریر کیا ہے۔[۲]

حضرت کے افراد خاندان اور خانقاہ میں ہر خورد و کلاں حضرت میر صاحب کا ادب واحترام کرتا

---

۱ بیان حضرت والدی علیہ الرحمۃ

۲ بیان منجھلے ابا حضرت محبوب میاں صاحب

اور خود میر صاحب سراپا نیاز تھے شفقت و محبت سے پیش آتے لوگ ان سے دعائیں پڑھنے کی اجازت لیتے اور آپ بخوشی انہیں دعائیں تعلیم فرماتے اور اس کے عمل کی اجازت مرحمت فرماتے۔

خانقاہی خدمت کے سلسلے میں میر صاحب بازار جاتے تو وہاں میر صاحب کا احترام کیا جاتا بازار کے لوگ آرزو کرتے کہ حضرت میر صاحب ان کی دوکان پر قدرے قدم رنجہ فرمائیں لیکن آپ حضرت کی بغیر اجازت کہیں نہیں ٹھہرتے تھے البتہ آرزومند معتقدین حضرت سے اجازت لے کر حضرت میر صاحب کو اپنے یہاں لے جاتے انہیں صاحبان میں حاجی سید فضل احمد صاحب مرحوم عطر فروش تھے جن کی سعی و کوشش سے میر صاحب کو ان کی دوکان پر چند منٹ قیام کی اجازت مل گئی تھی ۔حضرت والد صاحب قبلہ نے حضرت میر صاحب کا حلیہ اس طرح بیان فرمایا ہے۔[1]

حضرت میر ولی الحق صاحب کا رنگ گورا چہرے کے نقوش معمولی۔درمیانہ قد۔سر پر سفید صافہ (افغانستان میں سردار ہونے کی علامت) اس کے نیچے سفید زلفیں ۔داڑھی بڑی بلکہ ذرا دراز، جسم درمیانہ کرتہ و شلوار زیب تن ۔شلوار چوڑے پائنچے کی اور ٹخنہ سے اونچی پاؤں میں پیشاوری چپل۔ بندوق چلانے میں ماہر تھے۔رات میں گھوڑے پر بیٹھ کر گلے میں بندوق ڈالے ہوئے اپنے علاقہ کا گشت لگاتے اور اسی حالت میں اللہ اللہ کرتے رہتے۔[2]

میر صاحب پہلے تنہا حاضر ہوتے تھے پھر اپنے مرید خوشدل خاں کو ہمراہ لانے لگے تھے۔خوشدل خاں درمیانی عمر کے حسین آدمی تھے ان کی دراز زلفیں لیکن زلفیں اور داڑھی سیاہ تھیں اس جامہ زیب آدمی تھے اور خوش پوشاک بھی ۔صاحب وجد و حال تھے ۔حضرت سراج السالکین کے وصال (۱۹۲۴) کے بعد بھی حاضر ہوئے اس کے بعد وصال فرمایا۔

خلیفہ غلام علی شاہ، جبل السراجی نے راقم کو بتایا تھا کہ حضرت میر صاحب کا مزار ان کی خانقاہ واقع کوہ دامن جبل السراج میں ہے۔آپ کی اولاد اہل دولت و ثروت تعلیم یافتہ اور اچھے سرکاری عہدوں پر متعین ہے لیکن ان صاحبان کو اپنے آباء واجداد گرامی کی روحانیت سے کوئی مناسبت اور لگاؤ نہیں ہے۔

---

[1] بیان حضرت والدی علیہ الرحمہ [2] کرامات صفحہ ۳۵۸

۳۹۔حضرت حاجی سید ہاشم شاہ دیو غابی للندری

حضرت سید ہاشم شاہ صاحب کی ولادت کا سنہ ۱۲۰۱ھ میں للندر میں ہوئی۔آپ کا تاریخی نام اختر ہے۔آپ حضرت یار محمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں سے ہیں۔حضرت یار محمد صاحب کو سلسلہ عالیہ کی اشاعت کا موقعہ تقریباً تین سال ملا اسی تین سالہ مدت میں موصوف نے چار حضرات کو فقر وعرفان کا آرزومند پا کر ان کو اپنے شیخ کے حضور میں بریلی شریف روانہ کیا یہ سنہ ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۴ء کا واقعہ ہے۔

آپ کے فرزند و جانشین حضرت سید فخر الدین مجنون شاہ صاحبؒ بیان کرتے ہیں کہ:

میرے والد سید حاجی ہاشم صاحب علیہ الرحمۃ پہلی بار حضرت نیاز بے نیاز غریب نواز کی خدمت میں آرہے تھے تو شہر کابل سے باہر (تقریباً دس میل کے فاصلہ پر بت خاک کے مقام پر) ایک شخص نے لفافہ میں ایک خط میرے والد کو دیا کہ اس کو بھی غریب نواز کے حضور میں پہنچا دینا۔جب میرے والد آپ کی قدم بوسی سے مشرف ہو چکے تو وہ خط پیش کیا۔حضرت غریب نواز نے مطالعہ فرمایا اس میں تحریر تھا کہ یا حضرت! میری ایک بیٹی ہے اور وہ آپ کی نذر ہے۔اب جواں ہے اور اس کو ہندوستان لانا دشوار ہے۔اگر حضور اپنے پیروں کے طفیل میں اس کو بخش دیں تو میں کسی کو دے دوں۔حضرت نے ناراض ہو کر فوراً تحریر کیا میں نے کب تم سے دختر طلب کی تھی کہ تم میرے پیروں کو درمیان میں لائے۔جس کو چاہو دے دو اجازت ہے۔

اس طرح لکھ کر دستخط کئے اور میرے والد کو دیتے ہوئے فرمایا سید! وہ شخص منتظر ہے اس کا جواب لے جاؤ حاجی صاحب نے دست قبول سر آنکھوں پر رکھا اور اسی روز چل کھڑے ہوئے۔چونکہ اس زمانے میں ریل (جاری) نہیں ہوئی تھی۔تین مہینے میں اس آدمی کے گھر پہنچ کر خط اس کے حوالے کیا۔اگرچہ اپنا مکان جو کہ (صرف) دس میل بھی دور نہیں تھا، نہ جا کر لوٹ آئے۔

اس زمانے میں دریا پر پل (بھی) نہیں بنا تھا جب دریائے خٹک پر پہنچے ہیں تو کشتی تیار تھی۔کشتی والے نے اجرت مانگی۔ان کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔یا نیاز بے نیاز کہہ کر دریا میں چھلانگ لگا دی (اس وقت) ایک ہاتھ ظاہر ہوا جس نے بازو پکڑ کر دریائے اٹک کے کنارے پہنچا دیا (اس

درمیان میں حالت یہ تھی کہ) پاؤں کبھی دریا پر پڑتا تھا اور کبھی نہیں۔ جب حضور میں مشرف ہوئے تو فرمایا شکر ہے بخیریت آ گئے۔ اگر دریا میں میں تمہارا ہاتھ نہ پکڑ لیتا تو ڈوب ہی جاتے۔ (پھر) فرمایا آگے آؤ جب حاجی صاحب آگے آئے تو ایک بتاشہ قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز نے ان کے منہ میں دے دیا۔ بتاشہ منہ میں رکھنا تھا کہ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت نے خادموں سے فرمایا کہ سید کو لے جا کر ایک کمرے میں لٹا کر دروازہ بند کر دو۔ ان کو ویسے ہی بیہوش اٹھا کر لے گئے اور ایک کمرہ میں ڈال کر دروازہ بند کر دیا۔

(اس کے) سترہ روز بعد حضرت بذات بابرکات حاجی صاحب کے کمرے میں تشریف لائے فرمایا کہ اب بھی بیہوش ہے۔ کچھ دیر ان کی طرف توجہ فرمائی تو ہوش میں آ گئے منہ میں ہاتھ لگایا تو اب بھی بتاشہ موجود ہے اور بالکل تر نہیں ہوا ہے۔

حضرت غریب نواز احوال پوچھتے رہے اور وہ بتاتے رہے فرمایا اے سید شاباش!! کوئی شخص سترہ سال ریاضت کرتا (اتنی) تم نے (صرف) سترہ روز میں کر لی۔ اچھا اَب چلہ میں بیٹھ جاؤ (اور اس کی یہ صورت رہے گی) کہ جہاں میں بیٹھوں تم میرے سامنے بیٹھنا اور جو فیض میرے جسم سے نکلتا رہے تم اس کے حامل رہو گے۔ اس طرح وہ سات سال حضرت کی خدمت میں رہے۔ اس کے بعد وہ وہاں سے رخصت ہوئے[1]۔ یہ قیام ۴۷۔۱۲۴۲ھ/۳۱۔۱۸۲۶ء حضور کے وصال سے تین سال قبل تک رہا۔

سات سال کی روایت میں ایک بات ضرور ذہن میں کھٹکتی ہے اس لئے کہ آپ کے صاجزادہ حضرت سید مجنون شاہ صاحب کا سنہ ولادت ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء ہے۔ حضرت بلبل شاہ صاحب نے یہی سنہ تحریر فرمایا ہے۔

در ہزار دو صد و چہل ہم دو سال — شد تولد ایں شہ صاحب خصال[2]

حضرت قبلہ حاجی صاحب نے ایک عالم کو مستفیض فرما کر بعمر چونسٹھ سال بروز سہ شنبہ ۳/ربیع الاول ۱۲۶۵ھ/۲۷/فروری ۱۸۴۸ء کو اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر اپنے مولا کے حضور میں جا پہنچے۔

---

[1] دیباچہ دیوان مجنون شاہ کابلی از بلبل شاہ صاحب بدخشانی

[2] دیباچہ آتش کدہ وحدت

تاریخ وفات "بود مظہر حق"

حضرت خواجہ مستان شاہ کابلی صاحب آتشکدۂ وحدت نے بھی منجملہ دیگر خلفاء حضور قبلہ کے حضرت کی خدمت میں حاضر رہ کر فیض حاصل کیا۔[1]

آپ کی مسند ارشاد پر آپ کے صاحبزادہ سید مجنون شاہ متمکن ہوئے۔ حضرت سجادہ نشین اور دیگر خلفاء کرام کے ذریعہ افغانستان میں سلسلہ نیازیہ کی بے حد اشاعت ہوئی۔

مزار مبارک موسی چہار دہی میں ہے۔ یہ مقام اب شہر کابل کے اندر ہے اور صرف تین کلومیٹر کی دوری پر ہے۔ مقابل پولیس تھانہ موضع ہفت۔

تصانیف: آپ کے سات دواوین اور دس جلد باب مکتوب (تحریر و تقریرات کا مجموعہ) آپ نے ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء میں دیوان مرتب کیا۔

ہزار و دو صد و پنجاہ و نہ بود — کہ دیوانش چنین اتمام بنمود

ان اطلاعات کا اصل مآخذ خودان کے فرزند و جانشین ہیں اور اس مآخذ کی دستیابی کا ذریعہ حضرت بلبل شاہ صاحب بدخشانی ہیں موصوف نے ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں سید مجنون شاہ صاحب کا دیوان بوستان خیال مع ترجیع بند و قطعات و مستزاد و تواریخ حسب اجازت شرافت و نجابت دستگاہ حضرت امیر شاہ چشتی۔ شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین کے مطبع حمیدیہ لاہور سے شائع کیا۔

۴۰۔ حضرت مولوی یار محمد صاحب بریلی میں

حضرت مولوی یار محمد صاحب نے مولوی عبید اللہ سے ملنے کے بعد بریلی کا پکا ارادہ کر لیا اور ہندوستان کا رخ کیا۔ یہاں حضور قبلہ نیاز بے نیاز نے فرمایا ایک آدمی کابل سے میرے قتل کے ارادے سے آرہا ہے تاریخ لکھ لو۔ مولوی صاحب اپنے ملازم کے ہمراہ گھوڑے پر سوار منزلیں طے کرتے ہوئے دو مہینہ میں بریلی پہنچے۔

ان کی آمد سے قبل حضور قبلہ نے خانقاہ میں قوالی شروع کرادی تھی۔ مولوی صاحب خانقاہ میں پہنچے تو قوالی ہو رہی تھی نیاز بے نیاز نے مولوی صاحب پر ایک نظر ڈالی اور اپنے کام میں مشغول ہو

[1] دیباچہ آتش کدہ وحدت

گئے (ادھر) مولوی صاحب کا علم ایسا غائب ہوا کہ سلام تک یاد نہیں آیا۔

ایک گھنٹہ مولوی صاحب دست بستہ قوالی میں کھڑے رہے قوالی کے ختم پر مولوی صاحب نے حضرت نیاز بے نیاز کے قدموں کا بوسہ لے کر دوبارہ کھڑے ہو گئے۔ حضرت نے فرمایا بیٹھو۔ مولوی صاحب نے کہا میں نے عمل فاسد کا قصد کیا تھا اب جب تک معاف نہیں کیا جاؤں گا میں بیٹھ نہیں سکتا فرمایا معاف جبھی کیا جائے گا جب تم وعدہ کرو کہ فقیر بنو گے۔ عرض کیا میں دل و جان سے فقیر ہوتا ہوں۔ قدم بوس ہوتے ہوئے عرض کیا:

دلم از شش جہت واشد بہ گوشم صدا آمد
سیاہ شد چہاردہ چشمم کہ بزلفش نگاہ کردم

تخلیہ میں لے جا کر انہیں مرید کیا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا میری آرزو ریاضت کی ہے ریاضت کی رہنمائی فرمایئے۔ حضرت نیاز بے نیاز انہیں حجرہ میں لے گئے اور خاندانی تعلیم تلقین فرمائی۔ حضرت مولوی صاحب نے فرش اکھاڑ کر اینٹوں کا گٹا بنایا اور اس پر محویت میں ان پر استغراق طاری ہو گیا چالیس روز تک انہیں اپنی خبر نہیں رہی۔ حجرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا لوگوں اور مریدوں نے حضور میں عرض کیا کہ چالیس روز ہو رہے ہیں انہیں اپنی خبر نہیں ہے جیسے بیٹھے تھے ویسے ہی بیٹھے ہیں۔ معلوم نہیں زندہ بھی ہیں یا نہیں؟ حضرت نیاز بے نیاز نے بذات خود تشریف لا کر دروازہ کھولا کیا دیکھتے ہیں کہ ذات حق میں ایسا محو ہیں کہ انہیں اپنی خبر نہیں ہے۔ آپ نے توجہ دی تھوڑی دیر بعد انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور حالات اور مقامات بیان کئے آپ نے فرمایا تم نے چالیس عبادت کو چالیس دن میں تمام کر لیا۔ جب کھڑے ہونے کی ہمت کی تا اینٹوں کا روڑہ سارے بدن پر چبھا ہوا تھا۔ چالیس روز دوا دارو کرنے پر صحت مند ہوئے۔

جب مولوی یار محمد صاحب نیاز بے نیاز کی خانقاہ میں پہنچے تھے اس وقت ان کی خوراک ایک بھنے ہوئے برہ (بکری کا بچہ) کا گوشت تھا۔ حضرت قبلہ ان کے واسطے علیحدہ کھانا پکواتے تھے تین روز تک ایسا ہی ہوتا رہا۔ چوتھے دن عرض کیا کہ حضرت مجھ میں اور دوسرے غلاموں میں کیا فرق ہے؟ میں بھی دوسرے خدام کے زمرہ میں کھانا چاہتا ہوں۔ فرمایا بہت اچھا پہلے دن چھ روٹیاں کھائیں۔ اگلے دن پانچ پھر چار اور پھر تین۔ کسی سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے۔ خانقاہ کی

دیوار میں ایک بڑا طاق تھا دن ورات وہیں اپنے شغل میں مستغرق رہتے۔حرارت عشق اس درجہ بڑھی ہوئی کہ جو بھی ان کے پاس سے گزرتا اسے گرمی کی لپٹ محسوس ہوتی۔

ایک بار حضرت کے باغبان نے عرض کیا میں ایک رات کے لئے اپنے لوگوں میں جانا چاہتا ہوں۔حکم فرمادیجئے کہ کوئی رات کو باغ میں رہ کر نگرانی کرلے۔حضرت نے فرمایا جس کو تم پسند کرو اپنے ساتھ لے جاؤ۔اس نے مولوی صاحب کو چنا۔مولوی صاحب خاموش اور شب بیدار آدمی تھے۔تمام رات باغ میں رہے۔صبح کو باغبان نے واپس آکر دیکھا کہ تمام پیڑ سوکھ گئے تھے۔اس نے نیاز بے نیاز کے حضور میں عرض کیا جواب دیا ہمیں کیا تم خود اپنی پسند کا آدمی ساتھ لے گئے تھے۔ان کی گرمی سے باغ جل گیا۔

کچھ مدت بعد مولوی صاحب نے وطن جانے کی اجازت چاہی حضرت نے فرمایا تھوڑا ٹھہرو۔کچھ دن بعد جانے کی اجازت چاہی حضرت نے وہی جواب دیا مولوی صاحب نے پھر اجازت چاہی۔حضرت نے فرمایا جاؤ لیکن سولی کو سرخ کروگے۔اس کے بعد حضرت قبلہ نے خلافت عطا فرمادی چھ ماہ بعد افغانستان جانے کی اجازت طلب کی فرمایا تم بیباک فقیر ہوگئے ہو مجھے تمہارا افغانستان جانا خطرناک معلوم ہوتا ہے وہاں کے لوگ ظاہر پرست ہیں انہوں نے دوبارہ اجازت طلب کی آپ نے اجازت دیتے وقت فرمایا:

با صاف دلاں مجادلہ بخویش دشمنی
ہر کس کشد بہ آئینہ خنجر بہ خود کشد

جب تم نے ہمارے سر کا ارادہ کیا تھا تب تمہارا سر برباد ہوچکا تھا اچھا ہوا تم فقیر ہوگئے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا میں بھی اپنا سر خدا کے نام پر آپ کے عشق میں دے رہا ہوں اور افغانستان کو روانہ ہوگئے۔پہلے کابل پہنچے تو جوش وخروش بہت بڑھا ہوا تھا۔لہذا تمام سازندوں،نوازندوں اور گویئوں کو جمع کرکے صبح سے شام تک محفل سماع چلتی رہتی اور نماز کے اوقات میں بھی سماع چلتا رہتا۔آپ کے منہ سے کلمہ انی انا اللہ جاری ہوگیا تھا۔چنانچہ کابل واطراف کابل کے علماء نے سب طرف سے جمع ہوکر مولوی صاحب سے مواخذہ کیا کہ آپ متشرع عالم آدمی تھے آپ کس بلا میں گرفتار ہوگئے کہ دفعتاً شرع سے خارج ہوگئے مولوی صاحب نے

جواب دیا میں فقیر ہو گیا ہوں جتنے بھی اعتراضات مجھ پر وارد ہوتے ہیں آپ صاحبان ایک محضر پر لکھ کر مجھے دے دیجئے تمام علماء نے ایک زبان ہو کر معترض فیہ مسائل لکھ کر دستخط کئے۔ چونکہ مولوی صاحب عالم ظاہر و باطن تھے لہذا چند جملوں میں ایسے شافی جوابات دیئے کہ علماء ساکت رہ گئے۔

ان دنوں رجوعات وفتوحات اس درجہ بڑھیں کہ وکلاء، وزراء، رعایا، منصب داران، فوجی وملکی ہر قسم وطبقے کے لوگ حضرت مولوی صاحب کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ حضرت موصوف کے معاملات یوماً فیوماً ترقی پر تھے۔ ان دنوں مولوی صاحب کو ایسی فنائیت تامہ حاصل ہوئی کہ اپنی جانماز کا رخ بھی بریلی شریف کی جانب کرلیا۔ اس پر بھی لوگوں کو بے حد اصرار تھا مگر وہ یہی کہتے تھے کہ میرا کعبہ بریلی شریف میں ہے۔ اس کے باوجود مقبولیت اس قدر بڑھی کہ حکومت کے ارباب حل وعقد کو فکر پیدا ہوگئی سردار محمد اعظم خاں نے حکومت سے شکایت کی کہ مولوی صاحب کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ وکلاء، وزراء، رعایا، منصب داران، فوجی وملکی سب مولوی صاحب کے گرویدہ ہو گئے ہیں۔

بریلی شریف سے گئے ہوئے حضرت موصوف کو تین سال ہو گئے تھے ایک رات مولوی صاحب نے حضرت قبلہ کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں " کہ تو نے کابل جا کر دوکان داری اختیار کر لی ہے اور اپنا وعدہ بھول گیا"

حضرت مولوی صاحب نے اپنے متعلقین و وابستگان سلسلہ کو جمع کر کے فرمایا کہ مہینے میں بلکہ اسی ہفتہ میں اپنا سر عشق خدا اور اپنے مولا کی رضا میں دے رہا ہوں تم میں سے جو لوگ چاہیں وہ بریلی شریف میں حضور قبلہ نیاز بے نیاز سے رابطہ وتعلق غلامی قایم کرلیں۔ اس مجمع میں چار آدمیوں نے اپنا اشتیاق ظاہر کیا کہ حضرت ہم لوگ حضور قبلہ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں۔ مولوی صاحب نے ان صاحبان کے تعارف اور سفارش کا عریضہ تحریر کر کے حضور قبلہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ جس میں انتہائی معذرت کے ساتھ لکھا تھا کہ:

حسب وعدہ میں اپنا سر نثار کر رہا ہوں اور چار نفر فقر وعرفان کی آرزو میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں مذکورہ ذیل چاروں حضرات مولوی صاحب سے بیعت تھے ان کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ مولوی جان محمد صاحبؒ

۲۔حافظ وزیر خواجہ صاحبؒ

۳۔سردار محمد عثمان خاں صاحبؒ

۴۔حاجی سید ہاشم صاحبؒ للندری

اس اثناء میں علماء ظاہر نے باتفاق ان کے قتل کا فتویٰ صادر کر کے انہیں سولی پر چڑھا دیا۔عمر شریف چھتیس سال ہوئی۔

سید السادات سید فخر الدین مجنون شاہ نے اس واقعہ کو نظم فرمایا ہے۔تاریخ وفات وشہادت حضرت مولوی یار محمد شہید سر باز راہ خدا طالب شاہ نیاز احمد صاحب۔

سید عالی فقیر با کمال	صاحب رمز الہ از حال و قال
مولوی یار محمد پاک دین	سینہ اش پاک از کدورتہاے کین
طالب شاہ نیاز بے نیاز	سی وشش بودست عمر پاکباز
در ہزار و دو صد و چہل شد شہید	رفت باحق قول ارجعی شنید
یک ہزار و سہ صد و چار از وفات	برگذشت تا ایں زماں ازاں عالی صفات
سید عالی نسب چشتی شعار	عالم اسرار واقف از خیار
منصب جام شہادت نوش کرد	بس بروں از دیگ عشق سرپوش کرد
ہمچو منصور رمز حق از دل کشید	خویش را از قید آب و گل کشید
مرغ روحش چوں رہید از قید تن	شد خراماں سوئے جنات عدن
شاہ باز است و شاہ بے مثال	صید امثالی گرفت و رست از زوال
عالم اجسام و امثال وجود	صید کرد و بُرد بر شاہ ودود
خادم و طالب فقیر دودماں	عاشق و مجنون محسو روے یار[1]

آپ کا مزار کابل میں دروازۂ سرداندر پر واقع ہے ارگ شاہی کے مشرقی دروازہ کے مقابل داخلہ وزارت معدن صنائع۔باغچہ شاہی پہلے ہے اور پائنتی کی طرف کوتوالی کا گنبد ہے۔

[1] دیوان بوستان خیال

مواہیر وامضاء اکابر سلسلۂ عالیہ نیازیہ

بریلی شریف































مواہیر وامضاء اکابر سلسلۂ عالیہ نیازیہ

بریلی شریف

اس مجموعہ میں پندرہ مہریں اور دو دستخط شامل ہیں۔جن کی تفصیل ذیل میں آرہی ہے۔

ا۔ یہ انگوٹھی والی چوکور مہر حضرت بی بی شاہ غریب نواز (والدۂ ماجدہ حضرت نیاز بے نیاز) کی ہے۔اس کا سائز 14mmx14mm ہے۔اس کی عبارت حدیث: کُن فی الدنیا کانک غریب کعابری سبیل شروع کا حصہ ہے۔

حضور مولانا فخر الدین محمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ آپ کو بہ موقع عرس مبارک حضرت شاہ شاہان نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ مورخہ ۱۲/ذیقعدہ ۱۱۷۳ھ/۲۶/جون ۱۷۶۰ء کوخلافت عطا فرمائی تھی اسی لئے آپ کی مہروں میں سنہ کے علاوہ دوسری گنتی، سال خلافت/سال جلوس کندہ ہے۔

اس مجموعہ میں چھ مہریں حضرت نیاز بے نیاز کی ہیں۔جن میں سے تین مہریں سنہ ۱۱۹۴ھ جنوری ۱۷۸۰ء کی ہیں منجملہ ان تین مہروں کے دو مہروں میں جانشینی یا سال جلوس کا اکیسواں سال کندہ ہے۔

یہ تین سطری گول مہر ہے اس کا سائز مذکورہ تینوں مہروں سے بڑا 5Cmx5Cm ہے یہ پیتل کی گول مہر ہے۔ یہ مہر تین سطری ہے۔اس کی عبارت عربی میں ہے اس کا خط نستعلیق ہے۔ عبارت اوپر سے نیچے کی طرف پڑھی جاتی ہے اس میں عبارت:

راجی رحمت اللہ الذی القوی، الفقیر الغریب نیاز احمد، القادری العلوی سنہ ۱۲۰۴ھ ۱۷۸۹ء اور سال جلوس ۳۱ کندہ ہے۔

مذکورہ عبارت میں لطف یہ ہے کہ حضرت والد صاحب کے اسم گرامی محمد رحمت اللہ کا بڑا جز رحمت اللہ متن عبارت میں آگیا ہے اسی میں حضرت والدہ ماجدہ کے لقب بی بی شاہ غریب نواز کا لفظ غریب بھی موجود ہے اس مہر کی پہلی سطر میں راجی رحمت اللہ الذی سے اس کا آخری لفظ القوی کی یائے کشیدہ سے سطر کا کام لیا گیا ہے دوسری سطر کی عبارت:

القوی الفقیر الغریب نیاز احمد ۳۱ (سال جلوس) ہے

تیسری سطر کی عبارت:

القادری العلوی ۱۲۰۴ھ ہے

دوسری سطر کھینچنے کے لئے العلوی کی "ی" کو کشیدہ کیا گیا ہے۔ اس مہر میں سال جلوس کا ہندسہ ۳۱ دوسری سطر کے آخر میں لفظ احمد سے ملا ہوا ہے سنہ ہجری سال رواں ۱۲۰۴ھ ہے لفظ العلوی کے بعد درج ہے۔ یہی مہر حضرت غلام فخر الدین حسین صاحب کے سجادگی نامہ پر ثبت ہے۔

چوتھی و پانچویں مہر سنہ ۱۲۰۹ھ کی ہے اور چھٹی مہر ۱۲۲۰ھ کی ہے۔ چوتھی میں نیاز احمد کے نیچے چشتی اس طرح کندہ ہے کہ اس یائے کشیدہ سے سطر کا کام لیا گیا ہے۔ یہی مہر حضرت غلام فخر الدین حسین کے سجادگی نامہ پر آپ نے لگائی تھی اور خلاف معمول پانچویں اور چھٹی مہروں میں سال جلوس کا بھی التزام نہیں ہے۔

۱۔ یہ مہر انگوٹھی والی ہے عقیق کے نگینہ پر خط غبار میں کندہ ہے اس کا سائز 12mmx12mm ہے عبارت نستعلیق میں قادرے ۱۱۹

نیاز احمد ۲۱

عبارت نیچے سے اوپر کی طرف درج ہے اور دوسطری ہے نیچے کی سطر میں نیاز احمد اور اس سے ملی ہوئی گنتی اکیس ہے یہ ہندسہ سال جلوس کی نشاندہی کرتا ہے اوپر کی سطر میں قادری کی "یا" کو کشیدہ لکھ کر سطر کا کام لیا گیا ہے۔ یائے کشیدہ کی بائیں جانب سنہ-۱۱۹ دیا ہے اس میں اکائی کا ہندسہ چار قدیم روش میں اس طرح بنایا ہے۔

۲۔ اس مہر کا انداز تحریر بھی پہلی مہر جیسا ہے اس میں قادری سے پہلے چشتی لفظ کا اضافہ ہے حسب معمول سنہ ۱۱۹۴ھ ہے۔ اس میں چار کا ہندسہ قدیم روش کا نہیں ہے اور اس کے بالکل نیچے سال جلوس کا ہندسہ ۲۱ درج ہے اس مہر کا سائز 12mmx12mm ہے۔

۳۔ اس دوسطری مہر کی عبارت اوپر سے نیچے پڑھی جاتی ہے اور تحریر نستعلیق میں ہے۔ اس میں نیاز قادری چشتی نظامی فخری درج ہے نیاز احمد قادری کے نیچے چشتی اس طرح کندہ ہے کہ اس کی یائے کشیدہ سے سطر کا کام لیا گیا ہے۔ دوسری سطر میں نظامی فخری کے درمیان میں نیچے کی طرف سنہ ۹۴ اور فخری کی "ی" کے بعد گیارہ کا ہندسہ دے کر سنہ ہجری ۱۱۹۴ کندہ کر دیا ہے۔ اس مہر

میں سال جلوس کا بھی التزام نہیں کیا گیا ہے۔اس مہر کو بھی پھول پتیوں سے آراستہ کیا گیا ہے اس مہر کا سائز پچھلی دونوں مہروں سے سوایا 15mmx15mm ہے۔

۴۔۵۔اس مہر کی عبارت اوپر سے نیچے کی طرف پڑھی جاتی ہے۔یہ مہر بھی تین سطری ہے اوراس کا سائز 20mmx20mm ہے اس کی پہلی سطر میں عبارت:

نیاز بی نیاز، نیاز احمد چشتی سنہ ہجری ۱۲۰۹/۱۷۹۴ء

خط نستعلیق میں ہےاور درمیانی سطر کی عبارت خط نسخ میں ہے۔

الفقر فخری

اور تیسری سطر میں عبارت:

قادری، چشتی، نظامی

خط نستعلیق میں کندہ ہے۔اسے نقش ونگار سے بھی آراستہ کیا گیا ہے۔

۶۔یہ مہر بھی انگوٹھی والی ہے۔اس کا سائز 12mmx12mm ہے۔اس کی عبارت دولفظی اور دوسطری ہے۔عبارت اوپر سے نیچے کی طرف پڑھی جاتی ہےاوپری سطر میں

علی ۱۲۲۰

نیاز کندہ ہے

اور مقصود لفظ علی کو نیاز سے اوپر رکھنا ہے۔

مہر میں کندہ نام نیاز علی کسی قدر اجنبی معلوم ہوتا ہے۔بالکل ابتداء میں حضرت کے اس نام پر قدرے گفتگو کی جا چکی ہے خود آپ کے برادر بزرگ حضرت نثار علی شاہ صاحب کے نام نامی میں لفظ علی آخر میں موجود ہے ممکن ہے کہ مہر کن کو دونوں حضرات کی مہریں ساتھ دی گئی ہوں اور انہوں نے بڑے بھائی کے نام کی مناسبت سے اس مہر میں لاحقہ لفظ احمد کے بجائے علی کر دیا ہو۔

واللہ اعلم باصواب۔

یہ مہر پچھلی مہروں کے برخلاف حسن تحریر اور تزئین دونوں سے قطعاً عاری ہے۔

علاوہ ازیں اس گلدستۂ مواہیر وامضاء کی زینت حضرت قبلہ کے جانشین وخلف اکبر تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین صاحب کی بھی پانچ مہریں ہیں۔

ا۔ یہ مہر ایک سطری بیضوی ہے اس کا سائز 15mmx10mm ہے اس کی عبارت نستعلیق ہے۔

نظام الدین ۱۲۵۴ھ

یہ مہر عقیق کے نگینہ پر کندہ ہے جو چاندی کی انگوٹھی میں جڑا ہوا ہے یہ دریافت شدہ مہروں میں سب سے قدیم ہے اور جانشینی (واقعہ ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء) کے چار سال بعد کی ہے اور مہر کے کندہ ہونے کا زمانہ زیادہ سے زیادہ اوائل محرم/ اوائل اپریل ہوسکتا ہے۔

۲۔ یہ مہر دوسطری اور چوکور ہے۔ اس کا سائز 16mmx16mm ہے اس کی عبارت خط نستعلیق میں ہے۔

محو دیدار حق

نظام الدین

۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء

یہ مہر اوائل محرم/ مارچ ۱۸۳۹ء کی ہے اس لئے کہ یہ مہر درخواست بازیابی موضع فریداپور (مورخہ جمعہ ۲۰ر محرم ۱۲۵۵ھ/ ۵ر اپریل ۱۸۳۹ء) پر بھی لگی ہوئی ہے۔

۳۔ یہ مہر بھی خط نستعلیق میں ہے۔ اس مہر کا سائز 15mmx17mm ہے یہ چوکور مہر دو سطری ہے۔

عاشق محبوب سبحانی

نظام الدین حسین ۱۲۶۷ھ/۱۸۵۰ء

اس مہر میں پہلی بار لفظ حسین کا اضافہ ہوا ہے۔ مطابق سنہ عیسوی ۱۸۵۰ء ہے۔

۴۔ یہ ہشت پہل ایک سطری مہر ہے اس کا سائز 12mmx12mm ہے عربی خط میں اور نیچے سے اوپر کی جانب پڑھی جاتی ہے۔ سب سے اوپر لفظ حسین پر ۱۲۷۱ھ (مطابق ستمبر ۱۸۵۴ء) کندہ ہے۔

۵۔ یہ مہر بالکل مہر نمبر ۳ کی طرح ہے البتہ اس کا سائز 15mmx12mm ہے اور سنہ ہجری ۱۲۷۳ (مطابق اوائل ستمبر ۱۸۵۶ء) ہے۔

یہ مہر حضرت قبلہ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ نصیر الدین حسین نیازی نظامی رحمۃ اللہ

علیہ کی ہے جو کہ وابستگان کے عرف عام میں حضور چھوٹے میاں صاحب کہلاتے تھے۔نصیر الدین حسین کے اوپر ۱۲۵۴ھ/ ۱۸۳۸ء کندہ ہے مہر بیضوی ہے اور پھول پتیوں سے آراستہ ہے۔

ایک مہر جناب معین الدین صاحب (م رمضان ۱۲۷۳ھ/اپریل ۱۸۵۷ء) کی ہے۔اس چوکور مہر کا سائز 17mmx15mm ہے اور سنہ ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۸ء کندہ ہے ۔اس مہر کا تعارف تقدم زمانی کے لحاظ سے مذکورہ تیسری مہر سے پہلے آنا چاہئے تھا لیکن چونکہ موصوف جناب قبلہ کے صرف بھتیجے کے بیٹے اور آپ کے پوتے ہیں مشائخ سلسلہ کی ردیف میں نہیں ہیں اس لئے اس مہر کا تذکرہ بعد میں کیا گیا ہے۔

آخر میں دو مہریں حضرت سراج السالکین شاہ محی الدین احمد صاحب کی ہیں آپ حضرت تاج الاولیاء کے خلف اور جانشین اور حضور قبلہ کے نبیرہ ہیں۔

۱۔اس گلدستہ میں نیچے دائیں جانب آٹھ کونی تمغہ کی شکل کی 20mmx18mm سائز کی مہر ہے اندر گول دائرہ میں دوسطری عبارت نیچے سے اوپر کی طرف ہے زیریں سطر میں محی الدین احمد اور بالائی میں نیازی نظامی کندہ ہے۔

۲۔اس مہر کا سائز 17mmx13mm ہے یہ مہر بھی حضرت موصوف کی ہے۔یہ دوسطری مہر ہے اس کی عبارت نیچے سے اوپر محی الدین احمد نظامی نیازی اور سنہ ۱۳۲۹ھ (مطابق ۱۹۱۱ء) کندہ ہے۔

زیرین پہلے دستخط حضرت موصوف کے ہیں اور اوائل مارچ ۱۹۲۱ء کے ہیں۔

آخری دوسرے دستخط حضرت شاہ فخر الدین حسین رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں موصوف حضرت قبلہ کے بھتیجے پرورش کردہ اور نائب وسجادہ نشین کے ہیں جو کہ آپ نے حضور قبلہ کے وصال سے تین سال قبل ۱۲۴۷ھ/ ۱۸۳۱ء اور خود ہی حضرت موصوف نے دونوں سنہ ہجری اور مطابق سنہ عیسوی بھی تحریر فرمایا ہے۔مذکورہ دستخط مبارکہ یکشنبہ ۱۲رجون ۱۸۳۱ء سے چہارشنبہ ۳۱ردسمبر ۱۸۳۱ (ساڑھے چھ ماہ کے اندر کے ہو سکتے ہیں) اس لئے کہ اس تاریخ کے بعد دوسرا سنہ بدل رہا ہے یعنی شنبہ ۲۷ رجب سے یکم جنوری ۱۸۳۲ء سے شروع ہو رہا ہے۔

ہمارے بنیادی اور اہم منابع و مآخذ میں باعتبار ترتیب

کچھ منابع و مآخذ

کُتب مطبوعہ متعلقہ خانقاہ عالم پناہ بدایوں شریف اور خانقاہ نیازیہ بریلی شریف:

مرتبہ حضرت خلیفہ ملاں جی شاہ عناعت حسن خاں صاحب سجادہ نشین اول بدایوں

(م سہ شنبہ ۴/شعبان ۱۳۱۸ھ / ۲۷/نومبر ۱۹۰۰)

۱۔انسان کامل: بر حالات وکرامات حضرت شاہ نصیرالدین حسین قدس سرہ کل صفحات از ۱۹۔۴۰ صفحات۔مطبوعہ جمعہ ۱۲/ذقعدہ ۱۳۰۸ھ /۱۹جون ۱۸۹۱ء۔

۲۔عین العارفین۔۔تذکرہ مشائخ چشت (از صفحہ ۸۷ تا ۱۰۷)۔حالات حضور قبلہ وحضرت شاہ نصیر الدین حسین صاحب مد اسرارہم۔کل صفحات ۱۳۱۔مطبوعہ محرم ۱۳۱۱ھ / جولائی ۱۸۹۳ء سہیل دکن پریس حیدرآباد مؤلفہ ومرتبہ حضرت خلیفہ ملاں جی شاہ عنایت حسن خاں صاحب سجادہ نشین اول۔

۱۔رسالہ ناز و نیاز: جلد اول حالات حضور قبلہ وجلد دوم حالات حضرت شاہ نصیرالدین حسین قدس اسرارہما۔دو جلد کل صفحات ۱۴۶ = ۷۰+۷۶ مرتبہ حضرت خلیفہ محمد نصیرالزماں خاں صاحب نصیری نیازی سجادہ نشین دوم۔

مطبوعہ ۱۳۲۹ھ /۱۹۱۱ء۔باہتمام مولوی نظام الدین مالک و پرنٹر نظامی پریس بدایوں۔

۱۔کرامات نظامیہ۔حالات وکرامات حضرت تاج الاولیاء شاہ نظام الدین حسین قدس سرہ سجادہ نشین۔مرتبہ حضرت مولوی محمد فائق واسطی نیازی فتح پور ہسوہ۔صاحب ولایت ملک مالوہ۔کل ۴۲۴ صفحات۔مطبوعہ اخیر عشرہ ذلحجہ ۱۳۳۴ھ /۱۹ تا ۲۷۔اکتوبر ۱۹۱۶ء مطبوعہ نامی واقع میرٹھ۔

کرامات نظامیہ کی تصحیح تائید و تردید میں رسائل ترتیب وار

۱۔تصحیح واغلاط کرامات نظامیہ۔(کل صفحات ۹)۔از قلم حضرت خلیفہ نصیرالزماں خاں صاحب۔

۲۔کشف المسکین علی اصحاب الیقین۔از مولوی محمد عبد الرحیم زینبی (کل صفحات ۴۷)

مطبوعہ جمعہ ۲ / جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ / ۱۵ / مارچ ۱۹۱۸ء۔ جادو پریس جونپور۔

۳۔ حملہ صفدری (جواب ہر دو مذکورہ رسائل۔ کل صفحات ۱۰۶)۔ از حضرت مولوی محمد فائق صاحب نیازی۔

۴۔ ذوالفقار علی برگردن شقی۔ (جواب حملہ صفدری)۔ از حضرت خلیفہ نصیر الزماں خاں صاحب۔ کل صفحات ۶۷۔ مطبوعہ ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء مطبع روہیل کھنڈ بریلی۔

۵۔ صمصام حیدر بر مخالف آل پیغمبر۔ (جواب ذوالفقار علی) کل صفحات ۴۴ مطبوعہ ۱۳۳۸ھ / ۱۹۱۹ء۔

یہ ہماری معلومات و اطلاعات کے اصل مآخذ ہیں۔ اب کچھ ان مآخذ کی اطلاعات پر نظر ڈالتے ہیں۔ شروعات شجرہ نسبی حضور قبلہ سے کرتے ہیں۔ عین العارفین، ناز و نیاز اور کرامات نظامیہ کا تقابلی مطالعہ حاضر ہے۔

شجرہ نسبی حضور قبلہ از ہر سہ کتب

۱۔ عین العارفین	۲۔ ناز و نیاز بروایت معتبرہ	۳۔ کرامات نظامیہ حسب روایت نبیرہ و جانشین
۱۔ شاہ نیاز احمد	۱۔ شاہ نیاز احمد علوی	۱۔ شاہ نیاز احمد
۲۔ حاجی الحرمین حکیم الٰہی شاہ محمد	۲۔ حاجی الحرمین حکیم الٰہی شاہ رحمت اللہ علوی سرہندی	۲۔ حاجی الحرمین حکیم الٰہی شاہ رحمت اللہ علوی سرہندی
۳۔ شاہ عظمت اللہ محقق علوی سرہندی	۳۔ حاجی الحرمین حکیم الٰہی شاہ محمد علوی سرہندی	۳۔ شاہ عظمت اللہ محقق علوی سرہندی
۴۔ شاہ ابراہیم علوی ملتانی	۴۔ شاہ عظمت اللہ محقق علوی سرہندی	۴۔ شاہ ابراہیم علوی ملتانی سرہندی
۵۔ شاہ آیت اللہ اندیجانی ملتانی	۵۔ شاہ ابراہیم علوی ملتانی	۵۔ شاہ کلمۃ اللہ علوی ملتانی
۶۔ شاہ حکمت اللہ علوی اندیجانی	۶۔ شاہ آیت اللہ علوی اندیجانی	۶۔ شاہ آیت اللہ علوی اندیجانی ملتانی

٧۔شاہ محمد علوی اندیجانی	٧۔شاہ حکمت اللہ علوی اندیجانی	٧۔شاہ حکمت اللہ علوی اندیجانی ملتانی
٨۔شاہ احمد علوی اندیجانی	٨۔شاہ محمد علوی اندیجانی	٨۔شاہ احمد علوی اندی جانی
٨٧ عین العارفین	٢ نازو نیاز	٣،٤ کرامات

نسب کے سلسلے میں اول الذکر ہر دو حضرات کی تحقیق سامنے ہے دونوں ہی صاحبان نے انتہائی غیر ذمہ دارانہ طریقہ سے اپنے مخدوم کا شجرۂ نسبی پیش کیا۔

نسب نامہ لکھنے کا مطلب ہوتا ہے کہ فلاں بی بی کے فلاں صاحب خاوند ہیں اور اگر غلط نسب نامہ لکھا جائے تو فلاں بی بی پر الزام واتہام ہوگا کہ جو صاحب خاوند نہیں ہیں وہ ان پاک دامن بی بی صاحبہ کے خاوند ٹھہرائے جائیں گے (نعوذباللہ منہا)۔

شجرۂ نسبی کے تقابلی مطالعہ کے بعد کچھ جھلکیاں تذکرہ عین العارفین سے حاضر ہیں۔ یہ تالیف سلسلہ نیازیہ کی پہلی تالیف ہے اور اس اعتبار سے اس کو تقدم زمانی اور اولیت حاصل ہے۔

حضرت عنایت حسن خاں صاحبؒ رقم طراز ہیں:

۱۔ذکر حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ

رسالہ کشف المحجوب میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ ولی مادرزاد تھے۔

پہلی سطر کے بارے میں صرف دو باتیں عرض کرنا ہیں۔

۱۔رسالہ کشف المحجوب رسالہ نہیں ہے بلکہ تصوف کی عظیم اور فارسی زبان میں تصوف کی پہلی اور عظیم تصنیف ہے اور ۳۲۸ صفحات پر مشتمل ہے آج سے تقریباً ہزار سال قبل حضرت داتا گنج بخش عثمان بن علی ہجویری لاہوری کی مقبول عالم اور زبردست تصنیف ہے۔

۲۔ دوسری بات بالخصوص قابل توجہ یہ ہے کہ حضرت عبدالحق محدث دہلوی کا وصال ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۴ء میں ہوا ہے اس اعتبار سے کشف المحجوب کی تالیف اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے درمیان میں صرف پانچ سو سال کا فرق ہے۔

حضور مولانا فخرالدین محمد دہلوی کے حالات میں مؤلف عین العارفین تحریر فرماتے ہیں کہ:

''اکثر اپنے خلفاء کا حال آپ نے اپنے رسالہ فخر الحسن میں ارقام فرمایا ہے۔''

حقیقت میں رسالہ فخر الحسن حضرت مولانا صاحب کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے رسالہ انتباہ کے اس قول کی تردید میں ہے کہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ کی حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ سے ملاقات ثابت نہیں ہے۔اس تصنیف کی عظمت کا تفصیلی ذکر آرہا ہے۔

علاوہ ازیں کسی شیخ ارشادی کا اپنے اکثر خلفاء کا حال تحریر فرمانا یعنی ان کے حالات پر تذکرہ مرتب کرنا یقیناً یہ واقعہ تاریخ تصوف کا پہلا واقعہ ہوگا کہ پیر و مرشد اپنے اکثر خلفاء کے حالات وسوانح بذات خود ارقام فرمائیں۔ جب کہ آج تک کا طریقۂ کار یہ ہے کہ خلفاء و مریدین اپنے شیخ کے حالات وسوانح تحریر کرتے چلے آئے ہیں جیسے کہ خود ملاں جی صاحب نے اپنے مشائخ سلسلہ کے حالات میں رسالہ عین العارفین مرتب فرمادیا ہے۔

یہ صاحب رسالہ عین العارفین کی تحقیق کی ہلکی سی جھلکیاں تھیں۔

اب دوسرے مآخذ تذکرہ ناز و نیاز کا نمبر آتا ہے اس کا منقولہ شجرہ نسبی پیش کیا جا چکا ہے اب اس رسالہ میں سے کچھ اور ملاحظہ ہو۔

ا۔اسی طرح حضرت نیاز بے نیاز کو سلسلۂ نقشبندیہ میں اپنے والد ماجد اور سلسلہ قادریہ میں اپنی والدہ ماجدہ سے اجازت حاصل ہے لیکن عموماً حضرت نیاز بے نیاز کے خاندان میں سلسہ قادریہ میں بیعت اور سلسلہ چشتیہ فخریہ میں طالب کیا جاتا ہے۔

والدہ ماجدہ سے اجازت والی بات یقیناً حیران کن ہے۔حضرات مشائخ سلاسل رحمہم اللہ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ عورتوں سے سلسلہ جاری نہیں ہوتا۔ورنہ حضور بی بی سیدہ سلام اللہ علیہا، ام المومنین حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت بی بی رابعہ بصریہؒ سے زیادہ اس کام کا اہل کون ہوسکتا تھا؟۔

۲۔آپ کے زمانہ قیام دہلی کے بعض واقعات کے ذیل میں ایک واقعہ ملاحظہ ہو۔

مؤلف تذکرہ کا پھول والوں کی سیر کے میلے میں حضور قبلہ کے تشریف لے جانے اور وہاں رؤساء شہر سے حضرت مولانا صاحب کا ذکر مبارک ان الفاظ میں کرنا۔

آج ذات بابرکات مولانا مرشدنا سید فخر الدین محمد ایسی ہے کہ زمانہ سلف میں ایسی کم ہوئی ہے۔

اس واقعہ پر گفتگو کرنے سے پہلے بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پھول والوں کی سیر کی تاریخ اور شان وقوع کے بارے میں جان لیا جائے۔

بادشاہ اکبر شاہ ثانی کی منظور نظر ملکہ ممتاز محل کے بطن سے مرزا جہانگیر تھے۔ ملکہ انہیں ولی عہد بنوانا چاہتی تھیں لیکن مرزا جہانگیر اپنی بدچلنی کی وجہ سے ایک سنگین جرم میں ماخوذ ہو کر الٰہ باد میں نظر بند ہوئے ماں نے بیٹے کی واپسی پر ۱۸۱۲ء میں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پر غلاف اور پھولوں کا پنکھا چڑھا کر منت پوری کی۔ تب سے یہ میلہ وجود میں آیا۔ یہ اس میلے کی تاریخی حیثیت ہے اس روایت میں تین امور قابل غور ہیں۔

۱۔ دہلی میں حضور قبلہ کا قیام ۱۷۴۶ء سے ۱۷۶۱ء تک رہا۔ یہ بات بالکل طے شدہ ہے کہ حضور قبلہ ۱۱۷۳ھ/۱۷۶۱ء میں بریلی کے واسطے مامور کیے گئے تھے اور سنہ ۱۸۱۲ء تک بریلی شریف میں مستقل سکونت اختیار کیے ہوئے آپ کو صرف اکیاون سال یعنی نصف صدی سے زیادہ ہو چکے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر شریف کا اکتہر واں سال تھا۔ اس زمانہ میں آپ شُہرۂ آفاق یونیورسٹی چلا رہے تھے۔ جس میں سیکڑوں ریسرچ اسکالرس آپ کی نگرانی میں تحقیق کا کام کر رہے تھے۔

۲۔ حضور مولانا فخر الدین کو سید لکھنا جب کہ آپ نسباً شیخ صدیقی اور حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی اولاد مبارکہ میں سے تھے اور ہمیشہ شہابی لکھے جاتے رہے اور وہ بھی حضور قبلہ سے کہلوانا جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ اپنے آقا کے نسب سے بھی واقف نہیں تھے۔ مذکورہ عبارت کو ہم دوبارہ پڑھتے ہیں۔

آج ذات بابرکات مولانا و مرشدنا سید فخر الدین ایسی ہے کہ زمانہ سلف میں ایسی کم ہوئی ہے۔ اور حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس میلے کے وجود میں آنے (۱۸۱۲ء) سے بیالیس سال قبل حضرت مولانا صاحب مئی ۱۷۷۰ء میں وصال فرما چکے تھے۔

۳۔ ایک دوسرا عنوان ہے:۔ سورۂ فتح سے کام لینا:

شیخ غلام حسین سے منقول ہے کہ حضور قبلہ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ چھوٹی سورت قرآن شریف میں کون سی ہے؟ میں نے عرض کیا قل ہو اللہ۔ فرمایا دوسری عرض کیا انا اعطینا۔ فرمایا اور کوئی؟ میں نے کئی سورتوں کا نام لیا جب کہ اذا جاء نصر اللہ کا نام لیا۔ فرمایا اسی کو پوچھتا تھا۔۔۔

فرمایا مجھ کو اس سے کچھ کام لینا ہے۔۔۔اسی اثناء میں رام پور تشریف لے گئے۔وہاں ہزارہا آدمی شہر اور قریہ کے حاضر ہوئے اس کے بعد۔۔۔اذا جاء نصر اللہ پوچھنے کی وجہ معلوم ہوئی آپ کی مراد یدخلون فی دین اللہ افواجا سے تھی جس کے معنی ہوئے اللہ کے دین میں داخل ہوئے گروہ کے گروہ۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس سورۃ کا نام سورہ فتح نہیں ہے بلکہ سورہ فتح قرآن پاک کی چار رکوع اور ۱۲ آیات پر مشتمل خاصی طویل سورۃ ہے نہ کہ چھوٹی۔مذکورہ سورۃ کا نام النصر ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس سورہ کی شان نزول میں حضور کی رحلت کی اطلاع بتائی ہے اور یہ بھی فرمایا : کہ ہمارے گھروں میں اس سورہ کے نزول کے بعد رونا پیٹنا پڑ گیا تھا۔

خود حضور قبلہ کے معاملہ میں بھی یہی صورت تھی۔یعنی آخری مرتبہ محرم ۱۲۵۰ھ میں آپ حضرت سیدنا عبد اللہ بغدادی قادری کے عرس میں شرکت کی غرض سے رام پور حاضر ہوئے تھے۔اس کے تقریباً پونے پانچ ماہ بعد حضور قبلہ کا وصال ہو گیا۔

جہاں تک مریدین کی کثرت کی بات ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے بعد ۱۰۔۱۱ لاکھ مریدین چھوڑے۔

۴۔صاحب تذکرہ نے آپ کے آم کھانے کا تصرف نقل کیا ہے۔

مختصر یہ کہ آپ کو انبہ سے کمال درجہ ذوق تھا۔ایک روز دوپہر کے کھانے کے بعد نواب محمد خاں نائب رئیس فرخ آباد نے آنبوں کی ٹوکری بھیجی حضور نے فرمایا کہ یہ آنب آدمی کتنے کھا سکتا ہے؟ منشی علی بخش نے عرض کیا کہ چار آم۔فرمایا کہ کوئی سارا ٹوکرا آم کھالے تو کیا ہو پھر آپ نے فرمایا کہ میں خود کھالوں تو کیا ہو؟ عرض کیا کہ یہ امر غیر ممکن ہے کہ حضور ڈیڑھ روٹی تناول فرماتے ہیں۔اس قدر آنب کھانا ممکن نہیں ہے۔آپ نے ٹوکرا منگوا کر تناول فرمانا شروع کیا،اور منع کرنے کے باوجود حضور والا نے تینوں ٹوکرے آنبوں کے تمام کئے تب سب کو تشویش ہوئی کہ انجام کیا ہوگا؟ چنانچہ بعد طعام کے حضور بول غایط کو جایا کرتے تھے۔اس روز وہ عمل بھی نہیں کیا اور موقوف رہا۔

تاریخی اعتبار سے واقعہ یہ ہے کہ نواب محمد خاں بنگش بانی ریاست فرخ آباد ۱۶۶۰ء میں رشید آباد میں پیدا ہوئے اور ۱۷۴۳ء میں انتقال کیا اور اسی سنہ میں حضور قبلہ سرہند میں تولد ہوئے

اور ۱۷۴۶ء میں بہ عمر چار سال والدین کے ہمراہ دہلی آئے ۔اس صورت میں نواب محمد خاں کا حضور قبلہ کی خدمت میں آم بھیجنا کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟

دوسری بات یہ کہ نواب موصوف نے آنبوں کی ٹوکری بھیجی ۔اس کے بعد اس کا ٹوکرا ہو جانا اور پھر ایک ٹوکری سے تینوں ٹوکرے آم تمام کرنا۔

یہ سب ذوق کرامت نگاری یا کرامت بافی کے ادنی کرشمے ہیں جس کے تحت ہر محیر العقول کرشمہ ممکن ہے جس کے لئے تاریخ یا واقعہ سے مطابقت ہونا کوئی ضروری نہیں ہے۔ چلتے چلتے ایک اور تاریخی واقعہ عرض ہے جس کو صاحب عین العارفین، ناز و نیاز اور کرامت نظامیہ تینوں نے نقل کیا ہے اور بڑی حد تک مشترک ہے یہاں واقعہ کرامات نظامیہ سے نقل کیا جارہا ہے۔ حسین باغ میں عرس مولا علی، نواب حسین علی خاں بریلی کے صوبہ دار تھے اور وہ شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ایک روز ان کے ہم جلیسوں میں باہم یہ مشورہ ہوا کہ شہر کے صوفیوں کی دعوت کی جائے اور قوالی کرا کر ناچ دیکھا جائے ۔سوائے حضرت نیاز بے نیاز کے سب کے پاس دعوت کے رقعہ بھیج دیئے صوفیوں کو کسی قرینے سے معلوم ہوا کہ بہ غرض مضحکہ انہوں نے یہ تقریب کی ہے سب مل کر جناب قبلہ کے پاس آئے اور عرض کیا ہم لوگوں کی شرم اور آبرو آپ کے ہاتھ ہے آپ کا تشریف لے جانا ضروری ہے۔

اول تو آپ نے عذر کیا جب ان کا زیادہ اصرار ہوا تو آپ نے وعدہ کیا کہ میں بھی آجاؤں گا۔ چنانچہ وقت موعود پر ڈولی میں بیٹھ کر آپ بھی تشریف لے گئے اور تمام فقرا آپ کی ڈولی کے ساتھ تھے۔

مجلس کا یہ رنگ دیکھا کہ فرش بچھا ہوا ہے جس پر صوفی اور قوال بیٹھے ہیں اور لب فرش کرسیاں بچھی ہوئی ہیں جن پر صوبہ صاحب اور ان کے مصاحب بیٹھے ہیں۔آپ ڈولی سے اتر کر صوفیوں کے پاس فرش پر بیٹھ گئے ان لوگوں نے دیکھ کر کہا یہ سب کے گرو ہیں غرض کہ قوالی شروع ہوئی جب قوال نے اس شعر کی تکرار کی۔

تا نقش زمیں بود، وزماں بود، علی بود
تا صورت پیوند جہاں بود، علی بود

تو جناب قبلہ کو ایک حالت شروع ہوئی۔آپ کے گلے میں جو رومال بندھا تھا اس کو کھول کر جس وقت سیدھے ہاتھ کو ہلایا اس طرف جتنے کرسی پر بیٹھے تھے وہ کرسیوں سے فرش پر گر کر

لوٹنے لگے اور ان کی وہ بری حالت ہوئی کہ سر ٹوٹ پھوٹ گئے۔ حسین علی کے بھائی (حسن علی) جو مجلس سے باہر تھے ان کو خبر ہوئی وہ دوڑے ہوئے آئے اور حضور قبلہ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور قصور معاف کرایا۔ حضرت نے پانی منگوا کر دم کیا اور فرمایا ان کے منہ پر چھڑکو اور تھوڑا تھوڑا پلا دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ان سب کو ہوش آیا۔ آپ نے ڈولی طلب کی حسین علی خاں نے عرض کیا حضور پالکی حاضر ہے۔ غرض کہ ان کے اصرار سے آپ پالکی میں سوار ہوئے اور حسین علی اور ان کے بھائی نے پالکی کو کندھا دیا اور باوجود منع کرنے کے بازار چوک (قلعہ) تک کندھا دیتے چلے آئے وہاں سے حضرت نے ان کو واپس کیا۔

دوسرے روز جناب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اب یہاں پہلے عین العارفین کا قول نقل کیا جاتا ہے:

۱۔ دوسرے روز نواب صاحب نے بارہ گاؤں کی فرد لکھ کر جناب قبلہ کے حضور میں نذر کی آپ نے فرمایا کیا چیز ہے؟ نواب صاحب نے کہا کہ بارہ گاؤں کی زمینداری حضور کے نذر کرتا ہوں آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ فقیر کو بارہ گاؤں کہ زمینداری پر مقید نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ فقیر کی زمینداری میں ساری خدائی رہنا چاہئے یہ فرما کر وہ فرد چاک کر ڈالی اور نذر قبول نہ فرمائی۔

اسی نذر کے ضمن میں صاحب ناز و نیاز تحریر فرماتے ہیں:

۲۔ نواب لطف علی خاں نے جن کا دیوان لطف مشہور ہے بارہ گاؤں کی فہرست حضرت قبلہ کی نذر کی تھی۔ لیکن آپ نے نامنظور فرمائی۔ پھر انہوں نے جناب چچا (راز احمد) صاحب کی خدمت میں یہ نذر پیش کی بہ مشکل ان کی خاطر سے ایک سب سے چھوٹی گونٹیا منظور کی گئی۔

گونٹیا کی نذر کے سلسلے میں صاحب کرامات نظامیہ کا بیان ہے:

۳۔ دوسرے روز جناب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور موضع گونٹیا نذر میں پیش کیا جو اب تک خانقاہ شریف کے متعلق چلا آتا ہے۔

۴۔ اب خود حضور قبلہ کا جو خود صاحب معاملہ ہیں۔ بیان نقل کیا جاتا ہے یہ بیان آپ نے جون ۱۸۳۰ء میں مسٹر بولڈرسن ایس۔ ڈی۔ ایم محکمہ برائے تحقیقات خاص کے فیصلہ کے خلاف اپیل میں کلکٹر بریلی مسٹر جے۔ ڈبلو۔ میور (J.W.MUIR) کو لکھتے ہیں: ترجمہ۔ آراضی موضع بلیا

فریداپور پرگنہ کرور۔ بریلی ۔تعدادی چارسوبیگھہ پختہ (موجودہ ۱۶۰۰بیگھہ) معافی مقبوضہ موسومہ مولوی نیاز احمد ومولوی نثار علی شاہ و والد دعوے (حکیم الٰہی شاہ محمد رحمت اللہ علوی) ہم سائلان کے لئے از محرم ۱۱۷۹ھ/جون ۱۷۹۰ء عملداری نواب حافظ الملک حافظ رحمت خاں بہادر والی کٹھیر، نسلاً بعد نسلاً و بطناً بعد بطناً تھی۔

چونکہ آراضی ھذا ابرائے مصارف خانقاہ (نیازیہ) ومسجد (بی بی جی صاحبہ) و طالب علمان ومتعلقان معافی داران مرحوم ہے اس آراضی کے حق واجبی کے ثبوت میں کسی قسم کا شک نہیں ہے۔اور ہم سائلانِ استغاثہ کے پاس اپنی اور متعلقین کی گذر بسر کے لئے کوئی جائداد نہیں ہے صرف یہی زاد اوقات بسری ہے۔

حضور قبلہ کے اس بیان کے بعد قارئین خود فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ مذکورہ بالا تینوں تذکروں کے بیانات کتنے قابل وثوق ہو سکتے ہیں؟ مؤلف حملہ صفدری نے تذکرہ ناز و نیاز کے بیان پر کئی اعتراضات وارد کئے ہیں تو جوابی کتابچہ ذوالفقار علی میں یہ جواب دیا گیا ہے؛ ممکن ہے کہ حضرت (شاہ نصیر الدین حسین قدس سرہ) نے حسن علی خاں سے فرمایا ہو اور میں نے لطف علی خاں سمجھا ہو۔

اسی طرح کا عذر دوسرے بیانات کے لئے بھی کیا جا سکتا ہے۔

(حسین علی خاں ۔امیر الدولہ حیدر بیگ خاں نائب ملک (۱۷۷۷ء-۱۷۹۵ء) کی اصلی بیوی کی اولاد ہے) تاریخ آصفی جلد اول صفحہ ۱۱۲۔ابو طاہر اصفہانی۔

موصوف کا بریلی میں بہ حیثیت صوبہ دار ۱۷۹۳ء میں تقرر ہوا اور سعادت علی خاں کے معاہدہ مابین کمپنی بہادر واقعہ بنارس مورخہ نومبر ۱۸۰۱ء تک بریلی کا چارج انہیں کے پاس رہا۔ موصوف شاعر بھی تھے اثر تخلص تھا استاد ناسخ کے شاگرد ہیں۔ شعر خوب کہتے ہیں۔ صاحب دیوان ومثنوی گذرے۔

اب تیسرا ماخذ کرامات نظامیہ ہے۔ مؤلف تحریر فرماتے ہیں کہ کرامات نظامیہ (تذکرہ) ناز و نیاز کا تکملہ ہے۔

اس کا بھی انداز مذکورہ بالا دونوں تذکروں سے مختلف نہیں ہے یہ کتاب ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کے نام سے ہی یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کتاب تاریخ وتذکرہ نہیں ہے بلکہ مجموعۂ کرامات ہے۔اس میں تاریخی واقعات یا حقایق تلاش کرنا ہی بے سود ہے۔ خود حضرت

مؤلف کا بیان اس کی وجہ تالیف پر اچھی روشنی ڈالتا ہے۔

قطعہ نظر اس کے ہم کو ان تاریخوں اور عمروں سے کچھ بحث نہیں۔ مقصود کے ضمن میں تبعاً ان کا بھی ذکر آ گیا ہے ورنہ اصل مقصود ہمارا یہ ہے کہ صحیح صحیح اپنے شیخ کے فضائل اور کمال بیان کر کے عقیدت مندوں کو باغ باغ کر دیں ان میں تاریخوں کا ہونا نہ ہونا ہمارے مقصود کو مخل نہیں۔

اس بیان کے بعد تاریخی سوانح کی توقع رکھنا بے سود۔ اس پر لکھنا کارے دارد اور اس کے بیانات کو تاریخ کی روشنی میں پرکھنا یا خدانخواستہ انگشت نمائی یا نشان دہی کرنا فعل عبث ہے پھر بھی جراءت کی جا رہی ہے نتیجہ معلوم ہے۔

ا۔ چند صفحات کے بعد مختصر حالات حضرت تاج الاولیاء قدس سرہ العزیز کے جد امجد کے ذیل میں وہ لکھتے ہیں کہ:

جب آپ دہلی تشریف لائے تو بادشاہ (نادر شاہ درانی) نے آپ کے لئے منصب قضا کا تجویز کیا۔ آپ کو اس (منصب) سے اشکراہ تھا۔ بعد اصرار بسیار آپ نے قبول کیا۔ نادر شاہ نے قوم پوچھی آپ نے سید علوی بیان کیا۔ بادشاہ نے سند چاہی فرمایا روپیہ پیسہ مکانات کاغذات سب سرہند میں چھوڑ آیا جو ضائع ہو گئے۔ اگر تحقیق منظور ہو تو ہماری بستی اندی جان (ازبکستان) آدمی بھیج دیا جائے وہاں سے تحقیق ہو جائے گی۔ چنانچہ وہاں آدمی بھیجا گیا۔ اور وہاں سے شجرہ حسبی اور نسبی بہ مواہیر عمایدِ شہر اور بہ مہر بادشاہ وقت مرتب ہو کر آیا۔ اور وہ (مصدقہ شجرہ) غدر ۱۸۵۷ء تک موجود تھا۔ غدر میں کتب خانہ کے ساتھ وہ بھی تلف ہو گیا۔

اب مذکورہ بالا واقعہ کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

نادر شاہ نے (ماہ جمادی الاول ۱۱۵۲ھ/اگست ۱۷۳۹ء) میں کرنال کے میدان میں مغلیہ فوج کو ہرا کر دہلی کا رخ کیا وہاں اس نے بزن بول دیا (Martial Law) دم کے دم میں ہزارہا آدمی تلوار کے گھاٹ اتار دئے گئے۔ شہریوں کو لوٹا گیا۔ تمام شاہی خزانہ مع تخت طاؤس ہمراہ لے گیا۔ اس طرح ستاون (۵۷) روز قیام کر کے ملک فارس کو واپس گیا۔

اس طویل واقعہ کے بیان کرنے کا حاصل یہ تھا کہ یہ حضرات ۱۱۶۰ھ/۱۷۴۶ء میں سرہند سے دہلی پہنچے تھے اور نادر شاہ اگست ۱۷۳۹ء میں حملہ آور ہوا تھا اور اس کو ہندوستان سے

اپنے وطن ملک فارس واپس گئے ہوئے صرف سات سال گذر چکے تھے۔

دوسری بات یہ کہ نادر شاہ بہ حیثیت حملہ آور اور لٹیرا ہندوستان آیا تھا اور اسنے وہی کیا جو اس کا پروگرام تھا۔ وہ دہلی میں حکمرانی کرنے کے خیال سے قطعی نہیں آیا تھا۔ لہذا اس نے ہندوستان کے نظم ونسق میں بھی کبھی دخل نہیں دیا۔ اور نہ کسی دن وہ بادشاہ بن کر بیٹھا پھر کس طرح اس نے عہدوں اور مناصب کی تقسیم کی۔ اس کو لوٹ کھوند سے کہاں فرصت تھی کہ یہاں کے قاضی القضات (Chief Justice) کے سب سے عظیم وحساس عہدہ کے لئے قاضی القضات کا نام تجویز کرتا اور موصوف کے حسب ونسب کی تصدیق کے لئے اتنے دور ودراز ملک ترکستان کو اپنا نمایندہ وہاں کے بادشاہ اور عمائدین شہر کے پاس بھیج کر اس کی ترکستان سے واپسی کا انتظار کرتا اور ان کا مصدقہ شجرہ دیکھ کر انہیں قاضی القضات متعین کرتا۔

۲۔ ایک اور واقعہ بیعت سید حسین شاہؒ۔ آپ حضرت تاج الاولیاء کے اول مرید و اول خلیفہ مدراس کے رہنے والے۔ یہاں بریلی آ کر سنا کہ ایک چھوٹے صاحبزادہ آج چلہ سے باہر آنے والے ہیں اور خانقاہ کے لوگ ان کی پیشوائی اور لینے کو جاتے ہیں۔ ان سب کے ہمراہ یہ بھی گئے۔ حسب اتفاق سب سے پہلے حضرت حسین شاہؒ نے السلام علیکم کہا حضرت (تاج الاولیاء) نے جواب دیا۔ شاہ جی کی طرف ایک نظر سے دیکھا۔ ایک ہی نظر میں شاہ جی لوٹ پوٹ ہو گئے بعد افاقہ بہ ہمراہی حضرت قدس سرہ خانقاہ میں آئے اور اسی روز حضرت کے ہاتھ پر بیعت کی۔

دوسری جگہ مؤلف لکھتے ہیں کہ بعد چلہ کشی کے حضرت (قبلہ) نے ارشاد فرمایا کہ میاں! چلّے تو تم کرتے ہو تھوڑی سی محنت سے خاندانی وظائف کی بھی زکوٰۃ دے دو تو بہتر ہے۔ حسب ارشاد پہلے حزب البحر کی زکوٰۃ (ماہ صفر میں) دی۔ دوسری حرزیمانی کی زکوٰۃ کا قصد کیا اور سامان مہیا کیا۔ حضور قبلہ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی زکوٰۃ تم کو بخشتا ہوں چونکہ سامان چلہ تیار تھا۔۔۔ چلۂ اشغال کیا۔

حضور قبلہ نے فرمایا کہ میاں! عمر تمہاری تیرہ برس کی ہونے آئی اب مناسب ہے کہ سلسلہ عالیہ میں داخل ہو جاؤ چنانچہ حضور قبلہ علیحدہ لے گئے اور بیعت کیا یہ واقعہ چلہ کرانے کے دو سال بعد کا ہے۔ گویا حضرت تاج الاولیاء نے خود مرید ہونے سے دو سال پہلے شاہ جی کو بیعت کر لیا تھا۔ جب کہ آپ پندرہ سال کی عمر میں (۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء) میں مرید کرنے کے مجاز ہوئے تھے۔

۳۔واقعہ توجہ بعد وصال حضور قبلہ۔حضرت تاج الاولیاء کا رویہ نقل کیا ہے۔جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے تمام خلفاء اور مریدین کو یک جا کیا اور حکم دیا کہ تم سب مل کر میرے اوپر توجہ دیا کرو۔
سبحان اللہ ! کتنا ظرف عالی تھا کہ ایسے بڑے بڑے مثل ۱۔اسد اللہ بیگ؄ ۲۔مخدوم عبدالشہید؄ ۳۔میر محمد سمیع ۴۔مولوی عبداللطیف ،جن کی ہر ایک نگاہ میں وقت خاص میں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ آدمی ایک دم سے گر گئے مگر مجموعی ان کی توجہ بھی تن واحد حضرت تاج الاولیاء کو کبھی جنبش نہ دے سکی اور یہ سلسلہ سات سال متواتر چلا۔
اس روایت سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہوگئی کہ حضور قبلہ کے وصال فرمانے کے سات سال بعد تک امام السالکین میر محمد سمیع بدخشانی حیات ہیں۔لیکن آگے چل کر ان کی خلافت کی بابت یہ تحریر فرمایا ہے کہ اسی طرح مولوی عبیداللہ صاحب ،مولوی محمد سمیع کے مرید تھے اور خلافت حضرت تاج الاولیاء نے عطا فرمائی تھی اور اس کی وضاحت میں مولوی صاحب رسالہ صمصام حیدر میں لکھتے ہیں کہ:
مولوی عبیداللہ صاحب مولوی عبدالسمیع (کذا) سے تعلیم پاکر قابل خلافت ہو گئے تھے مگر ان کو موقع جناب قبلہ میں پیش کرنے کا نہیں ملا کہ انتقال کر گئے۔اگر زندہ ہوتے تو جناب قبلہ انہیں سے خلافت دلواتے اور وہ مولوی محمد سمیع صاحب کے خلیفہ کہلاتے۔پس جناب قبلہ نے خود خلیفہ نہیں کیا بلکہ خلیفہ کے تعلیم یافتہ (مولوی عبیداللہ صاحب) کو اپنے خلیفہ اور جانشین شاہ نظام الدین حسین سے ان کو خلافت دلوائی۔
مؤلف کرامات نظامیہ نے اپنی مزید تائید میں رسالہ حملہ صفدری میں حضرت مولوی عبیداللہ شاہ صاحب کے قادریہ و چشتیہ شجرے نقل کئے ہیں اور ان منقولہ شجروں سے مولوی صاحب کے پہلے بیان و منقولہ کرامات نظامیہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت میر محمد سمیع صاحب حضور قبلہ کے بعد بھی (سات سال تک) حیات تھے اور دوسرے بیان کی تردید ہوتی ہے کہ میر محمد سمیع صاحب حضور قبلہ کے سامنے انتقال کر گئے تھے اس لئے بدرجۂ مجبوری اپنے خلیفہ و جانشین سے خلافت دلوائی تھی۔مولوی صاحب کے شجروں کی عبارت یہ ہے:
قادریہ:۱۔الٰہی بحرمت راز و نیاز مولانا و مرشدنا قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد قادری رضی اللہ عنہ۔

۲۔الٰہی بحرمت راز و نیاز مولانا و مخدومنا میر محمد سمیع بدخشانی سلمہ اللہ من بندہ گنہگار عبید اللہ را بہ ہمراہی صاحب زادہ عاقبت بخیر گرداں۔آمین ثم آمین۔

چشتیہ:۱۔حضرت مولانا قطب عالم مدار اعظم نیاز بے نیاز غریب نواز شاہ نیاز احمد چشتی رضی اللہ عنہ۔

۲۔وحضرت میر محمد سمیع سلمہ اللہ تعالےٰ۔

من بندہ گنہگار امیدوار رحمت پروردگار عبید اللہ را بہ ہمراہ صاحبزادہ عاقبت بخیر گرداں۔آمین ثم آمین۔

قادریہ وچشتیہ کے مبارک شجروں کی نقل سے بھی بہ یک وقت مولوی صاحب کے تینوں داعیوں کی تردید ہو جاتی ہے۔

۱۔یعنی اس دور میں حضور قبلہ وصال فرما چکے ہیں اور رضی اللہ عنہ کے درجہ میں آچکے ہیں۔

۲۔حضرت میر محمد سمیع بدخشانی حضور قبلہ کے وصال فرمانے کے بعد بھی حیات ہیں اور سلمہ اللہ تعالےٰ ہی تحریر کئے جا رہے ہیں۔

۳۔حضرت تاج الاولیاء اب بھی ان کی نظر میں محض صاحبزادہ ہیں۔مولوی صاحب اپنے شیخ بیعت حضرت میر محمد سمیع کے نام نامی کے ساتھ حضرت مولانا مخدومنا میر محمد سمیع بدخشانی سلمہ اللہ تعالے اور شیخ ارشادی کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ مولانا و مرشدنا نیاز بے نیاز شاہ نیاز احمد قادری رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں اور صاحبزادہ کے لئے کسی سابقہ حضرت مولانا و مرشدنا یا لاحقہ سلمہ اللہ تعالے لکھنے کا اہتمام نہیں فرماتے بلکہ محض صاحبزادہ ہی لکھنا کافی سمجھتے ہیں۔

اور صاحبزادہ اس لئے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت موصوف مولوی صاحب کی چالیس سالہ کوششوں کا ماحصل ہیں۔

۴۔ایک اور تاریخی واقعہ نقل فرمایا ہے:

پیر بھائیوں میں سے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ غدر (۱۸۵۷ء) میں حضرت (تاج الاولیاء) دہلی میں کالے صاحب (حضرت شاہ نصیر الدین نبیرۂ حضرت مولانا فخر صاحب) کے مکان پر تشریف رکھتے تھے۔بہادر شاہ بادشاہ کو حضرت کے قیام کی خبر ہوئی انہوں نے حضرت کی دعوت کے لئے کہلا بھیجا آپ نے انکار فرمادیا کہ میں مہمان صاحبزادہ صاحب کا ہوں۔دوسرے کی دعوت

قبول نہیں کر سکتا۔ بہادر شاہ نے صاحبزادہ سے فرمایا کہ حضرت سے ہماری دعوت قبول کرادیجیے۔ صاحبزادہ نے فرمایا کہ آپ اہتمام کرائیے میں دعوت منظور کرادوں گا۔

ان بیانات مبارکہ کے بعد یہ بھی یادرہے کہ حضرت شاہ نصیرالدینؒ کالے صاحب کا وصال غدر ۱۸۵۷ء سے تقریباً پونے گیارہ سال قبل (پنجشنبہ ۱۵ صفر ۱۲۶۲ھ / ۱۲ فروری ۱۸۴۶ء) کو ہو چکا تھا۔

ع۔ ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیے

انہی مذکورہ تذکروں کے نوسو ۹۰۰ صفحات کے انبار میں سے قاری اور محقق کو تاریخی وسوانحی واقعات کو کسوٹی پر پرکھ کر مرتب کرنا ہیں۔

تذکرہ کرامات نظامیہ مطبوعہ اکتوبر ۱۹۱۶ء کی اشاعت کے بعد سے سلسلہ نیازیہ کے وابستگان میں مباحث کا سلسلہ شروع ہو گیا یہ صاحبان برابر ردوقدح میں شرکت کرتے رہے اس دوران ناگوار بحثیں اور تلخیاں بھی سامنے آئیں جو کہ تقریباً پونے چار سال تک جاری رہیں۔ اس میں پانچ کتابیں اصلی اور پانچ کتابیں ذیلی کل دس کتابیں منصہ شہود پر آئیں۔ لیکن ان سب کے باوجود نئی معلومات بھی سامنے آئیں۔ الحمدللہ یہ ناخوشگوار سلسلہ ۱۹۲۰ء میں ختم ہوا۔

ان سب کے باوجود راقم کی جہاں تک رسائی ہوئی وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔ راقم کی یہ کوشش ہے جب کہ یہ کوئی قول فیصل یا حرف آخر نہیں ہے راقم کو یقین کامل ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ دوسرے لوگ آئیں گے اور نئی نئی تحقیقات سامنے آئیں گی حاشا وکلا یہاں مقصود ان تذکروں کے محض معائب دکھانا اور مؤلفین کی تضحیک منظور نہیں تھی بلکہ اس دشوار راستہ میں اپنی مجبوریاں پیش کرنا تھیں جن سے قارئین کرام قدرے واقف ہو گئے ہوں گے ان حضرات مؤلفین نے اتنے صفحات میں بیشتر واقعات کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اگر یہ قیمتی اثاثہ ہم تک نہیں پہنچتا تو ان اطلاعات سے بھی محرومی ہوتی۔

لہٰذا تمام نیازیوں کو ان چاروں مؤلفین کا ممنون احسان ہونا چاہئے جن کی بدولت آج ہم کچھ کہہ سکنے کی حالت میں ہیں۔ ان حضرات کے اسماء درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت ملاں جی شاہ عنایت حسن خاں صاحب نصیری نیازیؒ سجادہ نشین اول خانقاہ عالم پناہ، بدایوں۔

۲۔حضرت خلیفہ شاہ نصیر الزماں خانصاحب نصیری نیازیؒ سجادہ نشین دوم خانقاہ عالم پناہ بدایوں۔

۳۔حضرت مولوی سید محمد فائق صاحب واسطی نیازیؒ صاحب ولایت ملک مالوہ (مدھیہ پردیش، بھارت)۔

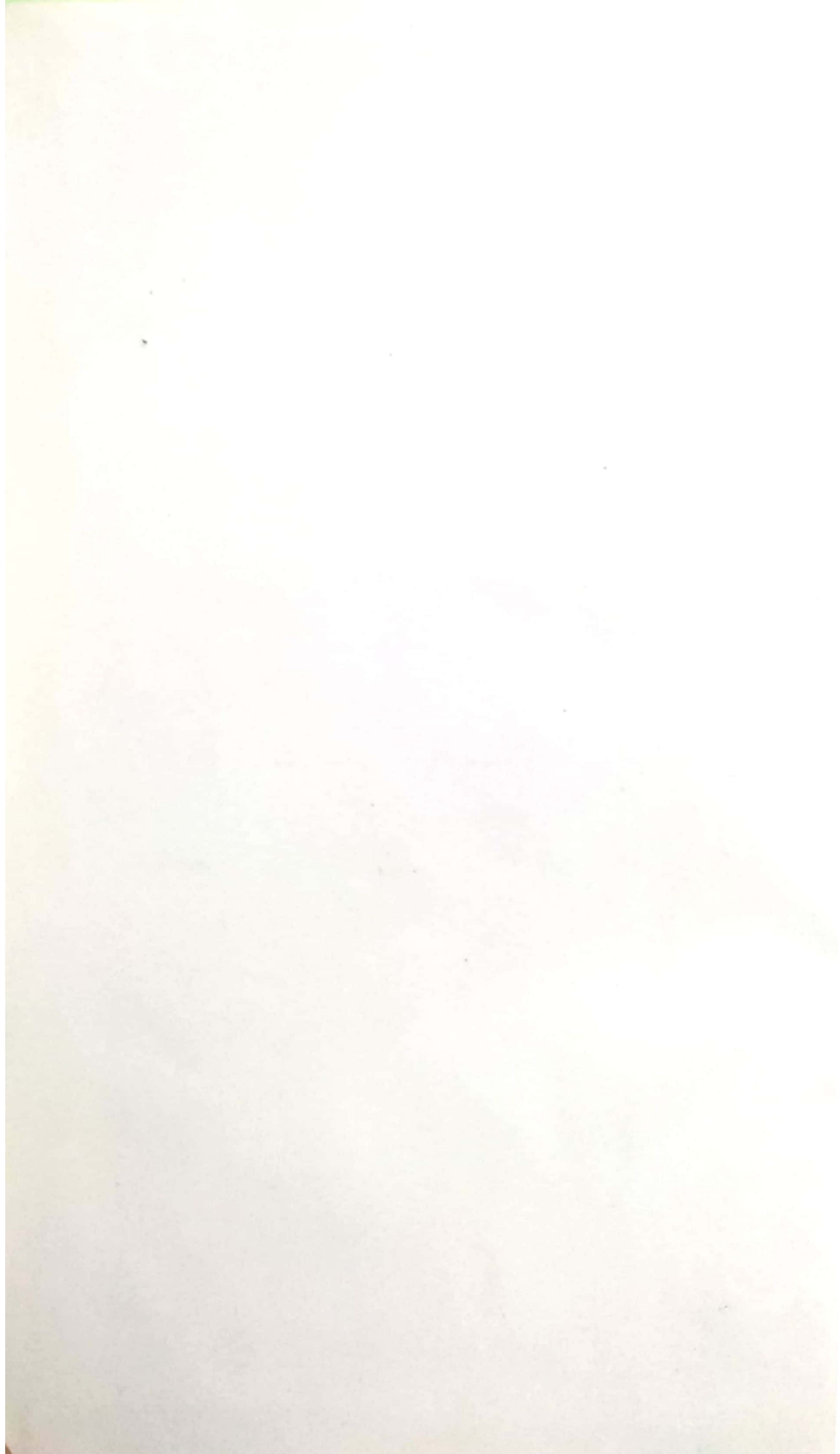
۴۔جناب مولوی عبدالرحیم جعفری زینبی مچھلی شہری۔

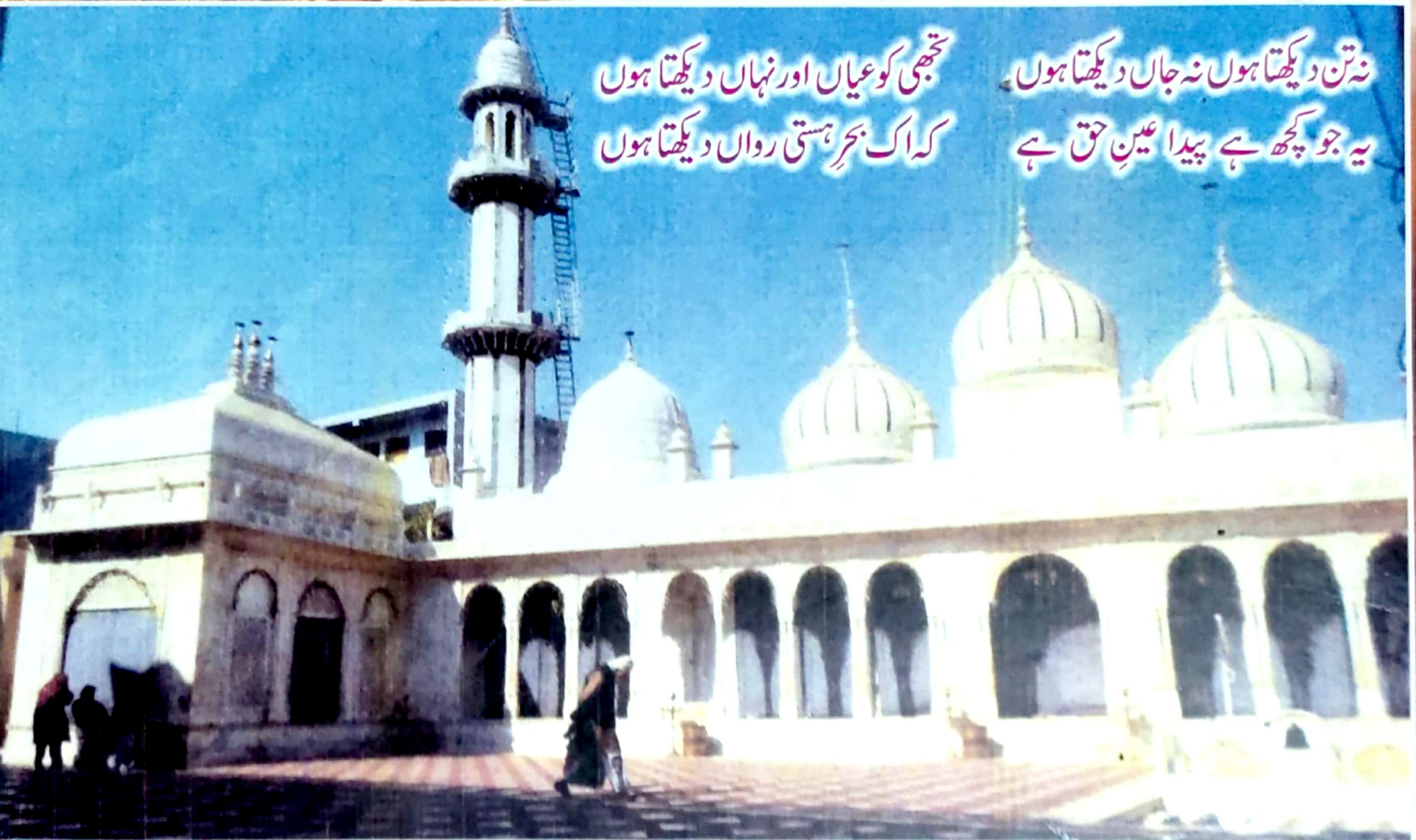
منابع اور مآخذ کی صورت حال آپ کے سامنے ہے۔اس کتاب کی تیاری میں یہ کوشش برابر رہی ہے کہ عقیدت کے جوش میں کوئی مجہول اور غیر ثقہ روایت نہ لی جائے ہر روایت کے ردو قبول میں تنقید و تحقیق کو حتی الامکان مقدم رکھا ہے۔معاصر و مابعد کے تذکروں میں سے وہی روایات لی گئی ہیں جو کہ نقد و بصر کی کسوٹی پر کھری اتری ہیں اور وہ روایات ترک کردی ہیں جو افسانوی اور توہم خیز ماحول کی تخلیق محض ہیں اور جن کا مقصود شیخ کے کمالات و فضائل بیان کر کے عقیدت مندوں کو باغ باغ کر دینا ہے۔ان میں تاریخوں کا (یا تاریخی اعتبار سے واقعی ہونا) نہ ہونا مقصود کو مخل نہیں۔

جو روایات تاریخ کے اعتبار سے پوری نہیں اترتیں، خواہ وہ کتنے ہی ثقہ راویوں سے نقل کی گئی ہوں ثقہ راویوں کے نام سے نقل کرتے وقت ناقل کے مبلغ علم اور معیار کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے کہ کس حد تک وہ ناقل خود روایت نقل کرنے کی اہلیت کا حامل ہے۔



M. K. PRINTERS. 9810093901, DELHI-6.




نہ تن دیکھتا ہوں نہ جاں دیکھتا ہوں
تجھی کو عیاں اور نہاں دیکھتا ہوں
یہ جو کچھ ہے پیدا عینِ حق ہے
کہ اک بحرِ ہستی رواں دیکھتا ہوں